هُدًى لِّلنَّاسِ وَالْفُرْقَانِ

انوار الفرقان

تفسیر فی اسرار القران

جلد سوم

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد محفوظ ہیں۔ کسی ادارے یا ادارہ کو مصنف سے تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے یا الیکٹرانک طریقہ سے منتقل کرنے کی اجازت نہیں۔

کتاب:	انوار الفرقان، تفسیر اسرار القران۔ (دور حاضر کے انسانی مسائل کا حل قران مجید کے ذریعے) جلد دوم۔
مصنف:	ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد۔
پبلشر وزیر انتظام:	الحفیظ ویلفئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) اسلام آباد۔
پہلا ایڈیشن:	اگست ۲۰۲۴۔
پرنٹر:	
ایڈریس:	ہاؤس نمبر ۲، لین نمبر ۱۷، سیکٹر ایچ۔ ڈی۔ ایچ، اے، فیز ۲، اسلام آباد۔
ای میل:	drmharshad@gmail.com
ویب سائٹ:	www.alhafeeztrust.org

ISBN: 978-969-8478-6

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم النبیین ۔ رحمت اللعالمین
صاحب کتاب ۔ سرور کائنات

کے نام

جن پر کروڑوں اربوں درود اور سلام

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہْ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہْ

اے اللہ مجھ پر حق کی حقانیت واضح کر اور اس کی اتباع عطا فرما
اے اللہ مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور اس سے مجھے بچنا عطا فرما

مصنف کا تعارف

مصنفِ تفسیر، ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد ضلع چکوال کی اعوان فیملی میں اُنیس سو اڑ تالیس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علاقہ میں علمی اور روحانی لحاظ سے مشہور تھا۔ آپ کے بزرگوں (جد امجد) میں حضرت شیخ الحدیث قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ میں دین کی خدمت کے لیے مشہور تھے۔ آپ نے تکمیل علوم اور تدریس حدیث کی اجازت، حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۲۹۶ ھجری میں حاصل کی اور اپنے علاقہ میں دین کی خدمت میں تادم حیات مصروف رہے۔ آپ کے شاگردوں میں مقامی طلباء کے علاوہ اٹک، میانوالی اور گجرات کے جید علماء شامل تھے۔ آپکی تصانیف میں تعلیل صرفیہ، بدریہ، شرح فوایدصمدیہ، حاشیہ ہدایہ، حاشیہ مشکواتہ المصابیح ہیں۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی کے فتنہ انکار حدیث کا بڑی شدت سے دفاع کیا۔ جس کے نتیجہ میں مولوی عبد اللہ کو اپنا گاؤں چھوڑنا پڑا۔ آپ حضرت خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا ذکر" ملفوظات سراجیہ"میں ہے۔ مصنف کے دادا مولانا قاضی کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حفظ قران کے بعد دینی تعلیم شیخ الحدیث مولانا قمر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ آپ شیخ الحدیث کے نہ صرف عزیز تھے، بلکہ داماد اور آپکی وفات کے بعد خلف الرشید بھی بنے۔ ساری عمر اپنے دار لعلوم میں تدریس و تبلیغ میں صرف کر دی۔ علاقہ کے اکثر علماء نے آپ سے تعلیم حاصل کی اور آپ بھی خواجہ سراج الدین نقشبندی مجددی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا بھی ذکر ملفوظات سراجیہ میں تحریر ہے۔ مصنف کے والد محمد نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے، حفظ قران اور ابتدائی تعلیم، اپنے دار لعلوم سے حاصل کی، میٹرک کا امتحان مقامی ہائی سکول سے پاس کیا، پھر تکمیل علوم دینیہ کے لئے پاک و ہند کی سب سے بڑے دار لعلوم دیوبند (یو۔پی) تشریف لے گئے اور امتیاز کے ساتھ سند فراغت شعبان المعظم ۱۳۶۵ ھجری میں حاصل کی۔ فاضل علوم شرقیہ (اردو، فارسی، عربی) کے امتحان پاس کیے۔ پاکستان بننے کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے منسلک ہو گئے۔ پنجاب یونورسٹی میں جب شعبہ اسلامیات شروع ہوا تو بطور معلم شعبہ فقہ میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۶۱ ھجری میں والدہ کی وفات کے بعد، والد کی خدمت کے کیے لئے ملازمت کو خیر آباد کہہ کر گھر آ گئے اور ۱۹۶۴ ھجری میں اس دار فانی کو الوداع کہا۔ انیتس عدد، مختلف اسلامی موضوعات پر تصانیف چھوڑیں۔

ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد، نے میٹرک پاس کرنے کے بعد خاندانی روایات کے مطابق اسلامی تعلیم کے لیے دارالعلوم جامعہ محمدیہ، محمدی شریف ضلع جھنگ میں داخلہ لیا۔ یہ دارالعلوم، مولانا محمد ذاکر مرحوم کے زیر اہتمام تھا۔ مولانا محمد ذاکر مرحوم اور انکے چھوٹے بھائی مولانا محمد نافع مرحوم (مصنف، رحماء بین ھم)، دونوں آپکے والد مرحوم کے ساتھ دالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہے تھے۔ مولانا محمد ذاکر مرحوم نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی عملی سیاست میں سرگرم اور قانون ساز اسمبلیوں کے ممبر رہے۔ آپ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ اپنے ادارہ (اس دارالعلوم) کو اسلامی یونیورسٹی بنانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن وہ پورا نہ ہو سکا۔ مصنف نے درس نظامی جامعہ محمدیہ شریف سے مکمل کیا۔ اس وقت فاضل عربی کا امتحان سرکاری طور پر ہوتا تھا، جس میں لاہور بورڈ سے ۱۹۶۶ میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ دینی تعلیم کے بعد، بی اے معاشیات، ایم اے اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ روزگار کے لیے خطابت و امامت کے بجائے اکاؤنٹنگ کی تعلیم حاصل کی۔ کاسٹ اکاؤنٹ میں امتحانات پاس کرنے کے بعد شعبہ اکاؤنٹ میں ملازمت شروع کر دی۔ طویل عرصہ تک ایک بین الاقوامی پٹرولیم سروس کمپنی (بیکر ھیوج) میں لیبیا (شمالی افریقہ) اور مغربی یورپ میں کام کیا۔ شمالی امریکہ سے ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس دوران شمالی امریکہ، افریقہ، ایشیا، یورپ میں سفر کا وسیع موقع ملا۔ جس کی وجہ سے مختلف افراد، تمدن اور مذاہب سے آگاہی حاصل ہوئی۔ ۱۹۹۵ میں کمپنی سے ریٹائرمنٹ لے لی۔ پاکستان آکر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اسلامک بینکنگ پر تحقیق کی، جس کے نتیجہ میں ایک کتاب فنانسنگ ان اسلام اوپریشنل اپروچ، انگلش زبان میں تحریر کی۔ پھر اس کا ترجمہ اردو میں اسلامی مالیاتی طریقہ کار، کے نام سے کیا۔ جسے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی دعوتہ اکیڈمی نے شائع کیا۔ رضاکارانہ طور پر اسلامی تبلیغ اور تدریس پاکستان اور یو۔ کے (برطانیہ) میں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک فلاحی ادارے کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ تفسیر بھی جذبہ خدمت دین و فلاح خلق کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی کے حضور التجا ہے کی اسے قبول فرما کر مخلوق کے لئے فائدہ مند اور مصنف کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فہرست مضامین

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	سورۃ الرعد		
.2	تعارف		
.3	اللہ کی صفات	2	
.4	پہاڑ، زمین، رات و دن، جوڑے	4	
.5	امور کائنات کیسے؟ عمل کی ضرورت	11	
.6	کڑک، بادل	13	
.7	موجودات کا سجدہ	16	
.8	اللہ کے پسندیدہ افراد، صفات کا محرک	24	
.9	صرف نسب اہم نہیں	24	
.10	رزق اور اعمال	26	
.11	اختیار اور عمل، اللہ کی یاد	29	
.12	عائلی زندگی کی اہمیت	38	
.13	تقدیر	39	
.14	اعمال صالحہ کی برکت	39	
.15	سورۃ ابراہیم		
.16	تعارف		
.17	روشنی کا معاشرہ	1	
.18	اللہ سے دوری کیوں؟	3	
.19	ٹیڑھا پن	3	
.20	شکر اور انسانی صحت	7	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.21	کامیاب اور ناکام کون	14	
.22	راکھ کا ڈھیر	18	
.23	اندھی پیروی کا انجام	22	
.24	پھل دار درخت	24	
.25	اللہ کے فضل کا بدل	31	
.26	سورۃ الحجر		
.27	تعارف		
.28	چودھواں پارہ		
.29	آرزؤں کا تجزیہ	3	
.30	انکار کا سبب	15/14	
.31	اجرام فلکی	16	
.32	شہاب ثاقب	18/17	
.33	وجود انسان	28/26	
.34	راکھ کا ڈھیر	18	
.35	اندھی پیروی کا انجام	22	
.36	پھل دار درخت	24	
.37	اللہ کے فضل کا بدل	31	
.38	سورۃ النحل		
.39	تعارف		
.40	اسرار کائنات	3،4،5	
.41	اختیار اور آزادی	16	
.42	سمندر	14	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
43.	دنیا کے رنگ	13	
44.	نیکی اور برائی پھلانا	25	
45.	متقین کی خصوصیات	30	
46.	احکام کا پہنچانا اور ہدایت پانا	36،37	
47.	روشنی اور سایہ	48	
48.	اجرام و اجسام کی تابعداری	50	
49.	اللہ کا خوف یا دنیا کا	52	
50.	شیطانی رواج و خیالات	58	
51.	تربیت اولاد	59	
52.	دودھ، کھجور اور انگور	66،67	
53.	شہد کی مکھی (النحل)	68	
54.	شہد اور شفا	69	
55.	مسلم اور غیر مسلم کا کردار	76	
56.	مبلغ کا فرض	82	
57.	راہنمائی کا اجر	88	
58.	عدل	90	
59.	احسان	90	
60.	صلہ رحمی	90	
61.	فحاشی	90	
62.	عہد ایک آزمائش	91	
63.	مذہبی اختلاف کا فیصلہ	92	
64.	عہد کی پابندی	94	
65.	اختلاف مذاہب میں تشدد	93	
66.	انسانوں میں مساوات	97	
67.	نیک اعمال اور پاکیزہ زندگی	97	
68.	احکام الٰہی کی اہمیت	98	
69.	شیطان کے حملے سے بچنے کا طریقہ	98	
70.	احکام میں تبدیلی	101	
71.	ہدایت کے لئے کوشش	104	
72.	انسانی جان کے لئے حفاظت	106	
73.	معاشی اور معاشرتی بدحالی کے اسباب	112	
74.	پاک رزق	114	
75.	ارادہ اور غیر ارادہ کا فرق	119	
76.	دعوت و تبلیغ کے اعلیٰ اصول	125	
77.	بدلہ کا معیار	126	
78.	سورۃ بنی اسرائیل		
79.	تعارف		
80.	تعارف		
81.	واقعہ معراج	1	
82.	مکاشفات معراج	1	
83.	قانون مکافات	8	
84.	انسانی اختیار	15	
85.	معذور لا علم	15	
86.	امراء کے اثرات	16	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.87	والدین کے حقوق	23	
.88	مستحق افراد	26	
.89	اعتدال پسندی	27	
.90	فحاشی	32	
.91	احکام کا خلاصہ	35	
.92	نباتات و جمادات	44	
.93	حاجت کا مقصد اور انداز	53	
.94	شیطان کے وار	64	
.95	اللہ کے خاص بندے	65	
.96	امراض سے شفاء	82	
.97	تشدد منع ہے۔	84	
.98	مقام اشیا	93	
.99	بخل	100	
.100	سورۃ کہف		
.101	تعارف		
.102	دنیا کی رنگینی	7	
.103	رسول کا انداز حیات	8	
.104	اصحاب کہف	9	
.105	نیند اور حواس	9	
.106	تنہائی بمقابلہ گروپ	13	
.107	فقراء کی اہمیت	31	
.108	بارش اور نباتات	45	
.109	اعمال صالحہ	46	
.110	قناعت	46	
.111	ہدایت اور انسانی نفسیات	58	
.112	بندہ علم و حکمت	65	
.113	خاص علم	68	
.114	شریعت، طریقت، حقیقت	70	
.115	اصحاب علم، ظاہر و باطن	82	
.116	ذوالقرنین کی مہمات	88 تا 90	
.117	یاجوج ماجوج	98	
.118	قدیم علوم	98	
.119	اللہ کے کمالات	109	
.120	عظمت نبی	110	
.121	سورۃ مریم		
.122	تعارف		
.123	اندازِ دعا	4	
.124	انبیاء کی وراثت	6	
.125	منت اور انسانی سہولت	26	
.126	تبلیغ اور احترام آدمی	50	
.127	ادریس علیہ السلام	56	
.128	انبیاء اور علوم	56	
.129	فرائض نبوت	58	
.130	عذاب کن کے لئے	59	
.131	انعام کن کے لئے	60	
.132	جنت کی زندگی	61	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
133.	دوبارہ زندگی اور جہنم سے گذرنا	68	
134.	برے اعمال کا سبب	82	
135.	اطاعت و محبت کا قیام	96	
136.	سورۃ طٰہٰ		
137.	تعارف		
138.	خوف کا سبب	03	
139.	ایمان	04	
140.	ادب	12	
141.	اہتمام عمل	14	
142.	قیامت کیوں	15	
143.	معاون (مددگار)	29	
144.	انداز دعا	33	
145.	الہام اور وحی	38	
146.	نرم گفتگو اور تبلیغ	44	
147.	خدا کی عظمت	50	
148.	جادو	66	
149.	ایمان اور یقین	72	
150.	دریا/پانی کا پھٹ جانا	77	
151.	حکمران کی گمراہی	79	
152.	سامری	85	
153.	سربراہ کی ذمہ داری	84	
154.	قرآن سے منہ موڑنا	100	
155.	عدل	110	
156.	علم کی اہمیت	114	
157.	جنت کی زندگی	118	
158.	شیطانی خیالات و سراب	120	
159.	انسان کا نزول ارضی	123	
160.	معاشرت و معاش کی اہمیت	124	
161.	عقل کی ضرورت	125	
162.	سزا میں مہلت	129	
163.	قناعت	131	
164.	عظیم لیڈر	132	
165.	سورۃ الانبیاء		
166.	تعارف		
167.	مرد ہی نبی کیوں؟	7	
168.	غیر مادی اجسام (فرشتے)	8	
169.	حق کی تلاش	10	
170.	نظام شمسی	16	
171.	باطل پر ضرب	18	
172.	تخلیق کائنات و حیات	30	
173.	موت	35	
174.	زندگی کا امتحان	35	
175.	جلدبازی	37	
176.	زمین کا گھٹنا	44	
177.	ترازو برائے حساب کتاب	47	
178.	حقوق العباد کی اہمیت	47	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
179.	تبلیغ اور دلیل	66	
180.	آگ	68	
181.	فلاح انسانیت	73	
182.	حضرت داؤد علیہ السلام	78	
183.	پیشہ کی اہمیت / رزق حلال	80	
184.	اختلافی فیصلے	81	
185.	حضرت سلیمان علیہ السلام	78	
186.	تخت سلیمانی	79	
187.	جنات	79	
188.	حضرت ایوب علیہ السلام	83	
189.	صبر اور نیکی	85	
190.	ایک انسانیت ایک پیغام	94	
191.	محفوظ لوگ	102	
192.	کائنات کا اختتام / لپٹنا	105	
193.	رحمت اللعالمین	107	
194.	سورۃ الحج		
195.	تعارف		
196.	انسانی پیدائش اور زندگی	7	
197.	نظریہ اور اس سے تعلق	11	
198.	اعمال صالحہ کا بدلہ	14	
199.	صابی	17	
200.	مجوس	17	
201.	اجرام سماوی اور سجدہ	18	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
202.	آگ	19	
203.	قربانی	28	
204.	نذر و منت	29	
205.	جھوٹ اور شرک	30	
206.	خوش نصیب افراد	35	
207.	دفاع اور جہاد کیوں؟	39	
208.	حکومت / حکمران کیسے ہوں؟	41	
209.	مکھی کی مثال	74	
210.	اہل ایمان کے فرائض	78	
211.	انسانیت کا مذہب	78	
212.	سورۃ المومنون		
213.	تعارف		
214.	خشوع	2	
215.	غلام بنانا ممنوع ہے۔	6	
216.	گناہ	7	
217.	امانت داری	8	
218.	وجود کائنات دلیل خالق	17	
219.	نبی کا مقام	33	
220.	دوبارہ زندگی کی اہمیت	35	
221.	جزا و سزا	37	
222.	قوموں کا عروج و زوال	42	
223.	مومن کے اوصاف	57	
224.	مخلوق اور خالق	78	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
225.	کامیابی کے اصول	96	
226.	شیطان سے بچاو	99	
227.	اعمال کاناپ تول	102	
228.	اعمال کی اہمیت	103	
229.	سورۃالنور		
230.	تعارف		
231.	سزا	2	
232.	ثبوت سزا	2	
233.	احترام انسانیت		
234.	حکمت اور آسانی		
235.	خبر کی تصدیق	18	
236.	امتحان، صبر اور لیڈر شپ	21	
237.	واقعہ افک	23	
238.	حسد اور برائی	23	
239.	احتیاط علاج سے بہتر	30	
240.	عریانی اور فیشن	31	
241.	اشتہار بازی		
242.	مساوات کا معاشرہ	32	
243.	مجبور افراد	33	
244.	آدابِ مسجد	36	
245.	انکار کا دھوکہ	39	
246.	کائنات میں اللہ کی تابعداری	41	
247.	پرندے اور ان کی حمد	41	
248.	بادل۔ اللہ کی قوت کا اظہار	43	
249.	کڑک چمک	43	
250.	بارش اور نباتات	43	
251.	رات دن کا نظام	44	
252.	حیوانات	45	
253.	منافق و مومنین	53	
254.	بزرگ خواتین کا پردہ	60	
255.	اظہار اصلیت	60	
256.	فلاحی معاشرہ	61	
257.	احترام نبی	63	
258.	سورۃالفرقان		
259.	تعارف		
260.	اسلام کی ہمہ گیری	1	
261.	علم کی ضرورت	2	
262.	آسائش اور نافرمانی	18	
263.	نبی کے بارے تصور	20	
264.	ساتھی اور ماحول کی اہمیت	27	
265.	قرآن کو چھوڑ دینا	30	
266.	عقل اور سمجھ کی اہمیت	44	
267.	روشنی / سایہ، رات دن اور انسان	45	
268.	بارش کے اثرات	48/49	
269.	مومن کی صفات	63/68	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
270.	توبہ	70	
271.	درجات میں بلندی	71	
272.	جھوٹ، بری مجالس	72	
273.	توجہ اور عمل	73	
274.	عفو کیسے ؟	73	
275.	سورۃ الشعراء		
276.	تعارف		
277.	اختیاری اطاعت بمقابلہ جبری اطاعت	4	
278.	زوجین (جوڑے)	7	
279.	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ	16	
280.	سچائی۔اقرار	20	
281.	مباحثہ کے اصول	30	
282.	شیطانی چال	35	
283.	قصہ حضرت ابرھیم علیہ السلام	63	
284.	نیک اعمال	88	
285.	قلب سلیم	89	
286.	قصہ حضرت نوح علیہ السلام	105	
287.	قصہ قوم عاد	123	
288.	قوم ثمود	143	
289.	قصہ قوم لوط	160	
290.	قصہ حضرت شعیب علیہ السلام	176	
291.	ترجمہ کلام الٰہی	196	
292.	عدل کی اہمیت	208	
293.	توکل	217	
294.	کاہن	221	
295.	شاعری اور شعراء	224	
296.	سورۃ النمل		
297.	تعارف		
298.	اعمال میں خوشنمائی	4	
299.	حضرت داؤد علیہ السلام	15	
300.	حضرت سلیمان علیہ السلام	16	
301.	علم	16	
302.	شکر	16	
303.	چیونٹی	18	
304.	امن کی اہمیت	31	
305.	مشورہ کی اہمیت	32	
306.	قوت کا نشہ اور نتیجہ	34	
307.	ملکہ سبا اور علاقہ سبا	35	
308.	نبوت اور بادشاہت، اسلام کا نظام دفاع	36	
309.	شکر کی ضرورت واہمیت	39	
310.	قبول حق	44	
311.	بدشگونی کے اثرات	47	
312.	کائنات اور خالق کائنات	60	
313.	دآبۃ الارض	82	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.314	رات اور دن	86	
.315	سورۃ القصص		
.316	تعارف		
.317	طبقاتیت	4	
.318	اخلاص سے عمل میں برکت	12	
.319	ظالم سے نفرت	17	
.320	ہدایت کی طلب	25	
.321	مسلمان کی خصوصیات	54	
.322	کلام / انداز گفتگو	55	
.323	تباہی کے اسباب	59	
.324	دنیا کے اعمال کا بدلہ کیسے اور کیوں؟	61	
.325	عذاب کا دیکھنا	64	
.326	اللہ کے انعامات	73	
.327	زندگی گذارنے کے اصول	77	
.328	سورۃ العنکبوت		
.329	تعارف		
.330	اللہ بے نیاز ہے	6	
.331	کفار کی نیکی کی جزا	6	
.332	جرم کا سبب	38	
.333	مکڑی	41	
.334	اہل علم کی ذمہ داری	43	
.335	**اکیسواں پارہ**		

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.336	نماز کے اثرات	45	
.337	اللہ کا ذکر	45	
.338	مباحثہ	46	
.339	اہل کتاب	46	
.340	ہجرت	56	
.341	رزق کی تنگی اور فراخی	62	
.342	مخلوق اور خالق	61	
.343	سورۃ الروم		
.344	تعارف		
.345	شرط اور معاہدات دارالحرب	2	
.346	وعدہ کی اہمیت	3	
.347	دنیا کا علم	7	
.348	انسانی وجود (میڈیکل سائنس)	8	
.349	دوبارہ زندگی	8	
.350	اوقات نماز	17	
.351	نظام حیات و معاشرت و خالق کائنات	19	
.352	خود پسندی اور گمراہی	28	
.353	فرقہ بندی اور حل	32	
.354	دین فطرت	32	
.355	انسانی جسم میں تبدیلی	32	
.356	احترام انسان خنثیٰ	32	
.357	تبدیلی جنس	32	

سیریل	عنوان	آیت نمبر	صفحہ نمبر
358.	تکالیف و آرام میں انسانی کردار	36	
359.	سماجی فلاح	38	
360.	دوبارہ زندگی	50	
361.	زندگی کا سفر	54	

۱۳۔ سورۃ الرعد

تعارف:۔

سورت کا نام، اس میں رعد کڑک کی وجہ سے ہے۔ جس کا ایک آیت میں ذکر ہے۔ رعد گرجنے کڑکنے اور ڈرانے کو بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں تر تالیس آیات اور چھ رکوع ہیں۔ روایت ہے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے)، کہ نبی علیہ سلام کے پاس یہود آئے اور رعد (بادلوں کی گرج) کے بارے پوچھا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا، جس کا مفہوم ہے: کہ ایک فرشتہ بادلوں کو ہانکنے، ادھر، ادھر لے جانے پر مقرر ہے۔ چمک اور کڑک، اس کے پاس آگ کے کوڑے اور ڈانٹ ہیں۔ وہاں پہنچتے ہیں، جہاں پہنچنے کا حکم ہے۔ (ترمذی، معجم الکبیر)۔

سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ چند آیات، مدینہ شریف کے دوران نازل ہوئیں۔ سورت کے مضامین مکی سورتوں کی طرح ہیں۔ زیادہ تر، توحید، قیامت اور، سزا و جزا کا ذکر ہے۔ اس کا وقت نزول، سورۃ یوسف کے قریب قریب ہے. سورۃ یوسف، صرف حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے تھی۔ لیکن سورۃ رعد میں منکرین پر غذاب کا ذکر ہے۔ توحید کے دلائل ہیں۔ زمین اور آسمان کے عجائبات کا ذکر ہے۔

سورت کی ابتدا، قران مجید کے ذکر سے ہے۔ وحدانیت خدا کے دلائل ہیں۔ زمین، اس پر غذا و اجناس، باغات، اجرام سماوی (ستارے، چاند، سورج)، اللہ کی قدرت و طاقت کے دلائل ہیں۔

قیامت کے قیام کے بارے دلائل ہیں۔ جزا و سزا کا ذکر ہے۔ انسانی اعمال کے حساب و کتاب کی خبر دی ہے۔ حق اور باطل کی پیروی کرنے والوں کے نتائج، مثال دے کر فرمائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت ہے۔ نا فرمانی اور برے اعمال والوں کے لیے دائمی عذاب ہے۔

نبی علیہ السلام کا کام پیغام پہنچانا ہے۔ تمام انبیاء اور رسل نوع انسانی سے بھیجے گئے۔ انہوں نے انسانوں کی طرح زندگی، انسانوں کے اندر گزاری اور نمونہ عمل رہے۔ معجزات کا، وجود اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝

یہ (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے وہ برحق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ۝

اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بلند کیا (جیسا کہ) تم انہیں دیکھتے ہو، پھر اس نے عرش پر استوا کیا اور سورج اور چاند کو اپنے نظام کا کاربند کر دیا اور ہر ایک اپنی مقررہ مدت تک رواں دواں ہے۔ وہی تمام کاموں، (کائنات) کا انتظام کرتا ہے۔ وہ ان نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب کے سامنے حاضر ہو۔ (ملاقات) ہونے کا یقین کر لو۔

سورت کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے۔ جس کے معنی و مفہوم کو بیان نہیں فرمایا گیا۔ عموماً یہ تاکید، عظمت کے لئے تحریر فرمائے ہیں۔ اس کے بارے میں مختصر سورۃ البقرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ آیت کا مفہوم ہے۔ کہ قرآن مجید، اللہ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر نازل کیا گیا۔ وہ وجود، یعنی کلام، معانی اور حقائق کے لحاظ سے سراسر سچ ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

آیت میں عام فہم انداز میں سائنسی حقائق کو بیان کیا۔ کہ فضا یعنی اسمان کس طرح قائم و دائم ہیں۔ جس طرح ہم دن اور رات کو دیکھتے ہیں۔ پھر سورج اور چاند ہیں۔ ان کی گردش ہم دیکھتے، محسوس کرتے ہیں۔ اپنے نظام معین کردہ راستہ پر رواں دواں ہیں۔ جو کہ ایک معین مدت تک ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ جسے ہم قیامت کہتے ہیں۔ پھر یہ نظام انتہائی خوبصورتی سے چل رہا ہے۔ اور یہ سارے علمی اور تحقیقی امور، اس نظام کے خالق کے وجود کی دلیل ہیں۔ جو ذات اتنا وسیع نظام کنٹرول کر رہی ہے۔ اس کے لئے دوبارہ انسان کو وجود میں لانا کوئی مشکل نہیں۔ لہٰذا اس کے سامنے حاضر ہونے کا یقین کرنا ضروری ہے۔

اللہ کے وجود کے دلائل کو سائنسی انداز اور عام فہم زبان میں، حقائق کے ذریعہ بیان فرمایا، کہ کائنات کے وجود کو غور سے دیکھیں۔ آسمان کیسا ہے۔ سائنس میں زمین سے اوپر کی فضا آسمان ہے۔ اور اس کی حدود، وہ ہیں جہاں تک ہم دیکھ سکتے ہیں۔ یا مقناطیسی لہروں کے ذریعے معلوم کر سکتے ہیں۔ پھر یہ دلیل دی۔ کہ یہ وجود بغیر کسی سپورٹ یا ستون کے زمین کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ انسانی علم، طبیعات کی معلومات کے مطابق، جو بدلتی رہتی ہیں۔ یہ فضا ہے جو کہ خلاء اور گیسوں کا مجموعہ ہے۔

ہم فاصلہ ناپنے کے لیے کلومیٹر استعمال کرتے ہیں۔ جس کو فی گھنٹہ یا کم درجہ تک لانے کے لئے فی منٹ یا سیکنڈ تک لایا جاتا ہے۔ لیکن آسمان اور کائنات کے فاصلوں کو ناپنے کے لیے یہ پیمائش ناکافی ہے۔ اس لیے اس کا پیمانہ فی گھنٹہ کے بجائے فی سیکنڈ ہے اور اس کی رفتار، روشنی کی لہر ہے۔ جو کہ تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے چلتی ہے۔ حساب لگائیے، کہ ایک سیکنڈ، پھر 60

سیکنڈ، کا ایک منٹ، پھر ایک گھنٹہ، پھر 24 گھنٹے کا دن اور رات، پھر تیس دن رات کا مہینہ، پھر 12 مہینے کا سال۔ یہ رفتار ایک نوری سال کہلاتی ہے۔ ہمارے موجودہ پیائش کے آلات کے مطابق، کائنات کا حجم، جس کا اندازہ 93 بلین ارب نوری سال کلو میٹر ہے۔ جس کا نقشہ صرف اندزہ کے لیے دیا گیا ہے۔

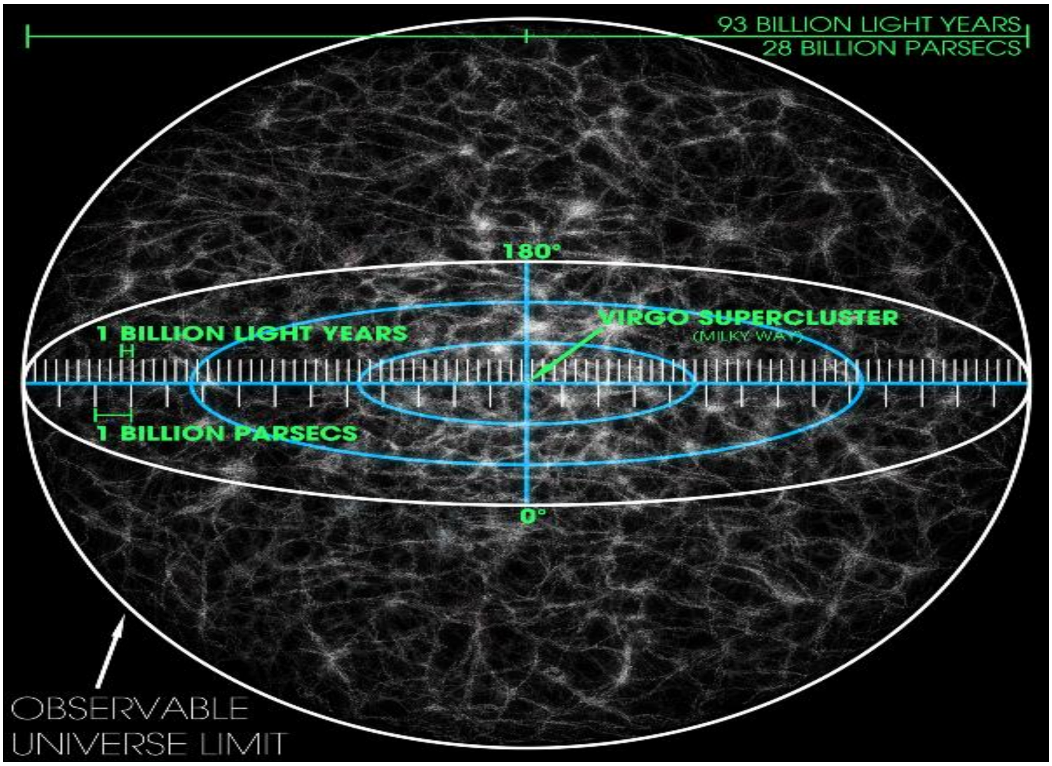

یہ اندازے، پیائش کے آلات میں تبدیلی سے بدل سکتے ہیں۔ احادیث میں کائنات کی وسعت کے اندازے پیچھے بیان کیے جا چکے ہیں۔ جس کو نسبت کی وجہ سے سمجھنا زیادہ آسان ہے۔ ایک عام انسان کی انگوٹھی، جس کا سائز، چند سنٹی میٹر ہوتا ہے۔ اسکی نسبت زمین پر جو صحراء ہے۔ اگر اس میں پڑی ہو تو وہی نسبت زمین سے اسمان کو ہے۔ اسی طرح کی نسبت (انگوٹھی اور صحراء کی) اسمان کو عرش سے ہے۔ پھر عرش کی نسبت، کرسی (جس کا ذکر قران مجید میں ہے) سے، وہی ہے جو صحراء اور انگوٹھی کی ہے۔ عرش کا وجود، حق ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب پیائش کے لیے کوئی پیمانہ نہ تھا۔ بلکہ سفر کی پیایش، اونٹ کے ایک دن کے عمومی سفر (فرسخ) کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ احادیث میں بیان کردہ، اوصاف سائنس کے ہر پیمانہ کے مطابق ہیں۔ اور اس وقت سے لے کر آج تک عظمت اور وسعت کی کیفیت نسبت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ اس کا خالق و مالک کون ہے؟ اس کے حسن انتظام کی انسان کے قریب ترین مثال، سورج، چاند، زمین، یعنی ہمارا نظام شمسی ہے۔ کس اعلی نظام کے ساتھ چل رہا ہے۔

اس عظیم ذات کو چھوڑ کر، بتوں یا افراد کی عبادت، یا یہ خیال کہ یہ نظام خود کام کر رہا ہے۔ خام خیال نہیں تو کیا ہے۔ یہ سارا جہاں، جس کی وسعت کا اندازہ ہی نہیں، کس طرح پیدا ہو گیا۔ اور کس طرح یہ سیارے اور ستارے، کائنات میں چل رہے

ہیں۔ سیاروں کا باہمی فاصلہ اور ان کے مدار کس قدر معین ہیں۔ ہر ایک کی کشش، ایک معین حد یا مقدار کی ہے۔ دونوں کی حدود، ایک حد یا مقام پر، جا کر رک جاتی ہے اور فاصلہ بر قرار رہتا ہے۔ کسی طرف جھول یا جھکاو نہیں پکڑتی۔ لاکھوں سالوں سے نظام چل رہا ہے۔ کچھ سائنسدان تصور کرتے ہیں۔ کہ یہ کائنات، خود پیدا ہوئی (ایٹم سے) اور خود بخود ختم ہو جائے گی۔ جب کہ سب، اہل کتاب، اسے اللہ تعالی کی ذات کے حکم، کن کا نتیجہ (پھیلنا اور سکڑنا) قرار دیتے ہیں۔ مزید آسمانوں کو بھی قرآن کریم نے، دخان، کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

اللہ کی صفات:۔

قرآن مجید میں، ہماری اطلاع و فہم کے لئے، اللہ تعالی کی بعض صفات کا ذکر ہے۔ جس سے جسمیت کی تشبیہ یا وہم ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی، جسم یا عوارض جسم (صفات) سے پاک ہے۔ ممکنات یا مخلوقات سے مثال نہیں۔ اس کی صفات، اسکے شایان شان ہیں۔ جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں۔ ہم ان صفات کو بلا (بغیر) تمثیل و تکییف (حجم، سائز، مادی وجود کے) مانتے ہیں۔ جس کا ذکر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ اس لیے ان کا ترجمہ نہیں کیا جاتا، بلکہ وہ صفت لکھ دی جاتی ہے، مثلا استوائ۔ ید۔

آسمان شفاف (ٹرانسپیرنٹ) ہے۔ لیکن نیلا نظر اتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ یہ روشنی کی لہریں، جو فضا میں ذرات اور بخارات کی وجہ سے پھٹتی ہیں۔ تو ان میں نیلی لہر، چھوٹی اور زیادہ مقدار میں نکلتی ہے۔ اس لیے اسمان نیلا نظر آتا ہے۔ طلوع و غروب کے وقت شعاعوں کا فاصلہ زیادہ اور متوازی ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں سرخ رنگ اور زرد رنگ کا، اثر زیادہ نظر آتا ہے، نیلا کم ہو جاتا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡهٰرًا ؕ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیۡهَا زَوۡجَیۡنِ اثۡنَیۡنِ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝

اور وہی ہے جس نے زمین پھیلائی اور پہاڑ اور نہریں بنائیں اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے، وہ دن کو رات سے ڈھانپتا ہے، بیشک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَهَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝

اور زمین میں باہم ملے ہوئے قطعات (ٹکڑے) ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت، ایک جڑ سے کئی تنوں والے اور ایک تنے والے، جو ایک ہی پانی سے سیر اب کئے جاتے ہیں اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے البتہ نشانیاں ہیں جو عقل والے ہیں۔

پہاڑ:۔

ان آیات مبارکہ میں بھی اللہ کی عظیم تخلیقات کا ذکر ہے۔ جو انسان کے لیے ہر وقت موجود اور اسے محسوس ہوتی ہیں۔ وہ سطح زمین یعنی جغرافیہ سے متعلق ہیں۔ مثلا پہاڑ، دریا، نہریں، باغات مختلف علاقے اور زمین کی خصوصیات، زرعی استعمال سے متعلق ہیں۔ پہاڑ، جن کو قرآن مجید نے گڑھے ہوئے کیلوں کی طرح کہاہے۔ جدید جیالوجی میں، پہاڑ زمین میں ٹیٹانک پلیٹوں کے ٹکراؤ سے نکلے ہیں۔ اور اوپر کھڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زلزلہ کی صورت میں، لاوہ زمین سے نکلتا ہے۔ پہاڑ زمین پر زراعت اور انسانی آبادی کے لیے بھی مفید ہیں۔ بہت سارے معدنیات، پہاڑوں سے بہہ کر میدانوں تک پہنچتے ہیں۔ اس طرح ان کی بلندی فضا میں موسمی اثرات کو کم کرتی ہے۔ پہاڑوں سے معدنیات بھی نکالی جاتی ہیں۔ پہاڑوں کی وجہ سے کیلشیم بکثرت ملتی ہے۔ جس کی وجہ سے چونے کا پتھر بنتا ہے۔ اور زمین کی سطح، ان کی وجہ سے مضبوط رہتی ہے۔ یہ زندگی کے وجود میں بہت اہم ہیں۔ قرآن مجید نے اسے اللہ کی ایک قابل غور و توجہ تخلیق فرمایا ہے۔ جس پر تحقیق کر کے مزید فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

زمین:۔

سطح زمین کو اللہ تعالی نے اس طرح بنایا، کہ خشکی کے ہر مقام پر پھیلی ہوئی (چپٹی) لگتی ہے اور اس کی کروی شکل، پانی کی وجہ سے چھپ جاتی ہے۔ مسلمان سائنسدانوں نے تین سو سال پہلے زمین کی شکل کو کروی کہا تھا۔ لیکن استعمال والا حصہ اور پہاڑ سارے تاحد پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس پر زراعت ممکن ہے۔ دریا پہاڑ، چشمے سب پھیلے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی نے، سطح زمین کو بھی اپنی قابل غور تخلیق فرمایا۔ سائنس کی ترقی نے یہ حقیقت، جو چودہ سو سال پہلے قرآن نے انسانوں کو پیش کی تھی، کو اب معلوم کر لیا ہے۔ سطح زمین پر مٹی، زمین پر زندگی کے لیے بہت اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ جس میں پانی فلٹر ہوتا ہے، آب و ہوا تبدیل ہوتی ہے،۔ خوراک پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح غذائی مواد پیدا اور ختم ہوتے ہیں۔ اس سے درخت، اجناس اگتے ہیں۔

اگر سطح زمین اس طرح نہ ہوتی، تو یہ ساری برکات و فوائد نہ ہوتے۔ سطح زمین کی تقریبا آٹھ مشہور اقسام ہیں۔ (کالی مٹی، سرخ، پہاڑی، ریتلی، نمکین، الکلی، پیٹی peat اور مارشی marshy سطح زمین)۔ جن کی مختلف خاصیتیں ہیں۔ اور ہر ایک کے اپنے فوائد کے ساتھ زمین پر زندگی میں استعمال ہو رہی ہے۔

رات اور دن:۔

زمین اور سورج، چاند کی گردش کے نتیجے میں رات اور دن کا ذکر کیا۔ یا روشنی اور اندھیرے کا فرق واضح بتایا تھا، کہ غور کریں۔ اور یہی علم سائنس کی ابتداء ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے انعامات اور قدرت کا ذکر پودوں، پھلوں کے درخت کی صورت میں کیا ہے۔ کہ یہ کس قدر انسانوں کے لئے مفید اور لذیذ ہیں۔ ہر زمین کی خاصیت کی بنا پر ہر ایک پھل کا ذائقہ مختلف ہے۔ اب تک انسانی تحقیق نے تین لاکھ اکانوے ہزار اقسام کے پودے (ویسکولر) دریافت کیے ہیں۔ جس میں زیادہ تین لاکھ انسٹھ ہزار جو پھول نکالتے ہیں۔ (بحوالہ رپورٹ رائل

گارڈن یو۔کے 2016)۔اس میں دوہزار کے قریب پھولوں کی اقسام اور پودے ہیں۔اس طرح مختلف فصلوں کی اقسام ہیں۔جو زندگی کے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

جوڑے:۔

فرمایا، پھلوں کے جوڑے بنائے۔اکثر پودے اپنا پھل جس میں بیج ہوتا ہے۔یا نسل، اپنے پھولوں کے ذریعے بناتے ہیں اور اس طرح نر پولن کو مادہ پولن تک ہوا، مکھیوں کے ذریعے منتقل کیا جاتا ہے۔اکثر پودوں، درختوں کے نر اور مادہ، پولن علیحدہ علیحدہ، پھول میں ہوتے ہیں۔کچھ پھولوں میں نر اور مادہ حصہ ایک ہی پھول میں ہوتے ہیں۔ان حقائق کو قرآن مجید نے **جعل فیھا زوجین**، سے فرمایا ہے۔ہمیں جستجو اور تحقیق کے لیے معلومات دی ہیں۔

ان سارے امور پر تحقیق اور غور کرنے کے لیے قرآن مجید نے بار بار ذکر کیا ہے۔یہ سارے امور اس ذات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔جس نے انکو اور انسان کو پیدا کیا۔اور اہل عقل کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔مسلمانوں کے لئے ان میں تحقیق اور علمی جستجو کی طرف ہدایت ہے۔تاکہ ان کے ایمان اور مضبوط ہوں۔اور قوموں کی علمی اور عملی رہنمائی کریں۔

مسلمان سائنسدان (علمائے وقت) نے آج سے پانچ سو سال پہلے تک، اس وقت کے علمی حالات، آلات کے ذریعہ کافی تحقیق کی۔روشنی، فضا، آسمان کی وسعت، زمین کا رقبہ، مسافت، نقشے وغیرہ پر کافی معلومات اکٹھی کیں۔جو ایک علمی کارنامہ تھا۔البیرونی نے زمین کا قطر نکالا۔جب کہ اس وقت، دوربین، بجلی، فضا میں پرواز، یا کمپیوٹر کے ذریعے حساب و کتاب کا وجود بھی نہیں تھا۔یہ معلومات کافی حد تک علامہ محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ذکر کی ہیں، جو موجود تحقیقات کی بنیاد نظر اتی ہیں۔ان دو، ایات میں، دو دفعہ عقل اور غور و فکر کا ذکر کر کے، اس سے علم اور عمل کی اہمیت، انسانوں، بالخصوص مسلمانوں کے لئے لیے واضح کی ہے۔

وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ ۚ وَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝

اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا بڑا عجیب ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے۔تو کیا ہم البتہ نئے سرے سے پیدا ہوں گے، یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر (انکار) کیا اور یہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی دوزخ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبۡلَ الۡحَسَنَةِ وَقَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ مَغۡفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلۡمِهِمۡ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝

وہ آپ سے پہلے، بھلائی (رحمت) سے پہلے، برائی (عذاب) چاہتے ہیں۔حالانکہ ان سے پہلے عذاب کی مثالیں گزر چکی ہیں، اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود، البتہ انہیں بخشنے والا ہے اور یقینا آپ کا رب البتہ سخت سزا دینے والا ہے۔

وَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ۝

اور کافر (انکار والے) لوگ کہتے ہیں، اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے۔

آیات مبارکہ میں کفار کی ذہنی کیفیت کا ذکر کیا ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمائی۔ کفار مکہ، کا اسلام سے انکار اور ضد کرنا بڑی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اتنے واضح اور علمی حقائق جو آیات نمبر ایک سے لے کر چار تک دیے گئے ہیں۔ ان کے باوجود، وہ دوبارہ زندگی، بعد از موت سے انکار کرتے ہیں۔ اور نبی ﷺ کی دعوت پر، اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے بجائے عذاب کو طلب کرتے ہیں۔ جبکہ انہیں قوموں کی تباہی کے واقعات۔ (ابرہہ کا واقعہ تو مکہ میں پیش آیا تھا)، معجزات کے باوجود، معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس کا مقصد صرف ضد اور انکار کا بہانہ ہے۔ مثلاً پہاڑ سونا بن جائے یا پانی کے چشمے پھوٹ پڑیں۔ بے شک ان کے دل اسلام سے دور ہیں۔ معجزات کے باوجود ایمان سے انکار کریں گے۔ اللہ جو کہ بڑے بخشنے والے ہیں۔ اس لیے انکے گناہوں کے باوجود ان کو اور گنہگاروں کو مہلت دے دیتے ہیں۔ اور توبہ کرنے والوں کو بخش دیتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ سخت سزا بھی دینے والے ہیں۔ سزا کی شدت یہ ہوگی، کہ گلے میں طوق ہوں گے اور جہنم کا عذاب ہمیشہ ہوگا۔ جہاں بخشش کی امید رکھنی ضروری ہے، ساتھ توبہ واستغفار بھی لازمی ہے۔ اس کا خوف ضروری ہے، تاکہ نیک اعمال ہو سکیں۔ آپ کے ذمہ لوگوں کو ڈرانا اور ہدایت دینا ہے۔ اللہ تعالی انسانوں کے لیے ہدایت کا انتظام فرماتے ہیں۔ اسی انتظام کا حصہ انبیاء کرام، کتب سماوی اور خاتم النبیین، حضرت محمد ﷺ ہیں اور اس کے بعد آپ کے خلفاء وصحابہ کرام ہیں۔ اس کی تعبیر مفسرین نے مختلف انداز میں کی ہے۔

نمبر ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہدایت کا ذریعہ ہے۔ (اکثریت کی رائے میں)۔

نمبر ۲۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

نمبر ۳۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

نمبر ۴۔ آپ ﷺ کے بعد ایک حدیث کے مطابق، آپ کے تمام صحابہ کرام اپنے باہمی اختلاف کے باوجود، ہدایت کے ستارے ہیں۔ اور ان کی راہ پر چلنے والے ٹھیک ہیں۔

ان توضیحات کے بعد مسلمانوں کی آپس میں نفرت یا اختلاف پر تشدد حرام ہے۔ لیکن شیطان ایسے اختلاف کے مواقع پر، انسانوں کو محبت کے نام پر گمراہ کرتا ہے۔ محبت اور اطاعت کا دھوکہ دیتا اور تشدد پر اکساتا ہے۔ جس کو قرآن مجید وحدیث میں بارہا منع کیا گیا ہے۔

نمبر ۵۔ ایک تعبیر، کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد اعلی، تبلیغ ہے اور ہدایت دینا اللہ تعالی کی رحمت ہے لہذا تبلیغ جاری رہے۔

اَللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى وَمَا تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ وَكُلُّ شَىۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ۝

اللہ جانتا ہے، ہر مادہ جو پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، اور جو مادہ کے رحم میں کمی و زیادتی ہوتی ہے اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک مقدار (ناپ تول) مقررہ ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ۝

وہ اللہ، چھپے ہوئے اور ظاہر (سب) کو جاننے والا ہے۔ بہت ہی بڑا، نہایت بلند ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۝

(اللہ کے لئے) برابر ہے تم میں سے کوئی چپکے سے بات کرے یا بلند آواز سے کہے۔ جو رات کی تاریکی میں چھپنے والا ہو یا دن کی روشنی میں چلنے والا ہو۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ۝

(انسان کے لیے) اس کے آگے سے اور پیچھے سے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا ہے جب تک وہ اپنے حالات کو نہ بدلیں۔ اور اللہ جب کسی قوم کے ساتھ عذاب (برائی) کا ارادہ کرلیتا ہے، تو اس کو ٹالنا ممکن نہیں اور ان لوگوں کے لئے، اس (اللہ) کے سوا کوئی ساز گار (رکھ والا) نہیں۔

پچھلی آیات، میں اللہ تعالی کی قدرت و عظمت کے دلائل تھے۔ پھر کفار کے انکار اور ضد کا ذکر تھا۔ کہ وہ آخرت اور حساب و کتاب سے انکار کرتے ہیں۔ پھر ان آیات میں اللہ تعالی کی قوت و طاقت کا اظہار ہے۔ کہ کوئی بھی مادہ جاندار انسان یا چوپائے یا رینگنے والے یا اڑنے والے سے ہو، (کیونکہ انڈا کی کیفیت بھی حمل کی طرح ہے) کے بارے اس کو مکمل علم ہے۔ کہ کب ,کیا ہوگا اور کیسا ہوگا۔ اس عمل میں جو کمی بیشی ہونے والی ہو۔ مدت حمل میں، وقت پیدائش یا بعد از پیدائش، یعنی کوئی نقص یا عدم نقص، سب کا، اس کو علم ہے۔ پھر نہ صرف علم، بلکہ ان تمام امور کے انتظام، معلومات کو رکھنے (سٹوریج) کی بھی اطلاع دی، کہ ہر ذی روح کے بارے، اس کے پاس، اس کا مکمل احوال ہے۔ ناپ تول (مقدار)، اس کی عمر، وزن، زندگی اور موت، سب معلوم ہیں۔ اس کے کنٹرول میں ہے۔ کیوں کہ ناپ تول کو وہی مقرر کرتا ہے۔ انسانی حمل کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کتب فقہ میں درج یا طب سے معلومات مل سکتی ہیں۔ صرف ڈی این اے کے ہی اندر معلومات کا ایک دریا بند ہے۔

اللہ کی قدرت و عظمت کے امور، انسان کے علم اور یقین کے لیے بیان فرمایے۔ انسان جو چھپاتا یا دکھاتا ہے، وہ لوگوں کے لیے ہے۔ اللہ تعالی کو ہر حرکت اور ہر ذرے کا علم ہے۔ یہ مضمون کئی دفعہ دہرایا گیا ہے۔ تاکہ قاری، اللہ کی طاقت کا یقین کرلے اور اسکے اعمال، اس یقین کی روشنی میں، اسلام کی ہدایات کے مطابق ہوں۔ انسان کی تمام کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ رات ہو یا دن، کھلا ہو، یا چھپا ہوا ہو، سب اسکے سامنے ہے۔

امور کائنات کیسے ہوتے ہیں:۔

آج سے چودہ سو سال بلکہ اس سے بھی پہلے، یہ صرف عقیدہ کی بناء پر یقین تھا۔ مگر اب سائنس اور ٹیکنالوجی بالخصوص مصنوعی عقل، روشنی اور آواز کو بدلنے اور محفوظ رکھنے والے آلات کی وجہ سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے۔ موجودہ دور میں انسان کی نگرانی، ان آلات کی وجہ سے بہت آسان ہے۔ اگر جسم پر ایک چپ لگا دیا جایے۔ تو اس وجہ سے انسان کی حالت کا پتہ اور ریکارڈ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح کا عمل، اللہ تعالی کے فرشتے جو ایک عقل رکھتے اور نظر نہ آنے والا وجود (روشنی) سے بنے ہوئے ہیں۔ ہر انسان کے ساتھ متعین ہیں۔ سارا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ جس طرح احادیث میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ اگلی ایت میں، اللہ کے نظام کے بارے، انسان کو معمولی اطلاع دی گیٔ ہے۔ جس کو ٹیکنالوجی نے بھی معلوم کر لیا ہے۔

احادیث کے مطابق اللہ تعالی نے نظام کائنات میں فرشتے متعین کر رکھے ہیں۔ جو کام کرتے رہتے ہیں۔ اور احتیار نہ ہونے کی وجہ سے، غلطی کے امکان سے پاک ہیں۔ جس کی ایک مثال انسان کی بنائی ہوئی مصنوعی عقل سے کام کرنے والے روبوٹ ہیں۔ ان فرشتوں کی کارکردگی یا طریقہ کار کے بارے ایک اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ پے در پے، لگاتار اپنے کام پر متعین رہتے ہیں اور کوئی وقت بھی خالی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال انسانی ایجاد کردہ خلایی مشینوں میں کمپیوٹر یا مصنوعی عقل کے ذریعے انتظام دیکھ سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل، جب انسان کے علم یا تجربات کی جدید معلومات نہیں تھیں۔ آپ نے سادہ اور عام فہم اور حقیقت کے قریب ترین نشاندہی فرمائی۔

احادیث کی روشنی میں، ان امور کو سرانجام دینے کی تفصیل (پے درپے یا باری باری) یوں دی گئی ہے۔(۱)۔ دن کے فرشتے دن کی ابتداء فجر کے ساتھ اپنے امور سنبھال لیتے ہیں۔ اور رات کے فرشتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح شام کے ساتھ دن کے فرشتے چلے جاتے ہیں اور رات کے فرشتے آ جاتے ہیں۔ یہ وہ قوتیں ہیں، جو روزمرہ کا کائنات کا نظام چلا رہی ہیں۔ جس میں کشش ثقل ہو یا مقناطیسیت یا، ہوا کا کم دباؤ یا زیادہ، کا سلسلہ ہو یا سیاروں کے مدار، تمام کاموں کے اسباب ان ہی کے ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ اور عمل واقع ہو جاتا ہے۔ ان ہی کی وجہ سے ظاہری موسمی حالات بدلتے ہیں۔ اس مضمون کی حدیث بخاری، مسلم، نسائی موطا امام مالک میں درج ہے۔(۲)۔ انسان کے ساتھ برائی اور نیکی لکھنے والے فرشتے ہیں۔(۳)۔ اسی طرح غیر مرئی قوتیں (فرشتے یا شیطان) ہیں، جو انسان کو کسی کیفیت یا حالت سے خیالات کے ذریعے بچاتے یا کبھی اس میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

احادیث کی روشنی میں یہ اسباب و ذرایع، بھی فرشتوں کے ذریعے بنتے ہیں۔ یہ سارے وہ امور ہیں، جن میں انسان کے عمل کا بھی دخل ہے۔ چونکہ فرشتوں اور غیر انسانی، عوامل کا ذکر تھا، جس کی وجہ سے انسان اپنے کردار کی اہمیت کو نظر انداز کر سکتا ہے اور سارا الزام فرشتوں یا حالات کے ذمہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ جس طرح کم ہمت افراد یا نالائق کرتے ہیں۔ تو اس کے ازالہ کے لئے بڑے واضح طور پر حکم فرمایا، کہ ان سب عوامل کے باوجود، انسانی عمل ہی سارے امور میں فیصلہ کن ہے۔

عمل کی ضرورت:۔

اللہ تعالی، انسان کے اختیار کی بنیاد پر کسی فرد یا قوم کو ان کے عمل کی بناء پر سزا و جزا دے گا۔ یہ موضوع کئی دفعہ آیا ہے۔ اس لئے تفصیل دی گئی ہے اور اس آیت میں بھی کہا: کہ اللہ تعالی کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے، جب تک وہ خود میدان عمل میں آگے آکر تبدیل نہ کریں۔ اگر وہ برائی پر قائم و دائم رہیں گے۔ تو ان کا انجام غذاب پر ہو گا۔ ان کو کوئی نہیں بچا سکے گا اور یہ ان کے اعمال کے سبب ہو گا۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اسی امر کی تصدیق حدیث مبارکہ میں بھی آئی ہے۔ کہ برے اعمال کرنے والوں کے لئے برے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اچھے یا نیک اعمال کرنے والوں کے لئے اچھے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سارے اسباب، اللہ تعالی نے کائنات میں رکھے ہیں۔ اور ہر عمل کرنے والا، اپنے اسباب کو استعمال کر کے مطلوبہ نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر تاریخ اٹھا کر دیکھیں، کہ ہمت کرنے والوں نے آسمانوں پر کمندیں ڈالیں۔ سست و کاہل مجبور ہو کر ختم ہو گئے۔ آیت کا مقصد یہ ہے، کہ انسان بالخصوص مسلمانوں کو، اللہ کی نعمتوں کے حصول کے لیے محنت اور جدوجہد کرنی بہت ضروری ہے۔ اور اسی میں کامیابی ہو گی ورنہ انجام ناکامی اور حسرت پر رہے گا۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝

وہی (اللہ) ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی چمکاتا ہے اور بادل کی گھٹائیں پیدا کرتا ہے۔

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے اور فرشتے (بھی) اس خوف سے (تسبیح پڑھتے ہیں) اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انہیں جن پر چاہے گراتا ہے، جبکہ وہ (کافر) اللہ کے بارے بحثیں کر رہے تھے اور وہ شدید قوت والا ہے۔

یہ آیات مبارکہ بھی پچھلی آیت اور قدرت الہی سے مربوط ہے۔ شان نزول یہ ہے۔ کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل مدینہ آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور بیٹھ گئے۔ عامر بن طفیل نے کہا: میں اسلام لے آؤں، تو کیا آپ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنائیں گے۔ رسول اللہ نے کہا نہیں۔ لیکن تم گھوڑوں پر بیٹھ کر جہاد کرنا۔ اس نے کہا۔ میرے پاس اب بھی نجد میں گھوڑے ہیں۔ پھر اس نے کہا، آپ دیہات میرے سپرد کر دیں۔ اور آپ شہر لے لیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جب وہ وہاں سے اٹھنے لگے، تو عامر نے کہا، اللہ کی قسم میں آپ کے خلاف گھوڑ سواروں اور پیادوں کو جمع کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تم کو اس عمل سے باز رکھے گا۔ جب وہ دونوں نکل گئے۔ تو عامر نے (چپکے سے) کہا، اے اربد! میں محمد ﷺ کو باتوں میں لگاتا ہوں۔ تم تلوار سے ان کا سر اڑا دینا۔ اور جب تم نے انہیں قتل کر دیا۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ لوگ دیت کا مطالبہ کریں گے اور ہم سے جنگ کرنا ناپسند کریں گے۔ اور

ہم ان کو دیت دے دیں گے۔ اربد نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ عمر نے کہا اے محمد! اٹھیں، (آیے) میں اپ کے ساتھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دونوں باتیں کرتے ہوئے دیوار کے پاس چلے گئے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عامر رسول اللہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا، اور اربد تلوار سونتنے لگا۔ جب اس نے تلوار کے دستے (قبضہ) پر ہاتھ رکھا، تو اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ اور وہ تلوار نہ نکال سکا۔ جب اس نے دیر لگائی، تو رسول اللہ نے مڑ کر دیکھا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ، اربد کیا کرنے والا تھا۔ پھر آپ واپس چلے آئے۔ جب عامر اور اربد چلے گئے۔ اور وہ ارقم میں پہنچے۔ تو ان کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور اسد بن خضیر ملے۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے دشمنوں۔ ٹھہر جاؤ۔ عامر نے پوچھا، یہ کون ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا، یہ سعد بن خضیرۃ، کاتب (وحی) ہے۔ جب وہ ارقم میں پہنچے تو اللہ تعالی نے، اربد پر اسمانی بجلی گرادی، جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ عامر جب آگے گیا، تو اللہ تعالی کے حکم سے اس کے جسم پر پھوڑے نکل آئے اور چھالے پیدا ہو گئے۔ اس نے بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں رات گزاری۔ اس کے حلق تک پھوڑے آ گئے اور ان کی تکلیف سے موت کی تمنا کرنے لگا اور مر گیا۔ اس دوران ان آیات کا نزول ہوا۔ (روایت ابن عباس، اسباب النزول للواحدی)۔ اسی طرح ایک اور روایت، موقع نزول کے بارے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک عرب کے متکبر شخص کے پاس بھیجا۔ کہ اس کو بلا لائے۔ صحابہ نے کہا، رسول اللہ وہ تکبر کرے گا۔ آپ نے فرمایا: تم جاؤ اور اس کو بلا لاؤ۔ انہوں نے متکبر شخص سے کہا، تمہیں رسول اللہ، بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا، ہاں۔ اللہ کیا چیز ہے، وہ سونے کا ہے، چاندی کا ہے، پیتل کا ہے، یا جواہرات کا ہے، صحابی واپس آ گئے۔ اس نے جو کہا وہ بتادیا، اور عرض کی کہ وہ تکبر کرتا ہے۔ لیکن آپ نے پھر بھیجا، کہ دوبارہ بلاؤ۔ پھر اس نے اسی طرح کہا، اور جب یہ بات کر رہا تھا۔ اس پر بجلی گری اور مر گیا۔ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی: کہ وہ اللہ کے بارے جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ (جامع البیان)۔ ممکن ہے یہ دونوں واقعات قریب قریب واقع ہوئے ہوں۔

الرعد، اس کڑک کی آواز کو کہتے ہیں، جو بادلوں میں بجلی کی چمک سے پیدا ہوتی ہے۔ الصاعقہ، فضا میں چمک، یعنی بجلی گرنے کی کیفیت، جب زمین پر چمک کے ساتھ گرتی ہے۔ اور حرارت (آگ) سے تباہ کر دیتی ہے۔

کڑک (رعد):۔

روایت میں ہے کہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا، کہ اے ابو القاسم: ہمیں بتایئے، کہ رعد کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا "وہ ایک فرشتہ ہے۔ جس کو بادلوں پر مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس کے پاس آگ کا کوڑا ہے۔ وہ اس سے جہاں چاہتا ہے، بادل کو ٹپکاتا (لے جاتا) ہے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ آواز، جو ہم سنتے ہیں یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: جہاں بادل کو لے جانے کا حکم دیا۔ وہاں لے جانے کے لئے فرشتہ، جب بادل کو کوڑا، مارتا ہے، تو یہ اس کی آواز ہے۔ انہوں نے کہا. آپ نے سچ کہا۔ (ترمذی)۔ فرشتے وہ نورانی قوت ہیں جو ہوا کا دباؤ، اور بادلوں میں برقی چارج پیدا کرتے ہیں۔ جس سے بادل چلتے، چمکتے اور گرجتے ہیں۔ جدید تشریح، مثبت اور منفی چارج کا ٹکراو ہے۔ گویا کوڑا مارنا ہے۔

آج سے چودہ سو سال پہلے، جب فزکس اور برقیات (منفی اور مثبت چارج) کا وجود نہیں تھا۔ تبخیر بخارات، رطوبت یا اس میں بجلی کے اثر، کے بارے میں معلومات بالکل نہیں تھیں۔ لوگوں کا علم بھی بالکل نہیں تھا۔ کس قدر خوب صورت انداز میں ایک حقیقت کو مثال بنا کر، نبی ﷺ نے سمجھایا۔ آگ، چمک، دمک، ہوا میں بادل اور ان میں رطوبت، کثافت۔ ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ چلنا، اور بارشیں برسانا، کتنے سادہ انداز میں ان لوگوں کو بتایا۔ اور یہ بات اب جدید فزکس اور الیکٹریسٹی کا حصہ بھی ہے۔

ایک اور حدیث کے مطابق یہ چمک اور کڑک کی سختی سے، فرشتے بھی خوف خدا، سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ چونکہ فرشتے، روشنی سے ہیں۔ لھذا یہ شدید روشنی، جو چمک اور کڑک سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کا وجود لاکھوں کلوواٹ انرجی کا ہوتا ہے۔ ان کے وجود کے لئے بھی خوف کا سماں پیدا کر دیتی ہے۔

سائنس کی توجیہہ کیا ہے؟ موجودہ معلومات کے مطابق مثبت چارج، ہلکے بادل اوپر کی سطح پر ہوتے ہیں۔ جبکہ بھاری بادل، جو منفی چارج رکھتے ہیں۔ نیچے ہوتے ہیں۔ جب دونوں چارجز، کی قوت و وسعت پھیل جاتی ہے۔ تو بہت بڑا اسپارک یعنی آگ / چمک کا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی طاقت (1,000,000,000) ایک بلین وولٹ تک ہو سکتی ہے۔ اور اس کی حرارت کی وجہ سے ہوا پھٹتی ہے۔ اور دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ (جس کو حدیث شریف میں آگ کے کوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مقصد ہے کہ اسلام، علم سائنس اور حکمت کا علمبر دار ہے۔ جب ان علوم کا وجود ہی نہیں تھا)۔

بادل:۔

بادل زمین پر آب و ہوا، موسمی اثرات اور زراعت میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے, آیات مبارکہ میں اسے امید اور خوف دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو واقعی انسانی زندگی, پھر زراعت میں بارش کے اثرات سے ہوتا ہے۔ بجلی کی چمک سے فصلوں کو ریڈیائی شعاعوں (لہروں) کی وجہ سے بہت نقصان پہنچتا ہے۔ اور ان کے پھول اور پھل ختم ہو جاتے ہیں۔ بارش اکثر رحمت ہوتی ہے۔ لیکن کثرت سے سیلاب کی صورت میں زحمت بن جاتی ہے۔ ان تمام آیات و احادیث کا مقصد، اللہ پر یقین، آخرت پر یقین، ایمان کی بنیاد ہیں۔ اللہ کی عبادت سے انسانی کردار میں تبدیلی اور معاشرے میں نیکی اور بھلائی پھیلانا مقصود ہے۔ تا کہ مخلوق خدا دنیا میں آسانی سے رہ سکے۔ شیطان کے فساد سے بچ سکے۔ آخرت میں بھی کامیابی حاصل کر سکے۔

قرآن مجید نے جب بھی بادلوں اور بارش کا ذکر کیا۔ تو لفظ ثقال (بھاری) فرمایا۔ جبکہ اس زمانے میں لوگ بادل کو صرف دھواں ہی سمجھتے تھے۔ اب جدید سائنس میں پتلے بادل (Cumulus) جو تقریبا ایک ہزار میٹر کے بعد بلندی پر ہوتے ہیں۔ ایک عام چھوٹے بادل میں پانی کا وزن 1.1 ملین پاونڈ وزن ہوتا ہے۔ جبکہ لاکھوں کی تعداد میں بادل ہر وقت موجود ہوتے ہیں، کس قدر بادل بھاری ہوتے ہیں۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ۝

اسی کو پکارنا (دعا کرنا) برحق ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں (دیوتاوں، بتوں) کو پکارتے ہیں۔ وہ انہیں کسی بات (دعا) کا جواب نہیں دیتے، مگر جیسے (مثال) کوئی شخص دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے، تاکہ پانی خود اس کے منہ آ پہنچے۔ جبکہ وہ (پانی) اس کے منہ تک پہنچنے والا نہیں۔ اور کافروں (انکار کرنے والوں) کی پکار (دعا) کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بھٹکتی ہی پھرتی رہے۔

وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۩

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی (مخلوق) زمین و آسمان میں ہے۔ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)۔ **سجدہ تلاوت۔**

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۝

(اے نبی) کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ (اور) کہیے پھر کیا تم اللہ کے سوا (ایسے) حمایتی بنا رکھے ہیں۔ جو خود اپنے نفع و نقصان کے مالک نہیں۔ کہہ دیجیے (اے نبی): کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا انہوں (بت پرستوں) نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں، جنہوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے۔ اور اس وجہ سے ان کو، دونوں کی تخلیق ایک جیسی محسوس ہو رہی ہو۔ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں ہے تو) کہہ دو کہ صرف اللہ ہی ہر چیز کا مالک ہے۔ وہ یکتا اور نہایت غالب ہے۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالی کی کائنات میں عظمت و جلال کا ذکر تھا۔ اس کی عبودیت کا حکم ہے۔ کہ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اسی کو پکارا جائے۔ اور دوسرے افراد یا اشیاء اس کے مقابل کچھ نہیں۔ وہ کسی نفع یا نقصان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر کہیں فرد کوئی کام سرانجام دیتا بھی ہے، تو وہ بھی اللہ کے نظام کے تحت ہوتا ہے۔ لھذا اس کو اس کی حقیقی طاقت نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی قدرت کا اظہار ہے۔ یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ عبادت اور مدد طلب کرنے کے لائق حقیقی ذات، اللہ ہی ہے۔ جس کی عبادت کی جائے۔

پھر اس کی عظمت اس قدر ہے۔ کہ زمین و آسمان پر ہر چیز اس کو سجدہ کرتی ہے۔ سجدہ سے مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ جو غیر انسان کے لئے یا انسان کے لئے ایک اصطلاحی معنی، اطاعت، عجز کا اظہار ہے۔ اور دوسرا مطلب نماز کے دوران اللہ کے آگے زمین پر جھکنا ہے۔ احادیث میں اس سجدہ کے بارے میں کافی ترغیبات آئیں۔ در حقیقت زمین پر سجدہ کا اظہار بھی، اللہ کی اطاعت اور تواضع کا، دل سے اقرار کے بعد ہی صحیح ہے۔ حدیث مبارکہ ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: بندہ اپنے رب کے سب سے

زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے۔ جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔ پس تم (سجدہ میں) بہت دعا کیا کرو (مسلم)۔ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ کثرت سجود کرو۔ کیونکہ درجات بلند ہوتے ہیں۔

غیر اللہ سے امداد کی طلب کی ایک سادہ، واضح مثال ہے۔ کہ اگر کوئی آدمی اپنے ہاتھ پھیلا کر یہ خواہش کرے کہ اس کے منہ میں پانی آجائے۔ تو پانی نہیں آئے گا۔ کیونکہ پانی خود بخود اٹھ کر اس کے منہ میں نہیں جا سکتا۔ اس لیے اس کا یہ خیال غلط ہے۔ اسی طرح جو لوگ، دوسرے افراد یا اشیاء کی عبادت یا مدد طلب کرتے ہیں۔ وہ اشیاء اور افراد بھی حقیقی طور ذاتی کوئی حیثیت اور طاقت نہیں رکھتے۔ پانی کی طرح سہارے کے محتاج ہیں۔

<u>موجودات کا سجدہ:۔</u>

آیت مبارکہ میں تمام اشیاء کی اطاعت کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے تابع ہیں۔ جس کی مثال اس کائنات کے نظام کا وجود ہے۔ کہ وہ اللہ کے بنائے ہوئے نظام، کی اطاعت و تنفیذ کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ ہر مخلوق اپنے خالق کے تابع ہے۔ انسانوں و جنوں کی اتباع اختیاری ہے، جو طوعا اور کرھا (خوشی اور مجبوری) سے ہوتی ہے۔ یعنی اس کی نافرمانی کی صورت میں اس کے فیصلہ کے سامنے بے بس ہیں۔ دوسری مخلوقات کا، وجود و عمل ہی سجدہ ہے۔ مثلاً سورج کا اپنے مدار میں اٹھتا اور نیچے جاتا نظر آتا ہے، سجدہ ہے۔ تمام سیارے جو مدار میں گھوم رہے ہیں۔ جب اوپر کی طرف ہوتے ہیں تو قیام ہے۔ اور نیچے کی طرف رواں ہوتے ہیں تو سجود ہے۔ پھر اشیاء کے سایہ کو سجدہ کی مثال فرمایا۔ کیونکہ اٹھتے وقت سایہ، ایک طرف اور ڈوبتے یا نیچے جاتے وقت دوسری طرف ہوتا ہے۔ اور طویل بھی ہوتا ہے۔ اس لئے محسوس ہوتا ہے۔ کسی بھی چیز کا سایہ، روشنی کے ذریعے یا اس چیز کی حرکت کی وجہ سے آگے پیچھے یعنی بڑھتا یا گھٹتا ہے۔ سورج کا طلوع، قیام اور غروب، سجدہ کی مثال ہے۔ اسی طرح زمین، پر روشنی یا دن، قیام اور رات کا اندھیرا، اس کا سجود ہے۔ اس مثال کو اس وقت (نزول قرآن) کے لحاظ سے معاشرہ کے افراد کو سمجھانے کے لیے بیان فرمایا۔ جس کی توثیق و تطبیق اس دور میں بھی واضح ہے۔

ساتھ ہی دوسری مثال، دو طرح کے اشخاص کی ہے۔ ایک، جو تمام دلائل و شواہد کے بعد، اللہ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ دوسرے، وہ جو ان احکام سے منہ موڑ کر، اپنی خواہشات اور مفادات پر چلتے ہیں۔ ان کی مثال، اندھیرا اور اجالا، اندھے اور آنکھوں والے کی ہے۔ ایک طرف روشنی، ہدایت جس کا نتیجہ انسانی فلاح و بہبود، عدل و انصاف اور اللہ کی عبادت ہے۔ جبکہ دوسری طرف، ان امور سے انکار کرنے والوں نے، اپنی آنکھوں کے باوجود، اپنے آپ کو اندھا بنا لیا اور نافرمانی کر دی۔ اس طرح قرآن مجید نے بار بار غور و فکر اور علم و عمل کی دعوت دی ہے۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَ مِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ

اسی نے آسمان سے پانی برسایا، جس سے ندی نالے، اپنی بساط کے مطابق بہہ پڑے، پھر پانی کے ریلے نے پھولے ہوئے جھاگ (میل وغیرہ) کو اوپر اٹھالیا۔ اور اسی قسم کا جھاگ اس وقت بھی اٹھتا ہے۔ جب لوگ زیور یا برتن بنانے کے لئے دھاتوں کو آگ پر تپاتے ہیں۔ اللہ حق و باطل کی مثال اسی طرح بیان کر رہا ہے۔ (دونوں قسم کا) جھاگ (بے فائدہ) ہو تا ہے۔ وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لئِے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اسی قسم کی مثالیں ہیں۔ جو اللہ بیان کرتا ہے۔

انسانی اعمال و کردار میں، اللہ کے احکام کی اطاعت کے فوائد کا مقابلہ، اس سے کیا گیا ہے۔ جو افراد اللہ کے احکام سے انکار کرتے ہیں، اور شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اس سے قاری دونوں کے فرق کو روز مرہ کی زندگی کے واقعات سے سمجھ سکتا ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو وادیوں میں پانی بھر جاتا ہے۔ ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی گزارتی ہے۔ اس سیلابی پانی میں، وادی کے اندر میل کچیل وغیرہ جھاگ بن کر پانی کے اوپر تیرتے رہتے اور نکل جاتے ہیں۔ پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ فصلوں کی نشو ونما میں کام آتا ہے۔ دوسری طرف زمین سے نکلے ہوئے خام معدنیات کو بھی اصل زیور یا آلات و برتن کے لیے پگھلایا جاتا ہے۔ اس پگھلاہٹ میں دھات، لوہا یا پیتل ہو اس کی میل اوپر آجاتی ہے۔ جس کو نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ تاکہ خالص دھات سے زیور اور سامان تیار کیا جاسکے۔ فائدہ مند چیز کے استعمال سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ دھاتوں میں جو زیادہ لوگوں کے لیے مفید ہے۔ ان میں زیادہ ڈھلائی کا کام ہو تا ہے۔ اور جو کم مفید ہیں ان میں کم ہو تا ہے۔ معدنیات اور زراعت کی مثال، سے انسان کی ان دونوں شعبوں میں مہارت کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس مثال سے اللہ تعالی اسلام کی برکت کو، دوسرے انسان کے پیدا کردہ خیالات، جس کو وہ مذہب بنالیتا ہے، سے مقابلہ کیا ہے۔ اللہ کے احکام انسانی فلاح و بہبود کے لیے ہیں۔ جس میں عام معاشرہ کے افراد کی بھلائی، امن، عدل، آرام، مقصود ہے۔ اور ان پر عمل سے ملتا ہے۔ جبکہ شیطان کے خیالات سے فساد، ظلم، حق تلفی فروغ پاتی ہے۔ اور معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث مبارکہ کے مطابق، آپ ﷺ کا وجود (تعلیمات) بارش کی مثال ہے۔ جس میں وادیاں پانی سے اپنی وسعت کے مطابق بھر جاتی ہیں۔ ان میں پانی کو روک کر، ٹھہرا کر، وہاں سے پینے اور زراعت کے لیے استعمال ہو تا ہے۔ کہیں پتھریلی زمین پر بہہ جاتا ہے۔ کہیں میدان میں گزر کر جذب ہو کر فصلوں اور پودوں کے لیے نشو ونما کا سبب بنتا ہے۔ یہی حال آپ کی تعلیمات کا ہے۔ جو افراد، انسانی بھلائی کا علم حاصل کرتے ہیں اور سیکھاتے ہیں ان کی مثال، پانی کے تالاب و ذخیرہ کی ہے۔ جس سے انسان وحیوان اور زمین فائدہ اٹھاتی ہے۔ کچھ میدانی ہیں، جو عمل کے ذریعے فائڈہ دیتے ہیں۔ اور کچھ انکار کرنے والے، پتھریلی زمین کی طرح ہیں۔ کہ پانی گزر جاتا ہے۔ لیکن وہاں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام کے احکام انسانیت کی بھلائی اور فائدے کے ہیں۔ تمام کا مقصد معاشرے میں امن، عدل، مساوات، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اہتمام ہے۔ ہر وہ عمل جو دوسروں کے لیے فائدہ مند ہے، وہ باعث خیر و برکت ہے۔ اس لیے حدیث مبارکہ ہے

کہ انسانوں میں بہتر وہ ہے جو دوسروں کے لیے فائدہ مند ہو۔ (متعدد کتب حدیث)۔ یعنی بھلائی اور نیکی پھیلائے۔ ہر فرد کو عمل سے، اس کا اظہار یا ثبوت دینا ضروری ہے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰىؔ ۚ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ۠

جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا، بھلائی انہی لوگوں کے لیے ہے۔ اور جنہوں نے اس کا کہنا نہیں مانا، اگر ان کے پاس دنیا بھر کی چیزیں ہوں، بلکہ اتنی ہی اور بھی (دوگنی)، تو وہ (قیامت کے دن) اپنی جان بچانے کے لیے وہ سب کچھ دینے کو تیار ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کے حصے میں بری طرح کا حساب ہے۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالی کی عظمت، احکام پر عمل کی برکت کے بعد، جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں، ان کی سزا کا ذکر ہے۔ جب وہ قیامت کو اپنا حساب و کتاب دیں گے، اور اپنے اعمال کا بدلہ سنیں گے۔ تو اگر ان کے پاس ساری دنیا کی ملکیت اور دولت ہو، اور پھر اس کے برابر اور بھی ہو۔ تو اس عذاب سے بچنے کے لیے وہ بطور فدیہ اور جرمانہ دینے پر تیار ہوں گے۔ لیکن یہ عذاب نہیں ٹلے گا۔ اور سزا پائیں گے جہنم میں رہیں گے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِۙ

کیا پھر وہ شخص جو جانتا ہے، کہ کیا یہ یقینا جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ وہی حق ہے۔ وہ اس شخص کے مانند (ہو سکتا) ہے۔ جو اندھا ہے بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَۙ

وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔

وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِؕ

اور جو جوڑتے ہیں وہ چیز، جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے گھبراتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِۙ

اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی، اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں خفیہ اور علانیہ طور پر خرچ کیا، اور برائی کا دفاع بھلائی سے کرتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے لیے بہترین انجام، آخرت کا گھر ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍۚ

ہمیشہ رہنے کے لیے جنت (باغات میں محل)، جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے۔ وہ بھی (داخل) ہوں گے اور فرشتے (استقبال کے لیے) ہر دروازے سے آئیں گے۔

سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَى الدَّارِؕ

(اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، اور کیا ہی بہترین (تمہارا) آخرت کا گھر ہے۔

اللہ کے پسندیدہ افراد:۔

جو افراد للہ کے کلام پر یقین رکھتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے، جو اللہ کے کلام پر یقین نہیں کرتے۔ ان کی مثال اندھے شخص کی ہے کہ وہ نور اور روشنی کے باوجود دیکھنے سے معذور ہے۔ اور اندھا اور دیکھنے والا کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اہل ایمان و اہل عمل، نہ ماننے والوں کی طرح نہیں۔ اہل ایمان و عمل کی صفات کا ذکر کیا۔ اس فرق کو عقل مند ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے ساتھ وعدے کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ وعدہ اسکی بندگی اور اطاعت کا ہے۔ جو کہ انسان سے پہلے، اسکی تخلیق پر لیا گیا۔ اور جس کی وجہ سے ہر انسان کسی نہ کسی مذہب کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پھر جب کوئی مسلمان کلمہ پڑھتا ہے، تو وہ اللہ سے اقرار و عہد کرتا ہے۔ نبی علیہ اسلام لوگوں سے اسلام پر بیعت (یعنی عہد و اقرار) لیتے تھے، کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کریں گے۔

۲۔ بندوں کے ساتھ اپنے میثاق اور معاہدے پورا کرتے ہیں۔ انسانی معاشروں میں وعدوں کی پابندی انتہائی اہم ہے۔ جس کی وجہ سے سارا معاشرہ ترقی، امن کی منزلیں طے کرتا ہے۔ اسلام میں وعدے کی پابندی فرائض میں سے ہے۔ اور یہی ایمان کی خصوصیت بتائی گئی ہے۔ وعدہ کی پابندی اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب کلام کے ساتھ انسان کا عمل بھی ہو۔ حضور علیہ اسلام نے فرمایا، جس کا عہد (یعنی وعدہ کو پابندی سے پورا کرنا) نہیں، اس کا ایمان نہیں۔ معاشرے میں وعدہ کی پابندی نہ ہو، تو وہ معاشرہ جھوٹ سے بھر جاتا ہے۔ ظلم اور بدامنی سے تباہ ہو جاتا ہے۔ وعدہ کی پابندی کی بنیاد سچ ہے۔ سچ سے عدل اور عدل سے امن و سلامتی پھیلتی ہے اور معاشرہ ترقی کرتا ہے۔

۳۔ **صلہ رحمی:** باہمی تعلقات کو رکھنا، جھگڑا، فساد اور نفرت سے دور رہنا۔ صلہ رحمی کا مطلب ہے، کہ اپنے اقربا، رشتہ داروں، ہمسایہ، ساتھی، سب سے اچھا سلوک کرنا۔ ان کے حقوق ادا کرنا۔ سب سے پہلے والدین کا حق ہے۔ پھر دوسرے رشتہ دار افراد، بہنیں، بھائی، ماموں، چچا وغیرہ ہیں۔ سب کے حقوق کا خیال بہت ضروری ہے۔ اس کے بارے بہت زیادہ احادیث ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو۔ اور عمر میں اضافہ کیا جائے۔ اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھے۔ (بخاری / مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رحم، رحمان کی رحمت کے آثار میں سے ایک اثر ہے۔ اللہ تعالی نے (رحم سے) فرمایا کہ جو تجھ سے ملاپ رکھے گا۔ میں اس سے ملاپ رکھوں گا۔ اور جو تجھ سے منقطع ہو گا میں اس سے منقطع ہوں گا۔ (بخاری)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص نیکی کا بدلہ نیکی کرے۔ وہ رشتہ جوڑنے والا نہیں، بلکہ رشتہ جوڑنے والا وہ ہے۔ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے۔ (بخاری)۔ کتب احادیث میں اس موضوع پر ابواب ہیں۔ والدین کی وفات کے بعد ان کے دوستوں کا خیال۔ اسی طرح مریض کی عیادت، جنازہ میں شمولیت، مسکراتے ہوئے ملاقات، حتی کہ جانوروں کے ساتھ نیکی بھی اس کا حصہ ہے۔

۴۔ **صبر کرنے والے ہیں:** صبر ایک بڑی صفت اور انسان کے اندر قوت ہے۔ جو اللہ تعالی کی عنایت ہے۔ اسکا تفصیلی بیان سورت یوسف میں کیا جا چکا ہے۔ کسی تکلیف یا پریشانی پر پہلی دفعہ ردعمل کے بجائے پرسکون رہنا صبر ہے۔ بعض اوقات آدمی اپنی بہادری دکھانے یا اپنی کمزوری چھپانے کی وجہ سے بھی عارضی طور پر یا لوگوں کے سامنے خاموش رہتا ہے۔ یہ چونکہ بناوٹ ہے۔ اس لیے اس کا بدلہ یا مقام اللہ کے ہاں نہیں۔ اللہ تعالی نے، صبر جو صرف اس کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ انکی تعریف فرمائی ہے۔ اس میں سب سے اہم نقطہ یہ ہے، کہ تکلیف یا پریشانی پر یہ خیال کرے۔ کہ اس کی جان و مال کا مالک اللہ تعالی ہے۔ لھذا اس کے حکم کے تحت صبر کرے اور پریشان نہ ہو۔ تکلیف یا پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا صبر اللہ کی رضا کے لیے ہو گا۔ جس کا اجر عظیم ہے۔ صبر کا تعلق دینی اور دنیاوی امور سے ہے۔ احکام کی تعمیل اور ممنوعہ امور سے بچنے پر بھی صبر کا اطلاق ہے۔

۵۔ **اقامت نماز:** آیات مبارکہ کی ترتیب میں نماز کے مقام، کو انسانی وعدے، انسانی معاشرے میں احترام اور باہمی تعلقات کا اہتمام (صلہ رحمی) اور پھر مصائب پر صبر کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ نماز سے مراد اللہ کی الوہیت اور اس کا ذکر دل میں ہونا ہے۔ نماز پڑھنے اور قائم کرنے میں بڑا فرق ہے۔ پڑھنا، ادا کرنا، ایک عارضی یا وقتی عمل ہے۔ جبکہ قائم کرنا ایک کردار کا حصہ ہے۔ جس میں خوف خدا ایک بنیادی عنصر ہے۔ رزق حلال نہ ہو تو نماز (ظاہری عبادت) کا کوئی فائدہ نہیں۔

۶۔ **محروم افراد کی دادرسی اور خدمت:** اسلام نے، انسانی مساوات میں حقوق اور سماجی امور کے علاوہ، معاشی مساوات کا بہت اھتمام کیا ہے۔ جس کے لیے لازمی قانون بنا دیا۔ زکوتہ کو فرض بنا دیا۔ اس کی مقدار اور اس کی خرچ کی جگہ متعین فرما کر ریاست کی ذمہ داری بنا دی۔ افراد کو بھی پابند کر دیا۔ آیت مبارکہ میں جنت میں جانے والے افراد کی جس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ وہ بڑی اہم ہے۔ کہ وہ محروم افراد کی خدمت، اللہ کے رضا کے لیے، ظاہر اور پوشیدہ طور پر کرتے ہیں۔ اس کا مقصد ان کا ذاتی مفاد نہیں۔ بلکہ اللہ کے دیے ہوئے رزق میں ان کو شریک کرنا اور محروم افراد کو

سہولت دینا ہے۔ ظاہری مدد، زکوتہ کی مد میں ہو گی۔ تاکہ حکومت یا عوام کے سامنے، ان کی قانونی ذمہ داری پوری ہو۔ اور دوسروں کو ترغیب ملے۔ اور چھپ کر اس لیے افراد کی مدد کرتے ہیں۔ تاکہ ان محروم افراد کی عزت نفس مجروح نہ ہو۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق جو فرمایا، کتنا خوبصورت اور اہم ہے۔ کہ دایاں ہاتھ جو دیتا ہے، بائیں ہاتھ کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔

۷۔ **برائی کو اچھائی (بھلائی) سے دور کرتے ہیں:** مختصر مگر بہت اہم صفت ہے، جس کا اطلاق بہت وسیع ہے۔ اسکی تفسیر یہ ہے کہ شر کو خیر سے دور کرتے ہیں۔ بدی کو نیکی سے، بے حیائی کی باتوں، کو سلام کہہ کر دور کرتے ہیں۔ ظلم کو عفو سے اور گناہ کو توبہ سے دور کرتے ہیں۔ اس موضوع کے بارے کئی مقامات پر قرآن مجید نے حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ مجھ سے نبی ﷺ نے فرمایا: کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور برائی کے بعد نیکی کرو جو اس کو مٹادے۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آو۔ (ترمذی / دارمی)

۸۔ **صفات کا محرک:** ان صفات کا ذکر جن افراد کے لیے کیا گیا ہے۔ انہیں اہل عقل کہا ہے کہ وہ غور و فکر کرتے ہیں۔ پھر اللہ کا خوف، ان کا محرک ہے۔ اس میں اللہ کا، حساب و کتاب کرنا، جو انسان کے اعمال کی بناء پر ہو گا اور اللہ کی عظمت و قوت کی وجہ سے خوف کرتا ہے۔ وہ افراد ان تمام امور کو اللہ کی رضا کے لیے سر انجام دیتے ہیں۔

ان صفات کے حامل افراد پر مشتمل معاشرہ، نہ صرف امن و سلامتی کا مرکز، بلکہ دنیا میں جنت کی مثال بن جاتا ہے۔ اسلام کے احکام ایسے معاشرے کے قیام کے لیے ہیں۔ خلفائے راشدین نے یہ نظام نافذ کر کے اس کا ثبوت دیا۔ کاش آج کے حکمران بھی کردار میں تبدیلی کر کے ایسے معاشرے قائم کریں۔

۹۔ **انعام خداوندی:** ان صفات کردار کے حامل افراد کے انعام کا ذکر فرمایا۔ کہ اللہ تعالی انہیں جنت میں مقام (ٹھکانہ) عطا فرمائیں گے۔ اور جنت کے مقام کے بارے میں قرآن مجید و احادیث میں ذکر آیا ہے۔ جنت میں وہ جب داخل ہوں گے۔ تو ان کا وہاں اعلی کردار و اعمال کی بناء پر استقبال ہو گا۔ فرشتے خوش آمدید کہیں گے۔ اور ان کے صبر و عمل کی تعریف کریں گے۔ وہ نہ صرف خود بھی وہاں ہوں گے، بلکہ ان کی مزید خوشی و انبساط کے لیے ان کے دوسرے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ مثلا والدین، اولاد اور ازواج لیکن اس میں جو شرط ہے وہ ان کے اعمال صالح ہیں۔

۱۰۔ **صرف نسب کی اہمیت نہیں:** بعض حضرات نے اس آیت سے یکطرفہ مطلب نکال لیا ہے۔ کہ اللہ تعالی، ان کے رشتہ داروں کو بھی جنت میں ان کے نسبی رشتہ کی وجہ سے داخل کر دیں گے۔ جبکہ آیت میں واضح طور پر لفظ "ومن صلح من" موجود ہے کہ جو ان میں سے نیک اعمال والا ہو، وہ داخل ہو گا۔ بدقسمتی سے بزرگان دین کی اولاد، جو معیار میں کمزور ہوتی ہے۔ وہ اس آیت کی تفصیل اپنی مصلحت کے لیے اپنے حق میں دینا پسند کرتی ہے۔ جو فی الحقیقت احکام الہی میں تحریف کے برابر ہے۔ اللہ تعالی سب کو محفوظ فرمائے۔

ان خوش نصیب اور اعلی افراد کی عزت افزائی، نہایت اعلی انداز میں ہو گی۔ ان افراد کی عظمت، بلخصوص صبر کرنے والوں کے بارے حدیث مبارکہ، جس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ سب سے پہلے جنت میں فقراء داخل ہوں گے۔ جن کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور ان کی وجہ سے مصائب سے نجاعت ملتی ہے۔ ان میں سے کوئی شخص اس حال میں فوت ہوتاہے، کہ اس کی خواہش، اس کے دل میں رہ جاتی ہے۔ وہ اس خواہش کو پورا نہیں کر پاتا۔ اللہ تعالی جن فرشتوں سے چاہے گا، فرمائے گا، ان لوگوں کے پاس جاءو اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے کہیں گے: اے ہمارے رب: ہم تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں۔ اور تیری مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ کیاتو ہمیں حکم دیتاہے، کہ ہم جاکر ان لوگوں کو سلام کریں، اللہ تعالی فرمائے گا۔ یہ میرے وہ بندے ہیں، جو میری عبادت کرتے تھے۔ اور میرے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے تھے۔ ان کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی۔ (معاشرہ پرامن و محفوظ تھا)۔ ان کی وجہ سے مصائب سے نجاعت ملتی تھی۔ اور ان میں سے کوئی ایک شخص اس حال میں فوت ہوتا تھا، کہ اس کی خواہش اس کے دل میں ہوتی تھی۔ اور وہ اس خواہش کو پورا نہیں کر پاتا تھا۔ (صبر کے ساتھ اس دنیا میں رخصت ہو جاتا)۔ یہ سن کر فرشتے ان کے پاس، دروازے سے جائیں گے۔ اور کہیں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا۔ (مسند امام احمد)۔

ہمارے نبی ﷺ نے ہمیشہ فقراء کو پسند فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں بھی ان ہی میں اٹھایا جاوں۔ آپ کے کردار کا مقصود ان احادیث میں واضح ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوئے ہوئے تھے۔ جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نقش ہو گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ ﷺ، ہم آپ کے لیے بستر بنا دیں؟ آپ نے فرما یا: مجھے دنیا سے کیا لیناہے۔ میں دنیا میں اس طرح ہوں۔ جیسے کوئی مسافر ایک درخت کے سائے میں آرام کرے۔ اور پھر اس کو چھوڑ کر اپنے سفر پر روانہ ہو۔ (اس نظریے کے ساتھ آپ نے اعلی انداز میں حکمرانی فرمائی)۔ اگر ہم آج دنیا میں مسلمان معاشروں کو دیکھیں۔ تو ہمیں واضح معلوم ہو جاتاہے۔ کہ مسلمان کن امور میں کمی کی وجہ سے دنیا میں ناکام اور پریشان ہیں۔

۲۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے یہ پیشکش کی کہ میرے لیے مکہ کی وادیوں کو سونے کا بنادے۔ میں نے عرض کیا، نہیں۔ اے میرے رب: لیکن میں ایک دن سیر ہو کر کھاوں گا، اور ایک دن بھوکا ہوں گا۔ اور تجھ سے فریاد کروں گا۔ اور تجھ کو یاد کروں گا۔ اور جب میں سیر ہوں گا، تو تیرا شکر اور تیری تعریف کروں گا۔ (ترمذی)۔ (یہ آپ کا اپنا حسن انتخاب تھا)۔ دنیا میں زندگی بری نہیں بلکہ اس کی خاطر برے اعمال کرنا، بہت براہے۔ یہ ہمارے اور دنیا کے عظیم ترین لیڈر کی سنت (طریقہ حیات) تھا۔ کاش ہمارے

شیوخ، علماء و حکمران، عصا، ٹوپی، جبہ کو سنت بنانے اور الفاظ کے جادو جگانے کے بجائے کردار میں تبدیلی لائیں۔ اور اصلی سنت پر عمل پیرا ہوں۔ تو مسلمانوں کی مشکل و پریشانی دور ہو سکتی ہے۔

بلکہ بقول اقبال:

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

اللہ کریم! ہمیں اپنے نبی ﷺ کی اصلی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۝

وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اور وہ چیز (رشتے) توڑتے ہیں، جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) برا گھر ہے۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ۝

اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے۔ اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے، اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی پر بہت خوش ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت بہت معمولی متاع ہے۔

پچھلی آیت میں اللہ کے فرمان بردار انسانوں کا ذکر تھا۔ ان کا مقابلہ نافرمان افراد سے کیا ہے۔ جو اللہ سے عہد کر کے توڑ دیتے ہیں۔ اس میں بے عمل مسلمان بھی شامل ہیں۔ کلمہ گو ہونے کے باوجود، اسلام کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ ان رشتوں کو توڑتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم تھا۔ اس سے ایک مراد، خاندان یا سماجی رشتے ہیں۔ اور دوسرا احکام قرانی پر عمل ہے۔ پھر اسکے ساتھ معاشرے میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ یہ فساد، امن کے علاوہ سماجی اور معاشی مساوات کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ماحول اور انسانی حقوق کے خلاف بھی ہے۔ ان کے، ان اعمال کے بنیاد پر ان کا آخرت میں ٹھکانہ جہنم (دوزخ) ہو گی۔

رزق اور اعمال:۔

عمومی حالات میں اکثر برے لوگوں کا انجام برا ہوتا ہے۔ لیکن درمیانی عرصہ میں وہ، بعض اوقات بڑے دولت مند، سماجی عزت اور اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی معاشی زندگی دوسروں کے مقابل زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس وجہ سے وہ خوش ہو کر حقیقت کی طرف نہیں دیکھتے۔ اس کیفیت کو اللہ تعالی نے ان انسانوں کے لیے، جو اس کے احکام پر عمل کے باوجود مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں، وضاحت کی ہے۔ اللہ تعالی جس کو چاہیں رزق میں زیادتی دیں۔ رزق کی زیادتی، انسان کی کامیابی کی ضامن نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے اگر آدمی گمراہ ہو گیا۔ اور کردار، نہ بدلا، تو دوزخ میں رہے گا۔ اور یہاں کئی سالوں کے بدلے، وہاں ابدی زندگی عذاب میں گذارے گا۔ عمومی طور پر اچھے اعمال کا نتیجہ، اس دنیا میں مل جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات جب معاشرہ برائی سے

بھر چکا ہو، تو نیک اعمال کی قلت کی وجہ سے، اس کے اثرات ضائع ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں، نیک اعمال کرنے والوں کو پریشانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اور نہ ہی نیک اعمال چھوڑ کر، برے اعمال کی طرف رغبت کرنی چاہیے۔ کیونکہ دنیا کی مدت، آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے۔ یہ ساری زندگی کے مزے اٹھانے کی مدت انسان کی پچیس سال کی عمر سے لے کر ساٹھ سال تک ہے۔ جس کا فرق صرف ۳۵ (پینتس) سال ہے۔ جس میں عیش یا تکلیف کا عرصہ گذرتا ہے۔ اس کے مقابلے اخروی زندگی ہمیشہ ہمیشہ ہوگی۔ دنیا کی زندگی کا دکھ، پریشانی اور عذاب، ابدی زندگی کے مقابلے میں کچھ نہیں۔ اس لیے اہل عقل کو اس پریشانی اور تکالیف میں نہ حوصلہ چھوڑنا چاہیے اور نہ ہی نیک اعمال میں کمی آنے دیں۔

اگر موجودہ حالات کا بغور جائزہ لیں۔ تو اسلامی ممالک میں مقیم افراد کی پریشانی، وہاں کے رہنماوں اور حکمرانوں کے غیر اسلامی کردار کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ اسلامی کردار اپنائیں۔ اور معاشرے میں نافذ کریں۔ تو پریشانی یا بدامنی، فساد چند سالوں کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالی نے کئی بار یہ حکم دیا ہے، کہ وہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اس کے لیے کوشش و عمل نہ کریں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۞

اور انکار کرنے والے (کافر) کہتے ہیں: ان (نبی) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی۔ کہہ دیجیے: (اے نبی) بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جو اسکی طرف رجوع کرے اسے ہدایت دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۞

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ یاد رکھو۔ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۞

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے خوشحالی اور بہترین انجام (ٹھکانہ) ہے۔

اختیار اور عمل:۔

آیات مبارکہ، مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمانوں پر شدید مصائب کا زمانہ تھا۔ دشمنان اسلام ہر طرح کے بہانے اور مطالبے کرتے۔ مثلاً پہاڑ سونا بن جائیں، دریا نکل آئے۔ باغات بن جائیں یا پھر پہاڑ ختم ہو جائیں۔، اور میدان ہو جائے۔ جس کا مقصد صرف تنگ کرنا تھا۔ مسلمان تمنا کرتے تھے کہ معجزات ظاہر ہوں۔ تاکہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں۔ اللہ تعالی نے انکار کرنے والوں کی کیفیت بیان فرمائی۔ کہ یہ صرف بہانہ ہے۔ اللہ تعالی اسے ہدایت دیتے ہیں، جو ہدایت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر انسان دلائل، شواہد اور ہدایت کی معلومات کے باوجود، محض ضد، تکبر کی خاطر غور و فکر یا کوشش نہیں کرتا۔ تو وہ گمراہی میں بھٹکتا رہے گا۔ ہدایت سے محروم رہے گا۔ کئی آیات میں ذکر آیا ہے۔ اگر اللہ تعالی انسان کو اختیار نہ عطا کرتا، تو سارے کے سارے

حق پر ہوتے یا گمراہی پر ہوتے۔ صلاحیت علم عطا کر کے، انسان کو اختیار کا موقع دیا گیا۔ اور ہدایت کی کوشش کرنے والوں کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ گمراہی کی طرف جانے والوں کو گمراہی ملتی ہے۔ ایک حدیث مبارکہ، جس کا مفہوم یہ ہے، کہ ہدایت طلب کرنے والوں کے لئے ہدایت کا سامان میسر کر دیا جاتا ہے۔ اور گمراہی کی طرف جانے والوں کے لئے گمراہی کے اسباب بن جاتے ہیں۔

اللہ کی یاد:۔

مومنین کی تسلی کے لیے فرمایا، کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ مومنین کے دل اس کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔ نفسیاتی راحتیں میسر آتی ہیں۔ تکالیف کی شدت ختم ہو جاتی ہے۔ اور ساری راحت رضا اور رحمت کا حصہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اللہ کے حساب وکتاب، اس کی قوت وغلبہ اور انسانی اعمال صالحہ میں کمزوری، کو جب دیکھا جائے، تو خوف گھیر لیتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ اسلام کا فرمان ہے کہ ایمان خوف اور امید رحمت کے درمیان ہے۔

اللہ کے ذکر سے، اہل صفا (صوفیاء کرام) کے نزدیک، زبان کا ذکر الٰہی، اس کے انعامات میں غور وفکر ہے۔ اور دل کا ذکر، ملکوت الٰہی میں غور وفکر۔ جمال الٰہی کا مطالعہ اور حمد وثنا کے اسرار۔ روح کا مشاہدہ، محبت وعشق کو چھپانا اور ذکر الٰہی میں فنا ہونا ہے۔ اس کے نتیجہ میں اطمینان اور جمال الٰہی کے مطالعہ میں استقرار حاصل کرتے ہیں۔ عاشقان خدا کے دل، ہر وقت اسکی یاد میں اس خوف سے اگر کسی وقت تجلی مبارکہ اور نگاہ التفاف کے وقت کہیں ذرا غفلت اور سوئے ادبی نہ ہو۔ متحرک ومستعد رہتے ہیں۔

ع جو دم غافل او دم کافر مرشد ای فرمایا ہو (کلام سلطان باہوؒ)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں، جو اللہ سے اس کے رسول سے اور میرے اہل بیت سے سچی محبت رکھیں۔ اور مسلمانوں سے محبت رکھیں۔ خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب۔ سنو: اللہ کے ذکر کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔ (الدار المنثور)۔ پھر ان خوش نصیب افراد کے لیے مزید انعام یہ ہے۔ کہ ان کے لیے پر مسرت ٹھکانہ ہے۔ جہاں وہ شادمانی سے رہیں گے۔ لیکن جو شرط رکھی گئی ہے۔ وہ قابل غور ہے، کہ ایمان بھی ہو اور اعمال صالحہ بھی ہوں۔ بد قسمتی سے لوگ، محض تن اسانی کی خاطر رسمیات کو بہت اہمیت دے کر، اصل سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ مثلا کپڑوں کا انداز، رنگوں کا انداز، ظاہری نماز کی اہمیت یا لوگوں کو نصیحت پر زور۔ لیکن اصل امور، خوف خدا، سچائی، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، وعدہ کی پابندی، رزق حلال، جو عبادت کے لیے اہم ہے اور مظلوم کی مدد کی پرواہ، نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے مسلمان معاشرے کمزور ہیں۔ جب تک اعمال صالحہ نہیں ہوں گے۔ اس وقت تک انعام واکرام کی توقع ایک غلط گمان ہے۔ (حسن مآب) عالیشان انجام، صرف اعمال صالحہ کی بنا پر ہوگا۔

جدید نفسیات اس بات سے متفق ہے کی مذہب یا نظریہ، کے ساتھ زندگی، زیادہ پر سکون ہوتی ہے۔ اللہ کی ذات سے تعلق سب سے زیادہ مفید اور حقیقی ہے۔

كَذٰلِكَ اَرۡسَلۡنٰكَ فِیۡۤ اُمَّةٍ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتۡلُوَاۡ عَلَيۡهِمُ الَّذِیۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ بِالرَّحۡمٰنِ‌ؕ قُلۡ هُوَ رَبِّىۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ۚ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ مَتَابِ‏ ۝

(جیسے ہم نے پہلے رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے اس پر توکل کیا ہے اور اس کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

لَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى‌ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا‌ؕ اَفَلَمۡ يَايۡــَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيۡعًا‌ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ وَعۡدُ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝

اور اگر قرآن ایسا بھی ہوتا جس کے ذریعے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جاتے، یا اس سے زمین شق کر دی جاتی (دریا نکل آتے)، یا مردوں سے باتیں کر لی جاتیں، (تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے)، بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔ کیا پھر بھی ایمان والوں نے (ابھی تک) نہیں جانا (معلوم ہوا)، کہ اگر اللہ چاہتا، تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ اور انکار کرنے والوں (کافروں) کو اپنے کرتوتوں پر اپنی آفت پہنچتی ہی رہے گی یا ان کے مکانوں (بستی) کے قریب (مصیبت) آتی رہے گی، حتیٰ کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا۔ (پورا ہو گا)، بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

پچھلی آیات کے مضمون کا تسلسل ہے۔ دشمنان اسلام (کفار مکہ) مختلف اعتراضات اور معجزات کے مطالبے کرتے۔ اور ہر طرح سے مخالفت کرتے تھے۔ ابو جہل نے کہا، اللہ تو ہم جانتے ہیں۔ اور الرحمان کیا ہے۔؟ دو خدا (اللہ اور رحمان) کیسے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے منکرین اسلام کی ضد، تکبر کی وجہ سے، انکی کیفیت بیان کی۔ کہ معجزات میں، اگر قرآن مجید جو اللہ کا کلام ہے، اس سے پہاڑ بھی چل پڑیں، دریا نکل آئیں۔ مردے تصدیق کریں، تو پھر بھی، یہ ضد کی وجہ سے حق سے منکر رہیں گے۔ مومنوں کو ان کے رویہ میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ اور اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا چاہیے۔ تمام امور (معجزات) اللہ کی قدرت میں ہیں۔ کیونکہ یہ ضد کی وجہ سے شیطان کے ساتھی ہیں، اس لیے ہدایت سے محروم رہیں گے۔ پچھلی آیات کے مضمون کی، تسلی کے لیے تصدیق کی ہے۔ کہ اللہ چاہتا تو سارے انسان اس کے تابع اور ایمان والے ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اختیار دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے اعمال کا انتخاب کریں اور کفار کو ان کے کفر کی وجہ سے عذاب آتا رہے گا۔ پچھلے رسولوں نے بھی دعوت حق دی۔ اور ان کی بھی مخالفت ہوئی۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے بعد اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ اور جنہوں نے مخالفت کی وہ ذلیل اور رسوا ہوئے۔

وَلَـقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَمۡلَيۡتُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ‌ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ ۝

اور (اے نبی) بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا، تو میرا عذاب کیسا (عبرتناک) تھا۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۝

کیا پھر وہ (اللہ) جو ہر شخص (کے اعمال) پر نگران ہے، جو اس (شخص) نے کیے (اس کی مانند کوئی غیر خدا ہو سکتا ہے)، اور انہوں (لوگوں / کافروں) نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں۔ کہہ دیجیے: ان (شریکوں) کے نام تو بتاؤ؟ (اگر کوئی نام لوگے) تو کیا اللہ کو کسی ایسے وجود کی خبر دوگے۔ جسے وہ زمین پر نہیں جانتا یا خالی زبان سے ایسے نام لوگے جن کے پیچھے کوئی حقیقت نہیں، بلکہ (واقعہ یہ ہے) کہ کافروں (انکار کرنے والوں) کو اپنی مکارانہ باتیں خوبصورت لگتی ہیں اور اس طرح ان کے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے، اور جسے اللہ گمراہی میں پڑا رہنے دے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ۝

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو سخت ترین ہے اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں؟

پچھلے مضمون کا تسلسل ہے کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء اور رسولوں کے ساتھ اسی طرح کا مخالفانہ سلوک رہا۔ انکار کرنے والوں کو ڈھیل ملتی رہی اور جب معاملہ حد سے بڑھ گیا۔ تو عذاب الٰہی نے ان کو پکڑ لیا۔ اور وہ عبرت بن گئے۔ یہ کہ کس قدر عقل دشمنی ہے۔ کہ اللہ کی ذات، جو ہر فرد کے ہر عمل اور کائنات کے ہر واقعہ، پر نگران ہے، اسکے مقابل وہ محض بتوں کو خدا بنا لیتے ہیں، جو کچھ بھی نہیں۔ لیکن یہ غلط اور خلاف واقعہ بات بھی، ان کو ان کی گمراہی کی وجہ سے اچھی لگتی ہے۔ اور اس پر ضد کے ساتھ قائم رہے ہیں۔ اور یہ ضد ہدایت کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ ذات خداوند، ان کو، ان کے اعمال کی بناء پر، حق سے محروم رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ ہمیشہ ہدایت سے محروم رہیں گے۔ پھر اس دنیا میں بھی وہ خوار ہوں گے۔ اور آخرت میں بھی ان کا انجام عذاب ہے۔ جو بہت شدید ہو گا اور دائمی بھی۔ اللہ کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ۝

جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اسکی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہوئے اور کافروں کا انجام آگ ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ۝

اور جنہیں ہم نے کتاب دی، وہ اس (قرآن) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا۔ اور کچھ گروہ ہیں، جو اس کے بعض (احکام) کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں، اس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں اور اس کی طرف میری واپسی ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُكۡمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ۝

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی (زبان) میں حکم (دستور بنا کر) نازل کیا، اور واقعی تم اس کے بعد بھی ان کی خواہشات کے پیچھے ہوئے کہ تمھارے پاس علم آچکا، تو تمہارے لیے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا۔

انکار کرنے والوں کی سزا، یعنی دوزخ کے بعد، متقی اور فرمانبردار افراد، کے لیے جنت کے انعام اور اسکے اوصاف ذکر ہیں۔ تاکہ قارئیں اپنے اعمال کے لیے انتخاب کر کے جنت حاصل کریں۔ جنت کے اوصاف احادیث مبارکہ میں بڑی تفصیل سے آئے ہیں۔ اور اسکی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ البتہ اس طرح کی شبیہ ہیں۔ یہ مثال بھی اسی طرح ہے، کہ محلات نما گھر ہوں گے۔ جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس کے پھل اور سائے دائمی ہوں گے۔ یہ مثالیں اور الفاظ کی تفسیر میں علماء نے مختلف رائے رکھیں۔ کچھ نے الفاظ کو ان کے لغوی معنی نے لینے کو ترجیح دی۔ اور کچھ یا اکثر نے اس کو معنوی انداز میں سمجھنے کو ترجیح دی۔ مثلا جنت کے پھل یا سائے، دائمی کا مطلب جنت کی مجموعی نعمتوں کا دوام ہے۔ جبکہ کوئی پھل جب کھایا جائے گا، تو ختم ہو جائے گا۔ جنت نیک لوگوں (متقی افراد،) ان کے اعمال کی جزا (انعام) ہے۔ اللہ تعالی نے انسانی ہدایت کے لیے احکام نازل فرمائے جس کا ذکر کتاب سے کیا۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ لیکن کچھ علماء نے تورات وانجیل کو بھی لیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کے احکام کی تعلیمات ہیں۔ کچھ ایسے احکام بھی ہیں جو معدوم ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ ان کو کچھ نے مانا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جنھوں نے نہیں مانا یا مانا اور عمل نہیں کیا، انکار کرنے والوں میں ہو گئے۔ اسی طرح تورات اور انجیل کے ماننے والوں میں کچھ نے ان احکام یعنی قرآن مجید کو مان کر اسلام قبول کیا۔ اور کچھ اپنے پرانے دین پر رہے۔ واقعات کے مطابق، مدینہ شریف میں ٦٢ باسٹھ افراد جو نجران سے آئے تھے۔ آٹھ افراد یمن اور تیس افراد حبشہ سے آنے والے جو مسلمان بنے ہیں۔ اسی طرح یہود میں بہت سے مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا، کہ آپ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ اور اس کی الوہیت کی دعوت دیں گے۔ یہی اللہ کا حکم ہے۔ قرآن مجید کو عربی زبان میں اس لیے نازل کیا، کہ آپ کی اور اہل عرب کی زبان عربی تھی۔ تاکہ وہ اس کو سمجھ سکیں اور عمل کر کے دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کریں۔ آب اس واضح دستور (قرآن) کے آنے کے بعد اگر کوئی گمراہی کی طرف گیا۔ یا منکرین حق کی خواہشات کو اہمیت دی۔ تو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اور نہ کوئی بچا سکتا ہے۔ اس لیے اس پر چلنے میں ہی کامیابی اور فلاح ہے۔ یہ حکم اس وقت بھی تھا۔ اور آج بھی تمام مسلمانوں کے لیے

ہے۔ جب معلومات (احکام) موجود ہیں، تو پھر عمل نہ کرنا ذاتی خواہشات کو ترجیح دینا ہے۔ اور یہ نافرمانی کی بنا پر جرم ہے۔ اس کی سزا سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر چلنے کی توفیق عطا فرما کر عذاب سے محفوظ فرمائے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۝

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے۔ اور ہم نے انہیں بیویاں اور اولاد عطا کیں اور کسی رسول کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) اللہ کے حکم کے بغیر پیش کرے۔ یہ مقررہ وقت کے لیے ایک کتاب (لکھا ہوا حکم) ہے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ۝

اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور (جسے چاہے) ثابت رکھتا ہے۔ اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔

عائلی زندگی کی اہمیت:۔

آیات کا موضوع کفار کے اعتراضات اور مختلف قسم کے معجزات کے مطالبات کے بارے میں ہے۔ کہ ہر معجزہ، اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ نبی اپنی مرضی سے فیصلہ نہیں کرتا۔ اور اسی طرح تمام انبیاء انسان تھے۔ اور ان کی بیویاں، اولاد اور سماجی اور معاشی ضروریات تھیں۔ تاکہ لوگوں کے لیے وہ بطور عملی نمونہ پیش کریں۔ جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے پیش کیے۔ آپ کی ازواج مطہرات کی تفصیل سورت النساء میں ذکر کی گئی ہے۔ پھر بحثیت انسان ان کی تقلید اور ان سے افادہ علم آسان تھا۔ لھذا یہ اعتراض کہ وہ ہماری طرح انسان یا ان کے پاس دولت زیادہ نہیں، غلط ہے۔ اس وقت کے لوگ، بلخصوص منکرین اسلام، کا نبی کے بارے میں ایک تصور تھا، کہ مافوق الفطرت ذات ہو۔ جس سے ہر وقت معجزہ ٹپک رہے ہوں اور بدقسمتی سے آج بھی کچھ لوگ انبیاء کے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ مافوق الفطرت انسان ہیں۔ جو ان کی عظمت اور اعلیٰ کردار سے ایک طرح کا انکار ہے۔ ہر دفعہ معجزہ کا مطالبہ بھی غلط ہے۔ بیوی اور اولاد کا ذکر کیا، کہ اہل عیال کے ساتھ زندگی فطرتی عمل اور انبیاء کی سنت ہے۔

تقدیر:۔

اللہ تعالیٰ نے تمام امور کائنات، جو بھی ہیں۔ ان کا ایک معین پروگرام بنایا ہوا ہے۔ جس کو کنٹرول فرماتا ہے۔ تمام امور اس کے متعین کردہ اوقات اور طریقہ سے واقع ہوتے ہیں۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ خواہ کتنا ہی اہم اور بلند مرتبہ کیوں نہ ہو۔ یہ معاملات جو معین اوقات پر ہوتے ہیں، ان کے ریکارڈ کو علم الکلام میں تقدیر الٰہی کہا گیا ہے۔ تقدیر، قدر، مقرر یا معین کرنے سے ہے۔ اور تقدیر بدل بھی سکتی ہے۔ جس طرح احادیث میں ہے کہ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ یا صدقہ، بلاء کو ٹال دیتا ہے۔ لیکن اس تقدیر کے فیصلے کو تبدیل کرنے کا اختیار و قوت، بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہے، جس طرح چاہے بدل سکتا ہے۔ اپنے نیک بندوں کی آرزو یا درخواست کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ اسکی مرضی ہے۔ اس لیے علم الکلام میں تقدیر کو دو حصوں میں ذکر کیا ہے۔ ایک تقدیر مبرم، جس میں تبدیلی ممکن نہیں اور اسی طرح ہو گی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے کتاب تقدیر میں متعین کر دیا

ہے۔اور دوسری تقدیر غیر مبرم، جس میں وہ تبدیلی کر دیتا ہے۔اس کے لیے اسباب، ذرائع اور وقت کا فیصلہ وہی فرماتا ہے۔حدیث مبارکہ میں ہے کہ کئی غبار آلود اور پھٹے کپڑوں والے، اللہ کی قسم اٹھا کر جب وعدہ کرتے ہیں، تو اللہ تعالی اسے پورا کر دیتے ہیں۔(مسلم)۔یہ تقدیر غیر مبرم کی تعبیر ہے۔اس لیے فرمایا کہ جسے چاہے مٹاتا یا ثابت رکھتا ہے۔بعض علماء نے اس کی تعبیر مختلف شرائع (مذاہب) کے آنے سے کی ہے۔بعض نے احکامات میں تنسیخ سے کی ہے۔اور پھر قوموں کے عروج وزوال بھی ثابت ہونا اور مٹنا ہے۔

اعمال صالحہ کی برکت:۔

احادیث مبارکہ میں اچھے اعمال کی برکات کا ذکر ہے۔ا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خاندان کے رشتوں کو جانو، جن سے تم مل جل کر رہو۔کیونکہ رشتہ داروں سے ملنے کے سبب اہل خاندان میں محبت بڑھتی ہے۔مال میں زیادتی ہوتی ہے۔عمر میں اضافہ ہوتا ہے (ترمذی / المستدرک)۔۲۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو نرمی، ملائمت سے، اس کا حصہ دیا گیا۔اس کو دنیا اور آخرت کی خیر (کامیابی) سے حصہ دیا گیا۔

رشتہ داروں سے ملنا، پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا، گھروں کو آباد رکھتا اور عمر میں اضافہ کرتا ہے۔(مسند احمد)۔اس کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس سے بری موت دور ہوتی ہے۔(امام حاکم / امام بزاز)۔یہ وہ معاشرہ ہے، جس کو اسلام میں دنیا کو عملاً بنا کر دکھایا۔

اہل صفا (صوفیاء کرام) کے ہاں مقام ولایت میں اہل وعیال اور امور بشریہ کوئی رکاوٹ نہیں۔جبکہ دل، اللہ سے لگا ہوا ہو۔مٹانے سے عقل وافکار کی بحوث کو مٹانا اور ثابت سے اذکار اور انوار و تجلیات کو ثابت کرنا اور محو ہو جانا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

محو، اوراق قلوب سے حدوث کو مٹانا اور برکات، علوم لدنی کو ثابت کرنا۔عارفین کا کشف جلال الہی میں، اپنے کو ختم کرنا۔اور انجام میں جمال الہی سے لطف اندوز ہونا ہے۔حضرت ابن عطاؒ فرماتے ہیں، عوارض انسانی کو مٹانا اور اسرار الہی کو مضبوط و ثابت کرنا ہے۔کیونکہ وہ موقع مشاہدہ ہیں۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۝

اور اے نبی اگر ہم واقعی آپ کو اس عذاب کا کچھ حصہ دکھادیں، جس کا ہم ان (کافروں) سے وعدہ کرتے ہیں۔یا آپ کو وفات دے دیں، آپ کے ذمہ تو صرف (پیغام) پہنچا دینا ہی ہے۔اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم (کفر کی) زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے جاتے ہیں۔ (اسلام پھیل رہا ہے) اور اللہ حکم کرتا ہے۔ اور کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں۔ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝

اور بے شک وہ لوگ بری تدبیریں کر چکے جو ان سے پہلے تھے۔ بس اللہ کی ہی ساری تدبیریں ہیں۔ وہی جانتا ہے جو کچھ ہر نفس کرتا ہے۔ اور جلد ہی انکار کرنے والا (کافر) جان لے گا کہ آخرت کا (اچھا) گھر کس کے لیے ہے۔

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

اور کافر کہتے ہیں تم رسول نہیں ہو، آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

آیات مبارکہ مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ جبکہ کفار مکہ کے ظلم و مخالفت عروج پر تھی۔ نبی علیہ اسلام کو تسلی فرمائی، کہ اسلام کی عظمت آپ دیکھ لیں گے۔ اگر اس مکمل کامیابی سے پہلے، آپ کو دنیا چھوڑنی پڑی، تو آپ نے اپنا فریضہ تبلیغ و دعوت کا حق پورا کر دیا۔ اور ان کفار سے حساب و کتاب لینا، ہمارے ذمہ ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ اللہ کے حکم کو روکنے والا کوئی نہیں، اور کفار کی زمین تنگ ہوتی رہے گی۔ اس سے مراد کفر کی ناکامی اور شکست ہے۔ بلا آخر ان کے رہنما مارے گئے۔ اور اسلام نے بارہ سال میں نہ صرف مکہ بلکہ سرزمین حجاز، نجد، یمن تک، اپنا نظام پھیلا دیا۔

زمین کے گھٹانے کی جو سائنسی توجیہ، کی جا رہی ہے وہ معدنیات اور پیداوار میں کمی آ رہی ہے۔ فطرت کے ذخائر (eco) جنگلات کی کمی ہے۔ اس کے علاوہ زمین کی فضاء میں حرارت میں زیادتی کی وجہ سے قطبین کی برف پگھلنے سے پانی کی سطح بلند ہو رہی ہے۔ خشک زمین کا حجم یا سائز کم ہو رہا ہے۔

اگر کفار آپ کی نبوت پر شک اور آپ پر اعتراض کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ ﷺ کی گواہی اللہ کی ذات دے رہی ہے۔ دوسرے اہل کتاب، مذہب یہودی اور عیسائی بھی جانتے ہیں۔ ان کو آپ کی آمد کی پشین گوئی کی گئی تھی۔ انکار کرنے والوں نے تمام انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ اور جہاں انہوں نے اپنے مکر و فریب میں کامیاب ہو کر تبلیغ اسلام کو روکا، وہاں اللہ نے ان کے مکر و فریب کو ختم کر دیا۔ وہ آخر میں ناکام ہوئے۔ آخرت صرف اہل ایمان ہی کی اچھی ہو گی۔ کفار اپنی ناکامی اور موت پر اپنا انجام جان لیں گے۔ سورت مبارکہ کا اختتام مسلمانوں کی تسلی پر ہوا۔ کیونکہ یہ زمانہ ان پر انتہائی شدید مصائب کا تھا۔

الحمد اللہ سورہ الرعد مکمل ہوئی اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ تفسیر مکمل کرنے کی توفیق دے اور اسے میری بخشش اور لوگوں کے لیے نفع مند بنائے۔ امین بجاہ نبی الکریم۔ یارب العالمین۔

۱۴۔ سورۃ ابراہیم

تعارف:۔

سورۃ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی وجہ سے ہے جو کہ آیت نمبر 35 میں ہے۔ سورۃ کا نام اس کے مرکزی مضمون کی وجہ سے نہیں بلکہ ذکر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ سورۃ ابراہیم مکی ہے، اس میں باون (52) آیات اور سات (7) رکوع ہیں۔ دو آیات مدنی بھی ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے چودہ (14) اور نزول کے مطابق ستر (70) نمبر ہے۔ مضامین کے لحاظ سے مکی مضامین کے موضوع، توحید پر دلائل، مشرکین مکہ کے کردار کا ذکر ہے۔ سورۃ الرعد کے ساتھ اس کے مضامین ملتے جلتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کا وقت نزول بھی ساتھ ساتھ ہے۔ سورۃ الرعد اور سورۃ ابراہیم کے ابتداء و اختتام میں بڑی مناسبت ہے۔

قرآن مجید کی عظمت کو بیان کیا۔ یہ کلامِ انسانی نہیں۔ نہ ہی کوئی اس کی مثال لا سکتا ہے۔ نبی ﷺ کا ذکر کیا کہ وہ دوسرے انبیاء کی طرح انسان ہیں۔ جس طرح عام انسان زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ نبوت کے خلاف نہیں بلکہ توضیح اور عمل کے لئے ضروری ہے۔

نافرمان قوموں کا ذکر فرما کر عذاب الٰہی سے ڈرایا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کا ذکر کیا۔ اللہ کی وحدانیت پر سائنسی (کائنات) کے دلائل دیئے۔ اسلام کی فضیلت اور کفر کی مذمت کا ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾

الف،لام،را، (اے نبی) یہ عظیم کتاب ہم نے آپ پر اُتاری ہے، تا کہ تم لوگوں کو اللہ کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آؤ۔ اس ذات کے راستے کی طرف جس کا اقتدار سب پر غالب ہے (اور) جو ہر تعریف کا مستحق ہے۔

اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِۣ ۙ﴿۲﴾

وہ اللہ، کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی ہی کا ہے اور جو حق سے انکار کرتے ہیں، ان کے لئے تباہی شدید عذاب ہے۔

الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾

جو (انکار کرنے والے)، آخرت پر دنیاوی زندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھا پن ڈھونڈتے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور تک (چلے گیے) ہیں۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَہُمۡ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴﴾

اور ہم نے ہر رسول، اس کی قوم کی، زبان بولنے والا بھیجا، تا کہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے۔ پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ بڑے غلبے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

سورۃ کی ابتداء حروف مقطعات سے ہے۔ جو کہ کلام کی عظمت و ہیبت پر دلیل ہیں۔ پھر قرآن مجید کا ذکر کیا۔ اس کا مقصد بیان فرمایا۔ جو نہایت اہم ہے۔ جو الفاظ وضاحت کے لئے استعمال فرمائے وہی کافی ہیں۔ کہ یہ عظیم کتاب، ایک عظیم ذات پر نازل کی۔ اور اس کا مقصد بھی عظیم ہے کہ انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر، نور کی طرف لے آئے، تا کہ انسانیت کی سسکیاں ختم ہو کر راحت میں بدل جائیں۔ یہ دنیا کی زندگی بھی پر مسرت و پر سکون اور آخرت بھی عیش و عشرت کی ہو۔

روشنی کا معاشرہ:۔

اس عظیم مقصد کا صحیح راستہ وہ ہے، جس پر چل کر انسانیت کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور اس کی عملی تطبیق نبی پاک ﷺ نے کر کے دکھائی۔ آپ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ثمرات آنے شروع ہو گئے۔ ہجرت نبوی کے پندرہ سال کے اندر، اسلامی معاشرہ پر سکون، معاشی طور پر مستحکم، حقوق کے لحاظ سے برابری، عورتوں کے حقوق، بچوں کی حفاظت، قانون کی حکمرانی، معاشی مساوات و حفاظت، غلاموں کی آزادی کے قوانین، علم کی ترویج، خدائے واحد کی عبادت اور اس کی تابعداری کا مثالی معاشرہ، نہ صرف بنا، بلکہ صدیوں تک رہا۔ جب حکمرانوں اور اس کے افراد نے، اسلام کے اعلیٰ اصولوں کو چھوڑ دیا، تو نظام الٰہی کے تحت سزا کے مستحق بن گئے۔

یہ راستہ اس ذات نے متعین کیا ہے، جو کہ بڑی طاقت اور قوت کی مالک ہے۔ اس کی حمد و ثناء کی حد نہیں، اس کی ذات اس کے ہر فضل پر حمد و تعریف کی مستحق ہے۔ کوئی کرے یا نہ کرے۔ اور وہی ہدایت دینے والا ہے اور اسی کی توفیق سے ہدایت ہے۔ ہدایت کے حصول میں نبی ﷺ کی ذات بڑا ذریعہ ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات تمام انسانوں کے لئے ہے۔ کسی ایک علاقے یا قوم کے لئے نہیں۔ اور آپ کی جدوجہد کے باوجود، اللہ کی توفیق ضروری ہے۔ توفیق کا مطلب ہے نیکی اور بھلائی کے اسباب کو مہیا کر دینا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگی میں یہ سارے اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ لہٰذا اس کی توفیق موجود ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کا فائدہ نہیں اُٹھاتا اور گمراہی پر رہتا ہے تو اس کا اپنا فعل اور اِس کا نتیجہ اُس پر ہے۔ اس لئے تمام انبیاء اور ان کی پیروی کرنے والوں نے پیغام کو بار بار پہنچا دیا۔ اس پر عمل کرنا، انفرادی فیصلہ و فعل تھا اور ہے۔

جس ذات عظیم نے ہدایت کا راستہ اور توفیق دی، وہ اللہ ہے۔ لفظ اللہ، ذاتی نام ہے، صفاتی نہیں۔ صفاتی نام اور بھی ہیں۔ اس کا معنیٰ معبود، مستحق عبادت ہے۔ اپنی قوت کا اظہار فرمایا۔ تا کہ انسان، اس کو حقیقی طور پر تسلیم کرے۔ انسانی فہم و ادراک میں جو کچھ اسے زمین پر اور فضاء و خلاء میں نظر آتا ہے۔ جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ سب اللہ کے تابع، اسی کے قبضہ و تسلط میں ہے۔ اس کی نافرمانی بہت خطرناک ہے۔ لیکن منکرین اسلام ان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے۔ اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذابِ شدید سے دوچار ہوں گے۔

اللہ سے دوری کیوں ؟:۔

قرآن حکیم نے انسانی نفسیات و اعمال کا تجزیہ بھی واضح کیا۔ کہ اس قدر حقائق اور انسانی بے بسی کو جاننے کے باوجود، انسان کیوں اپنے خالق حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ اس کی وجہ انسان پر اس کی خواہشات کا غلبہ ہے۔ خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے، وہ دنیا کی زندگی میں مگن رہتا ہے۔ اور پھر اس قدر کھو جاتا ہے کہ آخرت کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ آخرت پر یقین نہیں ہوتا۔ جبکہ ہر فرد جانتا ہے کہ اس نے دنیا میں نہیں رہنا۔ اور ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ اور دنیا کی مختلف لذتوں میں لگا رہتا ہے۔ دنیاوی لذتوں کی مدت بھی بہت کم ہے۔ پھر ان کے کھو جانے کا غم بھی ہر وقت رہتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ ایک وقت مقررہ پر ختم ہو جاتا ہے۔ انسان کی اپنی زندگی بوجھ بن جاتی ہے۔ لیکن اس وقت عمل کی قوت بھی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ ان حقائق اور اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے، دنیا کی محبت کو احکام خداوندی پر ترجیح دینے پر، عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس سے ایک نکتہ واضح ہے کہ دنیا کی محبت یا انسانی زندگی میں آرام و سکون کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا برا نہیں کہا۔ بلکہ اس کی اسلام کے احکام یا آخرت پر ترجیح دینے کو برا اور قابل سزا کہا ہے۔ اور ترجیح یہ ہے کہ اسلام کے احکام (فرائض و واجبات) کو انسانی خواہشات کے مقابل نظر انداز یا ترک کر دیا جائے۔ اس پر عذاب ہو گا۔

ٹیڑھا پن:۔

قرآن مجید نے ایک شیطانی عمل کو واضح کیا ہے۔ جس میں انسان گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے مختلف بہانے اور حیلے کرتا ہے۔ جسے قرآن مجید نے ٹیڑھا پن کہا ہے کہ (1): کہیں تو وہ احکام خداوندی سے مکمل انکار کر لیتا ہے۔ اور پھر (2): کہیں ساتھ روکاوٹ بھی پیدا کرتا ہے۔ (3): کہیں اقرار ہے۔ لیکن کجی اور غلط تشریحات و توضیحات یا بہانوں کے ذریعے بھاگ جاتا ہے۔ یہ گمراہی بڑی شدید ہے معمولی نہیں۔

اللہ تعالی تمام مخلوق بالخصوص، انسانوں سے محبت فرماتا ہے۔ ان کی ہدایت کے لئے انبیاء کو نازل فرمایا۔ اور جہاں انبیاء تشریف لائے۔ وہاں اس قوم کی زبان میں احکام نازل فرمائے۔ اور ان کو تعلیم دی، تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو اور عمل کی طرف رغبت ہو۔ تمام زبانیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔ کیونکہ انسان کو اظہار کے لئے الفاظ کی قوت دی ہے۔ ہر زبان میں اس کا نام مختلف ہے۔ یہ تمام سہولیات اللہ کی رضا و کرم کا حصہ ہیں۔ لہٰذا ہدایت پر عمل کا حقیقی، سبب اس کی ذات و راہنمائی ہے۔ ساتھ ہی شیطان اور اس کے ساتھیوں کو مہلت ہے۔ وہ اپنی پوری کوشش کے ساتھ گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ بھٹک جاتے ہیں۔ اور اسباب کے باوجود غلط راہ کا انتخاب کر کے سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں ہدایت و گمراہی کے اسباب، علامات و کردار اور اللہ کی قوت، عظمت اور حکمت کا ثبوت ہیں۔ انسان پر فرض ہے اپنی عقلی برتری کی وجہ سے، صحیح راستے کا انتخاب کرے جس سے دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا: اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی (نور) میں لاؤ۔ اور ان کو (قوم کو) اللہ نے جو دن (خوشی اور تکلیف کے) دکھائے ہیں ان کو یاد دلاؤ (نصیحت کرو)۔ بے شک ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لئے ان میں بڑی نشانیاں ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اپنے اوپر اللہ کی نعمتیں یاد کرو، جب اس نے تمہیں آل فرعون سے نجاعت دی اور وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹے ذبح کرتے تھے اور تماری بیٹیاں زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے عظیم آزمائش تھی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

اور (یاد کرو) تمہارے رب نے اعلان کیا تھا، اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمہیں مزید دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو بلا شبہ میرا عذاب بہت شدید ہے۔

وَ قَالَ مُوۡسٰۤى اِنۡ تَكۡفُرُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيۡدٌ‏

اور موسیٰ نے کہا اگر تم کفر کروگے اور وہ سب لوگ بھی جو زمین پر ہیں، تو بے شک اللہ بے پرواہ اور بہت لائق تعریف ہے۔

ہدایت اور انبیاء کا ذکر جاری ہے۔ قریش مکہ اور مسلمانوں کے لئے پچھلے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ کہ ان کو بھی کتابِ ہدایت توریت ملی۔ معجزات ملے اور ان کے ذمہ بھی ہدایت کی ذمہ داری تھی۔ جسے نور اور اندھیرا فرمایا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے ان کی اتباع کی تو ان پر اللہ کے انعام ہوئے۔ اس سے پہلے وہ قبطی قوم کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ جن میں نومولود لڑکوں کا قتل کرنا اور لڑکیوں کو چھوڑ دینا تھا۔ جس کا مقصد ایک طرف مردوں کی کمی کی وجہ سے بغاوت یا سرکشی کے امکانات کو کم کرنا تھا، تو دوسری طرف عورتوں سے خدمت و غلامی مقصود تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نجاعت دی۔ ساتھ ہی اپنی نعمتوں میں دوام اور زیادتی کے لئے ایک طریقہ بتایا اور وہ شکر ہے۔

شکر:۔

شکر کا ذکر پہلے کئی آیات میں بھی آچکا ہے۔ بالخصوص سورۃ یوسف میں اس کی تفصیل تحریر کردی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی قوت ہے، جس سے زندگی میں سرور، صحت میں اضافہ اور سماجی زندگی میں آرام میسر آتا ہے۔ اللہ کا شکر تو اس قدر ہے، کہ اس کی جس طرح نعمتیں بے حساب ہیں، اسی طرح شکر کی کوئی حد ہی نہیں۔ شکر، دل کے ذریعہ بھی ہے۔ کہ نعمت کا تصور کرکے محسوس کرے، زبان سے بھی ہے، کہ نعمت دینے والے کی تعریف کرے اور بذریعہ اعضاء، شکر کرنے کا بھی انداز ہے۔ اور پھر نعمت یا انعام کا بدلہ دینا بھی ہے۔ صوفیا باصفا کے نزدیک اگر احسان (اخلاص) پر شکر کروگے، تو معرفت کا اضافہ ہوگا۔ معرفت پر شکر ہوگا تو وصل کی نعمت ملے گی، وصل پر شکر کیا تو قرب کا مقام ملے گا اور اگر قرب پر شکر کیا تو اُنس کا اعزاز ملے گا۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ ایک شکر کا انداز، اقرار عجز ہے۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کا قول مبارک ہے: اے میرے رب میں کس طرح شکر کروں۔ کیونکہ شکر کرنا بھی تیری نعمت سے ہے۔ (بحوالہ حدیث شعب الایمان)۔

سماجی لحاظ سے شکر کی اہمیت جسے ہم جدید نفسیات کی وجہ سے اب زیادہ سمجھ رہے ہیں۔ اس کے بارے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا۔ وہ زریں اصول ہے کہ "جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا"۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے حضور شکر قبول نہیں ہوگا۔ یہ سماجی تعلقات کے لحاظ سے کس قدر اہم حدیث ہے۔ اس طرح شکر کی برکات معاشرے میں کس قدر وسعت اختیار کریں گی۔

شکر اور انسانی صحت:۔

جب کوئی ہمارا شکر ادا کرتا ہے یا خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ تو ہمارے جسم میں oxitogen کے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ ہارمون ہمارے موڈ کو اچھا اور ہمیں خوش اور صحت مند رہنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ یہ قرآنی اور اسلامی حقائق ہیں،

جو کئی سو سال پہلے ہمیں بتائے گئے۔ اور آج کی تحقیق ان کی تصدیق کر رہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام، جب کوئی چیز کھاتے تو الحمد للہ کہتے۔ جب پیتے، تو الحمد للہ کہتے۔ جب چلتے، تو الحمد للہ کہتے اور کپڑے پہنتے، تو الحمد للہ کہتے۔ اس لئے ان کو بندہ (عبد) شکور ذکر فرمایا۔

پریشانی کا علاج:۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرنا چاہے، تو اپنے سے کم درجہ شخص کو دیکھے اور اپنے سے زیادہ درجہ کے شخص کو نہ دیکھے۔ کس قدر خوبصورت انسانی پریشانیوں کا علاج بیان فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس میں تین خصلتیں ہوں۔ اللہ اس کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور اس کو اپنی محبت دکھائے گا۔ ۱): جب اس کو کچھ دیا جائے تو شکر کرے۔ ۲): جب وہ بدلہ لینے پر قادر ہو تو معاف کرے اور ۳): جب اس کو غصہ آئے تو ڈھیلا پڑ جائے (روک لے)۔ (شعب الایمان)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد (نوافل) میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے اور جب یہ عرض کی گئی کہ انبیاء کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے تو فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کے معاملہ پر تعجب ہوتا ہے، اس کے ہر کام میں خیر (کامیابی) ہے۔ اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو وہ اس پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے، تو وہ اس پر صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ (شعب الایمان)۔ کس قدر اہم راہنمائی ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی قوت عطا فرما۔

اگر انسان، اللہ کا شکر نہ کرے، تو اس کی اپنی بد قسمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے، یہ تمام دنیا اور اس کی نعمتیں، بندوں کی کوششیں، عبادتیں، نافرمانیاں، انکار، اللہ تعالیٰ کی قوت وعظمت اور طاقت میں کوئی ذرہ بھی فرق نہیں لا سکتے۔ اس کی مثال ہے کہ جس طرح سوئی کو سمندر میں ڈال کر (نکالنے سے) اس سمندر میں کمی ہوتی ہے۔ مثال کا مقصد ہے، نہایت ہی کم جس کا تصور یا پیمائش ممکن نہیں (متعدد کتب احادیث)۔ فرمانبرداری کا فائدہ اور نافرمانی کا نقصان انسان کا اپنا ہے۔ ایک وضاحت فرمائی کہ اللہ کے انعام کا ذکر اور ان کو یاد رکھنا۔ تاکہ مزید نیکیاں، شکر کیا جائے اچھا عمل ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اس کو نمائش سے بچایا جائے۔

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ۛ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ۛؕ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ؕ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاہِہِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡہِ مُرِیۡبٍ ۝

کیا تمہیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے؟ جنہیں صرف اللہ جانتا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے، تو انہوں نے اپنے ہاتھ مونہوں میں ڈال دیئے (انگلیاں کاٹ لیں) اور بولے:

بے شک ہم اسے نہیں مانتے جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں ہمیں اضطراب میں ڈالنے والا شک ہے۔

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَـغۡفِرَ لَـكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَ يُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ۝

ان کے رسولوں نے کہا: کیا تمہیں اللہ کے بارے شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کرے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا (جواب دیا) تم ہمارے ہی جیسے بشر (انسان) تو ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان (معبودوں) سے روک دو، جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ لہٰذا ہمارے پاس واضح دلیل (معجزہ) لے آؤ۔

انبیاء کے فرائض اور ان کی تبلیغ کا ذکر جاری ہے۔ جس میں حضرت نوح علیہ السلام قوم عاد اور ثمود کے انبیاء کا ذکر ہے۔ جنہوں نے قوموں کو، معجزات دکھائے۔ تبلیغ کی اور ہدایت کا راستہ دکھایا۔ لیکن قوموں نے انکار کیا، غصہ و غضب سے گویا انگلیاں کاٹ لیں اور پوری مخالفت کی۔ دعوت حق کا انکار کیا۔ ان انبیاء کی تعداد کے بارے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کے واقعات کی تحریری سند موجود نہیں۔ اس لئے ان کا سلسلہ نسب اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ اور جو شجرے یا نسب نامے عمومی طور پر بتائے جاتے ہیں وہ اندازے ہیں۔ انبیاء نے کائنات میں عظیم موجودات زمین، آسمان، چاند، ستارے اور دوسری مخلوقات بطور دلائل پیش کئے۔ انسانی زندگی کی بے بسی اور موت کی حقیقت بتائی، جو اللہ کی طرف سے دنیا میں کسی فرد کے رہنے کی مہلت اور اچھے اعمال کرنے کی فرصت ہے۔ یہ فرصت افراد کے علاوہ اقوام کے لئے بھی ہے۔ جن اقوام میں معاشرتی اچھے اعمال، عدل، انسانی حقوق کا اہتمام کیا جاتا ہے، ان کی مہلت، ان کے اعمال کے بدلنے تک چلتی ہے۔ جب ان کے اعمال ظلم اور برائی کی طرف چل پڑتے ہیں، تو یہ مہلت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس کی انتہائے مدت قیامت تک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی قوم یا معاشرہ، برے اعمال سے نکل کر اصلاح اور نیکی کی طرف لوٹ آئے، تو ان کی مہلت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ مکافات عمل کا اصول قرآن مجید میں کئی بار بتایا گیا ہے۔

دعوتِ حق اور اصلاح معاشرہ سے انکار کرنے والوں نے جس دلیل کا سہارا لیا۔ اور کہا کہ آپ (انبیاء کرام) ہماری طرح انسان ہو اور کھانے، پینے، اولاد، معاش، ضروریات انسانی میں ہماری طرح ہو۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ انسانی کمزوریوں میں بھی ان کی طرح ہیں۔ حالانکہ ان کے عظیم کردار ان کے سامنے تھے۔ لیکن انکار کا سبب، اس جاری رواج اور طریقہ زندگی سے تبدیلی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ انکار کرتے تھے اور گھبراتے تھے۔ یہ ان کے اندر شیطان نے وسوسہ ڈال دیا تھا۔ دوسری طرف حکمران

طبقہ اپنی حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے محض بہانے بناتا ہے۔ یہ واقعات اس وقت کے حالات اور قریش مکہ کے رویہ کی عکاسی کر رہے تھے اور مسلمانوں کو تسلی بھی دی کہ حق کی راہ میں مشکلات ہمیشہ آئی ہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝

ان کے رسولوں نے ان سے کہا: واقعی ہم تمہارے جیسے بشر ہی ہیں اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم تمہارے پاس کوئی نشانی (معجزہ) لا سکیں اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝

اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں، جبکہ وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے؟ اور ہم ان ایذاؤں پر ضرور صبر کریں گے، جو تم ہمیں دیتے ہو اور پس توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ۝

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم تمہیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا تم ضرور ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے، چنانچہ ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔

وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ۝

اور ان کے بعد ہم تمہیں ضرور اسی (سرزمین) میں آباد کریں گے۔ یہ (انعام) اس کے لئے ہے، جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور میرے وعید (عذاب) سے خائف ہوا۔

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۝

اور انہوں (رسولوں) نے فتح مانگی اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا ناکام ہوا۔

انکار کرنے والوں، بت پرستوں، ظالموں کے کردار اور انبیاء کرام کے روابط اور تبلیغ اسلام میں مصائب کا ذکر جاری ہے۔ انبیاء نے واضح کیا کہ اگرچہ وہ دیکھنے اور کھانے پینے، رہنے میں ان ہی کی طرح انسان ہیں۔ لیکن ان پر اللہ کا خاص فضل و کرم ہے۔ اور اس فضل و کرم کی وجہ سے ان کا علم و عقل، ان کا کردار، ان سے بہت مختلف ہے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے یہ اعزاز دیتا ہے۔ انسان ہونے کے باوجود، وہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور پیغمبر ہیں۔ اللہ کے پیغام کو بتانے اور پھیلانے کے لئے جن یا فرشتہ یا کوئی اور غیر انسانی مخلوق ہونا ضروری نہیں۔ اور وہ اسی وجہ سے انسانوں کو گمراہی، ظلم سے نکال کر حق کی طرف دعوت دیتے

ہیں۔ اور اس اصلاح و تبلیغ میں جس قدر ان کو تکالیف اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پر صبر کرتے ہیں۔ جن معجزات اور غیر فطری امور کے وقوع کا انکار کرنے والے مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ صرف خالق کائنات کے حکم سے واقع ہوتے ہیں۔ ان کی مرضی سے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ساری زندگی اور عمل میں اس خالق کاینات، جو معبود ہے، پر پورا بھروسہ کرتے ہیں اور پریشانیوں، مخالفت سے نہیں گھبراتے۔

اللہ کے انکار کرنے والوں کی مخالفت بڑھتی گئی۔ اور انہوں نے پورا ارادہ کر لیا۔ کہ اگر یہ انبیاء اور مبلغین اپنی تبلیغ سے نہ ہٹے۔ تو ان کو اتنا تنگ کیا جائے کہ وہ دوبارہ ان کی طرح ہو جائیں۔ اور جب ظلم و ستم بڑھا، تو ان انبیاء کرام نے، جو ظلم پہلے گزر چکا تھے، کے خلاف، اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ظالموں کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی۔ ظالموں کا انجام تباہی پر ہوا۔ اور حق پر چلنے والے کامیاب ہوے۔ اور اسی زمین، جس پر وہ مجبور اور مظلوم تھے، حاکم اور مالک بن گئے۔ ان سورتوں کے نزول کے وقت مسلمان قریش مکہ کے ظلم و ستم کا شکار تھے۔ ان کے لئے ایک نوید تھی اور مسلمان ہجرت کے چند ہی سال بعد، مکہ پر فاتح کی صورت میں داخل ہوئے اور وہ سارے انکار اور دشمنی کرنے والے ان کے آگے ناکام تھے۔

آیات مبارکہ، صبر اور توکل کی اہمیت اور برکت کے بارے ہیں۔ متعدد احادیث بھی اسی موضوع پر موجود ہیں۔ توکل کے ساتھ اسباب کا استعمال بھی ضروری ہے اور انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔

کامیاب اور ناکام کون؟

کامیاب ہونے والوں اور ناکامی دیکھنے والوں کے کردار کی خصوصیات مختصراً بیان کی ہیں۔ کہ اللہ سے ڈرنے والے۔ اس کے احکام کو اعتقادات اور بالخصوص حقوق العباد کو پورا کرنے، تقویٰ اور خوف رکھنے والے کامیاب ہوں گے۔ ان کے کردار ظالموں، متکبروں اور نافرمانوں سے بالکل مختلف ہوں گے۔ جو ان کی کامیابی کا سبب بنیں گے۔

ناکام ہونے والوں کا کردار لفظ جبارٌ فرمایا۔ جو کہ انسانوں کے لئے عیب ہے۔ یعنی زبردستی کرنے والا، زور اور دباؤ والا، کسی منصب پر زبردستی قبضہ کرنے والا۔ متکبر۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے نظام کائنات کو اپنی قوت اور جبر سے تابع اور منظم کیا ہوا ہے۔ پھر دوسری خصوصیت عنید۔ عناد رکھنے والا، مخالف اور ضدی شخص۔ ایک معنی، حق کو جاننے کے باوجود، ضد سے اس کا انکار کرنا ہے۔ ایسے کردار والے لوگ بالآخر ناکام ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث مبارکہ میں ان بری عادات و اعمال سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔

مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍۙ

اس کے بعد جہنم ہے اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ

وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا مگر حلق سے نہ اُتار سکے گا، اور ہر طرف سے اس کو موت آئے گی۔ جب کہ وہ مرے گا نہیں اور اس کے بعد نہایت سخت عذاب ہو گا۔

منکرین حق کے کردار کے بعد ان کی سزا کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ وہ جہنم میں جائیں گے۔ اور انہیں پیاس کی صورت میں پانی کے بجائے ان کے جسموں سے نکلنے والی پیپ دی جائے گی۔ جس کی کراہت کی وجہ سے نہ پی سکیں گے۔ جب کہ دوسری طرف پیاس کی شدت سے ان کی طلب بھی شدید ہو گی۔ ایک حدیث کے مطابق ان کو کھولتا پانی ملے گا۔ جس کی بھاپ سے ان کے منہ جھلس جائیں گے۔ اگر وہ شدت پیاس سے گھونٹ بھر لیں گے۔ تو یہ پیپ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گی۔ بلکہ اٹک جائے گی اور مزید تکلیف کا سبب بنے گی۔ ہر لمحہ ان کو سکرات موت کی تلخی ہو گی۔ لیکن موت نہیں ہو گی۔ بلکہ اس موت وحیات کی کشمکش کے عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ جب یہ مرحلہ ختم ہو گا۔ تو جہنم کا عذاب شروع ہو جائے گا جو اس سے بھی شدید ہو گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

جن لوگوں نے اپنے رب کا کفر (انکار) کیا، ان کے عمل کی مثال راکھ کی طرح کی ہے، جس پر سخت آندھی کے دن ہوا کا تیز جھونکا آئے، انہوں نے جو کچھ بھی عمل کیا ہے وہ اس کا فائدہ نہ اُٹھا سکیں گے۔ یہ گمراہی بہت دور کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝

کیا تم (مخاطب) نے نہیں دیکھا، کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق (صحیح نظام) کے ساتھ پیدا کیا ہے، وہ اگر چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے۔

وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

اور یہ اللہ پر کوئی مشکل نہیں۔

راکھ کا ڈھیر:۔

انکار کرنے والوں کی سزا کی کیفیت بیان فرمائی۔ کہ ان کے اعمال جن کی ضرورت، اس دنیا کے بعد آخرت میں ہو گی۔ اس کی مثال راکھ کی ہے۔ اگر غور کریں تو راکھ کا ذرہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرے سے بھی کم ہوتا ہے۔ اور فضا میں دھویں کی طرح بکھر جاتا ہے۔ جسے دوبارہ اکٹھا کرنا ناممکن ہے۔ یہ دنیا کے برے اعمال کی حقیقت ہے۔ ان کی بداعمالیوں، اور اللہ کی وحدانیت سے انکار کی وجہ سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ دنیا میں ان کے محلات، دولت، دبدبہ، سارا آخرت میں اس راکھ کے ڈھیر کی طرح ہے، جو ایک آندھی میں اُڑ جاتا ہے اور پھر اکٹھا نہیں ہو سکتا۔ اس طرح اعمال کا نتیجہ نکلے گا اور وہ دوزخ کی سزا پائیں گے۔ ایک بات قابل غور ہے، کہ اللہ تعالیٰ، انسانی بھلائی اور خیر کے کاموں کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے اگر یہ امور ان کے ہاں ہوں گے۔ تو عدل ومکافات عمل کے تحت، ان میں ترقی اور آسانی، اس دنیا میں ہو گی۔ لیکن خالق حقیقی سے انکار کی وجہ سے، وہ اس انکار کی سزا

جہنم کی صورت میں پائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر یہ ساری کائنات اور اس کی اشیاء دلیل ہیں۔ اور اتنے بڑے نظام کو کنٹرول کرنے والی ذات، انسان کے وجود کو فنا، یا اسے وہاں سے ہٹا کر، اس کی جگہ، اس کے متبادل کسی اور قوم کو مسلط کر سکتی ہے۔ جس طرح ہم نے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ میں دیکھا ہے۔ اس (اللہ) کی قوت وغلبہ کے سامنے یہ ایک معمولی عمل ہے۔ لہٰذا انسان کے لئے توبہ اور احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَیْنَاۤ اَجَزِعْنَاۤ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ۠

اور سب (لوگ) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، تو کمزور لوگ (پیروی کرنے والے)، ان متکبروں (لیڈرز) سے کہیں گے (جو دنیا میں تھے)، بے شک ہم تو تمہارے تابع تھے۔ پھر کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر ہمیں اللہ ہدایت دیتا، تو ہم ضرور تمہیں بھی ہدایت کرتے۔ اب ہمارے لئے برابر ہے، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں۔ ہمارے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

وَ قَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝

اور جب (جنت یا دوزخ کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی میں نے خلاف ورزی کی، اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا، مگر یہ کہ میں نے تمہیں (باطل کی طرف) دعوت دی، تم نے میری دعوت قبول کی۔ چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمہارا فریاد رس نہیں اور نہ تم میرے فریادرس ہو۔ تم نے اس سے پہلے جو مجھے (اللہ کا) شریک مان لیا تھا، بے شک میں نے (اج) اس کا انکار کر دیا ہے۔ بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیات میں گنہگاروں (انکار کرنے والوں) کی قیامت کے روز حالت بیان کی گئی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے، کہ اس خوفناک صورت حال سے بچنے کے لئے دنیا کے اندر احکام خداوندی کی پابندی کی جائے۔ تاکہ نہ اعمال راکھ کی طرح اُڑیں اور نہ موت کے عذاب کی کیفیت مسلسل رہے۔ منظر کشی یوں ہے۔ جب قیامت کو تمام انسان اپنے اجسام و اعمال کے ساتھ باہر نکلیں گے، تو بدکاروں کو جہنم بھیجنے کا اعلان ہو گا۔ اس وقت، وہ افراد جو گمراہ لیڈروں کی خوشنودی یا دنیاوی مفادات کی وجہ سے ان کی پیروی کرتے تھے، لیڈروں سے کہیں گے۔ کہ وہ دنیا میں ان کے رہبر تھے۔ انہوں نے، ان کی باتیں مانتے ہوئے، وہ اعمال کئے، جن کی وجہ سے آج انہیں دورخ کی سزا مل رہی ہے۔ تو کیوں نہ وہ کسی طرح، اللہ تعالیٰ سے ان کی سزا میں کمی کروا دیں۔ کیونکہ یہ گناہ، ان کی اتباع کی وجہ سے ہوئے تھے۔ وہ لیڈر خود بھی مجرم ہوں گے، اور کہیں گے، کہ ہم بھی تمہاری طرح مجرم ہیں۔ کچھ فرق

نہیں۔ اب ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ رونا، پیٹنا، آہ وزاری کا فائدہ نہیں۔ اپنی گمراہی کا سبب، ہدایت کا نہ ملنا کریں گے۔ اور چونکہ ان کو ہدایت نہیں تھی، اس لئے دوسروں کو بھی نہ ہدایت کر سکے اور سب گمراہ رہے۔ حالانکہ ہدایت کے اسباب ان کے پاس موجود تھے۔

اندھی پیروی ومتابعت کا انجام:۔

جس نے، ان کو ورغلایا وہ شیطان تھا۔ وہ اسے ہی ملامت کریں گے اور بحث کریں گے۔ شیطان کا جواب قابل غور ہے۔ کہ تمہارے سامنے, اللہ کے نیک اعمال پر انعام اور برے اعمال پر سزا کا وعدہ تھا۔ میں نے تمہیں، ورغلایا اور کہا کہ کچھ نہیں ہو گا۔ فلاں طریقہ سے بچاؤں گا۔ لیکن میرا وعدہ جھوٹا تھا اور اللہ کا وعدہ سچا تھا۔ اس لئے آج میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں چاہیے تھا، کہ تم میری باتوں پر بھروسہ نہ کرتے۔ لیکن تم نے میری دعوت کو اپنے نفس یا مفاد کی وجہ سے قبول کیا۔ یہ تمہارا فعل تھا۔ اس پر تم سزا بھگتو اور میں اپنے فعل کی سزا بھگتوں گا۔ مجھے ملامت مت کرو۔ بلکہ اپنے اعمال اور اپنی خواہشات نفس کو ملامت کرو۔ مجھ پر جو تم بھروسہ اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے، میں آج اس سے بری ہوں۔ وہ سارا تمہارا فعل تھا۔ کس قدر خوفناک صورت حال ہو گی۔ اس لئے، اس حالت سے بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا، ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ عمل کرنے سے پہلے غور وفکر ضروری ہے۔

اس کے بعد آیات مبارکہ میں اہل جنت کی منظر کشی کی ہے۔ تاکہ پڑھنے والوں کو حقیقت حال کی خبر ہو۔ نیک اعمال کی ترغیب ہو۔

وَ اُدۡخِلَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ؕ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ ایسی جنتوں میں داخل ہوں گے، جن کے نیچے نہریں (چشمے) جاری ہوں گے اور وہ اپنے رب کے اذن سے وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کی (آپس کی ملاقات) دعا سلام ہو گی۔

اہل ایمان واطاعت کا ذکر ہے۔ کہ جنہوں نے اپنی زندگی میں نیک اعمال کئے، ان کو انعام کے طور پر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور جہاں ان کے محلات کے نیچے چشمے بہتے ہوں گے۔ وہاں وہ دائمی طور پر رہیں گے۔ اپنے ساتھیوں، جو جنت میں رہتے ہیں ان کو ملیں گے۔ تو آپس میں سب کی دعا، سلامتی اور نیک خواہشات ہوں گی۔ جہاں سے گزریں گے، وہاں پر ان کو فرشتے بھی سلامتی کی دعا پیش کریں گے۔ یہ ان کا اعزاز ہو گا۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ ۝

(اے نبی) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (پاکیزہ بات) کی کیسی مثال بیان کی ہے۔ وہ ایک پاکیزہ درخت طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے (زمین میں) اور اس کی شاخیں آسمان میں (بلند) ہیں۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے پھل لاتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثال بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

اور ناپاک (خبیث) بات کی مثال ایک ناپاک (خبیث) درخت کی طرح ہے, کہ اسے زمین سے اکھاڑ دیا جاتا ہے, اس کے لئے کوئی قرار نہیں۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝

اللہ، ایمان والوں کو مضبوط قول سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

پھل دار درخت:۔

انسانی اعمال و کردار کا مزید تجزیہ فرما کر ایک مثال سے واضح کیا ہے۔ پاکیزہ درخت کی مثال، جس سے ہر وقت پھل، سایہ اور خوبصورتی انسان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ اس کی مثال ایک اچھے کردار والے شخص کی ہے۔ جو اچھائیوں اور نیکیوں کا مرقع ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کا پابند، معاشرے کے لیے رحمت و برکت۔ ایک تفسیر اس سے مراد کلمہ طیبہ یا اسلام ہے، ایک تفسیر مومن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال، اس درخت کی طرح ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں مضبوط۔ ایمان اس کی جڑیں ہیں۔ نماز اس کی اصل ہے۔ زکوٰۃ اس کی شاخیں ہیں۔ روزے اس کے پتے ہیں۔ اللہ راہ میں تکلیف اُٹھانا اس کی روئیدگی ہے۔ اچھے اخلاق (بھی) اس کے پتے ہیں۔ حرام کاموں سے بچنا اسکے پھل ہیں۔ (الجامع الاحکام القرآن)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے۔ اگر تم مومن کو اپنا ساتھی بناؤ گے۔ تو وہ تم کو نفع دے گا اور اگر تم اس سے مشورہ کرو گے تو وہ تم کو نفع دے گا۔ اور اگر تم اس کے پاس بیٹھو گے تو وہ تم کو نفع دے گا۔ اس کے ہر حال میں نفع ہے۔ اسی طرح کھجور کے درخت کی ہر چیز میں نفع ہے۔ (شعب الایمان)۔

ایک روایت کے مطابق پاکیزہ درخت سے مراد کھجور ہے، سارا سال سبز رہتا ہے۔ کھجور کے درخت کا پھل تر اور خشک استعمال ہوتا ہے۔ جب گرتا ہے تو ٹوٹتا نہیں۔ تنے، شہتیر کے کام اور پتے چٹائیاں بنانے کے کام آتے ہیں۔ جڑ کا گودا بھی بطور غذا استعمال ہوتا ہے۔ کھجور کا درخت علم نباتات میں بہت اہم ہے۔ قدیم درختوں میں سے ہے۔ اس کی عمر طویل تقریبا 150 سال اور اس کا پھل مکمل غذا ہے۔ یہ واحد درخت ہے، جو حیوانات کی طرح نر اور مادہ، علیحدہ درخت ہوتے ہیں۔ اور جن کا ملاپ کرنے سے پھل پکتا ہے۔ اس لئے نباتات میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔

ایک تفسیر شجر سے مراد شجر معرفت ہے۔ مومن کے دل پر اللہ کی تجلیات وارد ہوتی ہی۔ آسمان میں اس کی شاخیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم اور زمین پر اللہ کی مخلوق پر شفقت کرتا ہے۔ ان پر رحم اور ان کی خطاؤں کو درگذر کرتا ہے۔ ان سے شر کو دور اور ان کی خیر، ان تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ درخت اپنے رب کی اذن سے ہر وقت پھل دیتا ہے۔(امام رازی۔ تفسیر کبیر)۔

اس کے مقابل مثال، بدکردار، افراد کو ناپاک خبیث درخت سے تشبیہ دی ہے۔ جس کی جڑ مضبوط نہیں ہوتی۔ پھل کڑوا اور نقصان دہ ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ حنظل (اندرائن) ہے۔ بہت کڑوے پھل کا درخت ہے۔ ایک تفسیر جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ناپاک درخت سے مراد اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے افراد ہیں۔ ان کے انکار کی وجہ سے اعمال مقبول نہیں۔

ان تشبیہات کا مقصد مومن اور اچھے کردار (کلمہ طیبہ) کا اور برے کردار (کلمہ خبیث) سے موازنہ کرنا ہے۔

پاک کردار کے افراد عقائد اور معاملات میں اخلاق عالیہ کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ معاشرہ جو احکام الٰہی کی بنیاد پر پھولتا پھلتا ہے۔ اس کی مثال اس درخت کی ہے جو سدابہار و سدا پھلدار ہے۔

اہل ایمان کلمہ طیبہ کے عمل کرنے والوں پر مزید فضل کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت میں ایمان و محبت خداوندی پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ وہ گمراہی سے بچ جاتے، نیکی پھیلاتے ہیں۔ دنیا میں بھی پر سکون اور آخرت میں بھی نیک کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ انسانیت اس سے مستفیذ ہوتی ہے۔ دوسری طرف احکام الٰہی کے خلاف اور انسانیت پر ظلم والا معاشرہ زندگی کو عذاب بنا دیتا ہے۔ خوف، بدامنی، معاشی و معاشرتی پریشانی اس درخت کی مانند ہے۔ جس کے پتے کڑوے، کانٹے شدید اور پھل ہوتا ہی نہیں۔ اس کی جڑ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی مدت بھی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ لہٰذا طرز زندگی کے انتخاب میں کلمہ طیبہ ہی بہترین راستہ ہے۔ جس کی مثال ریاست مدینہ تھی جس نے بیس سال کے اندر مثالی معاشرہ قائم کیا۔

کلمہ طیبہ کا آخرت تک قائم رہنا کی ایک تفسیر، مومن کا قبر میں، فرشتوں کے مذہب کے بارے سوالات کے وقت اسلام پر قائم رہنا ہے۔ جو ان کے ایمان عمل اور فضل خدا کا نتیجہ ہوتا ہے۔

جو لوگ انکار کرنے والے اور ناپاک کلمات و کردار کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ظلم اور انکار کی وجہ سے حق و ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ ان کی آخرت خراب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی قوت و طاقت سب سے بڑھ کر ہے جو چاہے کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر (انکار) سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر پہنچا دیا۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ۝

(وہ) جہنم ہے جس میں داخل ہوں گے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

وَ جَعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا لِّیُضِلُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِیۡرَکُمۡ اِلَی النَّارِ ۝

اور انہوں نے اللہ کے ساتھ (خدائی میں) شریک بنالئے تاکہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہیے: تم (تھوڑا سا) فائدہ اُٹھالو۔ کیونکہ آخر کار تم نے دوزخ (جہنم) کی طرف جانا ہے۔

مشرکین اور منکرین مکہ، کو ان کے بے وقوفی کے بارے آگاہ کیا جارہا ہے۔ یا وہ افراد جو حق و اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحت، علم، ہوش و عقل پھر دنیا میں زندگی کے آرام کے ہر قسم کے اسباب عطا فرمائے ہیں۔ لیکن اپنی زندگی کو انکار اور برے اعمال کی وجہ سے تباہی اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے یہ شہر امن، حج اور تجارت کا مرکز تھا۔ اور پھر عظیم نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہدایت اور قرآن مجید کی رہنمائی ملی۔ لیکن وہ اس سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے مخالفت کر رہے تھے۔ خدا کے شریک بنا کر اور اسلام پر چلنے والوں کی بھی زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ ان نافرمانوں، بلکہ ہر انسان کی یہ طاقت بہت تھوڑی مدت کے لئے ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کی زندگی محدود ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ النبی، ہجرت کے چند ہی سال بعد مکہ پر کنٹرول حاصل کر لیا اور کفار ناکام و نامراد ہوئے۔

قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ۝

آپ میرے مومن بندوں سے فرمادیں کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ (ہماری راہ میں) خرچ کرتے رہیں۔ اس دن کے آنے سے پہلے جس دن میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ ہی کوئی (دنیاوی) دوستی (کام آئے گی)۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ۝

اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان (کی جانب) سے پانی اُتارا۔ پھر (اس پانی کے ذریعہ سے) تمہارے رزق کے طور پر پھل پیدا کئے اور اس نے تمہارے لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں اور اس نے تمہارے لئے دریاؤں کو (بھی) مسخر کر دیا۔

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ۝

اور تمارے لئے سورج اور چاند مسخر کئے جو مسلسل چل رہے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا۔

وَ اٰتٰکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ۝

اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو، تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم نہایت، ناشکرا ہے۔

اللہ کے فضل کا بدل:۔

مشر کین اور منکرین کے بعد مومنین کا ذکر ہے۔ اور جن تعلیمات کا ذکر کیا، وہ اسلام کی اساس ہیں۔ حقوق اللہ میں نماز کو قائم کرنا۔ نہ صرف نماز پنجگانہ کی ادائیگی، بلکہ ایسی نماز جو کر دار بدل دے۔ پھر اس کے ساتھ حقوق العباد کا اہتمام ہے۔ کہ معاشرہ کے غریب، محتاج، کمزور افراد کے لئے اپنے رزق یعنی مال سے ان کو حصہ دیں۔ اور اس طرح دیں کہ دوسروں کو پتہ چل سکے۔ ساتھ ہی ان کے احترام نفس کی خاطر چھپ کر ان کی مدد کی جائے۔ اور دینے والا بھی خود فریبی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ اصول ظاہر اور چھپ کر رسمی عبادات یعنی فرائض اور نوافل کے لئے بھی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق مخلوق خدا، اللہ کا کنبہ (عیال اللہ) ہے۔ محروم، کمزور اور محتاج انسانوں کی مدد کے علاوہ، مفاد عامہ، ترویج علم بھی اس کا حصہ ہیں۔ سارے امور کو اسی زندگی کے اندر کرنا ہی فائدہ مندہ ہیں۔ مرنے کے بعد تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جن افراد کے پاس اگر مال دولت نہیں اور اللہ تعالیٰ نے، ان کو دوسری نعمتیں مثلاً، علم، فنی مہارت عطا کی ہے۔ اس میں سے بطور صدقہ جن افراد کو ان خدمات کی ضرورت ہو، ان کو اللہ کی رضا کے لئے بہم پہنچائیں۔ صحت مند افراد کمزوروں اور بیماروں کی خدمت کر کے یہ فرض پورا کر سکتے ہیں۔ یہ فرائض کیوں ہر انسان کے لئے ضروری ہیں؟ اس کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اور فضا میں اتنی نعمتیں عطا کیں ہیں، کہ ان کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ صرف انسانی جسم کے نظام کار پر غور کیا جائے تو بہت زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ حیوانات، نباتات، پھل و اجناس، بارش، دریا، سمندر، ہوائیں، سورج، چاند، زمین کے مدار کی گردش، رات اور دن کا سلسلہ، عرض ہر شئ منظم اور مربوط ہے۔ انسان براہ راست یا بالواسطہ جو ان سے فائدے اُٹھارہا ہے، ان کا شمار نہیں۔ اسی بناء پر انسان کو اللہ کا شکر گزار ہونا فرض ہے۔

جو افراد ان اوصاف سے متصف ہیں۔ یاد خدا ان کا سرمایہ اور اپنے رزق میں دوسروں کو حصہ دار سمجھتے ہیں۔ ان سے محبت کا یہ انداز کہ "میرے مومن بندے" کا اعزاز بخشا ہے۔

اگر غور کریں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں اتنے آرام و سہولیات، انسان کو استعداد علم و عقل کے باوجود، وہ اپنے افکار و مقاصد میں سرگرداں رہتا ہے۔ اور اس ہستی کو جس نے اسے بے حساب نعمتوں سے نوازا ہے بھولا رہتا ہے۔ بہت کم افراد ہیں۔ جو کہ شکر گزار اور سر جھکا کر احکام ماننے والے ہیں۔ ااس لئے فرمایا، کہ ظالم ہے جو اپنے خالق اور منعم کی قدر نہیں کرتا۔ جو اس کا فرض اور انصاف کا تقاضا ہے۔ ان انعامات پر شکر گزار نہیں ہوتا۔ یہ سارے احکام اس لئے ہیں کہ دنیا میں امن و محبت ہو۔ اور پھر قیامت کے دن انسان عذاب سے بچ جائے۔ کیونکہ اس دن ہر آدمی اپنے اعمال کی بناء پر جزا و سزا پائے گا۔ اور کوئی کسی کی مدد نہ کر سکے گا۔ دنیا کی زندگی ایک قیمتی فرصت ہے۔ جس میں اچھے اعمال کی وجہ سے عذاب سے بچا جا سکتا ہے۔ یہ تعلیمات اور دلائل قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بار بار دیئے گئے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۟

اور (یاد کرو) جب ابراھیم نے (دعا کرتے ہوئے) کہا تھا کہ یارب! اس شہر کو پر امن بنا دیجئے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

میرے رب، انہوں (بتوں) نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، لہٰذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے تو (اس کا معاملہ آپ پر چھوڑتا ہوں) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کی حرمت والے گھر کے پاس، ایک ایسی وادی جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! (یہ اس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ لہٰذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے کشش پیدا کر دیجئے۔ اور ان کو پھلوں کا رزق دیجئے، تاکہ وہ شکر گزار رہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ۝

اے ہمارے رب! بے شک تو سب جانتا ہے، جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں اور زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ سے مخفی نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ بے شک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝

اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بھی نماز قائم کرنے ولا بنا۔ اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

اے ہمارے رب! جس دن حساب و کتاب قائم ہو گا (لیا جائے گا)، اس دن مجھے، میرے والدین اور تمام مومنین کو معاف فرما۔

آیات مبارکہ میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا قصہ ہے۔ جب وہ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں ان کو چھوڑ کر آئے۔ جو ایک حکم الٰہی کے مطابق تھا۔ واپسی پر آپ علیہ السلام نے مکہ شریف کے لئے، جو اس وقت وہاں کچھ نہیں تھا، حتیٰ کہ بیت اللہ بھی طوفان نوح کی وجہ سے بہہ گیا تھا۔ اور کوئی نشان نہیں تھے، دعا کی۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پلے بڑھے۔ چشمہ زمزم کی وجہ سے زندگی کی رونقیں وہاں بحال ہوئیں۔ قبیلہ جرہم کے لوگ آباد ہوئے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اس طویل مدت کے دوران کئی دفعہ اس مقام (مکہ شریف) گئے اور پھر حکم الٰہی کے تحت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو اس کی جگہ پر دوبارہ تعمیر کیا۔ جس کی یاد آج بھی مقام ابراھیم سے تازہ ہوتی ہے، جہاں

آپ کے قدم کے نشان ہیں۔ اس دوران آپ نے جو دعائیں کیں، ان کے الفاظ آپ کے اخلاص، اللہ سے محبت، انسان دوستی کی دلیل ہیں اور ہمارے لئے نشان راہ ہیں۔

آپ نے مکہ کے مکینوں کے لئے رحمت، معیشت، تجارت، لوگوں کی محبت وانس کی دعا کی۔ تاکہ لوگوں کے آنے سے تجارت بڑھے۔ چونکہ پہاڑی زمین اور پانی کی کمی تھی، اس لئے زراعت ناممکن تھی۔ معاش کا ذریعہ تجارت ہی ہو سکتی تھی۔ امن کی دعا کی تاکہ مخلوق کو فائدہ ہو اور تجارت ہو۔ امن سے ہی تجارت میں تیزی آتی ہے۔ آپ نے توحید خداوندی کا درس دیا اور دعا کی کہ اللہ میری اولاد کو اپنی خاص عبادت کے لئے ہدایت فرما۔ بت پرستی اور شیطان کے فتنے سے تمام اور بالخصوص عزیز واقارب کو محفوظ فرما۔

حسب ونسب بمقابلہ عمل:۔

آپ کی اولاد میں سے، وہ افراد جو آپ کے مذہب اور اتباع حق پر نہیں ہوں گے، ان سے لاتعلقی کا اظہار کر کے، عمل کو ذاتی حسب ونسب پر ترجیح ظاہر کر دی۔ لیکن اپنی نرم دلی اور انسان دوستی کی وجہ سے عمل نہ کرنے والوں کے لئے بددعا نہیں کی۔ اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔

شکر گزار بننے کی آرزو کی، اپنی اولاد پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور دوسروں کو شکر ادا کرنے کی تاکید کی۔ دعاؤں کی قبولیت کا ہمیشہ یقین رکھا۔ رحمت کی امید رکھی۔

آپ کی دعا کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ دعا ہماری نماز کا حصہ ہے، جسے ہر مسلمان دن میں کئی بار دہراتا ہے۔ آپ کی دوعاؤں کا نتیجہ میں نبی ﷺ کی آمد تھی پھر مکہ حقیقی دارالحرم ودارالامن بنا۔

حج کی وجہ سے تمام دنیا سے لوگ اس کی طرف کھچے آئے اور تجارت کا مرکز بن گیا۔ اس عرصہ میں بیت اللہ میں جو بت رکھے گئے، ان کو نبی آخر الزمان نے گرا کر بیت اللہ کو پاک کر دیا اور بت پرستی ختم کر کے توحید کو مکمل کیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝

اور آپ (اے نبی) مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم کرتے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف اس دن تک مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ ۝

وہ اپنے سر اُٹھائے (میدان حشر) دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں اپنی طرف بھی نہ پھر سکیں گیں اور ان کے دل (بدحواسی سے) اُڑے ہوئے ہونگے۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝

اور (اے نبی) لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں، جب انہیں عذاب آئے گا، تو ظالم کہیں گے! اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک مہلت دے (تاکہ) ہم تیری دعوت قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں، (ان سے کہا جائے گا) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہارے لئے کوئی زوال نہیں۔

اچھے اور برے، فرمانبردار اور انکار کرنے والوں کے کردار، انعام و سزا کا ذکر کیا اور ساتھ ہی مکہ شریف میں مشرکین مکہ کے مظالم سے پریشان مسلمانوں کو تسلی دی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان پر مظالم سے غافل نہیں۔ مشرکین کو اس کی پوری سزا ملے گی۔ اگر کسی کو اس زندگی کے اندر نہ ملے، تو قیامت میں ضرور ملے گی۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمایا۔ کہ گنہگار اور انکار کرنے والے (کفار) خوف سے پریشان ہوں گے۔ آنکھیں پھٹی، سرگرداں، حواس باختہ بھاگیں گے۔ اور عذاب کے ڈر سے دوبارہ مہلت طلب کریں گے۔ کہ دنیا میں جانے کا موقعہ دیا جائے۔ تو وہ رسولوں اور ہدایت کی کتابوں پر عمل کریں گے۔ ان کو، ان کے عذاب الٰہی سے انکار کے بارے یاد دلایا جائے گا۔ لیکن گڑگڑائیں گے۔ مگر معافی نہیں ہو گی۔

وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ۝

اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد تھے جنہوں نے اپنے پر ظلم کیا تھا اور تم پر خوب واضح ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور ہم نے تمہارے لئے مثالیں بیان کی تھیں۔

وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۝

اور یقیناً وہ اپنی سازشیں کر چکے اور اللہ کے پاس ان کی سازشیں ہیں۔ اور ان کی سازشیں ایسی (خطرناک) ہیں کہ ان سے پہاڑ بھی (اپنی جگہ سے) ہل جائیں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۝

چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے رسول سے وعدہ خلافی کرے گا۔ بے شک اللہ غالب ہے اور انتقام لینے والا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۝

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی (بدل جائیں گے) اور سب لوگ اللہ واحد و قہار کے سامنے (پیش) ہوں گے۔

وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ۝

اور اس دن آپ تمام مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ۝

اور ان کے کرتے تارکول کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہو گی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝

تا کہ اللہ، ہر نفس (شخص) کو اس کے عمل کی خبر دے جو اس نے کیا (کمایا)۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے ایک پیغام ہدایت ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے انہیں ڈرایا جائے اور تا کہ وہ جان لیں گے، بے شک وہی (اللہ) معبود واحد ہے اور سارے عقل مند نصیحت حاصل کریں۔

سورۃ ابراھیم مکی ہے، اس لئے قریش کے ظلم و ستم کے خلاف مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے۔ اعلان کیا کہ اللہ کی ذات ظالموں کو صرف معین مدت کی مہلت دیتی ہے۔ اور ان کے مظالم سے بے خبر نہیں۔ پچھلی دس آیات میں دو دفعہ اس کا ذکر کر کے تسلی دی گئی۔ اور پھر قیامت کا منظر برائے عبرت، کفار و مشرکین کو پیش کیا۔ جن پچھلی امتوں نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی، تباہ ہوئیں۔ یہ قومیں عرب اور اس کے ساتھ علاقوں شام، یمن، عراق میں آباد تھیں۔ ان کی زمین پر بعد میں اور قومیں آباد ہوئیں۔ تا کہ عبرت حاصل کر لیں۔ احکام خداوندی کے خلاف انکار کرنے والوں نے بڑی سازشیں کیں۔ اس قدر زور لگایا کہ گویا پہاڑ بھی ہلا دیں۔ لیکن بالآخر ناکام ہوئے۔

قیامت کے دن، یہ زمین و آسمان، ہولناک شدت کی وجہ سے بدل جائیں گے۔ زمین کے سمندر خشک، پہاڑ، ریزہ ریزہ ہو کر ایک چٹیل میدان بن جائے گا۔ اسی طرح آسمان کے ستارے، یہ نظام شمسی ختم ہو جائے گا۔ آسمان کا رنگ بدل جائے گا۔ احادیث میں اس کا ذکر ہے اور سائنس بھی اب اس تباہی کو مان رہی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے مجرموں کی کیفیت بھی بتائی کہ زنجیروں میں جکڑے، لباس تارکول یا اس سیال مادے کا ہو گا۔ جو فوراً آگ پکڑتا ہے، چہرہ شعلوں میں لپٹا ہو گا، یہ ان کے عمل کی سزا ہو گی۔

نبی ﷺ تمام انسانوں کو اس سزا سے بچنے کے لئے اپنا پیغام ہدایت دے رہے ہیں۔ تا کہ وہ اپنے کردار کو بدل لیں۔ اللہ کے احکام کو مانیں اور اپنی عقل و خرد استعمال کرتے ہوئے اس نصیحت کو پکڑیں۔ اللہ واحد و لاشریک ہے۔ صرف اسی کی عبادت کریں۔ ان امور کو وہی سمجھیں گے جو عقل مند اور معلومات سے نصیحت حاصل کرنے والے ہیں۔

سورۃ کی ابتداء کلام الٰہی کی حقانیت، ہدایت، لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لانے سے تھی، اور اس کا اختتام ان تعلیمات پر عمل کرنے کی ضرورت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنے کو توفیق دے اور عذاب سے دنیا و آخرت میں محفوظ فرمائے۔

سورۃ ابراھیم کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۵۔ سورۃ الحجر

تعارف:۔

سورۃ کا نام الحجر - اصحاب (وادی) حجر کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ اس میں چھ (6) رکوع اور ننانوے (99) آیات ہیں۔ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا زمانہ نزول سورۃ ابراھیم کے ساتھ تھا۔ جس وقت قریش کے مظالم عروج پر تھے۔

حِجر کے معنی روکنا ہے۔ عقل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل غلط اور برے کام سے روکتی ہے۔ جو مکان پتھروں سے بنایا جائے اس کو بھی کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں پتھروں سے تراش کر بنائی گئی تھیں۔ اس لیے ان کو الحجر کہا گیا ہے۔ دیار (آبادی) ثمود کا نام حجر تھا۔ یہ علاقہ شام کی جانب وادی القریٰ کے پاس ہے۔ ایک روایت (ابو عبداللہ یاقوت الحمودی) کے مطابق قوم ثمود کی بستی کا نام تھا۔ جو کہ مدینہ اور شام کے درمیان، وادی القریٰ میں تھی۔ اور یہ لوگ پہاڑوں میں کھدائی کر کے اندر محفوظ مکان بناتے تھے۔

حضور ﷺ کے ساتھ مسلمان جب تبوک کی جانب جاتے ہوئے اس مقام سے گزرے۔ تو لوگوں کو ان کے کنویں سے پانی نکالنے سے منع کیا گیا۔ جہاں عذاب نازل ہوا تھا۔ بلکہ اس کنویں سے پانی استعمال کے لئے کہا، جہاں اونٹنی پانی کے لئے آتی تھی۔ جن علاقوں پر عذاب دیا گیا ہو۔ وہاں سے جلد گزرنے کا حکم ہے اور وہاں گھر بنانے کی بھی ممانعت ہے۔

سورۃ میں قرآن مجید کی تصدیق، مشرکین اور منکرین اسلام کا اپنی خواہشات میں ڈوبے رہنا، اور ہدایت سے انکار کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ فرمائشی معجزات کے بدلے قرآن مجید سے ہدایت لینے کا حکم دیا۔ موت کے بعد زندگی، انسانی شرف و عظمت اور اس پر دلائل دیئے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، اصحاب الایکتہ اور اصحاب الحجر کا ذکر ہے۔ جنات کا ذکر بھی ہے۔

یہ سورۃ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چون (54) ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے سورۃ یوسف کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ ابراھیم قرآن مجید کے ذکر پر ختم ہوئی۔ اور سورۃ الحجر قرآن مجید کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۝

الف لام را۔ یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں۔

سورۃ کی ابتداء اہم کلام اور موضوع کی وجہ سے حروف مقطعات سے کی گئی ہے۔ حروف مقطعات کے بارے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں تحریر کیا گیا ہے۔ یہ (تِلۡکَ) کا اشارہ کتاب کی آیات اور قرآن مجید کی طرف ہے۔ اور قرآن کو مبین فرمایا گیا۔ واضح کرتا ہے حق کو باطل سے۔ صحیح کو غلط سے اور مختلف قصص و اخبار، کائنات کے احوال کو واضح کرنے والا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کئی سائنسی حقائق، جو موجودہ وقت میں جدید آلات کی وجہ سے آشکار ہوئے ہیں۔ وہ قرآن مجید نے پندرہ سو سال پہلے بتا دیئے تھے۔ لیکن بتانے کا انداز اتنا خوبصورت تھا، کہ اس وقت بھی وہی اہمیت تھی جو آج ہے۔ مثلاً انسان کی تخلیق، پہاڑوں کی کیفیت، سمندر کے اندر کی کیفیت (لہریں، اندھیرا)۔ بارش، نباتات کے حقائق، کائنات کا ختم ہونا، وغیرہ۔ یہ کتاب، دوسری کتابوں کی اخبار کو بھی شامل ہے۔ جس میں توریت، زبور اور انجیل شامل ہیں اور ان کی تکمیل بھی ہے۔

پارہ چودہ

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ۝

کسی وقت انکار کرنے والے (کافر) چاہیں گے کاش! کہ وہ مسلمان ہوتے۔

ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۝

(اے نبی) انہیں چھوڑ دیجیے، وہ کھائیں پئیں اور مزے اُڑائیں اور (جھوٹی) اُمیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، پھر عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی)۔

وَ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَۃٍ اِلَّا وَ لَہَا کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۝

اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس (کی تباہی) کے لئے معین وقت لکھا ہوا تھا۔

مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّۃٍ اَجَلَہَا وَ مَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۝

کوئی امت (معاشرہ) اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی ہے نہ پیچھے جا سکتی ہے۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب قریش کے مظالم انتہا کو تھے۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ تکلیف و مصائب کی مدت عارضی ہے۔ جو آج معاشرے کے طاقتور ہیں۔ ان کی مہلت مختصر ہے۔ ایک روایت کے مطابق روز قیامت، اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے وہ خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ اپنے اعمال کے سبب جہنم میں جائیں گے۔ اور غیر مسلم جب انہیں دیکھیں گے۔ چونکہ دنیا میں ان کو جانتے تھے۔ تو وہ ان کو طعنہ دیں گے۔ کہ تم تو خدائے واحد پر یقین رکھتے تھے۔ اور اسکی عبادت کرتے تھے۔ تم جہنم میں ڈالے جا رہے ہو۔ وہ بتائیں گے، کہ اپنے برے معاملات کی وجہ سے یہ ہوا۔ جب ان کی مدت سزا ختم ہو گی، پھر اللہ تعالیٰ

انہیں وہاں سے نکال کر جنت بھیج دیں گے۔ کافر جب انہیں دوزخ سے نکلتے ہوئے دیکھیں گے، تو کہیں گے کہ کاش وہ بھی کم از کم مسلمان ہوتے۔ تو سزا پوری کرنے کے بعد اس عذاب سے نکل جاتے۔ ایک توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے، کہ جب اسلام کو مقبول اور طاقتور دیکھیں گے،، تو بھی تمنا کریں گے، جیسے غزوہ بدر میں بہت نامور کفار مارے گئے۔

پھر قانون خداوندی کا ذکر فرمایا، کہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ایک معین مدت کی مہلت دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ گمراہی سے توبہ کرکے، اعمال صالح شروع کردیں۔ احکام سے نافرمانی تو صرف ان کی غلط فہمی اور نادانی ہے، کیونکہ وہ شیطان کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دنیا کی زندگی نے انہیں مصروف کیا ہوا ہے، یہ جاننے کے باوجود کہ زندگی فانی ہے۔ وہ اس قدر مشغول ہیں کہ حق کو بھول چکے ہیں۔ اپنی دنیا کے آرام کے لئے ظلم اور احکام خداوندی کا انکار کررہے ہیں۔ اس پر ایک دن وہ بہت پشیمان ہوں گے۔ لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ کفار بار بار عذاب کے لئے کہتے۔ کہ عذاب کب آئے گا؟ ان کے اس سوال کا جواب تھا، کہ اس کا وقت، اللہ تعالیٰ نے مقرر کررکھا ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے پھر عذاب شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کسی انسان کے اختیار میں نہیں۔ اس سے پہلے یہ عذاب ان بستیوں یا معاشروں پر آیا، جو عراق، شام، یمن کے علاقوں میں آباد تھے اور کوئی نہ بچ سکا۔

آرزوں کا تجزیہ:۔

دنیا کی طویل ارزوں کی مذمت کا معاملہ دو طرح سے ہے۔ اس میں سب سے اہم دنیا کی حرص ہے۔ جس کے حصول کے لئے اصول، اخلاق اور احکام الٰہی کو نظر انداز کرکے مقصد کے حصول کے لئے تن من دھن لگا دیا جاتا ہے۔ جس طرح مشرکین مکہ تھے۔ جن کو آخرت یا انسانیت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ دنیا کی محبت ایک فطری عمل ہے۔ جس کا مقصد دنیا میں زندگی آرام سے گزارنا ہے، اور اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم دنیا سے اپنا حصہ نہ بھولو۔ اس کے لئے منصوبہ بندی اور اہتمام ضروری ہے۔ جس طرح، ہمارے نبی علیہ السلام نے اپنے تمام دنیاوی امور میں کیا۔ خواہ جنگ ہو یا امن۔ پھر مزید اعلیٰ اقدار کے حامل افراد، دنیا کو نہ صرف اپنے لئے، بلکہ دوسروں کے لئے بھی روشن اور آرام دہ بناتے ہیں۔ ان کا مرتبہ اور بھی بلند ہے۔ جس طرح کہ ہمارے نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین، ساری زندگی دوسرے انسانوں کی بہتری کے لئے صرف کی۔ اپنی زندگی انتہائی سادہ بسر کی۔ اسلام کے احکام میں خدمت خلق کا بڑا مرتبہ ہے۔ وقف اور خیراتی امور بھی اس کا حصہ ہیں۔

دنیاوی امور میں، جہاں اپنے ذاتی فایدے کے لیئے، دوسروں پر ظلم، ان کی حق تلفی کی جائے۔ وہ عمل قابل مذمت ہی نہیں بلکہ اسلام کے قوانین میں جرم ہے۔ اور اس کی تلافی صرف مظلوم یا متاثرہ شخص کے حقوق کی واپسی پر یا اس کی معافی دینے پر ہے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝

اور انہوں (کفار) نے کہا! اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے یقیناً تو، تو مجنون ہے۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝

تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ۝

ہم فرشتوں کو اتارتے ہیں تو بر حق (عذاب کا) فیصلہ دے کر اتارتے ہیں۔ پھر اس وقت ان (کفار) کو ڈھیل نہیں دی جاتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝

بے شک ہم نے ہی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ۝

اور یقیناً (اے نبی) آپ سے پہلے ہم کئی گروہوں (امتوں) میں رسول بھیج چکے ہیں۔

وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝

اور ان کے پاس جب بھی کوئی رسول آتا تو وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

یہ سورۃ مکی ہے، اور مکہ میں اس وقت مسلمانوں اور نبی علیہ السلام پر سخت کڑا وقت تھا۔ قریش مکہ مسلمانوں، نبی علیہ السلام، قرآن مجید کا مذاق اُڑاتے۔ مختلف قسم کے مطالبات اور توجیہات کرتے۔ آپ ﷺ کے جذبہ تبلیغ اور ان کی ساری کوششوں جو انہوں نے آپ ﷺ کو تبلیغ اسلام سے روکنے لئے کیں، جس میں دولت کا لالچ، امارت کی امید، خوبصورت اور دولتمند خاتون سے شادی، عرض ہر حیلہ کی ناکامی کے بعد، آپ کو مجنون سمجھنے لگے۔ ان کے مطابق اس طرح کی تمام مراعات و سہولیات کو کوئی عقلمند آدمی ٹھکرا نہیں سکتا۔ قرآن مجید پر بھی مختلف اعتراض کرتے اور کلام کی صداقت سے انکار کرتے ہوئے شاعرانہ کلام کہتے۔ ادھر نبوت سے انکار کا بہانہ بناتے کہ فرشتہ ہمارے سامنے آکر وحی نازل کرے اور ساتھ ہو تو ہم مانیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام اعتراضات اور مصائب کے بارے فرمایا۔ کہ قرآن مجید کے ذکر یعنی نصیحت اور کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ فرشتے ہر وقت نہیں آتے۔ بلکہ جب عذاب الٰہی کسی قوم پر نازل ہونا ہوتا ہے تو مقررہ وقت پر آتے ہیں۔ اور پھر عذاب نہیں ٹلتا۔ ان کا مطالبہ تباہی کا ہے۔ ساتھ مسلمانوں کی تسلی دلائی کہ ہر امت یا معاشرہ جو گمراہ ہو چکا تھا، ان کی طرف اللہ نے نبی بھیجے اور انہوں نے اللہ کا پیغام پہنچایا۔ لیکن گمراہ افراد اور حق سے منہ موڑنے والوں نے ان کا مذاق اُڑایا۔ تکلیفیں دیں اور مزاحمت کی۔ اس لئے یہ مصائب تبلیغ خداوندی کا حصہ ہیں۔

حفاظت قران وحدیث:۔

قرآن چونکہ اللہ کا پیغام ہے۔ اس لئے اس کی حفاظت کا بندوبست اس نے کیا ہے۔ تمام اسباب حفاظت، نزول سے لے کر مخلوق کے پہنچانے تک، مہیا کر دیئے ہیں۔ لہٰذا کفار کے اعتراض کی کوئی حیثیت نہیں۔ تاریخ میں ثابت ہے کہ قرآن مجید کی تحریر فوراً شروع ہو گئی اور کاتبانِ وحی کی تعداد تقریباً 11 (گیارہ) تھی۔ مدینہ شریف میں زیادہ افراد تھے، کیونکہ بدر کے بعد کافی نوجوان

صحابہ نے کتابت سیکھ لی تھی اور آج تک قرآن مجید اسی صورت میں موجود ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے وصال کے ایک ہی سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر اس کی سرکاری طور پر تدوین کر دی۔ اور یہ نسخہ ریاست کے تحت رہا۔ پھر لغت ہاشمی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری طور پر تمام صوبوں میں تحریر کر کے روانہ کر دیا۔ اور انفرادی نسخوں کو یکسانیت کی خاطر سرکاری طور پر استعمال کرنے سے منع کر دیا۔ اور آج تک وہی تحریر ہے۔ اعراب کا صرف اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ شروع سے آج تک سینکڑوں پھر ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں۔ جو حرف بحرف پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔

ایک اور تعبیر یہ ہے، کہ جو ذکر ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ الفاظ، ترتیب اور مفہوم و معانی کو شامل ہے، اس کے محافظ ہیں۔ اس (قران) کے ساتھ نبی ﷺ کی تعلیمات اور اقوال بھی ہدایت و مفہوم کا حصہ ہیں، اور ان کی حفاظت بھی کی گئی ہے۔ اس کے اسباب بھی بنا دیئے گئے تھے۔ دوران مکہ، صحابہ نے حدیث کو تحریر کرنا شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ قرآن مجید کی بھی ابتداء تھی اور اس کی اہمیت زیادہ تھی۔ اس لئے نبی ﷺ نے منع فرمایا۔ اس کے بعد مدینہ شریف میں جب مسلم ریاست قائم ہو گئی۔ تو دوبارہ حدیث کی تحریر انفرادی طور پر افراد نے شروع کر دی۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر روایات کی تحقیق و تصدیق کے ہر راوی کے زندگی کے حالات تحریر کئے گئے۔ تا کہ ہر حدیث کا صحیح اور غیر صحیح، کمزور یا مستند (ثقہ)، ہونے کے بارے معلوم ہو سکے۔ تقریباً ایک لاکھ افراد جنہوں نے حدیث کو بیان کیا ہے کہ حالات تحریر کئے گئے۔ اس علم کا نام اسماء الرجال ہے۔

كَذٰلِكَ نَسۡلُكُهٗ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُجۡرِمِيۡنَۙ

ہم اسی طرح مجرموں کے دلوں میں (ہنسی مذاق) ڈالتے ہیں۔

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَقَدۡ خَلَتۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ

وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور (یہی) پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔

وَلَوۡ فَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوۡا فِيۡهِ يَعۡرُجُوۡنَۙ

اور اگر ہم ان پر آسمان سے ایک دروازہ کھول دیں پھر وہ اس پر چڑھنے لگیں۔

لَقَالُوۡۤا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ

تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظریں ہی بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔

انکار کا سبب:۔

آیات مبارکہ، کفار یا انسانی ضد اور منفی رویہ کا ذکر بتا رہی ہیں۔ کہ انسان تکبر کی خاطر ضد کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دولت، قوت یا کسی اور خاصیت کی وجہ سے دوسروں سے بہتر ہے۔ اور ان کو کمتر سمجھنے کی وجہ سے ان کی گفتگو یا عمل کو اہمیت نہیں دیتا۔ اور یہی مشرکین یا کفار مکہ کا رویہ تھا۔ وہ غریب اور کمزور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ سابقہ انبیاء کے پاس انفرادی اور

سماجی طاقت (برادری / قبائلی سرداری یا فوج) نہیں ہوتی تھی، اس لئے ان سے لوگ مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کے ذریعہ کوئی چیز مخلوق پر مسلط نہیں فرماتا۔ اس لئے انہیں یہ دنیاوی دبدبہ کی طاقت نہیں دی جاتی، تاکہ لوگ خوشی اور مرضی سے دین کو قبول کریں۔ لوگ کسی رواج یا نفسانی خواہشات کی آزادی کی وجہ سے، اللہ کی طرف سے آنے والی پابندیاں، جو انسانی عوامی مفاد میں لیکن طاقتور افراد یا ذاتی خواہشات، کے خلاف ہوتی ہیں، کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اپنا گروہ / گروپ، بڑھانے کے لئے کمزور لوگوں کو بھی مجبور کرتے ہیں کہ ان کا ساتھ دیں۔ یہ سماجی رویہ یا عمل، تمام معاشروں میں چلتا رہا اور چل رہا ہے۔ پھر بالآخر وہ اپنے جرم میں دھنس جاتے ہیں۔

یہ ضد اس قدر شدید ہو جاتی ہے، کہ اگر ہر قسم کے واضح دلائل بھی دیئے جائیں، تو لوگ ان سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یعنی معجزات کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ان کو رد کرنے کا بہانہ بناتے ہیں، کہ ہماری نظر کو دھوکا دیا گیا۔ قرآن مجید نے خوبصورت مثال دی ہے۔ کہ اگر آسمان کو کھول دیا جائے۔ اور اوپر جا کر وہ کائنات کی وسعت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ پھر بھی خدا کے وجود سے انکاری رہیں گے۔ اور انکار کرنے پر (جادہ وغیرہ کا) بہانہ بناتے رہیں گے۔ آج بھی خلا میں تسخیر اور کائنات کی وسعت کا اندازہ ہونے کے باوجود فطرت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن وجودِ خدائے واحد سے سائنسدان انکار کر رہے ہیں۔ جبکہ مظاہر قدرت دیکھ رہے ہیں۔ یہ انسانی نفسیاتی حقائق ہیں جو ہمیں قرآن میں بتلائے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر ہے۔ کہ انسان ظالم اور جاہل (ظلوما جھولا) ہے۔ کیونکہ انسان، مشاہدات و معلومات کو حقائق کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی پسند یا ترجیح کے مطابق تشریح کرتا ہے۔ جن سے بچنے کے لئے ہدایاتِ خداوندی کی راہنمائی ضروری ہے، جو قرآن مجید کی صورت میں موجود ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ۝

اور بے شک ہم نے آسمان میں بروج (ستاروں، حفاظت کے قلعے کہکشاؤں کی صورت میں) بنائے اور اس (خلائی کائنات) کو ناظرین (دیکھنے والوں) کے لئے آراستہ کیا۔

وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۝

اور ہم نے اس (آسمانی کائنات کے نظام) کو ہر مردود شیطان (سرکش قوت کے شر انگیز عمل) سے محفوظ کر دیا۔

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ۝

مگر جو کوئی بھی چوری چھپے سننے کے لئے آگھسا تو اس کے پیچھے ایک چمکتا (دہکتا شعلہ) شہاب ہوتا ہے۔

اجرام فلکی:۔

آیات مبارکہ، اللہ تعالیٰ کے وجود اس کی قدرت اور قوت کے بارے ساری علمی اور سائینسی شواہد کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ اور یہ اشارے آج سے چودہ سو سال پہلے جب سائنس کا وجود ہی نہ تھا، کئے گئے۔ اس قدر صحیح اور اعلیٰ طریقہ سے بیان کیا ہے، کہ اس وقت سے لیکر آج تک اور آنے والے وقت میں تمام تر سائنسی ایجادات ان کو ثابت کرتی رہیں گی۔ سارے زمانے کے

لوگ اس کو سمجھ سکیں گے۔ آسمان یا فضاء میں موجود ستارے اور سیارے، انسان کی جستجو کا مرکز رہے۔ ان کی عظمت اور ہیبت انسان کو مسحور کرتی رہی۔ کئی دفعہ تو لوگوں نے ان کی عبادت بھی کی ہے۔ پھر سورج اور چاند کا اثر بڑا واضح ہے۔ گرمی، سردی، خزاں، بہار، اندھیرا، روشنی، بارش، زراعت، سمندر، طوفان، سب پر ان کے اثرات شروع سے ہیں۔ اور اب تو مزید معلومات کی وجہ سے، یہ سارا نظام (سولر سسٹم) ایک اکائی ثابت ہو گیا ہے۔ اس وقت کے لوگوں نے دوسرے ستاروں کو بھی اہم سمجھا۔ اور خیال کیا کہ ان کے اثرات بھی موسموں پر ہیں۔ اور اسی طرح انسانوں پر بھی ہیں۔ دراصل یہ تمام مخلوق اور اسباب ہیں۔ اسلام کی تعلیم کے مطابق، ان کو خود اپنی ذات میں قوت سمجھنا، بڑا گناہ ہے۔ اور نبی ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کو کفر کہا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ ساری مخلوق، اللہ کے تابع فرمان، اس کے نظام کا حصہ ہے۔ یہ اسباب ہیں اور اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے مومن کے لئے ان کی حقیقت، ایک وجود اور تابع فرمان الٰہی سے زیادہ نہیں۔ ہاں ان کے فوائد ضرور ہوں گے۔ کیونکہ کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ نے بے کار نہیں بنائی (**ما خلقت هذا باطلا**ؕ)۔

بروج:۔

بروج عربی میں قلعہ، اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ مسلمان ماہر فلکیات نے علم ہیئت اور افلاک میں بڑا کام کیا۔ اور سورج کے محور کے بارہ مہینوں میں بارہ بروج بنائے۔ اور ستاروں کی جو شکل اس مہینے میں نظر آتی ہے، وہ نام دے دیئے۔ جو کہ، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت ہیں۔ چونکہ سال کے اندر موسم بدلتے ہیں اور موسموں کے ساتھ زمین پر زراعت اور نشوونما کا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے لوگوں نے اس کو ستاروں کے ساتھ بھی منسلک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت سورج اور چاند کے بارے خلاء میں سے معلومات نہیں تھیں۔ (یہ آسٹرالوجی کا حصہ ہے)۔

جدید فلکیات (Astronomy) میں کائنات کے اندر اجسام کے بارے تحقیق کی جاتی ہے۔ جس کے لئے فزکس، کیمسٹری اور علم ریاضی زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ سورج اور زمین کے چکر کی مکمل مدت ایک سال ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ ماہرین نے مکمل دائرے کو بارہ پر تقسیم کر کے، تیس درجے کا ایک حصے، کو ایک زون یا برج کہتے ہیں۔ اور اس کی ابتداء جب رات اور دن برابر ہوتے ہیں (Equinox) (گھماؤ) سے ہے۔ جو سال میں دو مرتبہ ہوتا ہے (مارچ / ستمبر)۔ لیکن جب مارچ کا موسم آتا ہے، تو اس سے پہلا برج شروع کیا جاتا ہے۔ بہار کی تبدیلی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے کئی تہوار تقریباً سارے معاشروں میں ہیں۔ اس دائرہ کے حصہ میں ستاروں کی جو شکل نظر آتی ہے اور زیادہ واضح ہوتی ہے۔ اسی کے نام پر برج کہلاتا ہے۔ یہ خوبصورت نظام جس کی تفصیلات سے انسان دن بدن آگاہ ہو رہا ہے اور ابھی تک اس کی ابتدائی مرحلہ پر بھی نہیں پہنچا، اللہ کی عظمت و طاقت کی دلیل ہے۔

شہاب ثاقب:۔

آسمان پر رات کو روشنیوں کے شعلے جسے عام طور پر ستارے ٹوٹنا یا شہاب ثاقب کہتے ہیں۔ ان کی کئی اقسام ہیں۔ کچھ بہت بڑے ہوتے ہیں اور جب زمین کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ تو حرارت سے جل اُٹھتے ہیں۔ یہ جدید اندازے ہیں۔ کیونکہ آج تک کسی نے شہاب ثاقت کو چھوا نہیں، صرف دیکھا ہے۔ البتہ بہت بڑے سائز کے شہاب ثاقت زمین پر بھی آکر گرے ہیں۔ جن کی وجہ سے بہت گہرے گڑھے اور بڑے پتھر پڑے ہیں۔ جن کا اندازہ یہ ہے کہ یہ خلا سے شہاب ثاقت کے حصے تھے۔ ان میں زیادہ مادہ لوہے اور پتھر کا ہے۔ شہاب ثاقت کی جدید فلکیات میں تحقیق کے بعد اقسام بنی ہیں۔ کچھ چھوٹے ہیں۔ جو خلا سے زمین کی طرف آتے ہیں۔ اور راستے ہی میں ختم ہو جاتے ہیں۔ کچھ بڑے ہیں، جو زمین کے مدار میں جلتے نظر آتے ہیں۔ چونکہ یہ ایک وجود، انسان کو نظر آتا تھا۔ اس لیے، اس کے بارے صحابہ کرام نے سوال کئے۔ ان کا ذکر احادیث میں ہے۔

کچھ پتھریلے اجسام، سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ لیکن بڑے نہیں ہوتے۔ موجودہ معلومات کے مطابق، زیادہ تر مریخ اور مشتری کے محور (Orbit) میں گھومتے ہیں۔ شہاب (دم دار ستارے) بھی پتھر، مٹی اور برف کے اجسام ہیں۔ جن کا قطر کئی میل ہوتا ہے۔ اور سورج کے ساتھ مدار میں گھومتے اور پھر جب سورج کے قریب سے گزرتے ہیں تو گیسز جل اُٹھتی ہیں۔ ایک اندازہ ہے کہ 25 ملین شہاب ثاقب جو کہ Meteoroids, Micrometrical اور دوسرے اجسام، خلاء سے زمین کی طرف آتے ہیں۔ اور راستے میں ختم ہو جاتے ہیں۔ دن کو نظر نہیں آتے اور رات کو نظر آتے ہیں۔ فضاء کی وسعت اور کئی ایسے امور ہیں، جو ان کو جلد ختم کر دیتے ہیں۔ اور زمین محفوظ رہتی ہے۔ یہ سب اپنے خالق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حدیث مبارک "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے، تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر مارنے لگتے ہیں، جیسے زنجیر کو صاف پتھر پر مارا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو نافذ فرما دیتا ہے۔ جب فرشتوں کے دلوں میں سے کچھ خوف دور ہو جاتا ہے، تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، تمہارے ربّ کے کیا فرمایا؟ وہ کہتے ہیں جو کچھ اس نے فرمایا وہ حق ہے۔ وہ ہی سب سے بلند اور سب سے بڑا ہے۔ پھر فرشتوں کی گفتگو کو چرانے والے شیطان، ان باتوں کو چوری سے سننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ایک اور حدیث کے مطابق، حاملین عرش سے قریب والے، پھر ساتویں آسمان والے، پھر نیچے چھٹے، پھر نچلے آسمان والے، اپنے سے اوپر والے آسمان سے پوچھتے ہیں، حتیٰ کہ آسمان دنیا تک یہ خبر پہنچ جاتی ہے)۔ یہ چوری چھپے سننے والے (جن) ایک دوسرے کے اوپر آسمان دنیا تک چڑھے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اس چوری سے سننے والے کو آگ کا شعلہ (شہاب) آکر لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ساتھی کو یہ بتائے کہ اس نے کیا سنا۔ وہ شعلہ اس سننے والے کو جلا ڈالتا ہے اور بعض اوقات وہ شعلہ اس کو نہیں لگتا۔ حتیٰ کہ سننے والا اپنے قریب والے کو بتا دیتا ہے۔ پھر وہ اس کو بتا دیتا ہے۔ جو اس سے نیچے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان باتوں کو زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ پھر وہ یہ باتیں جادوگر کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ان باتوں کے ساتھ سو اور جھوٹ ملا لیتا ہے۔ پھر اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور لوگ کہتے ہیں۔ کہ کیا اس جادوگر نے ہم کو فلاں دن ایسی ایسی خبر نہیں دی تھی اور ہم نے اس خبر کو سچا پایا تھا۔ اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس (جن) نے آسمان کی خبر سن لی تھی۔ (بخاری

/ترمذی / ابن ماجہ)۔ دوسری حدیث میں ہے کہ "پھر وہ (جن) یہ خبر اپنے چیلوں اور دوستوں تک پہنچادیتے ہیں۔ پھر اگر وہ اسی خبر کو بیان کریں تو حق ہے۔ لیکن وہ اس میں تحریف کرتے ہیں اور اس میں کچھ باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔(ترمذی)۔

سائنس ابھی تک شہاب ثاقب کے اسباب ومقاصد کو نہیں جانتی کیونکہ معلومات نہیں۔ لیکن احادیث کے مطابق تکوینی امور کی حفاظت کے لئے، جس طرح انٹرنیٹ کی اہم میسج کی حفاظت کے لئے بندوبست ہے، شہاب ثاقب کا نظام ہے جو کائنات کے اندر آسمان دنیا سے زمین تک ہے۔ یعنی ستاروں اور نظام شمسی کے سیاروں سے گزر کر زمین تک ان پیغامات کی حفاظت کے لئے ہے۔ اور یہ فاصلہ کئی ہزاروں نورانی (لائٹ) سالوں کا ہے اور جو سگنل، ستاروں سے آتے ہیں، جن کو ہمارے کان نہیں سن سکتے۔ کیونکہ کان صرف 250-300 MHz میگا ہرٹز تک صوتی لہروں کو سن سکتے ہیں۔ اس سے کم sub sonic (سب سانک) یا بڑی لہر super sonic (سپر سانک) کو نہیں سُن سکتے۔ اور ان کے یہ سگنلز کھٹکھڑاہٹ کی طرح کے ہیں۔ جس طرح دستک دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں زنجیر کو پتھر پر مارنے کا بیان کیا گیا ہے۔ اور قران مجید میں والطارق فرمایا۔ موجودہ فلکیات (Astronomy) میں ان سگنلز کو ریڈائی دوربین کے ذریعے معلوم کیا جاتا ہے۔(سگنل کی تصویر)۔

قرآن مجید میں یہ ذکر کئی بار آیا ہے۔ کہ زمین کے امور وانتظام کو آسمان سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کے حقیقی اسباب خلاء سے آتے ہیں۔ اور احادیث کے مطابق اس کام کا چلانے والی قوت، اللہ کے فرشتے ہیں۔ جو کائنات میں اسباب اور اس کے نتیجہ کے ذریعہ کائنات کا نظام چلا رہے ہیں۔ جس میں زمین ایک بہت ہی معمولی حصہ ہے۔ یہ فرشتے، روشنی سے ہیں اور موجودہ فزکس کے مطابق روشنی بجلی اور مقناطیسیت کی لہروں سے پیدا ہوتی ہے۔ جنات، قرآن مجید کے مطابق آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور آگ ایک کیمیائی عمل کے نتیجہ میں حرارت اور روشنی پیدا کرتی ہے۔ آگ کے بڑے شعلے کے ذریعہ چھوٹی قوت کو ختم کر دیا جاتا ہے، جو جن ہو سکتے ہیں، تاکہ تکوینی امور کی حفاظت کی جائے اور امور بغیر رکاوٹ کے سرانجام پائیں۔ تحقیق سے مزید پتہ چلے گا۔

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ۝

اور ہم نے زمین کو (گولائی کے باوجود) پھیلا دیا اور ہم نے اس میں پہاڑ (گاڑھ دیئے) بنادیئے اور ہر چیز مناسب مقدار میں اُگائی۔

وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ۝

اور ہم نے تمہارے لئے زمین میں معاش کے اسباب بنادیئے اور ان کے لئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔

وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝

اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہی ہیں اور ہم ہر چیز حسب ضرورت (مناسب) مقدار میں ہی اتارتے ہیں۔

وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ۝

اور ہوائیں جو پانی سے بھری ہوئی ہیں (بادل) ہم نے بھیجی ہیں۔ پھر آسمان سے پانی ہم نے اتارا ہے، پھر اس سے تمہیں سیراب ہم نے کیا ہے اور تمہارے بس میں یہ نہیں ہے کہ تم (پانی کا) ذخیرہ کر کے رکھ سکو۔

فضاء (کائنات یعنی آسمان) کے حقائق کے بعد زمین پر اپنی قدرت اور انعامات کا ذکر کیا ہے۔ جو علمی اور سائنسی دلائل ہیں۔ زمین گول ہے۔ لیکن چپٹی نظر آتی ہے۔ زیادہ حصہ پانی کا ہے، جو سطح برابر رکھتا ہے۔ اور اس کے ساتھ خشکی کا ملحقہ حصہ بھی چپٹا نظر آتا ہے، جو انسان کے لئے مفید ہے۔

زمین پر پہاڑ بنائے۔ قرآن مجید نے اس کو کیلوں کے ذریعہ مضبوط کرنا اور گاڑھنا کہا ہے۔ تاکہ زمین پر اضطراب نہ ہو۔ جدید جیو فزکس (ارضیاتی سائنس) میں پہاڑ زمین کے اندر گڑھے ہوئے ہیں اور جہاں زمین کی پلیٹیں آپس میں ملتی ہیں۔ وہاں سے مادہ نکل کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ چونکہ ان کی جڑیں زمین کے اندرونی پلیٹوں کے آپس کے جوڑ سے منسلک ہیں اور ان کے ٹکراؤ کی وجہ سے زمینی مادہ نکل کر باہر سطح سے بہت اوپر بلند ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ پلیٹوں کی حرکت کو مستحکم کرتے ہیں۔ قرآن مجید سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے۔ پھر ان کی وجہ سے معدنیات کا ذخیرہ بھی اوپر سطح کے قریب آ جاتا ہے۔ یہی دیکھا گیا ہے کہ زلزلے بھی ایسے پہاڑوں پر زیادہ آتے ہیں۔ پہاڑوں کی بلندی بھی موسمی اثرات میں نمایاں کام دیتی ہے۔ فضاء میں نمی برف بن کر پہاڑوں پر جم کر بطور سٹور کام کرتی ہے۔ (پہاڑوں کے اثرات کا سورۃ الرعد میں بھی ذکر ہے)۔ زمین پر نباتات، جمادات، معدنیات اور بارشوں، سطح زمین کی کیفیت و صلاحیت کی وجہ سے انسانی زندگی کے لئے زراعت کے لئے موزوں ہے۔ اور اس طرح زمین کے جنگلات سے مختلف پودے اور اجناس پیدا ہوتی ہیں۔ نہ صرف انسان بلکہ اور بھی ہزاروں مخلوقات جن میں چرند، پرند اور ہر طرح کے حیوانات شامل ہیں، فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اسی طرح سمندر میں ہزاروں مخلوقات کی غذا کا سامان بھی سمندر کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔

زندگی کے وجود کے لئے پانی بہت ضروری ہے۔ پھر زراعت کے لئے بارشوں کے بندوبست کا ذکر ہے۔ ہوائیں، لاکھوں ٹن پانی کے ذرات (بخارات) بادل کی صورت میں ہر وقت فضاء میں لے کر اُڑاتی ہیں۔ جس میں نہ صرف پانی ہے، بلکہ بجلی کے ذرات بھی ہیں۔ سائنس میں پتلے بادل (Cumulus) جو تقریباً ایک ہزار میٹر سے اوپر بلندی پر ہوتے ہیں، صرف ایک عام چھوٹے بادل میں پانی کا وزن 101 ملین پونڈ ہوتا ہے۔ جبکہ فضاء میں لاکھوں کی تعداد میں بادل موجود ہوتے ہیں۔ یہ پانی، زمین کے مختلف حصوں پر بارش کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ اس کا ذریعہ بھی فضا میں ہے (سورۃ بقرہ میں تفصیل درج ہے)۔ بارش سے سطح زمین پر زراعت اور نباتات، انسانوں، حیوانوں پرندوں کے لئے پیدا ہو کر غذا کا باعث بنتے ہیں۔ یہ سارا سامانِ رزق، وقت اور ضرورت کے ساتھ مل رہا ہے۔ مخلوق آج سے کئی ہزار سال پہلے بہت تھوڑی تھی تو بھی وافر تھا اور آج بھی وافر ہے۔ انسان کی طاقت نہیں کہ وہ زندگی کے لئے اسکو جمع کر کے رکھ سکے۔ یہ ہر وقت، ہر موسم میں ضروری حد تک میسر رہتا ہے اور اس میں کمی و بیشی انسانی کوششوں پر بھی منحصر ہے۔ یہ سارا نظام ایک انتہائی مناسب ضرورت کے مطابق تمام زمین پر رہنے والی مخلوقات کے لئے چل رہا ہے۔ جو ایک ہی خالق کا ثبوت ہے۔ بدقسمتی سے اکثر سائنسدان اسے فطرت ہی سمجھتے ہیں۔ مخلوق پر تحقیق میں گم ہیں

اور خالق کی طرف دھیان نہیں۔ چونکہ مسلمان سائنسدان کم ہیں اس لئے یہ حقیقت غیر مسلم سائنسدانوں سے اوجھل ہے۔ اسی طرح بیان کی گئی آیات، اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، کہ اللہ کے وجود کو دنیا میں ثابت کرنے کے لئے، سائنس کی تعلیم مسلمانوں بالخصوص، علماء مذھب کے لئے بھی ضروری ہے۔ کہ ایک طرف قرآن مجید کے حقائق کو جانیں۔ تو دوسری طرف لوگوں کو آگاہ کریں۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے نیچرل سائنسز کی تعلیم بھی بڑی ضروری ہے۔ تاکہ کائنات کے اسرار سے آگاہی حاصل کر کے خلق خدا کی خدمت کریں اور خالقِ حقیقی کا ثبوت دیں۔

وَاِنَّا لَنَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ نَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۝

اور بے شک ہم زندگی دیتے ہیں اور ہم موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِیۡنَ مِنۡکُمۡ وَ لَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَاۡخِرِیۡنَ ۝

تحقیق تم میں سے جو آگے نکل گئے ہیں ان کو بھی ہم جانتے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کو بھی جانتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَحۡشُرُہُمۡ ؕ اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ۝

اور بے شک آپ کا رب ہی انہیں اکٹھا کرے گا (حشر میں) بے شک وہ حکیم و علیم ہے۔

آیات میں پچھلے مضمون کی تکمیل فرمائی۔ اتنی بڑی طاقت کا مالک جو ستاروں، سورج، چاند، کہکشاؤں، پھر بادلوں، زمین، جنگلات، حیوانات، پہاڑ، سمندر، بارش، نباتات، رزق، سب کو پیدا کرنے والا اور مالک کُل ہے، تو وہی انسانوں کو پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کو موت بھی دیتا ہے۔ وہ سب امور کا مالک ہے۔ یہاں تک نہیں، بلکہ ساری کائنات میں جو انسان گزر چکے ہیں اور جو آئیں گے، جو نیک یعنی درجات میں پہلے اور جو برے یعنی درجات میں کم ہیں، سب کو جاننے والا ہے۔ پھر ان سب کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا۔ تاکہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لے سکے۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝

اور یقیناً ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے (مٹی) سے کی ہے، جو (پہلے) سن رسیدہ (دھوپ اور دیگر طبعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر) سیاہ بدبودار ہو چکا تھا۔

وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ۝

اور اس سے پہلے ہم نے جنوں کو شدید جلا دینے والی آگ سے پیدا کیا (جس میں دھواں نہیں)۔

وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سن رسیدہ (اور) سیاہ بودار، بجنے والے گارے سے ایک بشری پیکر پیدا کرنے والا ہوں

فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ سٰجِدِیۡنَ ۝

جب میں اس کی تشکیل کو درست کرلوں اور اس پیکر میں اپنی (نورانی) روح سے اس میں پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔

وجود انسان:۔

جب کائنات کے اجرام سماوی (سورج وستارے)۔ پھر زمین پر اجسام عظیم (پہاڑ) پھر زراعت و معیشت کا ذکر ہو گیا۔ تو اپنی ممتاز مخلوق کی تخلیق کا ذکر فرمایا۔ انسان کی ہیت کو مٹی سے بنایا گیا۔ کیونکہ سارے اجزاء انسان، کے وجود کے لئے ضروری ہیں۔ (لحمیات، دھینات، معدنیات) پروٹین، فیٹس، منرل، کاربوھاریٹ اور اجزئے نمو، کا ذکر اس طرح فرمایا کہ مٹی کو گوندھا گیا، گارے کی طرح، پھر اس میں کیمیاوی اجزاء کا اضافہ کیا اور طبیعاتی اثرات پیدا ہوئے، تو بجنے والی سطح پر پہنچی اور پھر جب زندگی نمودار ہوئی تو بو پیدا ہو گئی۔ (جسے صلصال اور حمأ مسنون کہا گیا)۔ بہت مختصر جملے میں ساری کہانی، اس مکمل انداز میں بیان فرمائی کہ اس وقت جب بیالوجی، سائنس یا جینٹک انجینئرنگ کا نام بھی نہ تھا۔ ایک اشارہ دیا اور یہ آج بھی جدید تحقیق میں موجود ہے۔ جدید سائنس میں پانچ اجزاء سے انسان بنا ہے وہ ہیں مٹی، پانی، آگ، ہوا اور فضاء (کاربن)، یہ سارے قرآنی اصطلاح میں مٹی گیلی، گوندھی اور کھنکھناتی کا کیمیاوی حصہ ہیں۔ ہماری موجودہ تحقیق کے مطابق زندگی کا نطفہ (سیل) ایک دفتی (نیوکلس) میں بند ہے۔ جو سائٹوپلازم نامی (Cytoplasm) جھلی میں محفوظ رہتا ہے۔ یہ خول میں چھپے ہوئے اربوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ پھر یہ مادر رحم میں خون کا لوتھڑا، ہڈی، گوشت اور انسانی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس میں بھی نر و مادہ میں جذب و اتحاد ہوتا ہے۔ X اور Y کروموسوم اٹھائیس کروڑ، سیل منی کی صورت کے ذریعے عورت (مادہ) کی بیضہ دانی میں XX کروموسوم، کے بیضہ حیات سے ملتے ہیں۔ نر کا Y سیل اور مادہ کا X سیل سے ملتا ہے ان کے ملنے سے نیا سیل بنتا ہے پھر XX اور YY وجود میں آتا ہے، پھر یہ تقسیم ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کا حجم ایک ریت کے ذرے کی طرح ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اسے علقہ اور تولیدی سائنس نے اسے زائیگوٹ (Zygote) کہا ہے۔ آٹھ ہفتے بعد سیلز تقسیم ہو کر کئی ملین بڑھ جاتے ہیں، ریت کے ذرے سے دس ہزار گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ¼ (چوتھائی انچ) ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں اسے مضغہ اور بیالوجی میں امبریو (Embryo) کہتے ہیں۔ پھر بڑھتا ہے۔ اس کے بعض حصے گوشت، رگیں، پٹھے، شریانیں، ہڈیاں بناتے ہیں۔ تین ماہ میں دو سو ملین سے زائد سیلز کا بنا ہوا بیس انچ تک کا نیا انسان بن جاتا ہے۔ اسے خلقاً آخر اور سائنس نے جین کا نام دیتے ہیں اور نو ماہ بعد باہر نکل کر پرورش پا کر، کارزار حیات میں نئی منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ بیالوجی کی تحقیق میں تبدیلی ہو گی لیکن یہ صلصال، حمأ، مسنون، کے اندر ہی رہے گی۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

قرآن مجید کے یہ سائنسی حقائق مسلمانوں کو سائنس اور انجینئرنگ میں تحقیق کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور جب تک مسلمان تحقیق میں آگے تھے۔ دنیا کی عظیم قوم تھے اور خلق خدا کی دین و دنیا میں راہنمائی کر رہے تھے۔ جب سے تحقیق چھوڑ دی، رسوم و رواج کے پابندی میں گر گئے، کردار کی کمزوری، آپس کے اختلافات، خود غرضی جب مذہبی اور سیاسی لیڈروں میں، آ گئی تو پھر غلام بن گئے۔ انسان کے اندر اللہ کی خصوصی رحمت و نعمت جسے روحی کہا ہے۔ یہ صفات الٰہی کا پرتو، ہے۔ حیات، علم، قدرت، ارادہ،

اختیار اور دوسری صفات جو موجود ہیں، اسی کے سبب ہیں۔ روح کے بارے سورہ بقرہ میں ذکر گزر چکا ہے۔ روح کیا ہے۔ ایک لطیف غیر مادی وجود ہے۔ بعض علمأ نے اسکو انسانی زندگی کے مترادف قرار دے دیا۔ کچھ نے جسم میں خون کے رواں دواں، کو ہی زندگی کہا ہے۔ سجدہ بھی حضرت آدم علیہ السلام، کو جو تمام روئے زمین پر رہنے والوں اور انے والوں کے باپ ہیں، کے لیے تھا۔ اس لئے انسان کا مقام بہت بلند ہے۔ اگلی ایت میں سجدہ کا ذکر ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝

پھر سارے فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا۔

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

سوائے ابلیس کے۔ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ سے انکار کیا (سجدہ نہیں کیا)۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

کہا (اللہ تعالیٰ نے) اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

اس نے کہا: میں ایسا نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں، جسے تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝

(اللہ تعالیٰ نے) کہا: پھر تو یہاں سے نکل جا۔ پس بے شک تو مردود (راندھا ہوا) ہے۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝

اور بے شک تجھ پر یوم جزا تک لعنت ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

اس نے کہا میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جب (لوگ) دوبارہ اُٹھائے جائیں۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

(اللہ تعالیٰ نے) کہا یقیناً تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے، مقررہ وقت کے دن تک۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(شیطان) کہنے لگا: یارب! تجھے، میرے گمراہ کرنے کے سبب، اب میں (قسم کھاتا ہوں کہ) ان انسانوں کے لئے دنیا میں دلکشی پیدا کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا۔

آیات مبارکہ میں انسانیت کے لئے ایک اہم پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کا ذکر کئی بار فرمایا۔ اور ہر دفعہ شیطان (ابلیس) کا شکار ہونے سے منع فرمایا۔ فرشتے، قرآن وحدیث کے مطابق روشنی سے پیدا ہوئے ہیں۔ یعنی ایک قسم کی انرجی ہے۔

اسی طرح دوسری طرف جن، آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو دھواں کے بغیر ہے۔ یعنی کاربن اکسیجن پروسس نہیں۔ گرم شعلہ والی آگ جس سے حرارت اور روشنی نکلتی ہے۔ یہ بھی ایک انرجی کی قسم ہے۔ سائنس میں، انرجی کی مختلف صورتوں، مثلاً روشنی، آواز کی لہریں، مقناطیسی لہریں، حرارت کی لہریں اور ان کا آپس میں بدلنا ایک بہت اہم موضوع ہے۔

تکبر کا انجام:۔

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ، اُن کی تعظیم اور توقیر کا تھا۔ اسلام میں کسی طرح کا سجدہ حرام ہے۔ جب سجدہ کا حکم ہوا، تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ اور ابلیس بھی موجود تھا۔ اکثر علماء کی رائے میں چونکہ ابلیس آگ سے بنا ہے۔ اس لئے فرشتوں سے مختلف ہے اور اس نے سجدہ سے انکار کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے آگ کی مٹی پر برتری کا اظہار کیا، اور تکبر کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا۔ اس انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دی اور نکال دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی۔ جو اس کو ایک معین مدت تک دی گئی۔ جس کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اکثر کی رائے ہے کہ قیامت یا صور پھونکنے تک ہے۔

دوسری اس کی غلطی یہ تھی، کہ بجائے وہ اپنے عمل پر نادم ہوتا۔ اس نے پھر تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا۔ کہ اسے، راندہ درگاہ، انسان کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ وہ اس (انسان) کو اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر اکسائے گا۔ تاکہ وہ بھی اس کی طرح سزاوار ہو۔ اور اس کام کے لئے وہ دنیا کے امور کو بڑھا چڑھا کر اور رنگینی دکھا کر دھوکہ دے گا۔ وہ یہ کام جب تک زندہ ہے کرتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی ابلیس کا ذکر آیا ہے، ھدایت کی اہمیت بیان کی ہے۔ تاکہ لوگ گمراہی سے بچ سکیں گے۔ اسی لیے قران مجید میں گیارہ مرتبہ ابلیس اور گیارہ مرتبہ شیطان سے پناہ کے لیے کہا گیا ہے۔

اکثر جن شیطان کے تابع ہیں۔ چونکہ وہ آگ سے ہیں، اور شیطان (ابلیس) بھی آگ سے ہے۔ اس لئے ان کے وجود میں اضافہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کی زندگی طویل ہے اور نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ان کا وجود غیر مادی ہے۔ ان کی حرکت بھی تیز ہے اور وہ انسانی جسم کے اندر سرایت کرسکتے ہیں (جس طرح ریڈیو ویوز یا شاک ویوز گزر سکتی ہیں) اور خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ۝

سوائے ان میں سے تیرے بندے جو صاحب اخلاص ہیں۔ فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝

بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں ہے سوائے ان گمراہوں کے جو تیری پیروی کریں گے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝ۙ

اور بے شک ان سب (گمراہوں) سے وعدہ کی جگہ جہنم ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۝ۧ

اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ان گمراہوں میں سے تقسیم کیا ہوا حصہ ہے۔

شیطان کے ورغلانے کے انداز اور اس کی کوشش کے ذکر کے بعد، ان افراد کا ذکر ہے۔ جو اس کے دھوکے میں نہیں آتے۔ یہ اصحاب مخلص (اخلاص والے) ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ دنیا کے مضموم مقاصد سے یہ لوگ خالی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے۔ لہٰذا اس کے اندر سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ نفس لوامہ ہے۔ جو برائی سے رکاوٹ بنتا ہے۔ اسی طرح نفسانی خواہشات کے لئے نفس امارہ ہے۔ شیطان نفسانی خواہشات، نفس امارہ کے مدعا کو خوبصورت بنا کر گمراہ کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ کی سیدھی راہ پر چلتے ہیں۔ احکام الٰہی کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ اخلاص اور تابعداری خداوندی، جن کی زندگی کا سرمایہ ہوتا ہے۔ وہ اس سارے جال سے بچ جاتے ہیں۔ ان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ اس میں صرف وہی لوگ پھنستے ہیں جو اپنا اختیار، صحیح استعمال نہیں کرتے اور شیطان کے مکر و فریب کی طرف چل پڑتے ہیں۔

اخلاص کا مقام:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں دنیا سے رخصت ہوا۔ کہ وہ اللہ وحدہٗ کے ساتھ اخلاص پر تھا۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اور نماز کو قائم کرتا تھا اور زکوٰۃ ادا کرتا تھا۔ تو وہ اس حال میں مرا کہ اللہ اس پر راضی تھا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ جب انہیں یمن کی طرف بھیجا گیا۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت کرو تمہیں کم عمل بھی کافی ہے۔

اخلاص اور سیدھی راہ پر چلنے والے کامیاب ہیں۔ انسانوں پر شیطان کا تسلط نہیں۔ وہ بہکاتا ہے۔ اور انسان اپنی کمزوری، لاعلمی، تکبر، حسد، بغض، اور عادات رذیلہ کی وجہ سے، اس کے پیچھے چل کر عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ جہنم کے سات دروازے ہیں۔ احادیث کے مطابق یہ سات درجے یا طبقات ہیں۔ جو مجرموں کو ان کی سزا کی مناسبت سے ملیں گے۔ ہر دروازہ ایک درجہ یا طبقے کے لئے ہو گا۔ جہنم کے درجات یہ ہیں 1) جہنم۔ 2) السعیر۔ 3) لظی۔ 4) الحطمہ۔ 5) سقر۔ 6) الجحیم۔ 7) الھاویہ۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝

بے شک اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝

(ان سے کہا جائے گا) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝

اور ان کے سینوں میں جو کینہ حسد ہو گا ہم نکال دیں گے، (وہ) مسندوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) بھائی بھائی ہوں گے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۝

انہیں نہ وہاں کوئی تھکاوٹ (تکلیف) پہنچے گی اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝

(اے نبی) میرے بندوں کو بتادیں کہ یقیناً میں خوب بخشنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہوں۔

وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ۝

اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

شیطان کے پیچھے چلنے والوں، جہنم میں جانے والوں، کے ذکر کے بعد جو صاحب ایمان اور احکام پر عمل کرنے والوں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ جنت جس میں ہر معاشی و سماجی آسائش ہو گی، موادِ غذا کی کثرت ہو گی۔ دودھ کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ جس میں عزت واحترام سے جائیں گے۔ احادیث کے مطابق جہاں سے گزریں گے۔ فرشتے ان کو سلام اور سلامتی کی دعا دیں گے۔ وہاں جنت میں دنیا کے فاسد خیالات و عادات، انسانی وجود سے نکال دیئے جائیں گے۔ تا کہ زندگی سراپا آرام و سکون ہو۔ وہاں ہم عصر لوگ، ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہوں گے۔ دنیا میں ان کے اندر جو انسانی عوارض کی وجہ سے اختلافات تھے، بالکل ختم کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے سراپا سکون ہو گا۔ بیٹھنے کا انداز محبت کا طریقہ ہے، کہ چہرہ بالمقابل ہو گا پیٹھ نہیں کرے گا۔ کوئی تھکاوٹ، بیماری، سماجی یا معاشی مشکل نہیں ہو گی۔ اور باقی دائمی زندگی اسی حالت میں گزرے گی۔ پھر اپنے پیارے نبی علیہ السلام، کے ذریعہ اپنے انسانوں کو پیغام دیا، کہ میں بہت معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ ایک روایت ہے، کہ نبی علیہ السلام، باب بنو شیبہ سے تشریف لائے۔ تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو فرمایا: میں تمہیں ہنستے ہوئے کیوں دیکھ رہا ہوں اور چلے گئے۔ پھر دوبارہ الٹے پیر واپس آئے اور فرمایا: ابھی میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے۔ انہوں نے کہا: یا محمد (ﷺ) بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آپ میرے بندوں کو کیوں مایوس کر رہے ہیں۔ ان کو بتائیں کہ بے شک میں بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک ہے (تفسیر ابن کثیر۔ روح البیان)۔ کس قدر محبت کا انداز ہے۔ اس دنیا کی زندگی کی فرصت کے دوران بخشش طلب کی جائے۔ لہٰذا سب کے لئے اس کی اطلاع ہے، کہ اس زندگی میں نیکی احکام خداوندی کی فرمانبرداری اور توبہ نہ کی۔ تو میرے اللہ کا عذاب بہت شدید اور دردناک ہے۔

وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ۝

اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دیجئے

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ۝

جب اس کے ہاں پہنچے تو انہوں نے سلام کیا۔ اس نے کہا بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ۝

انہوں نے کہا(جواب میں)ڈریئے مت۔ بے شک ہم تجھے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

قَالَ اَبَشَّرۡتُمُوۡنِیۡ عَلٰۤی اَنۡ مَّسَّنِیَ الۡکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

(ابراہیم نے) کہا: کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو جب کہ مجھ پر بڑھاپا آچکا ہے۔ چنانچہ (آپ) کس بناء پر بشارت دیتے ہو۔

قَالُوۡا بَشَّرۡنٰکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِیۡنَ ﴿۵۵﴾

وہ(فرشتے) بولے: ہم نے تجھے حق(امر واقعی) کی خوشخبری دی ہے چنانچہ تو ناامیدوں سے نہ ہو۔

قَالَ وَ مَنۡ یَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَۃِ رَبِّہٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ ﴿۵۶﴾

(ابراہیم نے) کہا اور اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُکُمۡ اَیُّہَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۷﴾

کہا(ابراہیم نے) پھر تمہارا کیا مقصد ہے اے بھیجے ہوئے(فرشتو)۔

قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمٍ مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾ۙ

انہوں(فرشتوں نے) کہا: بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اِلَّاۤ اٰلَ لُوۡطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوۡہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۹﴾ۙ

سوائے آلِ لوط کے۔ بے شک ہم ان سب کو نجات دینے والے ہیں۔

اِلَّا امۡرَاَتَہٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّہَا لَمِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۶۰﴾

سوائے اس کی بیوی کے۔ ہم نے مقدر کر دیا ہے وہ بے شک پیچھے رہ جانے والوں میں ہو گی۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے۔ شیطان کے پیچھے چلنے والوں اور اللہ کے حکم کو ماننے والوں کی سزا و جزا کے بعد، مخلصین کے سردار حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نوازتا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام اپنے اخلاص اور نرم دلی کی وجہ سے خلیل اللہ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ قرآن مجید نصیحت اموز واقعات، کو مختلف اوقات پر بیان کرتا ہے۔ تاکہ قاری کو اس کی اہمیت اور ضرورت کے مطابق یاد دہانی اور رہنمائی میسر ہو۔

فرشتے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ پھر سلام یعنی سلامتی کی دعا دی۔ جو ابتدائے ملاقات کا خوبصورت طریقہ ہے (تفصیل بیان کی جاچکی ہے)۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو، ان کے کھانا نہ کھانے پر کچھ خفت محسوس ہوئی۔ جس کا اظہار کیا۔ آپ نے ان سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کو ایک اللہ کی طرف سے خوشخبری یعنی لڑکے کی ولادت کی اطلاع دینی ہے۔ جو علم والا، یعنی نبی بنے گا۔ یہ اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری تھی۔ کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ ابتدائی ایام میں مکہ چھوڑ آئے تھے۔ چونکہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی عمر بہت زیادہ تھی (بہت بوڑھے ہو چکے تھے)۔ اور آپ کی بیوی حضرت سارہ بھی بہت بوڑھی تھیں۔ اس لئے یہ عمومی صحت و ولادت کے خلاف توقع تھا۔ جس کا آپ علیہ السلام نے اظہار فرمایا۔ مقصود ناامیدی

نہیں تھی۔ فرشتوں کا جواب بڑا اہم ہے۔ کہ یہ امر واقع ہو گا۔ (اس نے مستقبل میں ہونا تھا اور یہ اس کی پیشگی اطلاع تھی)۔ چونکہ اللہ کا حکم ہے۔ مزید استفسار (سوال) کے جواب میں فرشتوں نے بتایا، کہ وہ قوم لوط کی طرف جا رہے ہیں، جو گمراہ ہو چکی ہے۔ ان کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ جس میں اہل ایمان کو سلامتی کی یقین دہانی تھی۔ مگر چونکہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی، اپنے اعمال کی وجہ سے منکرین اور گناہگاروں میں سے تھی۔ چنانچہ اسے بھی سزا دی گئی، وہ بھی ان میں شامل ہو گی۔ اس واقعہ سے درج ذیل اسباق ملتے ہیں۔

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ جسے چاہے اپنے حکم سے بارے مطلع فرماتا ہے۔
2۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ امید رکھنی چاہیے۔
3۔ حضرت ابراہیم کا جواب کہ مایوسی، صرف گمراہوں کا خاصہ ہے۔ یعنی انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ گمراہی عقائد میں ہو۔ بلکہ زندگی کے حسن اور آرام کے طریقہ سے بھی ہٹا کر، پریشانی میں مبتلا ہو جانا، بھی زندگی کے آرام سے گمراہی ہے۔
4۔ رشتہ کی اہمیت نہیں اہمیت کردار کی ہے۔ اگر بیوی یا اولاد کافر ہے تو سزاوار ہو گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ۙ﴿﴾

پھر جب فرشتے آل لوط کے ہاں پہنچے

قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿﴾

(لوط علیہ السلام نے) کہا بے شک تم تو کوئی اجنبی ہو۔

قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿﴾

بولے (فرشتے) بلکہ ہم تیرے پاس وہ (عذاب) لائے ہیں، جس میں یہ (لوگ) شک کرتے تھے۔

وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿﴾

اور ہم تمہارے پاس حق (یقینی چیز) لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿﴾

چنانچہ آپ رات کے کسی حصے میں اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جایئے اور آپ خود ان کے پیچھے چلیۓ اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور وہیں چلے جاؤ، جہاں تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿﴾

اور ہم نے اسے (لوط علیہ السلام کو) اس کا فیصلہ سنا دیا کہ بے شک صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿﴾

اور شہر (سدوم) والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِۙ

(لوط علیہ السلام نے) کہا بے شک یہ لوگ میرے مہمان ہیں لہٰذا تم مجھے رسوا نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ

اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَـنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ

وہ بولے کیا ہم نے تمہیں دنیا والوں (کی حمایت) سے روکا نہیں تھا۔

قَالَ هٰۤؤُلَۤاءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَؕ

(لوط نے) کہا یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کر لو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔

لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں بھٹک رہے تھے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَۙ

پھر سورج نکلتے ہی انہیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔

فَجَعَلۡنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍؕ

پھر اس بستی (زمین) کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور ان پر کنگھر کے پتھر برسائے۔

اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ

بے شک اس میں گہری نظر سے غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ

اور بے شک وہ بستی سیدھی راہ پر موجود ہے۔

اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَؕ

بے شک اسی میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان فرمایا۔ اس کا ذکر پہلے سورۃ ھود میں بھی آ چکا ہے (83 تا 88 آیات) اور تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ قوم لوط بد قسمتی کے ساتھ لواطت (لونڈے بازی جس میں جنسی تسکین نوجوان لڑکوں سے پوری کی جاتی ہے) کے گناہ عظیم میں ملوث تھی۔ بد قسمتی سے آج کل مغربی تہذیب میں انسانی آزادی کے نام پر یہ جنسی

آزادی بھی پھیلائی جا رہی ہے۔ شیطان نے یہ دھوکہ دیا ہے کہ اس نے غیر فطری عمل کے طبعی نقصانات اور تولیدی مضرات کو بالکل نظر انداز کر کے، صرف خواہش نفسانی پر عمل کرنے کی اہمیت پر زور دے دیا ہے۔ جو کہ بہت بڑا دھوکہ ہے۔

فرشتے عذاب کا حکم لے کر قوم لوط میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر خوبرو نوجوان کی صورت میں آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو جب اطلاع ملی، تو گھر آئے۔ ساتھ ہی ان کی بیوی نے دوسرے لوگوں کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کی آمد سے پریشان ہوئے۔ فرشتوں نے بتایا کہ قوم کی گمراہی کی وجہ سے تباہی کا حکم آ چکا ہے۔ لہٰذا رات کے اندھیرے میں آپ تمام مومنوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائیں۔ اور خود سب سے پیچھے چلیں۔ تاکہ کوئی بھی مومن پیچھے نہ رہ جائے۔ اور اس دوران پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھیں۔ صبح تک اس شہر نے عذاب الٰہی کے تحت ختم ہو جانا ہے۔ منکرین کا یہ عالم تھا، کہ جب انہیں خوبرو نوجوانوں کی آمد کی اطلاع ملی، تو حضرت لوط علیہ السلام کے گھر چڑھ دوڑے۔ اور کہا کہ ان کو ہمارے حوالے کرو۔ آپ نے انہیں اس عمل پر عار دلائی اور کہا کہ ان کی بیویاں ہیں۔ ان کی بیٹیاں ہیں، ان سے نکاح کر لیں۔ شہر کے اندر رہنے والی عورتوں سے نکاح کر کے اپنی جنسی تسکین پوری کریں۔ وہ اتنے بدمست ہو چکے تھے کہ کوئی پرواہ نہیں کی۔ (اس کی تفصیل سورۃ ھود میں بیان ہو چکی ہے)۔ فرشتوں کا خوبرو نوجوانوں کی صورت میں آنے کی وجہ یہ تھی، کہ ان کی نافرمانی کا موقعہ پر ثبوت موجود ہو گیا۔ فرشتوں تک وہ نہ پہنچ سکے اور رات کے اندھیرے میں حضرت لوط علیہ السلام تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل گئے۔ لیکن ان کی بیوی اپنی نافرمانی کی وجہ سے پیچھے رہ گئی۔ تمام شہر کو صبح ہوتے ہی چنگھاڑ اور زلزلہ نے تہ و بالا کر دیا۔ گرم لاوا کے پتھر بارش کی طرح برسے اور سارا سدوم شہر عبرت کا نشان بن گیا۔ یہ شہر اور علاقہ مدینہ اور شام کے راستے میں ہے۔

غور و فکر کی اہمیت:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تباہ شدہ بستیاں اہل نظر اور اہل عقل کے لئے نشان عبرت ہیں۔ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔ جن سے وہ زندگی اور انسانی طاقت کی حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں۔ لفظ متوسمین کا مطلب زیادہ غور کرنا اور اس سے نتیجہ اخذ کرنے کے ہیں۔ مومن ان واقعات اور نشانات سے سبق سیکھتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اہل عقل و اہل نظر ہوتے ہیں۔ دلائل، تجربہ، ظاہری صورت و کیفیت اور باطنی اوصاف سے احوال کو جان لیتے ہیں۔ اس کا کئی احادیث میں ذکر آیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں۔ جو لوگوں کو توسم (فراست) سے پہچان لیتے ہیں۔ (جامع البیان / تفسیر ابن کثیر)۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ" (سنن ترمذی)۔ مکہ میں مسلمان جن حالات سے گزر رہے اور کفار کا جو رویہ تھا، اس کے لئے ان واقعات ذکر کرنا نہایت ضروری اور اہم تھا۔ ایک طرف نافرمانی کرنے والوں کا انجام بتایا گیا ہے۔ اور پھر مسلمانوں کو راہ حق میں مشکلات کی تاریخ سے آگاہی دی گئی، تاکہ پتا چل جائے کہ یہ سلسلۂ کشمکش حق و باطل، شروع سے چل رہا ہے۔

قسم کی اہمیت:۔

کسی چیز کی اہمیت کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کے نام کی قسم کھانا اسلام میں ممنوع ہے۔ قرآن مجید نے پہاڑ (طور)، زیتون، بلد یعنی مکہ شریف کی قسم کھائی ہے۔ جو ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے۔ آیت نمبر 72 میں نبی ﷺ کی عمر کی قسم کھائی گئی ہے جو اللہ کے ہاں آپ ﷺ کے اعزاز و شرف اور محبت کی دلیل ہے۔

خلق عظیم:۔

آپ ﷺ کی زندگی کو دیکھیں۔ تو واقعی آپ ﷺ دنیا کی عظیم شخصیت ہیں۔ آپ ﷺ کا بچپن یتیمی میں گزرا۔ پانچ چھ برس کی عمر میں ایک سفر کے دوران آپ کی والدہ جدا ہو گئیں۔ دادا نے پرورش کی، اُن کی وفات کے بعد چچا ابو طالب نے ساتھ ملا لیا۔ حضرت ابو طالب مالی طور پر کمزور تھے۔ آپ نے بکریاں چرائیں، اُن کا دودھ نکالا، تجارتی سفر کئے اور اپنے چچا کا ہاتھ بٹایا۔ بلکہ حضرت علی کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ آپ کی زندگی کامل اور اس میں حیات انسانی کے لئے مکمل راہنمائی ہے۔ آپ نے یتیموں، چرواہوں، گوالوں کو اعزاز بخشا۔ اپنے کپڑے دھوئے، اپنی جوتی مرمت کی، خندق کھودی (پیٹ پر پتھر باندھ کر)، تجارت کی، امامت کی اور اقتداء میں بھی نماز پڑھی۔ بطور شوہر، باپ، فرمانروائے سلطنت، تاجر، آجر، حتیٰ کہ مزدور کے لئے بھی آپ کی زندگی نمونہ ہے۔ کسی نبی نے اتنی جامع اور مختلف امور پر محیط زندگی نہیں گزاری۔ جس کام کا حکم دیا، خود بھی اسے کیا اور کر کے دکھایا۔ نمازیں نہ صرف فرض بلکہ نوافل بھی پڑھتے تھے۔ چالیسواں حصہ زکوۃ تھی لیکن سب کچھ دے دیتے۔ ازواج مطہرات میں عدل کیا۔ دشمنان جان کو معاف کیا۔ بادشاہی کے باوجود فقیر کی زندگی گزاری۔ غلاموں کو آزاد اور بیواؤں کا سہارا بنے۔ غلاموں سے محبت کی، دلیل حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ ہے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سعدی اپنی قوم سے ملنے گئیں اور زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ بنو القین بن جسر نے زمانہ جاہلیت میں بنو معن کے گھروں پر لوٹ مار کے لئے حملہ کیا۔ اور وہ زید کو بھی اُٹھا کر لے گئے۔ زید اس وقت کم عمر لڑکے تھے۔ وہ عکاظ کے بازار میں ان کو فروخت کرنے لے گئے۔ حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لئے چار سو درھم میں خریدا۔ اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ ﷺ سے ہوا۔ تو انہوں نے زید کو آپ ﷺ کو دے دیا۔ جسے آپ ﷺ نے آزاد کر دیا۔ زید کے والد اور چچا زید کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ ان کے والد کو بتایا گیا کہ فلاں جگہ زید، غلامی کے ایام گزار رہے ہیں۔ پس زید کے والد حارثہ اور ان کے چچا فدیہ کی رقم لے کر مکہ پہنچے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ انہیں بتایا، کہ آپ ﷺ مسجد میں ہیں۔ وہ دونوں مسجد میں گئے اور پکار کر کہا: اے عبد المطلب کے بیٹے! اے سردار قوم کے بیٹے! آپ لوگ اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ آپ قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم اپنے بیٹے اور آپ کے غلام کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ لے کر اس کو آزاد کر دیں۔ آپ نے پوچھا وہ کون ہے؟ انہوں نے کہا زید بن حارثہ۔ آپ نے فرمایا، میں اس کو بلاتا ہوں، تم اس کو اختیار دینا، اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو میں بغیر

فدیہ لئے اس کو تمہارے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا پسند کرے تو جو میرے ساتھ رہنا پسند کرے سو اس کو میں چھوڑنے والا نہیں۔ انہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ آپ ﷺ نے زید کو بلایا اور پوچھا: کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ زید نے کہا ہاں، یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ فرمایا اور مجھے تم جانتے ہو اور میری رفاقت کو پہچانتے ہو۔ اب تم مجھے اختیار کر لو یا ان کو اختیار کر لو۔ حضرت زید بن حارثہ نے کہا! میں آپ کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں کر سکتا۔ آپ ہی میرے باپ اور چچا کے حکم میں ہیں۔ حضرت زید کے والد اور چچا نے کہا: اے زید! تم پر افسوس ہے۔ کیا تم غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو۔ اور اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے گھر والوں پر ان کو ترجیح دے رہے ہو۔ حضرت زید بن حارثہ نے کہا: میں نے اس کریم شخص کی زندگی میں وہ چیز دیکھی ہے کہ میں ان کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں کر سکتا (الاصابہ۔ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی)۔ اس دن کے بعد زید بن حارثہ نبی علیہ السلام کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) مشہور ہو گئے۔ آپ کا کردار، خلق عظیم تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر کی قسم کھائی۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

(مولانا عبد الرحمن جامی)

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منور ہاتھ اور ان سب کے سامنے، تمام کمالوں کے مالک آپ ہیں۔ تمام انبیاء کرام باعث احترام ہیں۔ اللہ کے ہاں درجات میں جو فرق ہے اس سے کسی کی شان میں گستاخی کرنا حرام ہے۔

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَۙ

اور بے شک ایکتہ (بستی) والے بھی البتہ ظالم تھے

فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ‌ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍؕ

چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا بے شک وہ دونوں (تباہ شدہ بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں۔

ایکتہ کے معنی درختوں کا جھنڈ، گھنا جنگل ہے۔ تبوک یا مدین کے قریب بستی ہے۔ جسے ایکتہ کہتے ہیں۔ اصحاب ایکتہ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ہیں۔ اس قوم کا نام بنی مریان تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ، ایکتہ تبوک کا قدیمی نام ہے۔ یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہوں پر ہیں۔ مدین اور اصحاب ایکتہ کا علاقہ حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔

اصحاب ایکتہ، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو ظالم کہا گیا۔ وہ اللہ کے ساتھ شریک بناتے، راستوں پر ڈاکہ ڈالتے، ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے۔ ان پر ان اعمال کی وجہ سے عذاب آیا۔ ایک زبردست چیخ اور زلزلہ نے ان کو تباہ کر دیا۔ ان کا زمانہ حضرت لوط کے بعد کا ہے۔

اہل مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے کے نام پر تھا، یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی امت تھے وہ بھی ناپ تول میں کمی و بیشی کرتے۔ ان پر سخت گرمی سات دن تک پڑتی رہی۔ جب وہ سائے کی تلاش میں ایک بادل کے نیچے جمع ہوئے۔ تو بادل سے

آگ نکلی اور اس نے ان کو جلا کر بھسم کر دیا۔ اس کو عذابِ یوم الظلہ کہا گیا ہے۔ دونوں جگہیں باعث عبرت ہیں (اس کا ذکر سورۃ ھود میں بھی ہے)۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور یقیناً حجر والوں (ثمود) نے رسولوں کی تکذیب کی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝

اور ہم نے انہیں نشانیاں دیں پھر وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝

اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝

چنانچہ صبح ہوتے ہی انہیں چنگھاڑ نے آپکڑا۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

پھر ان کے کام نہ آیا وہ (مال) جو وہ کماتے تھے۔

اصحاب ایکتہ اور اصحاب مدین کے بعد اصحاب الحجر کا ذکر ہے۔ ثمود کی آبادیاں پتھروں کے گھروں میں رہتی تھیں۔ تبوک جاتے ہوئے آپ ﷺ اس شہر سے گزرے۔ یہ حجاز اور شام کے درمیان کے علاقے ہیں۔ طبری کی روایت کے مطابق حضرت صالح کی قوم یہاں آباد تھی۔ غزوہ تبوک کے سفر کے دوران جب آپ ﷺ یہاں سے گزرے، تو صحابہ کرام کو پانی کے استعمال سے منع کیا۔ اور اس کنویں سے پانی نکالا، جس پر اونٹنی آیا کرتی تھی۔ اور حکم دیا کہ روتے ہوئے عاجزی کے ساتھ یہاں سے تیزی سے گزریں۔ کیونکہ عذاب شدہ علاقہ ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعوت دی۔ اور لوگوں نے انکار کیا۔ ان کے مطالبے پورے کئے گئے۔ اونٹنی کا معجزہ ان کی فرمائش پر ہوا۔ لیکن دو بدبختوں نے اس کو ختم کر دیا۔ وہ پتھروں کے گھروں میں رہتے اور اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے تھے۔ ان کے ظلم و نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا۔ اور چنگھاڑ کے ذریعے سب کو تباہ کر دیا (سورۃ اعراف میں تفصیل موجود ہے)۔ اور ان کے مضبوط پہاڑوں میں بنے گھر بھی ان کو نہ بچا سکے۔ یہ سارے واقعات اہل مکہ اور تمام وہ لوگ، جو اللہ کے احکام سے سرکش ہوتے ہیں، کے لئے باعث عبرت ہیں۔ مسلمانوں کو بھی تسلی دی کہ بالآخر کامیابی اور نجاعت حق کے راستہ پر ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے، حق (مقصد) کے ساتھ پیدا کیا ہے اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ پس (اے نبی) آپ (منکروں سے) خوبصورت انداز سے درگزر کریں۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

بے شک آپ کا رب ہی سب کو تخلیق کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔

جزاو سزا:۔

امت سابقہ کے احوال کے بعد، اللہ کی قدرت کے ثبوت کے طور پر ارشاد فرمایا۔ کہ جس اللہ نے نافرمانوں کو سزا دی۔ اسی نے یہ زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ ہے کو ایک مقصد اور مربوط نظام کے تحت پیدا فرمایا۔ یہ بات اس وقت صرف وحی کے ذریعہ خبر تھی۔ مگر آج کی ترقی اور علوم نے اس کو حرف بحرف ثابت کر دیا ہے۔ کہ سارا نظام اس قدر مربوط, منظم، ہم آہنگ اور ایک دوسرے پر منحصر ہے کہ ذرا سی تبدیلی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ چاند، زمین، سورج، اس کے فاصلے، موسم، کشش ثقل، سمندر، بادل، ہوا، نباتات سب ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ساتھ کفار کے ظلم و ستم، بد اخلاقی، تنگ نظری، اسلام دشمنی پر ایک اعلیٰ اصول کی راہنمائی کی۔ کہ آپ خوبصورت انداز میں درگزر کریں تاکہ اس سے مقابل، متاثر ہو۔ وہ نفرت یا ضد کے بجائے خود احساس کرے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انتقام لینے پر قادر ہو تو بھی معاف کر دیا جائے۔ جس اللہ نے ان کو پیدا کیا اور سب کائنات کا مالک ہے۔ اگر اس کے نافرمان ہیں اور وہ مہلت دے رہا ہے تو یہ درس اخلاق ہے۔ اللہ کی ذات تمام کو پیدا کرنے والی اور خوب ہر ایک بارے اس کی حقیقت و ضرورت، جاننے والی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝

بے شک ہم نے آپ کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ہم نے جو مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی نظر نہ اُٹھائیں اور ان (کی حالت) پر غم نہ کھائیں اور اپنے پُر شفقت بازو، مومنوں کے لئے پھیلا دیں۔

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝

اور کہہ دیجئے بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

نعمتِ عظمیٰ:۔

شانِ نزول یہ ہے کہ سات یہود کے تجارتی قافلے آئے۔ تو کچھ افراد کے دلوں میں خیال آیا کہ ان کی تجارت کس قدر ہے۔ اس کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ کو بھی سات دہرائے جانے والی آیات دیں ہیں۔ جو کہ ایک عظیم خزانہ ہے۔ قرآن مجید بھی ایک عظیم خزانہ ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے لئے راہنمائی ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد سورۃ فاتحہ ہے۔ اس کی تائید ایک حدیث مبارکہ سے بھی ہے۔ جو کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الحمد للہ (سورۃ فاتحہ) ام القرآن ہے۔ ام الکتاب اور السبع المثانی ہے (صحیح بخاری شریف)۔ ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: کہ دنیا کی متاع و مال، کر و فر،

شان و شوکت، ایک فرد کے لئے تو بہت ہی عارضی ہے۔ کیونکہ وہ جب دنیا چھوڑ جاتا ہے۔ تو سب کچھ یہیں رہ جاتا ہے۔ (ع: سکندر جب چلا دنیا سے تو دونوں ہاتھ خالی تھے)۔ لہٰذا اس کی کمی کی وجہ سے پریشانی صحیح نہیں۔ اور جن کو دولت زیادہ ملی ہے۔ ان کے لئے بھی زیادہ مشکلیں ہیں۔ اسلام نے دولت سے نفرت کا سبق نہیں دیا۔ اور نہ ہی حکم دیا ہے کہ دولت اکٹھی کرنا انسانی زندگی کا مقصد ہے۔ دولت کا صحیح استعمال بہت اچھا ہے۔ علم، صحت، مال اللہ کی نعمتیں ہیں۔ ہاں جب دولت متکبر کر دے، ظلم کی طرف لے جائے۔ انسانی حقوق کی پامالی کا سبب بنے۔ انصاف میں رکاوٹ ڈالے۔ تو یہ بہت نقصان دہ ہے۔ یہ عمومی حکم ہے۔ نبی ﷺ نے ذاتی طور پر دولت کو پسند نہیں کیا۔ بلکہ فقیری کو پسند فرمایا لیکن اصحاب کے لئے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ آیت مبارکہ ان افراد کے لئے جن کے پاس دنیاوی سامان کی فراوانی نہیں، ایک ہدایت ہے۔ کہ سب عارضی ہے۔ اس وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ساتھ ہی اعلیٰ اخلاق کی راہنمائی فرمائی، کہ سب کو اپنے اخلاق عالیہ سے محبت و پیار کا درس دیں۔ یہ سبق دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے۔ آپ کا مقصد تو لوگوں کی راہنمائی کرنا ہے۔ اسی پر توجہ دیں۔ اور یہ ہمارے لئے بھی حکم ہے کہ تبلیغ اچھے اخلاق و طریقے سے کی جائے اور درگذر کا اصول اپنایا جائے۔

كَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَى الۡمُقۡتَسِمِيۡنَۙ

جیسا کہ ہم نے قسمیں کھانے والوں پر نازل کیا تھا (عذاب سے ڈرائیں)۔

الَّذِيۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِيۡنَ

جنہوں نے قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔـلَـنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَۙ

چنانچہ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سے ضرور باز پرس کریں گے۔

عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے۔

آیات مبارکہ مکہ شریف میں نازل ہوئیں کچھ قریش کے سرکردہ افراد، اسلام اور نبی ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اور حج کے موقع پر آنے والے افراد اور کعبہ شریف داخل ہونے والوں کو قرآن مجید اور نبی ﷺ کی تعلیمات سے منع کرتے۔ کبھی جادہ گر۔ کبھی شاعر۔ کاہن۔ اور قرآن کے کلام کو کہانی، شعر، قصے کہتے اور نظر انداز کرتے۔ ان افراد کی موت بڑی پریشان کن طریقے سے ہوئی۔ کچھ لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کی قسمیں کھائیں تھیں۔ ان کے نام العاص بن وائل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، ابو الخیری بن ہشام، النضر بن حارث، امیہ بن خلف، نصر بن الحجاج تھے۔ یہ سارے بری موت مرے۔ ساتھ ہی یہ حکم سنا دیا، کہ اعمال کے بارے سوال و جواب ہو گا۔ لہٰذا سزا و جزا کا نظام رہے گا۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ

چنانچہ آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ کھول کر (علی الاعلان) سنا دیں اور مشرکین کی پرواہ مت کریں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ

بلاشبہ ہم مذاق کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں چنانچہ وہ اپنا انجام جلد جان لیں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ

آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں میں ہو جائیں۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتیٰ کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔

آیات مبارکہ مکی ہیں اور اس وقت مکہ میں مسلمانوں پر جو ظلم تھا، اس کی ایک صورت دکھائی۔ قریش مکہ قرآن کریم اور نبی ﷺ کی استہزاء، غریب مسلمانوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان آیات کے نزول سے پہلے خفیہ طور پر تبلیغ کیا کرتے تھے۔ پھر جب آیت نمبر 94 نازل ہوئی تو کھل کر تبلیغ کا حکم ہوا۔ اور آپ ﷺ نے کھل کر تبلیغ کرنا شروع کر دی۔ اِدھر تبلیغ میں تیزی آئی، تو دوسری طرف مشرکین مکہ نے بھی ظلم وستم میں تیزی کر دی۔ آیات مبارکہ میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ وہ مصائب اور مشکلات سے تنگ دل نہ ہوں، بلکہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ زیادتی کرنے والے سزا پائیں گے۔ اور یہی ہوا، وہ مخصوص افراد، جو استہزاء کرتے تھے، ہلاک ہوئے۔ مشکلات کے حل کے طور پر جو طریقہ بتایا گیا، وہ بہت اہم ہے، کہ اللہ کی یاد، اللہ پر یقین اور اس کی عبادت کی جائے۔ یعنی اس کا ذکر دل میں ہر وقت ہو، تو یہ پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ سورہ مبارکہ کی ابتداء قرآن مجید ذکر سے ہوئی اور اختتام بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے کیا گیا۔

الحمدللہ سورۃ الحجر مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما کر سب کے لئے فائدہ مند فرمائیں۔ آمین۔

١٦۔ سورت النحل

تعارف:۔

سورۃ النحل مکہ شریف کے آخری ایام کے دوران (قبل از ہجرت) نازل ہوئی۔اس سورۃ میں ایک سو اٹھائیس (128) آیات اور سولہ (16) رکوع ہیں اور ترتیب کے لحاظ سے سولہ (16) نمبر ہے۔ ایک دو آیات کے بارے روایت ہے کہ مدینہ شریف میں نازل ہوئیں۔ سورت میں شہد کی مکھی (النحل) کا ذکر ہے اور اس وجہ سے اس کا نام سورۃ النحل ہے۔

مکی سورتوں کی طرح مضامین میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے۔ منکرین حق کو ان کے اعمال کے سبب ڈرایا گیا ہے تاکہ عذاب سے پہلے اپنے اعمال کو صحیح کر لیں۔

اللہ کے وجود اس کی قوت و طاقت کے کائناتی دلائل دیئے گئے ہیں تا کفار ان پر غور کر کے ایمان لے آئیں۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پہاڑ۔ درخت۔ سمندر و پانی سب دلائل کا اظہار فرمایا۔

شرک کے خلاف توحید حق میں دلائل ثابت کئے۔ پچھلی امتوں کے انکار اور پھر ان پر عذاب کا ذکر کیا۔ پچھلے انبیاء کے واقعات، ان کی امتوں پر عذاب جنہوں نے نافرمانی کی، کا ذکر ہے۔

اہل مکہ کو اپنے کردار کے بارے تنبیہ کی ہے ساتھ ہی مسلمانوں کو حق کے لئے تسلی دلائی ہے۔ انسانی جان کے خوف سے آدمی اپنا ایمان چھپا سکتا ہے بشرطیکہ دل میں اللہ کا اقرار ہو۔

عدل۔ احسان۔ انسانوں سے بھلائی۔ عہد کو پورا کرنا۔ برے کاموں سے رکنے کا حکم دیا۔ شیطان کے پھندوں سے بچنے کا حکم ہے۔

اللہ کا شکر ادا کرنے اور گناہ کی صورت میں توبہ کرنے کا حکم ہے۔ حکمت و نرمی کے ساتھ تبلیغ کا حکم دیا ہے اور اللہ کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝

اللہ کا حکم (عذاب) آ پہنچا لہٰذا تم اسے عجلت سے نہ مانگو۔ وہ پاک اور ان (جھوٹے خداؤں) سے برتر ہے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی دے کر فرشتے نازل کرتا ہے کہ تم (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کردو کہ بلا شبہ میرے سوا کوئی الہ نہیں ہے، لہٰذا تم مجھ سے ہی ڈرو۔

سورۃ کی ابتداء اہم اعلان سے کی گئی ہے اور قریش مکہ کے رویہ کے خلاف انتباہ ہے، کہ اللہ کے عذاب جس کی اہمیت سے تم انکار کر رہے ہو، اگر تم پر آنے میں مہلت دی جارہی ہے تو اس کو طلب کرنے میں عجلت کا اظہار نہ کرو۔ کیونکہ عذاب معاشرہ کو ختم کردے گا۔

شان نزول یہ ہے کہ قبل از ہجرت مدینہ اہل مکہ کا رویہ نبی اور مسلمانوں کے بارے بڑا شدید تھا۔ تمام سزا و جزا کی آیات سے وہ بے پرواہ تھے اور تقریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا اس لئے وہ اس کو سنجیدہ نہیں لیتے تھے۔ ان کو اطلاع دی کہ یہ بہت قریب ہے۔

اس کی ایک توجیہہ مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اہل مکہ کی مقام بدر پر شکست ہے جو چند سال بعد واقع ہوئی۔ دوسری توجیہہ یوم قیامت ہے جو کہ ہر روز قریب تر ہو رہا ہے۔

جس نے عذاب دینا ہے وہ حقیقی خدا ہے اور اس شرک سے پاک ہے جس میں تم مبتلا ہو۔ قریش مکہ کا نبی علیہ السلام سے رویہ بھی بڑا سخت تھا۔ وہ بنی ہاشم سے پاس کعبہ کی نگاہ بانی کی وجہ سے حسد کرتے تھے۔ نبوت پر اعتراض کرتے تھے۔ جس کے جواب میں، اللہ نے فرمایا: کہ یہ نبی کا انتخاب دولت یا سرداری قبیلہ یا کثرت اولاد پر نہیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے، اپنے بندوں میں سے اس ذمہ داری کے لئے منتخب کر لیتا ہے اور اپنے فرشتوں بالخصوص حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے پیغام بھیجتا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝

اس نے آسمان اور زمین ص، صحیح نظام کے ساتھ تخلیق کئے، وہ ان سے برتر ہے جنہیں وہ (کفار) شریک ٹھہراتے ہیں۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ۝

اس نے انسان کو نطفے سے تخلیق کیا تو یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا۔

وَ الۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۝

اور اس نے چوپائے بھی پیدا کئے ان میں تمہارے لئے گرمی حاصل کرنے کا سامان (لباس) اور دیگر منافع ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝

اور دن میں تمہارے لئے خوبصورت منظر ہے جب تم انہیں شام کو چرا کر اور صبح چرانے کے لیۓ لے جاتے ہو۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

وہ تمہارے لئے بوجھ ان مقامات (شہروں) تک لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت کے بغیر نہیں پہنچ پاتے۔ بے شک تمہارا رب بڑا شفقت والا، بہت رحم والا ہے۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے (پیدا کئے) تا کہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے (انہیں پیدا کیا) اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اور سیدھی راہ اللہ ہی پر جا پہنچتی ہے اور بعض راہیں ان میں ٹیڑھی ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا ہے۔

منکرین کو عذاب اور نبوت کے بعد توحید کے عقلی دلائل دیئے ہیں تا کہ اللہ کی عظمت و طاقت کا یقین پیدا ہو اور ایمان مضبوط ہو۔ قرآن مجید نے اعلیٰ معیار کے دلائل دیئے ہیں۔

ایک طرف ادبی ہیں یعنی الفاظ کا چناؤ اور ان کی معاشرہ میں وضاحت، دوسری طرف نفسیاتی طور پر اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے شعور اور حس کی وجہ سے شروع سے ان کو دیکھ و محسوس کر رہا ہوتا ہے اور تیسرا علمی لحاظ سے ہر زمانے کے اعلیٰ درجہ کے اصحاب علم کے لئے قابل غور و توجہ رہیں گے۔ زمین و آسمان کا نظام ایسا مربوط ہے، ہر روز سورج کا نکلنا، غروب ہونا، رات اور ستارے پھر چاند کی جسامت اور اوقات طلوع میں تبدیلی۔ یہ سب تمام انسانوں کو بلکہ اس نظام کی قوت کا احساس دلاتے ہیں۔ اسلئے ان کو خدا جاننا گمراہی ہے۔ یہ صرف اپنے خالق (پیدا کرنے والے) کے وجود کے لئے دلیل ہیں۔

انسان جس طرح مادر رحم میں نطفہ سے انسانی وجود کی شکل لے کر روح کے ساتھ دنیا میں قدم رکھ کر پھر اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو جاتا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔

انسان کی سہولت کے لئے زمین پر جو جاندار بالخصوص حیوان ہیں، جو انسانی تمدن، سماجی، معاشی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا ذکر بھی کیا کہ یہ سارے اس کی مخلوق ہیں۔

انسان جہاں ان سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ان کے پیدا کرنے والے کو یاد بھی کرے۔ ان حیوانات میں جو فوائد ہیں، ان کو مختصراً ذکر کیا۔ بطور غذا بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ وغیرہ ان کا دودھ، گوشت غذا کے کام آتا ہے۔ ان

کے بالوں سے گرم لباس اور کھالوں سے اشیاء بنائے جاتے ہیں جو سردی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ انسانی تمدن اور ان جانوروں کی تاریخ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

جو جانور بڑے ہیں وہ نقل و حمل یا زراعت میں اور سامان ایک جگہ (مقام) سے دوسری جگہ (مقام) لے جانے کے کام بھی آتے ہیں۔ گدھے، خچر اور گھوڑے انتہائی تنگ اور دشوار گزار پہاڑی راستوں پر چلنے کی مہارت رکھتے ہیں، جہاں انسان کا جانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ پھر تیز رفتاری اور خوبصورتی کی وجہ سے گھوڑا مشہور ہے۔ نسل کے خواص اپنی جگہ ہیں۔ اونٹ صحرا کا جہاز ہے، بھاری وزن مشقت اور طویل سفر کے لئے بہت اہم ہے جبکہ گرمی میں کئی دن بغیر پانی کے گزار سکتا ہے۔ آرام کے علاوہ معاشی اور جسمانی لحاظ سے ان کی کثرت، انسان کے لئے باعث تسکین ہوتی ہے، بالخصوص جب کسان اپنے مویشیوں کو صبح جنگلات یا کھیتوں کی طرف لے جاتے ہیں اور شام کو لاتے ہیں تو ان کی مسرت کی انتہاء ہوتی ہے۔

اختیار آزادی:۔

یہ سارے انعامات انسان کے لئے ہیں تاکہ اپنے خالق اور معبود (اللہ) کو یاد رکھے۔ اس کی عبادت کرنا احکام ماننا، ہی سیدھا راستہ ہے، یہ راستہ وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرب فرشتوں کے ذریعہ اپنے انبیاء تک اور انبیاء کرام نے انسانوں تک پہنچایا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو جانیں، اس کی بندگی اور عمل کریں جنت الفردوس کا انعام پائیں۔ اس راستہ کے علاوہ جو راستے ہیں، وہ ٹیڑھے ہیں اور وہ انسانوں کو اللہ کے بجائے جہنم کے گڑھے کی طرف لے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتے تو انسان کو محض پابند بنا سکتے تھے جیسے فرشتے، مگر جہاں عقل، علم اور حکمت عطا فرمائی، وہاں آزادی دے دی تاکہ اپنے اعمال کی بناء پر جزا اور سزا کا مستحق ہو۔

اس لئے اعمال ہی کامیابی اور ناکامی کا ذریعہ بنتے ہیں اور اسی کے مطابق توفیق ملتی ہے۔

اسرار کائنات:۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات اور انسانوں کی سہولت کو نظام کے بارے دلائل دیئے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ وہ بھی تخلیق کیا جو تم نہیں جانتے اور یہ وہ اسرار کائنات ہیں جن کو انسان علم کے ذریعہ (سائنسی تحقیق) جاننے کی رات دن کوشش کر رہا ہے لیکن آج تک بہت ہی تھوڑا معلوم ہوا ہے جس کی مثال سمندر سے ایک چلو بھر پانی ہے۔

کچھ جانور حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں، حرام میں گدھے اور خچر ہیں۔ گھوڑے کے بارے اختلاف ہے۔ اکثریت کے ہاں حلال ہے لیکن اس کو بطور گوشت استعمال کرنے کو ترجیح نہیں دی جاتی تھی کیونکہ دفاعی طور پر اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی وجہ سے اسلام میں گھوڑوں پر زکوٰۃ بھی نہیں تاکہ دفاع کے لئے مہیا ہو سکیں۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ۝

وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی نازل کیا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت اُگتے ہیں جن پر تم جانور چراتے ہو۔

يُنۢبِتُ لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَ الزَّيۡتُوۡنَ وَ النَّخِيۡلَ وَ الۡاَعۡنَابَ وَ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝

وہ اسی پانی سے تمہارے لئے کھیتی اُگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والے لوگوں کے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ ۙ وَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۝

اور اس نے تمہارے لئے مسخر کئے رات دن، سورج اور چاند اور تمام ستارے بھی اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لئے البتہ کئی نشانیاں ہیں۔

وَ مَا ذَرَاَ لَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ۝

اور رنگ برنگ کی وہ چیزیں بھی تابع کر دیں جو اس (اللہ) نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کیں۔ بے شک ان میں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں بڑی نشانی ہے۔

وَ هُوَ الَّذِىۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡكُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِيًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَ تَرَى الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِيۡهِ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ۝

اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا تا کہ تم اس میں سے تر و تازہ (مچھلی کا) گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی) نکالو جو تم پہنتے ہو، اور تو کشتیاں دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور تا کہ تم اس (اللہ) کا فضل (معاش) تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو۔

اہل مکہ اور تمام دنیا میں منکرین خدا کی غور و فکر اور ہدایت کے لئے علمی دلائل بیان کئے ہیں۔ یہ اسلام بالخصوص قرآن مجید کا خاصہ ہے کہ سائنسی حقائق کو دنیا کے سامنے پیش کیا، تا کہ اہل علم غور کریں اور اس اعلیٰ و پیچیدہ، خود کار نظام پر غور کر کے خالق نظام، کا دل سے اقرار کریں۔

یہ دلائل کائنات کی وسعت ہے جس کی عظمت تو ہمیں ہر روز ریڈیو سگنلز کے ذریعے مل رہی ہے، لیکن ہم اس خالق کی طرف جانے کے بجائے اپنے تخیل میں گم ہو جاتے ہیں۔

پھر زمین پر زراعت، جنگلات، صحراء، ان میں ان گنت مخلوقات (ملاحظہ ہو سورۃ البقرہ) رنگ برنگے پھول، پھل، موسم، سمندر اور زمین پر نظارے کا ذکر فرمایا کہ یہ اہل عقل اور غور فکر کرنے والوں کو سمجھانے کے لئے کافی ہیں۔

سمندر:۔

زمین کے بعد سمندر اور پانی کی مخلوق، وسعت کا بھی ذکر کیا۔ اس کے ذریعہ تجارت، جہاز، رانی، سمندری غذائی اسباب اور دوسری چیزیں بالخصوص موتی اور زینت کا سامان کا بھی ذکر کیا۔

سمندر نہ ہوتے تو تجارت میں وہ وسعت اور آسانی نہ ہوتی جو آج ہے۔ آج جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ بین الاقوامی تجارت کا80 فیصد حجم کے لحاظ سے بذریعہ سمندر ہوتا ہے اور بذریعہ قدر (قیمت) 70 فیصد سے زیادہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ انسانی زندگی کے لئے سمندر دنیاوی ضرورت ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱): زمین پر سمندر کا پانی 72 فیصد ہے۔

(۲): دنیا میں زندگی کے لئے آکسیجن ضروری ہے۔ زمین پر آکسیجن کی 28 فیصد ذریعہ، جنگلات ہیں اور 70 فیصد سمندر کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے بذریعہ (Phytoplantation)۔ یہ پودا نظر نہیں اتا اور پتوں کی طرح کاربن ڈاہی اکساہیڈ کو اکسیجن میاں بدلتا ہے۔

(۳): سمندر کی لہروں کی وجہ سے موسمیاتی تبدیلی آتی ہے اور کرنٹ (لہروں) کے ذریعہ گرم پانی اور ٹھنڈے پانی حرکت کرتے ہیں۔ سمندر کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے، زندگی کے لئے آسانی پیدا کرتے ہیں۔

(۴): انسانی غذا کی پروٹین، مچھلی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو کہ غذا کا اہم جزو ہے۔

(۵): بہت سارے جانور اپنی زندگی کے لئے سمندر پر انحصار کرتے ہیں۔

(۶): انسانی آبادی زیادہ تر سمندر کے قریب ہے۔

(۷): سمندری تجارت، سمندر سے حاصل شدہ غذا کی وجہ سے دنیا میں معاشی ترقی ہوتی ہے۔

(۸): سمندری پودوں کے ذریعے انسانی ادویات (بالخصوص برائے کینسر) پیدا ہوتی ہے۔ (www.theoceanpreneur.com)

کاش آج ہم مسلمان تحقیق میں آگے نکل کر کائنات کے اسرار اور زمین پر خزانوں کے ساتھ، ان کے خالق، سے اقوام کو علمی طور پر آگاہ کریں جس کا بار بار قرآن مجید نے اظہار کیا ہے۔

یہ سارے بیان کردہ نقاط آیت نمبر 14 میں اشارۃً مذکور ہیں

دنیا کے رنگ:۔

آیت میں فرمایا کہ رنگ برنگ کی دنیا کی چیزیں تابع کر دیں۔

دنیا کے رنگ اللہ کے انعام ہیں اور یہ رنگ ہر طرف اور ہر طرح کے ہیں۔ اگر رنگ نہ ہوتے اور پھر ہمیں ان کو دیکھنے یا جاننے کی صلاحیت نہ ہوتی، تو زندگی اتنی حسین اور دلکش نہ ہوتی۔

یہ رنگ کائنات، پھر زمین، سمندر، جنگلات، میدانوں، صحراؤں، فضاؤں میں بکھرے ہوئے ہیں اور سب سے حسین رنگ کا امتزاج تو انسان کی اپنی زندگی ہے۔ یہ سب اللہ کا انعام ہیں۔

ان سے نہ صرف خود بلکہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا چاہیے۔

وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَۙ

اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے کہ وہ تمہیں لے کر جھک نہ پڑے، دریا اور راستے بنائے تا کہ تم راستے پاؤ۔

وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ

اور (دوسری) نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے بھی لوگ صحیح راستے پاتے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

بھلا جو اللہ سب کچھ تخلیق کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو کچھ بھی تخلیق نہیں کرتا؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو انہیں گن نہ سکو گے بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔

وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَؕ

اور لوگ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز تخلیق نہیں کرتے جبکہ وہ خود تخلیق کیئے گئے ہیں۔

اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ۠

وہ مردے ہیں، زندہ نہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ

تمہارا اللہ بس ایک ہی اللہ ہے۔ چنانچہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ

بلاشبہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّا ذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَۙ

اور جب ان سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ۠

تا کہ یوم قیامت وہ اپنا مکمل بوجھ اُٹھائیں اور ان کے بوجھ سے کچھ (اُٹھائیں) جنہیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں۔ جان لو! برا بوجھ ہے جو وہ اُٹھاتے ہیں۔

آیات مبارکہ کائنات پھر زمین، نباتات، سمندر کے بعد پہاڑوں کا ذکر ہے کہ ان کے ذریعہ زمین کی سطح پر حرکت بالخصوص جو کہ زمین کی اندرونی سطح، پلاسٹک اینتھو سیفرز، کو سطح زمین تک پہنچنے سے روکتے ہیں۔ یہ موجودہ سائنسی تحقیق سے

ثابت ہو چکا ہے۔ جس کو قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے ذکر کیا۔ اس کا تذکرہ پہلے سورتوں بھی گزر چکا ہے۔(حوالہ سورۃ الحجر / آیت 19)۔ theThe mountain as stablizers for the Earth from Quranic Prespective by drDr M.Akhir Uddin Darriam Malysia. Show pictire from Google.

پہاڑوں کے درمیان دریا رواں کیے، جو راستے بناتے ہیں اور دروں (پاس) کا کام دیتے ہیں جن کے ذریعے لوگ پہاڑوں کو کراس کرتے ہیں۔

ساتھ ہی ستاروں کے وجود کو جہاں خوبصورتی کا ذریعہ بنایا، وہاں کچھ ستارے ایسے ہیں جن سے اطراف متعین کی جاتی ہیں بالخصوص قطبی ستارہ۔ جس کا مقام شمال کی طرف ہے اور دوسرے ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں لیکن وہ اپنے مقام پر قائم نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے سمتوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ سمندر اور فضاء میں راتوں کے نشان بنائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔

قطبی ستارہ چونکہ شمالی قطب پر ہے، اس لئے اس کا مقام دوران گردش (رات دن) زمین (Axis) اور دوران سال (سورج کے گرد) وہیں رہتا ہے اور اسی طرح اس کی جگہ متعین ہوتی ہے۔

پھر اس کے ذریعے سے دوسرے مقاموں کا تعین ہوتا ہے۔ قطبی ستارہ کے گرد دب اکبر اور دب اصغر چکر لگاتے ہیں اور ان کی نسبت سے قطبی ستارہ پہچانا جا سکتا ہے۔

علامات سے مراد اور بھی علامات یا نشانیاں ہیں یعنی دریا، پہاڑ، ستارے اور آج کل GPS کا نظام ہے۔ یہ سارے علامات کا حصہ ہیں۔ یہ ساری کائنات اور تخلیقات جس ذات نے کی ہیں، وہی الٰہ و معبود ہے۔

وہ بت، جو کسی انسان نے بنائے ہیں۔ نہ بول سکتے ہیں، نہ ہل سکتے ہیں۔ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ کوئی شعور و طاقت نہیں رکھتے بلکہ مردہ کی طرح ہیں۔ کس طرح قابل عبادت (الٰہ) ہو سکتے ہیں۔ جو لوگ خدا کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں وہ کیوں یہ نہیں سوچتے کہ یہ بات عقل سلیم کے خلاف ہے۔

دوسری طرف، دنیا میں انسان کے لئے جو نعمتیں اس کے معبود (الٰہ) نے اس کے لئے تخلیق کی ہیں، جس کی کچھ مثالیں پچھلی آیات میں دی گئی ہیں، ان کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔

جو اللہ کے منکر ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ سے چھپا سکتے ہیں تو یہ خیال غلط ہے وہ (اللہ) تمام دلوں کے حال جانتا ہے۔ اس سے کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ ان حقائق کے باوجود بھی جو اس کی عبادت اور احکام سے انکاری ہیں، ان کے انکار کی وجہ ان کا تکبر و غرور ہے جو نافرمانی پر لے آیا اور اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

استکبار کا معنی ہے اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے صحیح اور حق بات کا انکار کر دینا اور دوسروں کو حقیر اور کمتر جاننا۔

تکبر کی یہی تعریف حدیث شریف میں آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی کبر (تکبر) ہو گا (صحیح مسلم)۔

(لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ.)

ان کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے جو پیغام بھیجا ہے اس پر ایمان لانے کی بجائے اسے قصے اور کہانیاں سمجھتے ہیں۔

نیکی اور برائی کا پھیلانا:

ان سارے اعمال کا ان کو قیامت کے دن حساب دینا ہو گا اور نہ صرف اپنی سزا بھگتیں گے بلکہ دوسروں کو برائی کی طرف لے جانے کی سزا بھی پائیں گے جس طرح نیکی طرف بلانے والا اس کے اجر اور برائی کی طرف بلانے ولا اس کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس شخص کو ان تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا۔ جو اس کی دعوت پر ہدایت کا راستہ اپنائیں گے اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانا پڑے گا جو اس کی دعوت پر گمراہ ہوئے (سنن ابی داوٗد)۔ اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں۔ اعمال ان کے ایک بوجھ ہیں، بجائے اس کے کہ ان کو بچائیں ان کو سزا دلائیں گے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۝

ان سے پہلے بھی لوگوں نے مکر کے منصوبے بنائے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ (منصوبوں کی) جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں، اللہ نے انہیں جڑ (بنیاد) سے اکھاڑ پھینکا پھر ان کے اوپر سے چھت بھی ان پر آگری اور ان پر عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آدھمکا جس کا انہیں احساس تک نہیں تھا۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۝

پھر یوم قیامت اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا: میرے شریک کہاں ہیں جن کی بابت تم (مومنوں سے) جھگڑتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے جنہیں علم دیا گیا تھا، بے شک آج کا دن کافروں (انکار کرنے والوں) کے لئے رسوائی اور بد بختی ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

وہ لوگ جن کی فرشتے جان اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے تو وہ یہ کہتے ہوئے سر جھکا دیتے ہیں کہ ہم تو کوئی برا عمل نہیں کرتے تھے۔ (فرشتے جواب میں کہتے ہیں) کیوں نہیں! بے شک اللہ کو معلوم ہے جو تم عمل کرتے تھے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۝

چنانچہ تم جہنم میں دروازوں سے داخل ہو جاؤ۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ وہ کیسا بڑا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا۔

کفار مکہ اور اس سے قبل جو اقوام تباہ ہوئیں ان کی حالت بیان کی ہے۔ اس سے مراد، دو بادشاہ تھے ایک نمرود اور دوسرا فرعون، دونوں خدائی کے دعویدار تھے اور بلند مینار بنا کر آسمان کی خبریں جاننا چاہتے تھے اور انجام ان کی تباہی پر ہوا۔

یہ حالت موجودہ دور میں بھی ہے۔ جو افراد اللہ کی ذات سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پسندیدہ اصولوں، عدل، حقوق انسانی، مساوات انسانیت، کمزوروں ضعیفوں کی دستگیری جیسے کاموں کو نافذ نہیں کرتے تو ان کے معاشرے بھی ظلم و تباہی سے بھر جاتے ہیں اور عوام کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا اسباب ہیں کہ معاشرہ ظلم کا گہوارہ بن گیا ہے اور آخرت میں اللہ کے وجود سے انکار کی سزا پائیں گے۔

دوسری کیفیت یوں ہے کہ انکار کرنے والے، جب وقت موت آتا ہے، تو حقیقت جان جاتے ہیں اور اور سر جھکاتے ہیں۔ اس کی ایک تفسیر قیامت کے دن کی کیفیت ہے جب کہ منکرین خدا اور نافرمان افراد، اپنی نافرمانیوں سے انکار کریں گے لیکن چونکہ فرشتے جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں حساب و کتاب میں وہ اپنی سزا پائیں گے۔ ان سے ان کے شرک کے بارے اس پر زندگی میں اصرار اور اہل حق کے ساتھ ان کی دشمنی کے بارے پوچھا جائے گا۔ وہ انکار اور شرمندگی کا اظہار کریں گے۔ اہل ایمان و علم جانتے ہیں، کہ یہ کس قدر پریشانی کی حالت ہو گی۔ پھر وہ جہنم میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ یہ ان کی نافرمانی، جس کی وجہ تکبر و غرور تھا، کی سزا ہے اور ہمیشہ وہیں رہیں گے۔

اگلی آیات میں اہل ایمان کے درجات و حالات کو بیان فرمایا تاکہ دونوں کے تقابل سے انسان اپنی منزل کا تعین کرے۔

وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۟

اور جب پوچھا جاتا ہے نیک لوگوں (متقی) سے کہ تمہارے رب نے کیا نازل (عطا) کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں خیر ہی خیر اُتاری ہے، جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اس دنیا میں بھلائی (حسنۃ) ہے اور آخری گھر تو یقیناً بہترین ہے اور کیا خوب ہے نیک (متقی) لوگوں کا گھر!

متقین کی خصوصیات:۔

جب متقین کا ذکر فرمایا تو ان کی خصوصیت کا اظہار فرمایا اور وہ بہت اہم ہیں کہ وہ اس دنیا میں نیکی اور بھلائی کے کام کرتے ہیں۔ انسانیت کو فائدہ، غریبوں کی مدد، یتیموں کی پرورش، سچائی اور نیکی کا پھیلانا، وعدوں کی پابندی، ضرورتمندوں اور بیماروں کی خدمت کرتے ہیں۔ یہ سارے امور کا خلاصہ فرمایا کہ اس دنیا میں اچھائی، حسنات (نیکیاں) اکٹھی کرتے ہیں۔ یہ سارے امور انسانی معاملات اور حقوق العباد کے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت ہے۔ اس کا اجر دنیا اور آخرت میں کامیابی ہے۔ یہی چیز دنیا کے کامیاب معاشروں سے آج بھی واضح ہے۔

یہ بڑی غلط فہمی اور قرآن سے دوری ہو گی اگر ہم یہ سمجھیں کہ حسنات اور اعلیٰ اخلاق وعدل کو چھوڑ کر ہم اللہ تعالیٰ کی، اس دنیا میں، فضل یا خیر کے مستحق ہوں گے اور آخرت میں بھی ہوں گے۔

حضور ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کا یہی اخلاق، اعمال، اطوار خلاصہ ہیں۔ ان پر چل کر ہی کامیابی ہو سکتی ورنہ وہی حالت ہو گی جس سے آج مسلمان دنیا میں گزر رہے ہیں۔ اس کا جاننا ضروری ہے۔

اگلی آیات میں درجات کی کیفیت ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۟ۙ

(ان کا گھر) ہمیشہ کے باغوں والے ہیں، وہ ان میں داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں ان کے لئے وہ ہو گا جو وہ خواہش کریں گے۔ اللہ اسی طرح نیک لوگوں (متقی) کو جزا دیتا ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جن کے فرشتے اس حال میں روح نکالیں گے کہ وہ برے کاموں سے پاک ہوتے ہیں، تو فرشتے کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔

اہل تقویٰ وایمان (نیکی کرنے والوں) کے درجات کا ذکر ہے۔ جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں، تو وہ اس وقت برائیوں سے پاک اپنے رب کے ساتھ دل لگائے ہوتے ہیں۔ ان کو وہ خوش آمدید، ان کی سلامتی اور درجات کی دعا کرتے اور خوش خبری دیتے ہیں کہ یہ درجات، دنیا میں ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے۔ پھر ان کو جنت عدن میں محلات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں باغ، چشمے اور خوبصورت مناظر ہوتے ہیں اور ان کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کے ہاں اس کے احکام ماننے اور برائیوں سے بچنے والوں کا مقام ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

وہ کافر یہی تو انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس آپ کے رب کا حکم آئے۔ اس طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

پھر انہوں نے جو کیا تھا اس کے برے نتائج انہیں پہنچے اور انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور شرک کرنے والوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا ہی، اور ہم اس کے حکم کے بغیر کوئی چیز حرام بھی نہ ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔ چنانچہ رسولوں کے ذمے تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ

اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (گمراہی) سے بچو پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے بعض پر ضلالت (گمراہی) ثابت ہوگئی۔ لہٰذا تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰي هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ

(اے نبی) خواہ آپ ان کی ہدایت کے لئے کتنی ہی حرص کریں، تو بے شک اللہ جسے گمراہ کرے، اسے ہدایت نہیں دیتا اور ان (گمراہوں) کا مددگار کوئی بھی نہیں۔

مشرکین اور منکرین مکہ کے کردار کا ذکر ہے اور اس طرح کا منفی کردار ہر معاشرے میں ہو سکتا ہے۔ یہ کفر کرنے والے ہی امید کرتے ہیں کہ ان کی جان چھوٹ جائے گی لیکن ان کی نافرمانی ان کو جہنم لے جائے گی اور یہ سزا ان کے اعمال کا بدلہ ہے جس عذاب سے وہ انکار کرتے تھے اسی میں سزا پائیں گے۔ بعض اوقات وہ، یہ بہانے کرتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور ہے، تو پھر ان کی بتوں کی عبادت، آخرت کو نہ ماننا، مختلف چیزوں کو حرام قرار دینا، یہ سب اللہ کے حکم کے تحت ہی ہے۔ اللہ ان کو روکتا کیوں نہیں؟ لہٰذا ان پر الزام صحیح نہیں۔ یہ ایک ان کے شیطانی خیال کی توضیح تھی، جب کہ یہ سارے کام وہ اللہ کے احکام کے خلاف کر رہے تھے۔

احکام کا پہنچانا اور ہدایت پانا:۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیمات اور ہدایت دینے کے لئے انبیاء کرام اور کتابوں کو بھیجا، کہ وہ شیطان اور گمراہی سے بچیں۔ لیکن انہوں نے حکم نہ مانا اور اپنی مرضی پر گمراہی کی ساتھ چپک گئے جس کی سزا ان کو ملی اور تباہ وبرباد ہوگئے۔ یہ امم سابقہ کا ذکر ہے۔

ادھر نبی ﷺ کی تسلی فرمائی کہ آپ کی کوشش ان کی اصلاح و نجاعت کے لئے ہیں۔ کتنی ہی آپ کوشش کریں، لیکن جو ہدایت سے تکبر، ضد، جہالت کی وجہ سے منکر ہیں اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں، وہ دوزخ میں جائیں گے اور سزا پائیں گے۔ آپ ان کے لئے پریشان نہ ہوں۔ یہ ہدایت سے محروم رہیں گے۔ آپ کا کام احکام کا پہنچانا تھا جو آپ کر رہے ہیں۔ اس لئے مبلغ کے لئے اچھے انداز میں تبلیغ کرنا واجب ہے، ہدایت اور عمل سننے والے کا اپنا فعل ہے۔

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ لَا یَبۡعَثُ اللّٰہُ مَنۡ یَّمُوۡتُ ؕ بَلٰی وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۳۸﴾

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے دوبارہ نہیں اُٹھائے گا۔ کیوں نہیں؟ (بلکہ وہ اُٹھائے گا) یہ اس کے ذمہ سچا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

لِیُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِیۡ یَخۡتَلِفُوۡنَ فِیۡہِ وَ لِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّہُمۡ کَانُوۡا کٰذِبِیۡنَ ﴿۳۹﴾

تا کہ ان کے لئے وہ بات واضح کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تا کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ بے شک وہی جھوٹے تھے۔

اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰہُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿٪۴۰﴾

جب ہم کسی چیز کا ارادہ کر لیں تو اس کے لئے ہمارا صرف یہی قول (حکم) ہوتا ہے کہ ہم کہتے ہیں ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے۔

منکرین اور مشرکین مکہ کی ذہنی کیفیت اور اعمال کا تجزیہ فرمایا کہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن جانتے ہیں۔ اس پر یقین نہ کرنے کی وجہ، ان کی اللہ کی ذات کی قوت وطاقت پر یقین نہ کرنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقینی ہے۔ یہ بات اس لئے بار بار دہرائی گئی ہے کہ ضروری ہے۔ ہر آدمی سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لے گا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تمام کائنات کے امور مشکل نہیں وہ کسی کام کا فیصلہ کا حکم دیتا ہے اور وہ حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ سارے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور فرشتے وہ تمام اعمال جو اس کے وجود کے لئے ضروری ہیں مکمل کر دیتے ہیں اور یہ سارا عمل اللہ تعالیٰ کے حکم اور طریقہ کے مطابق ہوتا ہے۔ سائنس بھی کائنات میں یکدم وجود میں آنے کی قائل ہے۔ کئی ستارے یکدم ظاہر ہو جاتے ہیں یکدم ختم ہو جاتے ہیں۔ کائنات (خلاء) سے آنے والے ریڈیو سگنلز کے ذریعے مختلف توضیحات کی جاتی ہیں، جن میں آلات اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے تبدیلی ہوتی رہے گی۔

وَ الَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّہُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً ؕ وَ لَاَجۡرُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۴۱﴾

اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، ہم انہیں ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔ کاش وہ جان جاتے (علم رکھتے)۔

الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ﴿۴۲﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا وہ اپنے رب پر ہی توکل (بھروسہ) کرتے ہیں۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۴۳﴾

اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مردوں ہی کو رسول بنایا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝

(ہم نے انہیں رسولوں کو) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے آپ پر یہ قرآن (ذکر) نازل کیا، کہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

ہجرت اسلام میں:۔

اہل مکہ مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے تھے۔ مسلمان تعداد میں کم تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت بلکہ ترغیب دی گئی۔ ہجرت کا مطلب ہے کسی جگہ یا چیز کو چھوڑ دینا۔

ایک حدیث کے مطابق ہجرت کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر صرف اسلام پر عمل کرنے کی وجہ سے ہجرت کی ہے تو اس کا اجر ہے، لیکن اگر سماجی مقاصد، شادی، ملازمت، معاشی فوائد کی وجہ سے نقل مکانی کی، تو اس کا حساب ان کے امور کے مطابق ہو گا، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔

(۱): اگر کوئی مسلمان دار لکفر میں رہتا ہے اور اس کو اپنے مذہب کے فرائض پر عمل کرنے میں ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے، تو اس کے لئے ہجرت میں اجر ہے اور اسلام کی تقویت کے لئے ہجرت کی ترغیب ہے۔

(۲): اگر دارالکفر میں رہتا ہے اور ساتھ والے دوسرے ممالک اگرچہ غیر مسلم ہیں اور مذہب کی آزادی ہے اور کوئی پابندی نہیں تو ہجرت بھی ضروری نہیں۔

آج کل بہت سارے مسلمان اپنے مسلمان ممالک سے سماجی بے انصافی، معاشی مشکلات کی وجہ سے غیر مسلم مماک کی طرف کثرت سے نقل مکانی کر رہے ہیں اور غیر مسلم ممالک کو مسلمان ممالک میں خراب معاشرے اور حکمرانوں کے ظلم کی وجہ سے ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ لمحہ فکریہ ہے۔

اس آیت میں جو مہاجرین، مکہ سے حبشہ گئے اور دو دفعہ ہجرت ہوئی تھی کے بارے میں ہے، جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور آپ کی زوجہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ بھی تھیں اور حبشہ کی عیسائی حکومت نے انہیں ہر طرح کی سہولت دی۔ جو افراد اپنے مال، رشتہ دار، گھر اپنے دین پر عمل کی خاطر چھوڑ کر ایک اجنبی زمین کی طرف چل پڑتے ہیں ان کا اللہ کے ہاں اس دنیا میں اور آخرت میں بڑا اجر ہے۔

تکالیف میں صبر کا بڑا مرتبہ ہے اور اللہ پر توکل کرنے کا بڑا انعام ہے۔ متعدد احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

اعلیٰ ہجرت گناہوں سے دور ہو کر اللہ کی تابعداری میں جانا ہے، جس طرح جہاد اکبر اپنے نفس امارہ کے خلاف جدوجہد ہے۔

آیت مبارکہ میں دنیا میں بھی آرام کا وعدہ فرمایا ہے جو پورا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اسلامی سلطنت میں اسلامی نظامِ معیشت و سماجی انصاف کی وجہ سے مہاجرین و انصار کا معاشی وظیفہ مقرر کیا گیا تو اس آیت کی عملی تطبیق ہوئی جس کا کئی بار اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ شریف میں ضعیف و کمزور مسلمانوں کو نہ صرف عرب بلکہ عجم کا حاکم بنا دیا۔ ہجرت کا بڑا مرتبہ ہے جو مرتبہ آخرت میں ملے گا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

اہل مکہ جہاں اسلام کی مخالفت کرتے وہاں نبی ﷺ کی نبوت پر اعتراض کرتے اور ان کا بڑا اعتراض تھا کہ اتنے بڑے پیغام کے لئے انسان کے بجائے کوئی غیر انسانی مخلوق (فرشتہ) ہونا چاہیے۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے نفسیاتی مسائل سے آگاہ نہیں تھے، کیونکہ انسان کے جاننے اور سیکھنے کے لئے ہم جنس ہونا بنیادی ضرورت ہے۔ ان کے اس غلط خیال کا رد فرمایا کہ پہلے بھی انبیاء انسان تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام، ابراھیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں اور اس کی وہ تصدیق یہودیوں یا عیسایوں سے کر سکتے ہیں، جو اس وقت عرب قبائل میں تھے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ سب مرد تھے اور نبی ﷺ کو نبوت کے ساتھ اس لئے قرآن دیا گیا تا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام ان کی حکمتیں سمجھائیں۔ ان پر عمل کر کے انسانیت اپنی نجاعت پا سکے۔

اس سے حجیت حدیث واضح ہوتی ہے۔ لتبین للناس۔ (اپ لوگوں کو واضح کریں)۔ اسکے لیے حدیث بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی وضاحت حدیث کے بغیر ناممکن ہے اور حدیث کے انکار کے بعد قرآن مجید بھی مکمل طور پر قابل عمل نہیں رہتا۔ قرآن مجید کے بعد اسلامی قوانین کا ماٰخذ حدیث نبی ﷺ ہے۔

اہل الذکر:۔

آیت میں علم نہ ہونے کی صورت میں اہل ذکر سے معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔

اہل ذکر کون ہیں؟ مختلف تفاسیر میں یہودی، مسیحی (اہل کتاب) کیونکہ اہل کتاب کو کتاب کا علم ہے اس لئے ان سے علم حاصل ہو گا۔ اس کے علاوہ اہل علم، حضرات فقیہ، محدث، انجینئر، سائنسدان، سب اہل علم سے استفادہ واجب ہے تا کہ آدمی جہالت سے بچ جائے۔ اہل دل و صوفیاء، جن کے دل حب الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں، ان سے انداز محبت سیکھا جا سکتا ہے۔

نبوت کی عطا میں مردوں کی ترجیح ان کی جسمانی ساخت اور ضروریات کی بناء پر ہے کیونکہ وہ حمل، ولادت، رضاعت اور ماہواری کے جسمانی عوارض سے محفوظ ہوتے ہیں اور بغیر کسی رکاوٹ کے فرائض پورے کر سکتے ہیں۔ یہی عدل کا تقاضا ہے۔ دوسرے مذاہب یہودیت اور عیسائیت میں حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ کو نبی کا درجہ دیتے ہیں۔ اسلام میں بحیثیت انسان، مرد اور عورت، دونوں اللہ کے ہاں برابر ہیں اور اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِیۡنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ یَّخۡسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ یَاۡتِیَہُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿ۙ۴۵﴾

کیا جن لوگوں نے برے مکر کئے، بے خوف ہو گئے ہیں، کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسادے یا ان پر (وہاں سے) عذاب لے آئے کہ انہیں احساس تک نہ ہو (پتہ نہ چلے)۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۝

یا ان کے چلنے پھرنے کے دوران میں وہ انہیں پکڑ لے۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝

یا انہیں حالت خوف میں مبتلا کر کے پکڑے۔ بے شک تمہارا رب، بہت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔

کفار مکہ کے رویہ اور عذاب کے بارے ذکر ہے۔ پرانی امتوں، اہل مکہ دونوں کے بارے ہے کہ انسان اللہ کے احکام سے بے پرواہ ہو گیا۔ اسے احساس تک نہیں لیکن عذاب خداوندی کسی وقت بھی پکڑ سکتا ہے۔ رات ہو دن، کام میں ہو یا آرام میں، سفر میں ہوں یا حضر (گھر پر)، عذاب کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔ خوف و پریشانی کا عالم بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انسانوں کے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے والے، اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے والے اس (اللہ) کی مہربانی اور شفقت کو پائیں گے۔ جس طرح حدیث مبارکہ ہے کہ گناہ سے حقیقی توبہ کرنے والے نے گویا گناہ کیا ہی نہیں۔ یہ اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۝

کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں جانب سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور اس کے سامنے سب عاجز ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَاۗبَّـةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۝

اور آسمانوں اور زمینوں کے تمام جاندار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور تمام فرشتے بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۝

اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو اوپر ہے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

روشنی اور سایہ:۔

تمام موجودات جو کائنات اور بالخصوص زمین اور فضاء میں ہیں، ان کے بارے قرآن مجید میں سجدہ کا ذکر آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ رعد (آیت ۱۵) میں بھی یہ موضوع آیا ہے۔

سجدہ سے مراد تذلل یعنی جھکنا اور تابعداری ہے۔ انسانوں کے لئے ایک نصیحت ہے کہ کائنات کے سب عظیم الحجم و الجثہ، اجسام، حیوانات، نباتات، سیارے، ستارے، سب اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں لیکن انسان اور جن سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جھکنے (تابعداری) کی وضاحت کے لئے سایہ کے بڑھنے اور گھٹنے کا ذکر فرمایا۔

آج سے چودہ سو سال پہلے یہ ایک بظاہر، جھکنے کی مثال تھی اور اس بات کی علامت تھی کہ کسی کے تابع ہے، لیکن آج روشنی (لائٹ) کے بارے بڑی تحقیق اور طبیعات (فزکس) میں ایک وسیع موضوع ہے۔ روشنی سے سایہ ہے۔

سایہ کیا ہے؟ فزکس میں جب روشنی اپنے ماخذ (سورس) سے نکلتی ہے تو خط مستقیم پر (سیدھی) چلتی ہے۔ جب اس کے راستے میں کوئی ایسی چیز جس سے روشنی نہ گذر سکے آئے، تو رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اس رکاوٹ کی وجہ سے اس چیز کا (نشان، شیڈ) سایہ (اندھیرا) اس کی شکل کی طرح کا پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ سایہ بڑھتا اور گھٹتا ہے اور مختلف اطراف (سمت) بدلتا ہے، جس کا تعلق ماٰخذ کے ساتھ ہے۔ اس کے اسباب میں قرآن مجید کی اس مثال دینے کا مقصد مسلمانوں کو بالخصوص، اس کائنات کی موجودات کے بارے علم حاصل کرنا، تحقیق و جستجو کر کے انسانیت اور اللہ کی موجودات کو لوگوں کے فائدہ کے لئے استعمال، پھر اللہ پر یقین اور ایمان کو مضبوط کرنا ہے۔

روشنی کا ماٰخذ اگر حرکت کرے یا جس چیز پر روشنی پڑ رہی ہے اور گذر نہیں رہی، وہ حرکت کر رہی ہے، تو سایہ گھٹے گا یا بڑھے گا اور اس طرح اس کی سمت کے بدلنے سے سایہ بھی بدلے گا۔ جس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سورج کے نکلنے کے وقت سایہ مغرب کی طرف سے اور جب سورج کی سمت زمین سے مغرب کی طرف ہوتی ہے تو سایہ مشرق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ زوال اور بعد از زوال سایہ بڑھتے اور گھٹتے ہیں۔ اس تبدیلی کے اظہار کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ دونوں وجود، روشنی کا ماٰخذ اور جس پر روشنی پڑ کر رک گئی، دونوں کسی کے تابع ہیں اور حرکت کر رہے ہیں جس کی وجہ سے سایہ اپنی سمت بدل دیتا ہے اور یہ اللہ کی تابعداری یعنی احکام کے مطابق چلنے یا عمل کرنے کی دلیل ہے اور یہی سجدہ ہے۔

روشی کے قدرتی ذرائع، سورج، ستارے، بجلی کی چمک، کچھ جاندار مثلاً جگنو، سمندر میں جیلی فش (مچھلی)، پودوں میں مشروم (کھمبی کا پودا جورات کو روشنی دیتا ہے) ہیں اور مصنوعی ذرائع میں آگ، بجلی کی روشنی اور روشنی کا انعکاس (ریفلیکشن) ہے۔

انعکاس کے بارے بھی قرآن مجید نے ذکر کیا کہ اس پر غور کر کے تحقیق کی جائے اور جدید فزکس کی برانچ روشنی / لائٹ میں اس کے بارے کافی تحقیق اور انسانی زندگی کے لئے فائدے حاصل کئے جا چکے ہیں۔

اجرام واجسام کی تابعداری:۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے لیکن انسانی فلاح و بہبود کے تمام موضوعات کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے سائنس، انجینئرنگ، تحقیق و علم کی جستجو، سماجی و معاشی حقوق، قوانین واقعات، احکامات، تمام موضوعات کا ذکر ہے تا کہ کوئی جزو تشنہ بیاں و راہنمائی سے نہ رہ جائے۔

اللہ کے پیدا کردہ تمام اجرام فلکی اور اجسام زمینی، مخصوص جاندار، پھر فرشتے جو کہ انرجی سے پیدا ہوئے اور بہت بڑی قوت رکھتے ہیں، سارے اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہیں، یہی سجدہ ہے، لیکن ہمیں نظر نہیں آتا، جس کی مثال سایہ کی حرکت سے

واضح کی گئی ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائنات کا سارا نظام بلا روک وٹوک منظم طریقہ سے چل رہا ہے۔

یہ جاندار، مخلوق (وجودی و غیر وجودی) اپنی جسامت یا طاقت پر تکبر نہیں کرتے، لیکن بد قسمتی سے انسان جو بمشکل چند فٹ کا قد اور چند کلو گرام وزن رکھتا ہے، اکثر اوقات اپنے خالق کو بھول جاتا ہے اور اس کی بڑی وجہ انسان کا تکبر اور ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ اور احکام خداوندی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ آیات تمام انسانوں (مسلم اور غیر مسلم) کے لئے راہ نما ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

اور اللہ نے فرمایا: دو الٰہ مت بناؤ بس وہ اکیلا الٰہ ہے، لہٰذا تم مجھ (اللہ) سے ہی ڈرو۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

اور اس کے لئے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کی اطاعت دائمی ہے۔ کیا تم پھر غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔــرُوْنَ ۝

اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے، وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم فریاد کرتے ہو۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝

پھر جب وہ تم سے تکلیف ہٹا دیتا ہے تو تم سے ایک گروہ (فریق) اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

تاکہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دیں۔ چنانچہ تم فائدہ اُٹھالو پھر تم جلد جان لو گے۔

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت کے دلائل تھے تاکہ منکرین مکہ اسلام کے حقائق جان کر قبول کریں اور دلائل سے بتلایا کہ ساری کائنات کا نظام اور اس میں ترتیب صرف ایک خالق و مالک کی سب سے بڑی دلیل ہے ورنہ سب کچھ ختم ہو گیا ہوتا۔ جبکہ زمین و آسمان کا ایک ہی خالق و مالک ہے تو اسی واحد کی عبادت کی جائے اور الٰہ مانا جائے۔ مختلف افراد یا اجسام قابل عبادت نہیں۔

ساتھ یہ بھی بتادیا کہ انسان کی تمام نعمتیں صحت، دولت، اولاد، گھر سب اللہ کے دیئے ہوئے ہیں، آدمی کا اس پر بھروسہ ہو اور اکڑ صحیح نہیں۔

جب بھی انسان، شدید تکلیف یا بے سہارا ہو جاتا ہے تو اس غیبی طاقت کی طرف دیکھتا ہے کہ اس کی جان خلاصی ہو اور پھر جب گڑگڑاتا ہے، اس کی تکلیف دور ہو جاتی ہے، تو اکثر لوگ اس کیفیت کو بھول کر اپنی پرانی ڈگر پر چل پڑتے ہیں۔ اللہ کے شکر

کے بجائے ان عارضی سہاروں کو، حقیقت سمجھ لیتے ہیں جن سے وہ پہلے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے ہے جس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ کا ڈر یا دنیا کا ڈر:۔

اس آیت میں حکم دیا گیا کہ مجھ (اللہ) سے ہی ڈرو، تم غیر اللہ سے کیوں ڈرتے ہو، جبکہ اللہ کی قوت و طاقت کا تمہیں علم ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ نمود و نمائش، رواج وغیرہ کی وجہ سے بعض اوقات اچھے کام چھوڑ دیتے ہیں یا بعض لوگوں کے سامنے جرم نہیں کرتے، بلکہ تنہائی میں کرتے ہیں۔ یہ سب لوگوں کے خوف کا نتیجہ ہے، جبکہ اللہ کی ذات زیادہ طاقتور ہے۔ ہمیں اس کی جوابدہی کا خوف ہونا چاہیے، لیکن انسانی فطرت، شیطان کے ورغلانے کی وجہ سے اس کے برعکس ہے، کیونکہ اللہ کی پکڑ فوری نہیں، اس میں مہلت ہے جس کی وجہ سے غفلت ہو جاتی ہے۔ جو اللہ کو بھول جاتے ہیں اور اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں، جب انہیں موت آئے گی تو ان کو ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اگلی آیات میں بھی منکرین حق کے کردار کا ذکر ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝

اور ہم نے انہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے ان باطل معبودوں کا حصہ ٹھہراتے ہیں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔ اللہ کی قسم تم سے تمہارے افتراء پردازیوں پر ضرور پوچھا جائے گا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝

اور وہ (فرشتوں کو) اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں وہ (اللہ اولاد سے) پاک ہے اور اپنے لئے، وہ جس کو پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے چاہتے ہیں)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝

اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ سے بھرا ہوتا ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے بشارت (خوشخبری) دی گئی ہے۔ (سوچتا ہے) کیا اپنی توہین کے باوجود اسے باقی رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا؟ آگاہ ہو جاؤ! وہ بہت برا فیصلہ کرتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے بری مثال ہے اور اللہ کے لئے اعلیٰ مثال ہے اور وہ غالب اور خوب حکمت والا ہے۔

کفار کے سماجی اور مذھبی حالات کا اور غلطیوں کا ذکر ہے کہ کس قدر تضادات ان کے عقائد میں تھے۔ وہ اپنی آمدن اور حیوانات وغیرہ میں مختلف بتوں کے حصے مقرر کرتے تھے جبکہ یہ بت ان کے اپنے بنے ہوئے تھے۔ ان کو کوئی اللہ کی طرف سے احکام کا علم نہیں تھا۔ بتوں کی اکثر بت عورتوں کے نام پر تھے۔ وہ فرشتوں اور دیویوں کو اللہ کی لڑکیاں تصور کرتے تھے، جبکہ ان کی اپنی لڑکی کے لئے محبت بالکل نہیں تھی۔ عرب میں دستور تھا کہ لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے۔ جاہلیت کی وجہ سے شیطان نے ان کے دماغ میں غلط خیالات ڈال دیئے، جس کی وجہ سے انہوں نے لڑکیوں کو دفن کرنا شروع کر دیا۔ خیال یہ تھا کہ میری لڑکی کسی کے گھر جا کر کیسے بیوی بنے گی اور اس کی زندگی میں محتاج ہو گی۔ لڑکی کی وجہ سے اس کی شان یا خاندان کے افراد کے سامنے عزت و غیرت میں کمی اور کمزوری آجائے گی۔ اس لئے اس کو بچپن میں مار دینا چاہیے اور وہ بچی کو لے کر جنگل میں دفن کر دیتے یا کسی کنویں میں پھینک دیتے۔ (سورہ النحل حصہ دوم)۔

کفار کے سماجی اور مذھبی حالات کا اور غلطیوں کا ذکر ہے کہ کس قدر تضادات ان کے عقائد میں تھے۔ کفار مکہ کے لیے لڑکی عار تھی۔ لیکن اللہ کے لیے فرشتوں یا دیویوں کو اللہ کی بیٹی تصور کرتے۔ یہ اللہ تعالی کی شان میں ایک تحقیر تھی۔ جو خود ان کے لیے باعث عار ہے، وہ اللہ کے لیے پسند کر رہے ہیں۔ جب ان کی بیٹی پیدا ہوتی تو آدمی عار کی وجہ سے گھر چھوڑ کر چلا جاتا، تا کہ لوگ اسے نہ بتا سکیں۔ یا لوگوں کو پتہ نہ چل جائے، حتی کہ اسے ختم کر دیتا اور اسے ایک بہادری کا عمل تصور کیا جاتا تھا۔

شیطانی رواج و خیالات کیسے؟

در اصل شیطان، اس قسم کے فرضی خیالات جو انسانیت کے لیے بہت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ملمع سازی اور غلط مفروضے کی بنا پر خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ انسان کو ان پر عمل کروا کے اللہ کے ہاں سزا کا مرتکب بنا دیتا ہے۔ لڑکی کے وجود کو ایک عار سمجھنا مردانگی کے شان کے خلاف جاننا، پھر اس کو ختم کر دینا اور سمجھنا کہ ایک عار کا سبب ختم کر دیا اور اس پر بڑائی، تکبر کرنا اور غیرت کا عمل سمجھنا ہی بہت بڑا دھوکہ تھا۔ اسی طرح ہندوں میں عورت کو مرد کی وفا کے بدلے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ یہ بھی ایک شیطانی دھوکہ ہے۔ اسی طرح آج کل کے حالات میں عورت اور مرد کی جنسی برابری۔ ہم جنس سے شادی بھی دھوکہ ہے۔ جبکہ مرد اور عورت کا مختلف جنس ہونے کے باوجود ایک دوسرے کی فطرتی ضرورت ہیں۔ جبکہ بحثیت انسان، انسانی حقوق، جزا و سزا میں برابر ہیں۔ لیکن تولیدی امور میں دونوں بالکل مختلف ہیں۔ اس قسم کے نظریات میں صرف ایک معمولی حصہ صحیح ہوتا ہے اور باقی سارا غلط اور نقصان دہ۔ لیکن اسے شیطان چھپا دیتا ہے۔ اور معمولی حصہ کی حیثیت بڑھا کر، ایک انسانیت سوز رواج یا نظریہ پیدا کر کے ایک گروہ کے ذریعے پھیلا دیتا ہے۔ ان امور سے بچنے کے لیے وحی الہی کی تعلیمات بہت ضروری ہیں۔ اور ان کی ہدایات میں قانون سازی ہونی چاہیے۔

اللہ تعالی نے کفار مکہ کے انسانیت سوز عمل،(لڑکیوں کو مار دینا) کو بہت برا فیصلہ قرار دیا اور اسے بری مثال بنایا ہے، کہ وہ عار سمجھنے کی وجہ سے حد سے بڑھ گئے ہیں۔ دوسری طرف حضور ﷺ نے لڑکیوں کے مرتبہ کے بارے میں کئی احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور ان کے وجود کو اہل خانہ کے لیے رحمت و برکت قرار دیا ہے۔ ان کی تربیت اور حقوق، کے لیے خاص تاکید کی ہے۔

تربیت اولاد:۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، حتی کہ بالغ ہو گئیں۔ آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر فرمایا، کہ قیامت کے دن، میں اور وہ اس طرح ہوں گے -(صحیح مسلم)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص کی ایک بیٹی ہو، وہ اس کو ادب سیکھائے اور اچھا ادب سیکھائے اور اس کو تعلیم دے اور اللہ تعالی نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں ان نعمتوں میں سے اس کو بھی دے، تو اس کی بیٹی، دوزخ کی آگ سے ستر اور حجاب ہو جائے گی۔ (کنز العمال)۔ ایک اور حدیث مبارک میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ اس پر صبر کرے، ان کو کھلائے پلائے اور اپنی کمائی سے کپڑے پہنائے، تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ کی آگ سے حجاب بن جائیں گی۔ اسلام نے خواتین کی عمومی، جسمانی کمزوری کی بنا پر ان کے انسانی اور سماجی حقوق کا پورا تحفظ آج سے چودہ سو سال پہلے کیا ہے۔

کفار جو فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتے اور آخرت پر بھی یقین نہ کرتے۔ لڑکیوں کو زندہ در گور اور ان سے نفرت کرتے، ان کے اعمال انتہائی برے ہیں۔ اور ان کی مثال انتہائی بری ہے۔ جبکہ دوسری طرف اسلام کے احکام اور اللہ کے انسان پر انعامات کی مثال اعلی ہے۔ اور خدائی صفات کو انسان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ وہ ذات مخلوق کی تشبیہ و صفات سے برتر ہے۔ اللہ کی ذات بڑی غالب اور بڑی حکمت والی ہے۔ اس کے سارے احکام انسانوں کی بھلائی کے لیے ہیں۔ انکار کی صورت میں جہنم کی آگ ٹھکانہ ہو گی۔

وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلۡمِہِمۡ مَّا تَرَکَ عَلَیۡہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر مواخذہ کرے تو اس زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار نہ چھوڑے، لیکن وہ ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا مقررہ وقت آن پہنچتا ہے، تو وہ ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔

وَ یَجۡعَلُوۡنَ لِلّٰہِ مَا یَکۡرَہُوۡنَ وَ تَصِفُ اَلۡسِنَتُہُمُ الۡکَذِبَ اَنَّ لَہُمُ الۡحُسۡنٰی ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَہُمُ النَّارَ وَ اَنَّہُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿۶۲﴾

اور وہ اللہ کے لیے وہ چیز ٹھہراتے ہیں جس سے خود کراہت کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں، کہ بے شک ان کے لیے بھلائی ہے۔ بلاشبہ یقینا ان کے لیے آگ ہے۔ اور بے شک وہ (اس میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝

اللہ کی قسم! البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے، تو شیطان نے ان کے برے اعمال ان کے لیے خوشنما کر دیے۔ چنانچہ آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے۔ تاکہ آپ ان پر وہ چیز واضح کر سکیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

پچھلی آیات میں کفار مکہ کے اللہ تعالی کے بارے میں گمراہ کن عقائد کا ذکر تھا۔ لیکن اس کے باوجود، اللہ تعالی نے ہمیشہ نافرمانوں کو، گناہ کے باوجود مہلت دی۔ زمین پر چلنے پھرنے والے جاندار بلخصوص انسان، جب اپنے خالق کے منکر ہیں، تو وہ ظالم ہیں، اور اللہ تعالی انہیں اس کی سزا فوری طور پر دے سکتا ہے۔ غالب اور قدرت والا ہے، لیکن ان کو مہلت دیتا ہے، اس کے کئی مقاصد ہیں۔ ا۔ کہ وہ گمراہی سے توبہ کریں۔ ۲۔ اس قدر گمراہی میں دھنس جائیں کہ سزا کے مستحق ہو جائیں اور معافی کے قابل نہ رہیں۔ ۳۔ ان کو اختیار دے کر ان کی اپنی پسند پر انعام و سزا دی جائے۔ لیکن جب سزا کا وقت آتا ہے تو پھر عذاب میں تاخیر نہیں ہوتی بلکہ سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے۔ پچھلی امتوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور رسول تشریف لائے۔ انہوں نے پیغام پہنچایا، لیکن شیطان بھی اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔ وہ ان نافرمانوں کو ان کے اعمال بد میں کچھ نکات نکال کر، انہیں خوبصورت دکھاتا اور وہ اس پر یقین کر کے گمراہی میں دھنس جاتے ہیں۔ انبیا کی تعلیمات سے انکار کر لیتے ہیں۔ پھر یہ شیطان ان کا ساتھی، دنیا میں ان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ آخرت میں ان کے ساتھ جہنم میں ہو گا۔ کفار مکہ، کفر کرنے والوں کو سابقہ امم کے حالات کے بارے میں وارننگ دی جا رہی ہے۔ کہ وہ اس سے بچیں۔ دنیا میں مہلت سے ان کا خیال ہے کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بالکل غلط ہے، وہ مرنے کے بعد ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

نبی ﷺ کو کفار کے رویہ اور شیطان کے دھوکے کے بعد قرآن مجید کی اہمیت اور فریضہ نبوت کے بارے میں فرمایا، کہ موجودہ انسانیت جو گمراہی میں ہے اس کے لیے آپ ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ ان کے اختلاف اور غلط عقائد و روایات کو آپ نے واضح طور پر بتایا، تاکہ وہ بچ سکیں۔ جو آپ کے احکام ماننے والے ہیں، ان کے لیے آپ ہدایت اور رحمت ہیں۔ جس کے ذریعے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوں گے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۝

اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کیا، بے شک اس میں سمجھ دار لوگوں کے لیے نشانی ہے۔

پچھلی آیات میں شیطان کے گمراہ کرنے کا ذکر تھا۔ اور جس چیز سے وہ آسانی سے گمراہ کرتا ہے وہ موت کے بعد قیامت اور زندگی ہے۔ اس کا سبق ہے کہ یہی زندگی ہے۔ اور اس میں اپنے نفس کی خواہشوں پر چلو اور اللہ کے وجود، آخرت، انبیاء کی

تعلیمات کی ضرورت و اہمیت نہیں۔ تمہاری طاقت سمجھ، یہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ایک بڑا دھوکہ ہے اور قرآن مجید نے بار بار آخرت اور جنت و دوزخ کا ذکر کیا ہے۔ اور دوبارہ زندگی کو دنیا کے اندر وجود اور عدم وجود کے واقعات سے ثابت کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک زمین ساری خالی ہے۔ اس کے اوپر کوئی فرد نہ ہل چلاتا ہے۔ اور نہ بیج ڈالتا ہے۔ نہ پانی دیتا ہے بلکہ خود بخود ایک موقع پر جب بارش ہوتی ہے تو زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ پودے نکل پڑتے ہیں سبزہ پھیل جاتا ہے۔ پھول کھل جاتے ہیں۔ اور وہ خشک زمین رونق اور تازگی سے بھر جاتی ہے۔ پرندے، کیڑے مکوڑے، شہد کی مکھیاں، جانور ان سے غذا لینی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سارا عمل کسی انسان کے عمل کے نتیجے میں نہیں، بلکہ اللہ تعالی کے نظام فطرت کا حصہ ہے۔ زمین پر بسنے اور زمین پر ختم ہونے والے انسان، بھی ایک وقت آنے پر دوبارہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ تو اس لیے بھی قابل فہم ہے۔ کہ ان انسانوں کا وجود پہلے زمین پر تھا۔ اور زمین پر وہ دفن ہو گئے۔ لھذا جو لوگ عقل و سمجھ رکھتے ہیں، وہ اگر غور کریں تو یہ سمجھ آجاتا ہے۔ اور وہ دوبارہ زندگی پر یقین اور خالق کائنات پر ایمان لے آتے ہیں۔ لیکن جو سمجھ و بوجھ کو استعمال نہیں کرتے وہ گمراہی پر ہی اڑے رہتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً ‌ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآٮِٕغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ‏ ۝

بے شک تمہارے لیے چوپاوں میں غور و فکر کا مقام ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں، ان کے پیٹوں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ (جو) پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔

پچھلی آیت میں بارش کے بعد زمین پر سبزہ اور بالیدگی کا ذکر تھا۔ جس کو انسان حیوانات اور پرندے بطور غذا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں حیوانات کے خصوصی فوائد اور جس غذائی قوت کا ذکر ہے، وہ دودھ ہے، جسے مادہ حیوانات (چوپائے) پیدا کرتے ہیں۔ مادہ حیوانات میں حمل کے کچھ عرصہ بعد دودھ پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالی نے اسے ایک نقطہ، غور و فکر اور تخلیق کا نتیجہ قرار دیا ہے، کہ حیوان چارہ کھاتا ہے اور اس چارے سے دوسرے حیوانوں میں خون اور گوبر پیدا ہوتا ہے۔ خون جسم کے بڑھنے کے کام آتا ہے۔ اور گوبر ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن مادہ حیوان میں اللہ تعالی اس کی اولاد اور انسانوں کی ضرورت کے لیے، دودھ وافر مقدار میں پیدا کرتا ہے۔ یہ دودھ بھی اسی چارہ یا غذا کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو حیوان کے نظام ہضم میں دودھ اور ضائع مواد (گوبر) کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور خون جسم میں اور دودھ انسان یا حیوان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسری طرف نر حیوانوں کی یہ خصوصیت نہیں ہوتی، وہ وہی چارہ کھاتے ہیں، لیکن دودھ پیدا نہیں کر سکتے۔ دودھ کی مقدار کے لحاظ سے گائے سب سے زیادہ دودھ دیتی ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق حمل کے کچھ عرصہ بعد مادہ حیوان کا دماغ نظام ہضم کو سگنل دیتا ہے۔ جس سے وہ غذا سے دودھ پیدا ہوتا شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہی اللہ کے پیچیدہ نظام کی دلیل ہے۔ دودھ ایک مفید غذا ہے۔ دودھ کے اندر کیلشیم، زنک، او روٹامن ڈی اور پانی کافی مقدار میں ہوتا ہے۔ جو انسان کو قوت مہیا کرتا ہے۔ اور نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے چھوٹے انسانی بچوں یا جانوروں کے بچوں کو دودھ کو پلایا جاتا ہے۔ تاکہ ابتدائی نشوونما اچھی ہو۔ دودھ نہ صرف مقوی غذا ہے، بلکہ لذت کے

لحاظ سے بھی شیریں مشروب ہے۔ اور یہ اللہ کے نظام پیداوار اور نظام غذا کا حصہ ہے۔ ایک کپ (ML 240) دودھ میں غذائی مواد

Calories 149, water 85%, Protein 7.7 gm

Crab 11.7 gram, Sugar 12.3 gm, Fat 8 gram,

, Phosphorus, Vitamin B 12, Calcium, Potassium

(other sides effects lactose gas skin problems)

(help in health bones blood, skin problems)

اس لیے دودھ کو پینے والوں کے لیے خوشگوار فرمایا ہے۔ دودھ سے ڈیری مصنوعات علحیدہ ہیں۔ دودھ کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا۔ ایک حدیث کے مطابق، طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزو جل نے جو بیماری رکھی ہے، اس کے لیے شفاء بھی رکھی ہے۔ تم گائے کے دودھ کو لازم رکھو۔ (مسند احمد)۔ ایک اور حدیث کے مطابق دودھ پینے پر دعا پڑھنی چاہیے۔ اللھم بارک لنافیہ وزدنافیھ۔ ترجمہ: (بے شک اس میں برکت دیجیے اور زیادہ عطا فرمایے)۔ دودھ کے علاوہ اچھے کھانے بھی اللہ کا انعام ہیں۔ بشرطیکہ اسراف نہ کیا جائے اور اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور محروموں کو یاد رکھا جائے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور کھجور اور انگوروں کے کچھ پھل وہ ہیں، جن سے تم شراب اور پاکیزہ رزق حاصل کرتے ہو۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں۔

انگور۔ انگور کی کاشت تقریبا ۶۵۰۰ سال قبل مسیح سے تاریخ میں ثابت ہے۔ تقریبا تمام مذاہب اور علاقوں میں اس کا ذکر ہے۔ اسکے صحت کے بڑے فوائد ہیں۔ غذاہیت کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ وٹامن سی، وٹامن کے، 20% اور کاپر 10%, وٹامن سی، DNA کے لیے بڑی اہم ہے۔ وٹامن بی، پوٹاشیم اور میگانیز بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے دفاعی نظام کو انگور مضبوط کرتا ہے۔ دوران خون کو بہتر کرتا ہے۔ عمر رسیدگی کے دورانیے کو بہتر کرتا ہے۔ دل کی شریانوں کی اصلاح وصفائی کرتا ہے جس کی وجہ سے دورہ قلب کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ دماغ کے فنکشن اور نیند کو بھی (مادہ ملٹونین) کے سبب بہتر بناتا ہے۔ بصارت کے لیے سیمی Lutein ہے اور zoaxen pram کی وجہ نظام ہضم کو فائبر کی وجہ سے بہتر کرتا ہے۔ (بحوالہ نیویارک ٹائمز Dr.cynphcises ماہر غذائیت)۔

کھجور: کھجور کا درخت بھی بڑا اہم ہے۔ سارا سال سرسبز رہتا ہے۔ اس کا پھل بلندی سے گرنے کے باوجود خراب نہیں ہوتا۔ اس کا پھل کچا اور پکا ہوا دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے تنے سے شہتیر، پتوں سے چٹائیاں، رسیاں، اسکی جڑ اور گود بطور غذا استعمال ہوتا ہے۔ قدیم درختوں میں سے ہے۔ اس کی عمر تقریبا ۱۵۰ سال تک اور اس کا پھل غذائیت کے لحاظ سے بڑا مفید ہے۔ یہ درخت نباتات میں اعلی درجہ پر ہے کیونکہ اس میں نر درخت علیحدہ ہوتا ہے۔ اور اس کا پولن مادہ درختوں میں ڈال کر پھل

پکایا جاتا ہے۔ اس کے پھل کے اندر غذائیت کی تفصیل یوں ہے۔ خشک کھجور سو گرام میں ۲۷۷ کلوریز، گرام، ۷۵ گرام، فائبر ۷ گرام، پروٹین ۲ گرام، پوٹاشیم ۲۰ فیصد، کیلشیم ۱۴ فیصد، کاپر ۱۸ فیصد، میگانیز ۱۵ فیصد، آئرن ۵ فیصد، وٹامن بی-۱۶، کھجور بہت زیادہ انٹی اوکسڈنٹ ہے۔ دماغی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ اور دماغی امراض کے لیے فائدہ مند ہے۔ حاملہ عورتوں کے لیے مفید ہے۔ قدرتی طور پر میٹھی ہے۔ (شوگر کے ضمن میں زیادہ استعمال نقصان دہ ہوسکتی ہے)۔ قرآن میں کئی بار کھجور، انگور اور زیتون کا ذکر آیا ہے۔ کیونکہ اس کے بڑے فوائد ہیں۔ انگور سے شراب بھی بنائی جاتی ہے۔ اور دوسری بہترین غذائیں اور دوائیں بھی بنائی جاتی ہیں۔ چونکہ شراب نشہ اور ہے اس لیے حرام ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور غیر نشہ اور اشیاء میں کوئی حرمت نہیں۔ ان پودوں کے بڑھنے، پھل دینے، درخت، بیلیں، ان کے غذائی اثرات، انتہائی غور وفکر کے قابل ہیں۔ جدید زراعت اور علم نباتات میں ان پر تحقیق ہو۔ اسی لیے فرمایا: کہ اہل عقل، علم کے ان میں نشانیاں ہیں اور قدرت کی عظمت اور نظام کا ثبوت ملتا ہے۔ سائنسی حقائق اللہ کی قدرت کو سمجھنے اور اس کی عظمت کو جاننے میں مدد دیتے ہیں۔ اسلئے ان کے ساتھ ہر دفعہ عقل، سمجھ اور غور وفکر کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ان پھلوں کے خصوصی ذکر سے قرآن مجید سے سائنسی حقائق کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انسان کے لیے مفید پھلوں کا ہمیشہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ۝

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو الہام (دل میں بات ڈال دی) کیا، کہ تو پہاڑوں میں اور درختوں میں گو (چھتے) بنا، اور ان میں جو لوگ چھپر بناتے ہیں۔

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝

پھر ہر قسم کے پھلوں (اور پھولوں) سے کھا (رس چوس)، پھر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چل، ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ بے شک اس میں بھی غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہے۔

شہد کی مکھی:۔

سورت کا نام النحل، شہد کی مکھی پر ہے۔ اور یہ دو آیات شہد مکھی اور اس کے عمل کے بارے میں ہیں۔ اس مکھی کی انتظامی صلاحیت آپس میں رابطہ، اور گھر کی مسدس مخروطی شکل، ماحول پر اس کا اثر، اپنا بچاو، اور کام کی تقسیم، اس کے انتظام کی اعلی مثال ہیں۔ جو کہ ہر شہد کی مکھی کے چھتے میں پائی جاتی ہے۔ مکھیوں میں کام کی تقسیم کے لحاظ سے تین قسم کی مکھیاں کام کرتی ہیں۔ ا۔ کارندے (ورکرز)، دوسرے ڈرون (نر) مکھی اور تیسری ملکہ مکھی۔ ورکر مکھیاں غذا حاصل کرتی ہیں۔ چھتہ بناتی ہیں اور بچوں (لاروا) کو پالتی ہیں۔ ہر مکھی اس سارے عمل میں اپنا اپنا رول ادا کرتی ہے۔ ان سارے معاملات میں ملکہ، محافظ ورکرز اور کارندوں کے

درمیان رابطہ بڑا منظم ہوتا ہے۔ اور تقریبا ایک چھتے میں ساٹھ ہزار کے قریب ورکرز ہوتے ہیں۔ جو کہ چھتہ، شہد اور بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔

تولیدی عمل میں ملکہ بہت اہم ہے۔ جو کہ انڈے موسم بہار اور ابتدائے گرمی میں شروع کر دیتی ہے۔ اور تقریبا ۱۵۰۰ انڈے ہر روز دیتی ہے۔ پھر گرمیوں کے بعد اکتوبر میں انڈے دینا بند کر دیتی ہے۔ اور سال میں تقریبا ایک ملکہ ۲۵۰۰۰ انڈے دیتی ہے۔ ملکہ کا جسم کا سائز کافی بڑا ہوتا ہے۔ اور اس کی عمر دو سے تین سال تک ہوتی ہیں۔

محافظ کا جسم ورکرز کے مقابل بڑا ہوتا ہے۔ خصوصا ان کا سر بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ میل ہوتے ہیں۔ اور ملکہ کو نقل مکانی پر بار اور (فرٹلائنز) کرتے ہیں۔ یہ چار ایام تک بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور خوراک بہت زیادہ کھاتے ہیں۔ آٹھ دن کے بعد لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور بار اور کرنے کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ سردی کے موسم پر غذائی کمی سے مر جاتے ہیں۔

کارندے: ان کا سائز چھوٹا اور تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ سب مادہ ہوتی ہیں اور انڈے وغیرہ نہیں دیتی۔ وہ خوراک اکٹھی کرتے اور شہد پیدا کرتے ہیں۔ یہ چھتہ کا سیل، شہد، ویکس پیدا کرتے ہیں۔ یہ چھتے سے نکل کر پھولوں سے رس چوستی ہیں، پانی اٹھاتی ہیں اور پھر چھتے میں اکٹھی شہد پیدا کرتی ہیں۔ ان کی عمر عموما چھ ہفتے ہوتی ہے۔ اور چھ ماہ تک ختم ہو جاتے ہیں۔ اور سردیوں میں ختم ہو کر بہار میں پھر نئے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

شہد کی مکھی کا چھتہ ڈیزائن (Hexegone) مسدس (چھ کونے) کا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ اور ان کا ڈیزائن انتہائی مضبوط اور خوبصورت ہوتا ہے جو کہ انجنیئرنگ کا ایک شاہکار ہے، لیکن اسے ایک شہد کی مکھی بناتی ہے۔ جس کی ترتیب و ڈیزاءئنگ فطرت کرتی ہے۔ شہد کی مکھی شہد کے حصول کے لیے عموما 3.75 میل اور کبھی کبھی 8.25 میل (13.2 کم) تک سفر کرتی ہیں، اور پھر اپنے مقام پر واپس آ جاتی ہیں۔ چھتہ کا ڈیزائن، ان کا نظام ربط و حفاظت، تولید اور شہد بنانا اور اتنا سفر مختلف اطراف میں طے کر کے واپس آنا، چھتہ کے مقام کا انتخاب، جس کو آیت میں، ان کے دل میں ڈالنے اور آسان راہوں پر چلنے کا ذکر ہے۔ جدید تحقیق جو ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں کی گئی اس کے مطابق شہد کی مکھی گنتی (حساب) کرنا جانتی ہے۔ یعنی ابتدائی درجہ، جو چھ تک ہے۔ شہد کی مکھی کا جسم چھوٹے چھوٹے بالوں سے ڈھکا ہوا ہوتا ہے۔ جو کہ بہت ذرات کو اڑنے یا چلنے، کے دوران پکڑ لیتے ہیں۔ اس کے پروں کی حرکت سے یہ بال معمولی چارج (بجلی پکڑنا) بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اڑان کے دوران مختلف ذرات کو کھینچ لیتے ہیں، جن میں سب سے زیادہ پولن ہے۔ اس کے علاوہ پودوں کے اجزاء، دوسرے چھوٹے ذرات اور پولیمار (پلاسٹک) کے ذرے بھی شامل ہیں۔ (بحوالہ مجلہ سائنس آف دی ٹوٹل)۔

انوائرنمنٹ: شہد کی مکھی زمین پر سبزہ، پودوں، پھولوں اور جھاڑیوں کے پودے اگانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ان کی افزائش میں پولن کو ایک دوسرے تک لے جانے میں اہم رول ہے۔ اگر مکھیاں (جنگلی) یعنی شہد کی مکھی ختم ہو جائیں تو زمین پر سبزہ کافی حد تک کم ہو جائے گا اور ماحولیات کے لیے ایک اہم مسلہ بن جائے گا۔ یہ ننھی مخلوق بہت اہم ہے۔

شہد:۔

شہد کی غذائی خصوصیات شہد (100 گرام) وزن، چکنائی (فیٹ 0) فیصد کلو لسٹرول 0 فیصد سوڈیم 4mg, پوٹاشیم 52 mg ٹوٹل کاربوہائیڈریٹ 27 فیصد، شوگر g 82، پروٹین 0.3، آئرن 27۔ شہد زمانہ قدیم سے بطور دوا و غذا استعمال ہو رہا ہے۔ ا۔ اس میں غذائیت ہوتی ہے بہت سی وٹامنز اور گلوکوز ہوتا ہے۔ ۲۔ اس میں دفاعی قوت زیادہ ہے۔ (Antioxidants) برائے ہارٹ اٹیک، سٹروک کیسر سے دفاع۔ ۳۔ شوگر کے مریضوں کے لیے میٹھی اشیاء (شوگر) میں سب سے کم نقصان دہ ہے۔ ۴۔ یہ D L L برے کولیسٹرول کو کم HDL اچھے کولیسٹرول) کو بڑھاتا ہے۔ شوگر لیول کو بڑھاتا ہے۔ مگر دوسری میٹھی اشیاء کے مقابلے کم نقصان دہ ہے۔ ۵۔ بلڈ پریشر کو کم کرتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر دل کی امراض، فالج کے خطرے سے اس کو کم کرتا ہے۔ ۶۔ Triglycerides کو کم کرتا ہے۔ یہ مادہ انسولین اور شوگر سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ۷۔ دل کے صحت کے لیے مفید ہے۔ مقوی قلب ہے۔ دل کی رگوں کو کھلا کرتا اور خون کے دوران کو بہتر کرتا ہے۔ ۸۔ زخموں اور جلنے والی جلد کے علاج کے لیے بہت مفید ہے۔ جلنے والی جگہ کو بہتر کرتا ہے۔ anti – inflammatory اور زخمی ٹشو کو تقویت دے کر صحت مند کرتا ہے۔ ۹۔ کھانسی کا بہترین علاج ہے بلخصوص بچوں کے لیے۔ ۱۰۔ کلوریز (Calories) اور شوگر اور لذیذ ہے۔ ۱۱۔ زکام اور فلو کے لیے بہتر ہے۔

ان تمام فوائد جن کو جدید تحقیق کے ذریعے ہم نے معلوم کیا ہے۔ لیکن قرآن پاک آج سے چودہ سو سال قبل اس میں شفاء کا ذکر فرما کر ان خصوصیات کی طرف نشاندہی کر دی تھی جو کہ قرآن مجید کا ایک علمی اعجاز ہے۔ جبکہ قرآن مجید انسانی ہدایت کی کتاب ہے۔ شہد مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ جن پھولوں سے رس لیا جاتا ہے یا جن درختوں کے پھول سے رس چوسا جاتا ہے، ان کے مطابق ہوتا ہے اور خواص بھی ہوتے ہیں۔ عموماً بڑی مکھیوں جو کہ پہاڑوں یا غاروں میں چھتے بناتی ہیں۔ ان کا شہد زیادہ گہرا رنگ کا ہوتا ہے۔ اور چھوٹی مکھیاں جو درختوں کی شاخوں بیلوں چھپروں میں چھتہ بناتی ہیں۔ ان کا رنگ ہلکا ہوتا ہے۔ اور ان کے فوائد و خواص میں بھی معمولی فرق ہوتا ہے۔ لیکن عمومی خواص اور اس کی افادیت وہی ہوتی ہے۔ آج کل شہد کی مکھیوں کو مصنوعی چھتے بنا کر بھی فارمنگ کی جاتی ہے۔ اور ان کے لیے مصنوعی شیر اتیار کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے مکھی دور نہیں جاتی اور پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک کاروباری طریقہ ہے۔ اس طرح کا شہد اس قدرتی شہد، جو کہ صرف جنگلی پھولوں اور قدرتی چشموں کے پانی سے بنتا ہے، سے کم خواص رکھتا ہے۔ ذائقہ اور مدت استعمال میں کم تر ہوتا ہے۔

علاج اور شفاء:۔

شہد کو شفاء فرما کر علاج کی ترغیب دی گئی ہے۔ حدیث مبارک کے مطابق نبی ﷺ نے ایک شخص کو اسہال کے مرض میں بار بار شہد کے استعمال کرنے کی تاکید کی۔ اور اس کو شفاء ہوئی۔

۲۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر بیماری کی دوا ہے۔ جب دوا صحیح ہو تو مریض اللہ عزوجل کے حکم سے شفاء پاتا ہے۔ (مسلم شریف)۔ حضور علیہ اسلام نے ہمیشہ جدید طریقوں کو علاج میں پسند فرمایا۔ پچھنے لگانا اور

داغنا، اس زمانہ میں اعلی سرجری تھی۔ جسکی آپ نے ہمیشہ تاکید کی۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بخار جہنم کے جوش سے ہے۔ اور اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (بخاری مسلم)۔ علاج کرنا یا کرانا سنت ہے۔ اصل سنت، جدید سہولیات کا استعمال ہے۔ نہ کہ پرانی متروک اشیاء کو دہرانا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی نے جدید اشیاء اور علوم کے ذریعے نئے مفید طریقے مہیا فرمائے ہیں جو اس کا انعام ہیں۔ جس طرح نبی ﷺ نے جدید طریقے اپنی زندگی میں پسند فرمائے تھے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں وفات (موت) دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر کی طرف پہنچا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ ان کے بعد کچھ بھی نہ جانے۔ (بھول جائے)۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا خوب قدرت والا ہے۔

آیت مبارک انسانی زندگی کا تجزیہ ہے۔ انسان ایک قطرہ سے جنم لے کر طویل قد و قامت کا انسان بنتا ہے۔ ابتداء میں اس کے خواس خمسہ انتہائی کمزور ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ بڑھتے اور پختگی کی طرف جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنی پوری طاقت و قوت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے بعد بڑھاپا اور کمزوری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر عمر طویل ہوتی جاتی ہے۔ اس قدر اعضاء کمزور پڑتے جاتے ہیں اور یادداشت کمزور ہو جاتی ہے۔ کچھ یاد نہیں رہتا، سارا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کی کیفیت اس بچے کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس کی ابتداء میں بہت معمولی یادداشت تھی۔ علماء نے مختلف روایات کی روشنی میں پہلے ۲۰ سالوں کو لڑکپن پھر ۲۱ سے ۴۰ سال تک جوانی اور ۴۱ سے ۶۰ یا ۶۵ سال تک کو کہولت مکمل تجربہ کار شخص اور پھر ۶۵ یا ۶۰ سے ۹۰ تک کو بڑھاپا کہا ہے۔ جس میں اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں۔ یادداشت ختم ہو جاتی ہے۔ اور زندگی بوجھ بن جاتی ہے۔ اسی کو آیت مبارک میں ارذل العمر کہا گیا ہے۔ جس کا خاصہ یادداشت کا ختم ہو جانا ہے اور پھر انسان زندگی سے جدا ہو کر موت کی آغوش میں پہنچ جاتا ہے۔ کچھ لوگ اس پریشانی کی زندگی سے پہلے موت کی آغوش میں اور کچھ بعد میں جاتے ہیں۔ حضرت علی سے منقول ہے کہ ارذل العمر ۷۵ سال کی عمر ہے۔ ایک قول ہے ۸۰ سال اور ایک قول ۹۰ سال کی عمر ہے (روح المعانی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ارذل عمر سے دعا کے ذریعہ پناہ مانگی ہے۔ ۱۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالی سے پناہ طلب کرتے اور فرماتے: اے اللہ میں سستی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بزدلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں، (صحیح بخاری)۔ ۲۔ ایک حدیث میں حضرت مصعب کی بذریعہ والد سے روایت ہے کہ جس میں ان الفاظ کے ساتھ مزید اضافہ فرمایا، کہ دنیا کے فتنہ اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، (صحیح بخاری) ۔۳۔ ایک اور حدیث حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالی عنہ، بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے اصحاب، اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جس طرح ان کے سر پر پرندے ہوں۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ پھر ادھر ادھر سے اعرابی آ گئے، انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ، آیا ہم علاج

کریں؟ آپ نے فرمایا: کہ دوا کرو، کیونکہ اللہ تعالی نے کوئی بیماری نہیں رکھی، مگر اس کی دوا بھی رکھی۔ سوائے ایک بیماری کے وہ بڑھاپا ہے۔

زندگی کا یہ دورانیہ، ولادت، بچپن، جوانی، بڑھاپا، پھر ارزل العمر اور موت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کوئی قوت انسانوں کو کنٹرول کر رہی ہے۔ اور اس کے نظام کا، انسان ایک معمولی حصہ ہے۔ اور یقیناوہ ذات وقوت بڑی عظیم ہے۔ علم وقدرت والی ہے۔ نظام فطرت ہی اللہ کی قدرت کا اظہار ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق ان لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتے جو ان کے دائیں ہاتھ کی ملکیت (غلام / ملازم) ہیں کہ وہ اس رزق میں برابر ہوں۔ کیا پھر وہ اللہ کی نعمتوں ہی کے منکر ہیں۔

دوہرا امعیار:۔

پچھلی آیت میں انسانی زندگی کے دورانیہ کا تجزیہ تھا۔ جس میں زندگی کے سفر کا ذکر تھا۔ اس آیت میں زندگی کے معمولات اور انسانی رویہ کا ذکر ہے، جو ایمانیات، سماجی اور معاشی اثرات رکھتا ہے۔ انسان اپنی عزت واحترام کا خواہش مند ہے۔ پھر اس میں سے آگے بڑھ کر اپنی ذات میں اعتماد کے علاوہ تکبر شروع کر دیتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ دوسرے لوگ اس سے کم درجہ پر ہوں یا وہ ان میں نمایاں ہو۔ اس کا اظہار وہ اپنے رویے سے کرتا ہے۔ اور اس کی ایک عمومی وجہ، افراد کے اندر معاشی یا سماجی طور پر فرق ہے۔ وہ اپنی مالی برتری کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسروں کو اپنے مال میں شامل نہیں کرتا، تاکہ وہ اس سے کمتر رہیں، جبکہ اپنے لیے ایسا پسند نہیں کرتا۔ یہ دوہرا رویہ افسوس ناک ہے۔ اس مثال سے درج ذیل حقائق ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ انسانوں کے اندر ان کے مال و دولت کے لحاظ سے ایک فرق ہے جو کہ قدرتی طور پر شروع سے معاشروں میں آرہا ہے۔ ہر فرد کو اللہ نے مختلف انعامات سے نوازا ہے۔ اور اس طرح یہ فرق ہر صورت میں معاشرے میں نظر آتا ہے۔ خواہ وہ معاشرہ قبائلی، سرمایہ داری یا کمیونزم یا سوشلزم کے اصولوں پر ہو۔ کسی بھی نظام کے تحت ہر انسان کو عددی برابری نہیں دی جاسکتی۔ اس لحاظ سے اس کی بناء پر تکبر اور دوسروں کو کمتر سمجھنا غلط ہے۔

۲۔ انسان کے پاس اگر وسائل اور دولت زیادہ ہے، تو وہ اپنے ساتھ کام کرنے والے ملازمین یا دوسرے کمزور افراد کی مدد نہیں کرتا۔ اور اپنی دولت کو اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ نعمت، اللہ نے دی ہے اور دوسروں کو شامل کرنا اچھا عمل ہے۔ اس کا محرک خود غرضی ہے۔

۳۔ انسان کی ذات جو بہت سارے امور میں دوسروں کی محتاج ہے۔اس کے لیے وہ اپنا خصوصی مرتبہ چاہتا ہے، لیکن وہ ذات الٰہی جو تمام کائنات کا خالق ہے،اس کے برابر دوسروں کو اپنا معبود بنالیتا ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے۔ یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار ہے۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ۝

اور اللہ نے تمہارے لیے تم ہی میں سے بیویاں بنائیں اور اسی نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْــًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۝

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جنہیں آسمانوں اور زمین سے ان کے لیے کسی رزق کا اختیار نہیں اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں۔

آیات مبارکہ میں پچھلے موضوع کے ساتھ، اللہ کے انعامات کا ذکر ہے جو خاندانی اور سماجی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آپس کی الفت اور ضرورت کے تحت مرد اور عورت بنائے۔ عورت بھی مرد کی ہی جنس سے ہے۔ آپس کی رغبت دی۔ پھر اولاد دی اور مزید اولاد سے اولاد، نواسوں اور پوتوں کی صورت میں دی۔ یہ سارے امور انسانی تسکین اور آرام کا سبب ہیں۔ اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ اولاد ہو سکتی ہے اور اولاد کی آگے اولاد کے ہونے اور نہ ہونے میں امکانات برابر ہیں۔لہذا، اولاد سے اولاد ہونا بھی مزید انعام ہے، لیکن انسان اللہ کے ان انعامات کی قدر نہیں کرتا اور اس کے بجائے دوسرے اسباب و ذرائع کو مانتا ہے۔ کفار مکہ اور مشرکین کی طرف اشارہ ہے، کہ وہ خدا کے بجائے بتوں اور دیویوں کی عبادت کرتے ہیں، جبکہ یہ بت زمین و آسمان میں کسی پر کسی طرح کی قدرت نہیں رکھتے، بے جان ہیں۔ اور ان کو اللہ کے مقابل معبود مانتے ہیں اور خدا جسکی طاقت آسمانوں اور زمین پر ہے۔ بارش، زندگی، موت، اولاد عطا کرتا ہے۔ اسے بھول جاتے ہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝

چنانچہ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

اللہ نے مثال بیان کی، ایک غلام مملوک کی، جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ (دوسرا شخص) جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا، چنانچہ وہ اس میں سے خفیہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا، وہ دونوں برابر ہیں؟ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر لوگ (یہ حقیقت بھی) نہیں جانتے۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبۡكَمُ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّههُّ لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ‌ ؕ هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ‌ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ

اور اللہ نے دو شخص کی (ایک اور) مثال بیان کی، ان میں سے ایک گونگا اور بہرا ہے۔ وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ جبکہ وہ اپنے آقا (مالک) پر ایک بوجھ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی چیز اور بھلائی نہیں لاتا۔ کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے۔ جو عدل کا حکم دیتا ہے اور وہ صراط مستقیم پر ہے۔

اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو کیونکہ اللہ خالق ہے اور ساری کائنات مخلوق ہے، اسلیے اس کے برابر مثال نہیں ہوسکتی۔ اس کے کوئی برابر نہیں۔ دوسری اللہ کی مثال یا شبیہ، کا ذکر، اس کی شان کے خلاف ہے۔ کفار مکہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ جب ان سے بتوں کے بارے میں کہا جاتا، تو وہ کہتے اللہ کی ذات بہت بلند ہے۔ وہ بتوں کے ذریعہ یا وسیلہ سے اللہ سے مانگتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح، ہر آدمی بادشاہ کے ہاں نہیں جاسکتا۔ اسکے مشیروں یا وزیروں کے ذریعے دربار میں رسائی ہوتی ہے۔ اس طرح ہم ان کے واسطے سے اللہ سے مانگتے ہیں اور یہ سفارش کر کے دلائیں گے۔ اللہ تعالی نے اس مثال سے منع کیا ہے۔ کیونکہ وہ علم وخبیر، سمیع وبصیر ہے۔ یہ بت تو خود محتاج ہیں۔ انسان کے بنے ہوئے نمونہ ہیں۔ یہ کیسے معبود بن سکتے ہیں۔ اور کیسے اللہ کی مثال کے طور پر کفار ان کو بیان کرتے ہیں۔

معاشرہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کردار:۔

انسانی معاشرہ میں دو مثالیں دی گئی ہیں۔ پہلی میں، ایک شخص کسی کا غلام یا ملازم ہے وہ احکام کا پابند ہے۔ اس کی اتنی طاقت نہیں کہ کچھ خرچ کرسکے۔ اس کی نہ کوئی ملکیت ہے اور نہ اجازت۔ اسکے مقابل ایک شخص ہے، جو اپنی ملکیت رکھتا ہے۔ اسکو جس طرح چاہے خرچ کرتا ہے۔ غرباء اور محتاجوں، دوستوں کو دیتا ہے۔ یہ دو افراد اگرچہ برابر کے انسان ہیں۔ خواس خمسہ رکھتے ہیں، لیکن قدرت، طاقت اور معاشرے میں بھلائی اور خیر کے سرانجام دینے میں بالکل مختلف ہیں۔ دوسری مثال، اسی طرح کا ایک انسان ہے۔ وہ گونگا، بہرا ہے۔ پھر کسی کا ملازم یا غلام ہے۔ چونکہ وہ کام کرنے کی قوت یعنی گویائی وسماعت سے محروم ہے۔ اسلیے اس کے اندر کام کرنے کی صلاحیت بہت کم ہے۔ جبکہ دوسری طرف ایک اور انسان ہے۔ جو علم سے آراستہ ہے۔ زبان، بیان، سماعت و بصارت میں بہت اچھا ہے۔ تمام امور کو سمجھتا ہے۔ صحیح فیصلہ کرتا ہے۔ یہ دو انسان ہیں، لیکن معاشرے میں دونوں کا کردار بالکل مختلف ہے۔ ایک، رحمت، برکت، فائدہ، خیر، ہے۔ اور دوسرا بوجھ اور پریشانی ہے۔ یہی مثال ایک مومن اور غیر مومن کی ہے۔ مومن اپنے ایمان، عمل، انسانی بھلائی، معاشرے میں عدل، انسانی ہمدردی کی وجہ سے خیر ہے۔ دوسری طرف ایک منکر یا کافر، اللہ کے احکامات کو نہیں مانتا۔ صرف اپنی ذات تک محدود ہے۔ لوگوں کی بھلائی کو نہیں سوچتا، اپنے تکبر، بخل، خود غرضی کی وجہ سے معاشرے میں کوئی اچھا کردار ادا نہیں کرتا۔ یہ دو کردار معاشرے میں رہتے ہیں۔ لیکن ان کا اثر بالکل مختلف ہے، اس لیے ہم دیکھتے

ہیں، جس معاشرے میں بھلائی کرنے والے افراد زیادہ ہوتے ہیں، وہ معاشرہ برکت و رحمت اور امن کا معاشرہ بن جاتا ہے۔ اور جہاں خود غرض اور لالچی بستے ہیں۔ وہ معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

بھلائی، انسانیت پسندی، عدل، حقوق و ذمہ داری کا معاشرہ، جہاں اصلی مالک کائنات، اللہ کی ذات پر، ایمان اور اس کے احکامات کی تنقید ہوتی ہے، کامیاب ہے۔ اگر اللہ پر ایمان اور قیامت کا یقین نہ ہو، تو اس معاشرہ میں فساد کی جڑ موجود ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ میں عدل اور صراط مستقیم کا ذکر ہے۔ جو حقوق اللہ و حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام کا مقصد ان امور کا معاشرہ میں نفاذ تھا اور ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا سب علم ہے۔ اور قیامت کا وقوع بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے، بلکہ اس سے بھی قریب تر (فوری) ہو گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

مکی سورتوں میں توحید، قیامت، جنت و دوزخ اور اعتقادات کا عقلی انداز میں ذکر فرمایا۔ کیونکہ ایمان کے لیے یہ ضروری ہیں۔ اللہ کے علم کی وسعت کا ذکر ہے۔ کہ زمین اور آسمانوں، یعنی کائنات میں اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔ اسی طرح قیامت یعنی اس زمین کی حالت میں تبدیلی اور اس پر موجودات کا ختم ہونا بھی یقینی ہے۔ اور جب وقت آئے گا تو آنکھ جھپکنے بلکہ اس سے بھی کم وقت میں قیامت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔ اب قیامت کے بارے میں سائنسی تحقیقات بھی قران کے مطابق آرہی ہیں۔ حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ البتہ قیامت ضرور اس حالت میں قائم ہو گی کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان (خرید و فروخت کے لیے) کپڑا کھول رکھا ہو گا۔ اور ابھی معاملہ طے کرنے اور کپڑا لپٹنے بھی نہ پائیں گے، کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (پھر فرمایا کہ) البتہ قیامت ضرور اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنی اونٹنی کا دودھ نکال کر جا رہا ہو گا، اور پی بھی نہ سکے گا۔ اور قیامت یقیناً اس حال میں ہو گی، کہ انسان اپنا حوض لیپ رہا ہو گا۔ اور ابھی اس میں (مویشیوں کو) پانی بھی نہ پلانے پائے گا، اور واقعی قیامت اس حال میں قائم ہو گی کہ انسان اپنے منہ کی طرف لقمہ اٹھائے گا اور اسے کھا بھی نہ سکے گا۔ (مسلم و بخاری)۔ یعنی لوگ اپنی عام کاروبار میں مشغول ہوں گے اور یکایک آجائے گی۔ حدیث کے مطابق جمعہ کا دن ہو گا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماوں کے پیٹوں سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے تھے، اور اسی لیے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو۔

آیت میں انسان کے وجود کے علمی حقائق بیان ہیں۔ پچھلی آیات میں بڑھاپے میں اعضاء کی کمزوری یا دداشت کی کمی کا ذکر تھا۔ اسی طرح ولادت کے بعد بھی نومولود کے حواس خمسہ کام نہیں کرتے۔ بلکہ تقریباً بارہ ماہ میں وہ کام شروع کرتے ہیں۔

بصارت ایک ماہ میں (30 cm ۱۲ انچ تک)، سماعت ۸ ہفتوں تک، چھونا سب سے پہلے محسوس ہوتا ہے۔ (۸ ہفتوں کے بعد۔) سونگھنا، پہلے ماہ کے بعد، (ماں کو سونگھ لیتا ہے)۔ ذائقہ، سال کے دوران مکمل کام شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ جوں جوں بڑھتا رہتا ہے۔ حتی کہ ۶ سال کی عمر پر، اس قابل ہو جاتا ہے، کہ سیکھ اور کچھ اظہار کر سکے۔ اس کے ساتھ، اللہ نے انسانی وجود کے نظام کی خصوصیت کا ذکر کیا۔ جس میں اعصابی، خون اور اعضاء کے نشوونما کے نظام ہیں۔ یہ سارے امور اللہ نے انسانی تخلیق کے ساتھ پیدا فرمائے، اور انسانوں کو عطا کیے۔ کئی افراد ان سے محروم بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کی آیات نے یہ حقائق آج سے چودہ سو سال پہلے اعلان کر دیے۔ جس کی تصدیق جدید تحقیقات سے ہو رہی ہے۔ یہی اس کا اعجاز ہے (یعنی یہ معجزہ ہے)۔ پھر دوسری طرف مسلمانوں کو تحقیق کی طرف حکم ہے۔ تاکہ وجود خدا کو دوسرے لوگوں کو بذریعہ دلائل وشواہد سمجھا سکیں۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝

کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا وہ آسمانی فضا میں اللہ کے نظام کے تابع ہیں۔ انہیں اللہ کے سوا کوئی گرنے سے نہیں روکتا۔ بے شک اس میں ایمان لانے والے کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالی کی قدرتوں کا اظہار ہے۔ انسان کے علاوہ حیوانات، بالخصوص پرندوں کی خصوصیات کا ذکر ہے، جو اللہ نے انہیں عطا کی ہیں۔ پرندے ہوا میں کیسے اڑتے ہیں اور ان کو کون سیکھاتا ہے۔ اللہ کی ذات نے ان پرندوں میں جو بھی سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت دی ہے، اسے ان کی فطرت کا حصہ بنا کر اڑنا سیکھا دیا ہے۔ ایک پرندے کا بچہ جب گھونسلے سے گر جاتا ہے، تو اڑنا سیکھ لیتا ہے۔ فضا اسکی دنیا اور درخت اس کا گھر بن جاتے ہیں۔ ان کے پر اور پروں کے بازوں کے سکڑنے اور پھیلنے کا انداز، بڑے اور چھوٹے سائز کے پر سکڑ کر سب تہہ در تہہ بند ہو جاتے ہیں۔ دم کے پر پھیل جاتے ہیں۔ سکڑ جاتے ہیں۔ ہوا میں مڑنے، اٹھنے کے لیے، مختلف انداز میں سکڑتے اور پھیلتے ہیں۔ یہ سارا علم اور عمل ان کو اللہ تعالی کی طرف ودیعت کیا گیا ہے۔ جو خود بخود ان کے ارادے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اور وہ فضاء میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ پرندے, 21120 فٹ کی بلندی تک اڑ سکتے ہیں۔ کوہ ہمالیہ پار کر لیتے ہیں۔ (سائبیریا سے انڈیا تک چار ہزار کلو میٹر فاصلہ طے کرتے ہیں)۔ انسان نے شروع میں پرندوں کو دیکھ کر اڑنے کی کوشش کی۔ اندلس (سپین) میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی, تو ایک مسلمان سائنسدان نے پر بنا کر اڑنے کی کوشش کی۔

آج جہازوں کے ڈیزائن، انہی پرندوں کے انداز پر ہیں۔ ان کے پر بھی اڑان کے وقت پھیل جاتے ہیں۔ اترتے وقت نیچے مڑ جاتے ہیں۔ اور جب بلندی پر پہنچ جاتے ہیں تو بند جاتے ہیں۔ اور ہوا، کی اٹھان کی قوت اور زمین کی کشش ثقل بھی، اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ جو زمین پر اترنے میں مدد کرتی ہے۔ ان سارے امور میں اہل ایمان و اہل عقل کے لیے، اس میں نشانیاں ہیں او راہل عقل کا ایمان بہت مضبوط ہوتا ہے۔

پرندوں کی اڑان اور فضا کی وسعت، اہل دل کے لیے اللہ کی محبت کی جولان گاہ کی وسعت کا اظہار ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔

ع دل گزر گاہ جلیل اکبر است

(انسانی دماغ خدائے برتر، کی رحمت کا مقام ہے)

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ۝

اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھر جائے سکونت بنائے اور تمہارے لیے چوپاوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) بنائے جنہیں تم ہلکا پھلکا سمجھ کر اپنے سفر کے دن اور قیام کے دن کام میں لاتے ہو (استعمال کرتے ہو) اور ان بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے گھریلو اثاثے ایک مدت تک فائدہ اٹھانے (کے لیے) بناتے ہو۔

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ۝

اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے فائدہ کے لیے سایہ دار چیزیں بنائیں اور اس نے پہاڑوں میں محفوظ غار بنائے اور تمہارے لیے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی (موسم) سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس (زریں) بنائے جو تم کو حملوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ وہ تم پر اسی طرح نعمت پوری کرتا ہے۔ تاکہ تم اس کی اطاعت کرو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝

پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کا کام تو صرف وضاحت کے ساتھ (اللہ کے احکام کو) پہنچا دینا ہے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝

یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (اس کے باوجود) پھر ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر انکار کرنے والے (کافر) ہیں۔

اللہ تعالی کی قدرت اور انعامات کا اظہار ہے۔ پچھلی آیات میں پرندوں کا ذکر تھا اس میں حیوانات کے فوائد کا ذکر ہے۔ بھیڑ، بکریاں، اونٹ یہ جانور کھالوں، دودھ کے علاوہ، ان کے بالوں سے اون اور مختلف اون کے ذریعے اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ مثلا کمبل، خیمے، گرم لباس جو سردی سے بچاتے ہیں۔ پھر خیمے جہاں وزن میں ہلکے اور آمدورفت کے لیے آسان ہوتے ہیں۔ سفر میں قیام کے دوران گھر کی سہولت مہیا کرتے ہیں۔ دھوپ اور سردی سے بچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کھالوں سے دوسری اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ تمام جانوروں کے کھال اور بال دھونے اور رنگنے (کیمکل طریقے سے بال اتارنے کے بعد) پاک صاف اور قابل استعمال ہوتے ہیں (فقہ حنفی)۔ یہ حیوانات انسان کے ساتھ بہت مانوس بھی ہیں۔ اسکے علاوہ زمین پر درخت، پہاڑ، دریا، سب انسانوں کے لیے فائدہ مند ہیں۔ درخت سایہ، پھل، غذا انسانوں اور حیوانات کو میسر کرتے ہیں۔ کاربن اور آکسیجن کا تناسب ماحولیات کے فوائد

اس کے علاوہ ہیں۔ تصور کریں اگر درختوں کے پتے نہ ہوتے تو سایہ میسر نہ ہوتا اور نہ آکسیجن اور کاربن کا تناسب زمین پر صحیح رہتا۔ اس کے علاوہ زمین سے نکلنے والی معدنیات بالخصوص لوہے اور تانبے کے استعمال کا ذکر ہے جو کہ دفاع میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً زرہیں، سر کے خول، تیر وغیرہ، اور آجکل لاتعداد مصنوعات بنتی ہیں۔

مبلغ کا فرض:۔

اتنے دلائل اور ہدایات کے باوجود اگر لوگ بالخصوص اللہ تعالی کے احکامات کو نہ مانیں، ایمان نہ لائیں، قیامت پر یقین نہ کریں، اسلام کو نہ مانیں، تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ بحثیت مبلغ اور نبی، آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اور جب نبی پیغام پہنچا دیتا ہے تو اس کا فرض پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انکار کرنے والے اپنے اعمال کی سزا بھگتیں گے۔ ہدایت کا ملنا مبلغ کے کام سے علحیدہ ہے۔ قبول کرنے کے لیے تشدد منع ہے۔

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ۝

اور (یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ پھر جنہوں نے کفر کیا، انہیں اجازت نہیں دی جائے گی۔ اور نہ ان سے توبہ ہی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۝

اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی۔

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ۝

اور جن لوگوں نے (اللہ کے ساتھ) شرک کیا، جب اپنے (خود ساختہ) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب: یہی ہمارے (بنائے ہوئے) شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے تب وہ (شریک) ان کی بات کے جواب میں کہیں گے بلاشبہ تم تو یقینا جھوٹے ہو۔

وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ اِلسَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝

اس دن وہ اللہ کے حضور اپنی فرمانبرداری (عاجزی) پیش کریں گے اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا۔ جو وہ جھوٹ گھڑتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ۝

جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا۔ ہم انہیں عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے۔ اس لیے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝

اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف ان ہی میں سے ایک گواہ پیش کریں گے اور (اے نبی) ہم ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر پیش کریں گے۔ اور ہم نے آپ پر ہر چیز کھول کر بیان کرنے والی کتاب اتاری ہے جو مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے۔

راہنمائی کا اجر:۔

اللہ تعالی کے وجود کے شواہد دلائل کے بعد جو انکار کرتے ہیں ان کو جو سزا ملے گی، اس کی تفصیل وتصویر بیان کی ہے۔ قیامت کے روز جن کو، وہ اپنا معبود جانتے ہیں۔ اللہ کے برابر سمجھتے ہیں۔ ان سے مدد طلب کرتے ہیں، ان کو دیکھیں گے، تو اپنی جان کو بچانے کے لیے ان کو الزام دیں گے کہ یہ معبود تھے۔ اور وہ معبود، کوئی بھی وجود ہو، ان کی تردید کرے گا۔ اور کہے گا کہ یہ الزام لگانے میں سراسر جھوٹے ہیں۔ کیونکہ نہ تو وہ معبود تھے اور نہ ان کو اپنی عبادت کے لیے کہتے تھے۔ بلکہ دونوں فریق (معبود اور مشرک) عاجزی اختیار کریں گے۔ اور معافی مانگیں گے۔ ان کے سارے زعم و غرور ختم ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ گمراہی میں لوگوں کو دھکیلتے ہیں، ان پر دگنا عذاب ہو گا۔ یہ زیادہ عذاب ان کو گمراہی کی طرف رغبت دلانے کی وجہ سے ہو گا۔

حدیث مبارک میں ہے حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ ایجاد کیا، اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا۔ اور بعد والوں کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا۔ اور ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس شخص نے اسلام میں کسی گناہ کا طریقہ ایجاد کیا، اس کو اپنے گناہ کا بھی عذاب ہو گا۔ اور بعد والوں میں سے جو اس پر عمل کرے گا۔ اس کے گناہ کا بھی عذاب ہو گا۔ اور بعد والوں کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (صحیح مسلم، ابن ماجہ)۔

تمام امتوں کے انبیاء اپنے پیغام پہنچانے کا اعلان کریں گے اور ان پر ان کی امت سے نیک افراد گواہ ہوں گے کہ انہوں نے پیغام پہنچایا۔ ان انبیاء پر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے۔ ایک تفسیر کے مطابق انسانی اعضاء گواہی دیں گے۔ ان میں ہاتھ، زبان، کان، آنکھ، سر، پاوں اور جسم شامل ہے۔ یہ ہمارے ایمانیات کا حصہ ہے۔ کہ تمام انبیاء برحق تھے، کیونکہ قرآن مجید میں سب کا ذکر ہے۔ قرآن مجید ہدایت کی اخری اور سب سے جامع اور واضح کتاب ہے۔ انسانی ہدایت کے لیے، زندگی کے تمام مراحل اور معاملات، خواہ وہ سماجی، معاشی، علمی (سائنسی) عقائد ہوں، سب کے بارے میں ضروری تعلیمات موجود ہیں۔ جن کی تفصیل حدیث، تفسیر اور کتب فقہ میں موجود ہے۔ اس لیے یہ کتاب اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے کہ وہ اس کی ہدایات پر عمل کر کے کامیاب ہوتے ہیں اور خوشخبری بھی ہے کہ آخرت میں بھی ان کو اعمال کا صلہ جنت کی صورت میں ملے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

بے شک اللہ انصاف، احسان، اور رشتہ داروں کو (ان کو ان کے حقوق) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی، بدی اور ظلم سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

علماء کی رائے میں حقوق و فرائض اور خیر و شر کے بارے میں اس سے جامع آیت کوئی نہیں۔ آیت اس قدر اہم ہے کہ ہر خطبہ میں شامل کی جاتی ہے۔ اس مختصر آیت میں بہت اہم امور کے کرنے اور بہت ہی نقصان دہ امور کے کرنے سے منع کیا ہے۔ تا کہ اسلامی معاشرہ خوبیوں اور امن کا گہوارہ بن جائے۔ جن امور کا حکم دیا، عدل، پھر احسان اور صلہ رحمی ہے جس کے بارے میں مختصر یہ ہے۔

عدل:۔

عدل بہت اہم ہے۔ عدل دو امور پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو۔ دوسرے ہر آدمی کو اس کا حق بہت آسانی اور منظم طریقے سے دیا جائے۔ اس کا متبادل انصاف ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حقوق یا واجبات برابر یا نصف کی بنیاد پر ہوں۔ یہ تقسیم اصول عدل کے خلاف ہے۔ دراصل عدل کی اصل تنفید، توازن اور تناسب ہے۔ نہ کہ عددی برابری، اور یہ عمل ہر موقع کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں عدل، افراد کے لیے معاشرہ میں مساوات چاہتا ہے۔ مثلا حقوق شہریت، لیکن بعض حالات میں یہ برابری صحیح نہیں۔ مثلا والدین اور اولاد کے درمیان سماجی اور اخلاقی مساوات۔ اسی طرح کسی فرد کے معاوضہ کی بنیاد انسانی فرد کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اہمیت اور عمل کی نوعیت کی بنا پر، عدل کے مطابق ہے۔ اس لیے اصل عدل کی بنیاد توازن اور مناسبت ہے۔ اور اسلامی حکم کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی، سیاسی حقوق، پوری ایمان داری کے ساتھ بلا تفریق و بلا مشقت ادا کیے جائیں۔

احسان:۔

دوسرا حکم احسان کا ہے جس سے مراد نیک برتاو، ہمدردانہ رویہ، رواداری، درگزر، باہمی مراعات، فیاضانہ معاملہ، خوش خلقی، لحاظ و مراعات۔ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا۔ یا اپنے حق کو کم لینا۔ اور دوسرے کو زیادہ دینا ہے۔ عدل کسی اچھے معاشرے کے لیے اساس ہے، جس کے بغیر معاشرہ پر امن نہیں ہو سکتا۔ اور احسان چونکہ عدل سے زیادہ ہونے کا نام ہے۔ اور وہ معاشرے کا جمال و کمال ہے۔ عدل اگر حقوق دلاتا، تلخیوں سے بچاتا ہے، تو احسان اس میں خوش گواری اور شرینی پیدا کرتا ہے۔ اگر صرف معاشرہ عدل پر قائم ہو۔ ہر کوئی صرف اپنا حق لے یا کسی کو صرف اس کا حق دے اور صرف ناپ تول کو ہی گنتا اور دیکھتا رہے، اس معاشرے میں کشمکش تو نہیں ہو گی۔ لیکن محبت اعلی ظرفی، اخلاص، ایثار، شکر گزاری اور خیر خواہی کی قدروں سے محروم ہو گا۔ جو زندگی میں لطف اور مٹھاس پیدا کرنے والی ہیں۔ اور زندگی کو خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ احسان کا مادہ حسن سے ہے۔ جس کا مطلب مرغوب اور خوبصورت ہے۔ اس کا اطلاق دو طرح سے ہے۔ کسی شخص پر انعام کرنا، یا نعمت دینا، اور دوسرا اطلاق نیک کام کرنا۔ (ایت ان احسنتم احسنتم لانفسکم سورت بنی اسرایئل۔) عبادات میں احسان، اللہ کی ذات کے ساتھ محبت کا تعلق و معیار ہے۔ (بحوالہ حدیث جبرائیل)

صلہ رحمی:۔

تیسرا حکم صلہ رحمی کا ہے۔ رحم یعنی رشتہ سے ہے۔ جو رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور اعلی برتاو کا نام ہے۔ یہ ان کے غمی و خوشیوں میں شرکت، اچھا برتاو اور جائز امور میں مدد کرنا ہی نہیں بلکہ یہ سمجھنا ضروری ہے، کہ ہمارے اموال میں ہمارے اولاد کے علاوہ رشتہ داروں کے حقوق و مرعات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ خاندان کے افراد میں معاشی تفریق، بھوک و افلاس کی حد تک نہیں ہونی چاہیے۔ اسلام میں وہ معاشرے انتہائی بد نصیب اور مکروہ ہیں، جس میں خاندان کا ایک فرد، داد عیش دے رہا ہو، اور دوسرا اس کا بھائی روٹی کپڑے کا محتاج ہو۔ خاندان ایک متحدہ اکائی ہے۔ جس میں خوشحال افراد کا فرض ہے کمزوروں، محتاج بھائیوں، کا خیال کریں۔ اس کے بعد دوسروں کے حقوق کا خیال رکھیں۔ متعدد احادیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت، اگرچہ ہر فرد کے لیے بنیادی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ وار ہے، لیکن اگر حکومت کے وسائل نہیں ہیں تو معاشرے کے دوسرے افراد کے بھی فرائض میں سے ہے۔ ایک خاندان کے افراد کی اہمیت کی ترتیب یوں ہے، کہ آدمی کے اولین حقدار اس کے والدین اور اسکے بیوی بچے ہیں۔ پھر اس کے بہن بھائی، پھر وہ جو ان کے قریب تر ہوں (رشتہ دار) اور اسکے بعد جو قریب تر ہوں (پڑوسی)۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ اسلام نے فرمایا: جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو، اور جو تم سے برا سلوک کرے اس سے اچھا سلوک کرو اور حق بات کہو اور اگرچہ وہ تمہارے خلاف ہو۔

۲۔ حضرت عتبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری رسول اللہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ سے ہاتھ ملانے میں پہل کی۔ پھر میں نے عرض کی، یارسول اللہ: صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے افضل عمل بتلائے۔ آپ نے فرمایا: اے عتبہ جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تمہیں محروم کرے، اسے عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے، اس سے اعراض کرو (مسند احمد)۔

۳۔ حضرت ابو بکر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: سرکشی اور رشتہ داروں سے تعلق کے سوا اور کوئی ایسا گناہ نہیں ہے، جس کی اللہ تعالی دنیا میں جلد سزا دے دے۔ اور آخرت میں بھی سزا کا ذخیرہ کر رکھا ہو۔ (سنن ابی داود، المستدرک للحاکم)۔

تین چیزوں جن کو ممنوع قراد دیا گیا ہے وہ ہیں:

فحاشی:۔

اس کا اطلاق تمام شرمناک اور بے ہودہ افعال پر ہوتا ہے۔ ہر برائی جو اپنی ذات میں بری ہو۔ وہ فحش ہے مثلاً زنا، برہنگی (بدن کو ننگا کرنا)، عمل لواطت، چوری، بخل، شراب نوشی، بھیک مانگنا، گالیاں بکنا، جھوٹا پروپیگنڈہ، تہمت، کسی پوشیدہ بات کو ظاہر کرنا، بالخصوص برائی کی فحاشی کی طرف لے جانے والے اسباب و ذرائع بھی فحاشی کا حصہ ہیں۔ کیونکہ ان کے محرکات ہیں۔ اس میں سمعی و بصری، ہر قسم کے اسباب و مواد شامل ہیں۔ بد قسمتی سے مغرب کی ترقی اور دنیا پر لیڈر شپ، بالخصوص معاشی، سائنسی میدان میں آنے کی وجہ، اور ان کے معاشروں میں چرچ کے نظام کی خرابی کی وجہ سے جو مذہب سے دوری پیدا ہو گئی، وہ ان کا رسم و رواج

بن گئی ہے۔ ان کے رواج وطریقے، ان کی لیڈرشپ کی وجہ سے دنیا کے کمزور ممالک (غریب اور پسماندہ) میں انکی معاشی اور تجارتی کمزوری کیوجہ سے بہت جلدی نافذ ہو رہے ہیں۔ بالخصوص جنسی فحاشی، شراب نوشی، سودی نظام بہت اہم ہیں۔ جس سے مسلمانوں کا بچنا بہت ضروری ہے۔

منکر:۔

فحاشی کے ساتھ منکر کی بھی ممانعت کی ہے۔ منکر ہر وہ برائی ہے جسے انسان برا محسوس کرے۔ ہمیشہ برا کہے۔ اور شریعت الٰہی میں جسے منع کیا گیا ہے اور قوانین انسانی میں بھی منع ہے۔

بغی:۔

تیسرا حکم بغی سے بچنا ہے۔ بغی کے معنی اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ دوسروں کے حقوق پر دست درازی یا حق تلفی کرنا۔ انسانوں کے علاوہ خالق کے حقوق بھی بہت اہم ہیں۔ یہ تمام برے کاموں میں شامل ہے۔ بغاوت کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، عہد شکنی کرنا، بدگمانی کرنا، خیانت کرنا، کسی کو رسوا کرنا، کسی کے خلاف سازش کرنا، کسی کا مال غصب کرنا، ظلم کرنا، کسی پر تہمت لگانا، ملاوٹ کرنا، جوا کھیلنا، چغلی کرنا، اسراف کرنا، فساد پھیلانا، ذخیرہ اندوزی کرنا۔ نوجوان عورتوں اور مردوں کا اختلاط کرنا اور تنہائی میں ملنا، سب امور کو شامل ہے۔

غور کریں کہ اگر کوئی معاشرہ جن امور کا حکم دیا ہے ان پر قائم ہو اور جن سے منع کیا گیا ہے۔ ان سے محفوظ ہو، تو وہ معاشرہ سماجی طور پر کس قدر حسین اخلاقی طور پر پاکیزہ اور معاشی طور پر بلند، پرامن اور خوشحال ہو گا۔ اسلامی نظام ایسا ہی معاشرہ تمام انسانوں کے لیے مہیا کرنا چاہتا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسان کی قوت مدرکہ، نفس (یعنی دماغ) تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جو فیصلے کرتے ہیں۔

۱۔ نفس امارہ (برائی کا محرک) ۲۔ نفس مطمنہ (نیکی کا محرک) ۳۔ نفس لوامہ (تجزیہ کی قوت اور رکاوٹ) پر مشتمل ہے۔ یہ انسانی کردار یا نفسیات سے متعلق ہے۔ (تفصیل سورہ یوسف)۔ اور اسی طرح کا تجزیہ جدید طب میں بھی ہے۔ جسکے مطابق دماغ کے تین حصے ہیں۔ ۱۔ کاربرم (Cerebrum) بڑا حصہ جو یاداشت، سوچ اور جذبات کا مرکز ہے۔ ۲۔ کاربیلم۔ (Cerebellum) پچھلا حصہ جو کنٹرول اور رابطہ کرتا ہے۔ ۳۔ دماغ (Brain) جو مغز کی بنیاد یا تہہ سامنے کاربرم کے نیچے اور کاربیلم کے سامنے ہے۔

وَ اَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝

اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد (معاہدہ) کر لو اور قسمیں پکی کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا گواہ (کفیل) بنایا ہو۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاو جس نے اپنا سوت محنت سے کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو باہم فریب کا ذریعہ بناتے ہو، کہ ایک جماعت (گروہ) دوسرے گروہ (مال و دولت) میں بڑھ جائے۔ بے شک اللہ، اس (عہد وپیان) سے تمہیں آزماتا ہے۔ اور یوم قیامت وہ تم پر ضرور واضح کر دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

عہد ایک آزمائش:۔

پچھلے مضمون کی اہمیت ووضاحت جاری ہے۔ عہد وپیمان اسلام میں فرائض سے ہیں اور ان کو توڑنا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیات واحادیث اس پر موجود ہیں۔ عموماً ہم اپنے وعدہ کی پختگی کے لیے اللہ تعالی کی ذات کو ضامن یا اس کی قسم اٹھاتے ہیں۔ اس سے وہ وعدہ مزید پختہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا توڑنا اور زیادہ گناہ ہے۔ عرب کے قبائل عام طور پر معاہدہ کرتے۔ جب اس معاہدہ کے مقابل کوئی زیادہ نفع مند موقع آجاتا یا کبھی اس قبیلہ سے بڑے قبیلہ سے معاہدہ کی صورت نکل آتی، تو پچھلے معاہدہ کو کوئی احترام نہ کرتے اور اس کے مخالف دوسرا معاہدہ کر لیتے۔ عموماً یہ عمل انفرادی فائدہ کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ مالی مفاد کی وجہ سے آدمی یہ گناہ کرتا ہے، اس لیے اس کو آزمائش کہا گیا ہے۔ یہ عمل اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر سورت اعراف میں کیا جا چکا ہے۔ فتح مکہ کی اصل وجہ معاہدہ کی پابندی نافذ کرنی تھی۔ اللہ تعالی نے ان معاہدوں یا کسی بھی قسم کے معاہدے کے توڑنے کو ایسا عمل قرار دیا ہے۔ جو تم نیکیاں ضائع کر دیتا ہے۔ خواہ یہ معاہدہ کسی مسلم یا کسی غیر مسلم سے ہو۔ یہ انسانیت اور صالح معاشرہ کے قیام کے لیے سب کے لیے برابر ہے۔

اختلاف میں فیصلہ کون کرے گا؟

اسی لیے آیت کے آخر میں فرمایا، کہ اختلاف کی صورت میں جو عموماً مذہبی نقطہ نظر سے ہوتا ہے کا، میں (اللہ) بروز قیامت تمہارے درمیان صحیح اور غلط کا فیصلہ کروں گا۔ اختلاف پر قتل وغارت ممنوع ہے۔ عمل کے نقصان کی مثال ایک عورت کی دی گئی۔ جو ذہنی خرابی کی بناء پر اپنا سوت کاتتی اور پھر کاٹے ہوئے دھاگے کو دوبارہ توڑ دیتی۔ اس طرح اپنی ساری محنت ضائع کر دیتی۔ اس بے وقوف اور نقصان دہ عمل کی وجہ سے، مکہ میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ عمل سے مقصود حاصل کرنا ضروری ہے۔

قسم یا حلف کو صرف اس صورت میں توڑا جائے، جب وہ کسی گناہ کا سبب یا عمل بنے، تو اس صورت میں اس کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ یہ وعدہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کو پورا نہ کرنے کا جرمانہ دینا ہے۔ اور پھر وہ عمل نہ کیا جائے، تاکہ گناہ سے بچ سکے۔ ایک حدیث کے مطابق قیامت کے دن عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا۔ (اس کی عہد شکنی کے عمل کے مطابق) جو اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ یُّضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝

اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جو تم عمل کرتے ہو تم سے ضرور اس کا سوال ہو گا۔

وَ لَا تَتَّخِذُوۡۤا اَیۡمَانَکُمۡ دَخَلًۢا بَیۡنَکُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِہَا وَ تَذُوۡقُوا السُّوۡٓءَ بِمَا صَدَدۡتُّمۡ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَ لَکُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝

اور تم اپنی قسموں کو باہم فریب دینے کا ذریعہ نہ بناو، کہ قدم جمنے کے بعد ڈگمگا جائے اور تم دنیا میں اس کی سزا بھگتو، کہ تم نے (اسے) اللہ کی راہ سے روکا تھا اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہو۔

وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِعَہۡدِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اِنَّمَا عِنۡدَ اللّٰہِ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝

اور اللہ کے عہد کے بدلے میں تھوڑی قیمت (دنیا کے فائدے) نہ خریدو۔ بے شک جو اللہ کے ہاں (اجر) ہے وہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

مَا عِنۡدَکُمۡ یَنۡفَدُ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ بَاقٍ ؕ وَ لَنَجۡزِیَنَّ الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡۤا اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝

جو کچھ تمہارے پاس فنا ہو جائے گا۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے ہو (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا، ہم ضرور انہیں ان کا اجر و ثواب ان کے بہترین (اچھے) اعمال کے بدلے میں دیں گے، جو کرتے تھے۔

عہد کی پابندی:۔

عہد کی پابندی، اسلام میں فرائض سے ہے۔ اس کی انفرادی زندگی میں بہت اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر یہ مضمون جاری ہے۔ انسان کے اعمال میں سماجی اور معاشی فوائد، بہت بڑا محرک ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار قرآن مجید نے کیا ہے۔ کہ ان فوائد کو دیکھ کر آدمی کو اپنے عہد سے نہ ہی مکرنا، اور نہ ہی توڑنا چاہیے۔ بلکہ سچائی اور مضبوطی کے ساتھ قائم رکھنا چاہیے۔ مالی اور سماجی فوائد کو نظر انداز کر دینا ضروری ہے۔ اس سے مراد مذہبی معاملات ہی نہیں، بلکہ عمومی زندگی کے سماجی اور معاشی معاملات بھی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے فوائد عارضی ہیں۔ دولت، صحت، اقتدار، ایک جیسی کبھی نہیں رہتا۔ بلکہ انسان خود ختم ہو جاتا ہے۔ ان کی خاطر حق یا وعدہ کو چھوڑنا، بہت نقصان دہ عمل ہے۔ اور اس کا نقصان اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ لوگ، قبائل یا حکومت، یقین نہیں کرتی، جس کی وجہ سے احترام اور حقوق صحیح نہیں ملتے۔ اور اللہ کے ہاں اس کا گناہ علیحدہ ہے۔ دنیا کے فائدے کے لیے عہد توڑنے کو، فروخت کی مثال دی گئی اور فریب کہا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کے ہاں دنیا و آخرت میں عہد کی حفاظت پر بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ کے ہاں اجر کا حساب اور حد نہیں۔ دنیاوی امور کے علاوہ، حقوق اللہ میں بھی وعدہ کی پابندی ضروری ہے، کہ آدمی بھول نہ جائے۔ دوسری طرف ہدایات دی ہیں، کہ بسا اوقات تلخ حالات کی بنا پر مشکل وقت سے گزرنا پڑتا

ہے۔ ان حالات میں صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔ صبر کی برکات سماجی اور نفسیاتی طور پر بہت زیادہ ہیں۔ اس کی تفصیل سورت یوسف میں بیان کی جاچکی ہے۔ اور اس صبر کا محرک، اللہ کے ہاں اس دنیا اور آخرت میں صابرین کی عزت و اعلی مقام ہے۔ ایک حقیقت کی طرف اشارہ ہے، صبر، معاہدہ کی پابندی، سچائی سے، دینا میں بھی کامیابی ملتی ہے۔ برے معاشروں میں بظاہر مشکل نظر آتی ہے۔ لہذا ان کو اپنانا بہت فائدہ مند اور ضروری ہے۔

اختلاف میں تشدد:۔

دوسری آیت انسانی کردار کے بارے بڑی اہم ہے۔ بالخصوص مذہب کی تبلیغ اور مذہبی رویوں سے متعلق ہے۔ اس وقت مکہ شریف میں نبی علیہ اسلام کی جدوجہد، مسلمانوں کی مشکلات، اسلام کی ترویج میں، پریشانیاں موجود تھیں۔ جو کسی بھی معاشرہ میں سامنے آسکتی ہیں۔ اللہ تعالی نے واضح فرمادیا، کہ انسان گمراہ بھی ہوں گے اور ہدایت یافتہ بھی۔ یہ اللہ کے جاری کردہ نظام کا حصہ ہے۔ اگر اللہ چاہتے، تو سارے انسان فرشتوں کی طرح تابع کردیتے۔ لیکن اعمال کے بارے میں پوچھا جاناہے۔ اس لیے انسان کو اختیار دیاہے۔ جس راستے کو وہ پسند کرے گا اور کوشش کرے گا۔ وہی راستہ اس کے لیے کھول دیا جائے گا۔ قرآن اور نبی علیہ اسلام کی تعلیمات کو سچ جاننے والے ان پر عمل کریں گے۔ تو ہدایت پائیں گے۔ اور جو ان کو سچ نہیں مانیں گے۔ وہ گمراہی میں رہیں گے۔ قیامت پر ہر انسان سے اسکے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور عدل کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔ لھذا تبلیغ، مذہب اور تبدیلی مذہب کے لیے تشدد کرنا، اسلام کے لیے ممنوع ہے۔ جس کی اعلی مثال حضور اکرم علیہ اسلام اور صحابہ کا کردار ہے۔ قرآن مجید میں اسکا ذکر کئی بار آیاہے۔ نبی علیہ اسلام کے زمانہ مبارک میں ایک صحابی کا بیٹا عیسائی تھا۔ اور جب عیسائی بخران جانے لگے، تو وہ بھی جانا چاہتا تھا۔ مگر اس کے والد اس کو زبردستی روک رہے تھے۔ جب نبی علیہ اسلام کو پتہ چلا، تو آپ نے ان کے والد کو منع کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اس کا جانے دیا جائے۔ مذہب کی آزادی ہے۔ یہ تھی اسلامی رواداری اور مذہبی آزادی۔ اگلی آیت اعمال کے بارے میں ہے۔

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً‌ ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ‏

جس نے نیک عمل کیے مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انہیں ضرور جو وہ بہترین اعمال (دنیامیں) کرتے تھے، ان کے بدلہ میں اجر و ثواب دیں گے۔

انسانوں میں جنسی مساوات:۔

آیت مبارکہ اعمال کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ عورت اور مرد، جزا و سزا کے حساب سے بالکل مساوی ہیں۔ کسی کو جنس کی بناء پر کوئی خصوصی رعایت نہیں۔ بلکہ اپنے اعمال کے مقابل اجر پائیں گے۔ یہ انسانی مساوات کا آج سے چودہ سو سال پہلے اعلان ہے۔ اسلام میں جو خواتین کو نصف یا کمزور سمجھنے کا خیال رکھتے ہیں، یہ ان کی لاعلمی کا سبب ہے۔ خواتین کے معاشرے میں حقوق و

فرائض کی عدل کی بناء پر ان کے حالات کے مطابق تعین کی گئی ہے۔ اس لیے بعض امور میں اختلاف ہے لیکن بحثیت انسان، مسلمان اور اعمال کے بدلے میں بالکل مساوی ہیں۔

نیک اعمال اور پاکیزہ زندگی:۔

قرآن مجید نے نیک اعمال کے نتیجہ میں زندگی کو پاکیزہ زندگی قرار دیا ہے۔ اسی طرح برے اعمال کے نتیجہ میں زندگی غلیظ ہو گی۔ پاکیزہ زندگی کا دنیا و آخرت میں اعلی اجر و ثواب کی خوشخبری دی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن معاشروں کے افراد میں اعمال صالح، یعنی عدل، سچ، وعدہ کی پابندی، انسانی احترام، کمزوروں کی رعایت و مدد ہوتی وہ معاشرے برکت سے اس دنیا میں پر سکون اور آرام دہ معیار زندگی مہیا کرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اعمال صالحہ (غریبوں کی مدد، انصاف، وعدہ کی پابندی، سچ) کا بدلہ دنیا و آخرت میں ملتا ہے۔ ایمان شرط نہیں جس طرح آیت مبارکہ (سورت زلزال ۷: یعنی جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہو گی وہ اسے دیکھے گا) ہے۔ آخرت میں جنت کے لیے، ایمان شرط اور لازمی ہے۔ (کچھ علماء نے اعمال کو ایمان کا حصہ اور کچھ نے اعمال کو ایمان سے علیحدہ خیال کیا ہے۔ جو ایک علمی بحث ہے)۔ پاکیزہ زندگی اور بہترین اعمال کے بارے میں چند اعمال کی ترجیح بیان کی گئی ہے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ﵁، نے ایت (فلنحیینہ حیوتہ طیبہ) کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد قناعت ہے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دعائیں فرماتے تھے۔: اے اللہ تو نے جو مجھے رزق دیا ہے، اس میں مجھے قناعت کرنے والا بنادے۔ اور اس میں میرے لیے برکت رکھ دے۔ اور میرے لیے ہر غائب چیز میں خیر رکھ دے۔ (المستدرک للحاکم)۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ، سے روایت ہے: کہ قناعت ایک ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ اور ایک ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابن عباس، حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا: کہ اس کا مصداق قناعت ہے۔ اگر ہم عملی زندگی میں دیکھیں، تو قناعت واقعی ایک بہت بڑا خزانہ ہے، دنیا میں اطمینان کے ساتھ وہی شخص زندگی گزارتا ہے، جو قناعت کرتا ہے۔ کیونکہ حریص شخص تو ہر وقت زیادہ سے زیادہ مال کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے۔ اور اپنے جسم اور ذہن کو زیادہ سے زیادہ مال و جاہ کی طلب میں تھکا تا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے زندگی اطمینان و سکون سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور مختلف امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضرت انس ﵁ بیان کرتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں۔ مال کی حرص اور عمر کی حرص۔ (بخاری شریف)۔ ایک اور حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ایک آدمی لمبا سفر کرتا ہے۔ اس کے بال غبار آلود ہوتے ہیں۔ پھر وہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب، اے میرے رب،: اس کا کھانا حرام ہے، اور اس کا پینا حرام ہے۔ اس کا لباس حرام ہے۔ ور اس کو غذا حرام دی گئی ہے۔ تو اس کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ ان حرام اعمال کی وجہ سے کبھی قبول نہ ہو گی، (مسلم / ترمذی)۔ کچھ علماء (عکرمہ) نے کہا، دنیا کی پاکیزہ زندگی سے مراد اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: اس سے مراد رزق طیب اور عمل صالحہ ہے۔ کس قدر اہم تعلیمات ہیں۔ کاش ہم انہیں اپنی زندگی میں نافذ کر کے کامیاب زندگی گزاریں۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۝

پس (اے نبی) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝

جو لوگ ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کو کوئی تسلط نہیں ہے۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۝

اس کا تسلط (غلبہ) تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ع

کلام الٰہی کی اہمیت:۔

قرآن مجید کلام الٰہی ہے اور ہدایت کی آخری کتاب تمام انسانیت کے لیے ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھنے میں برکت اور عمل کرنے میں نجاعت ہے۔ چونکہ ہدایت کی آخری کتاب ہے۔ اس لیے شیطان پوری کوشش کرتا ہے، کہ انسان ہدایت سے محروم ہو کر عذاب الٰہی کا مستحق ہو۔ جس طرح شیطان مستحق ہو چکا ہے۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے قوت دی ہے کہ انسان کے سوچنے اور سمجھنے کے مقام دماغ تک نہ صرف پہنچ سکتا ہے، بلکہ اس کے نیورون کے اندر حرکات پیدا کر کے مختلف خیالات پیدا کر سکتا ہے۔ اور کرتا ہے۔ (چونکہ وہ انرجی سے پیدا ہوا ہے)۔ جسے انسان عام طور پر محسوس نہیں کرتا۔ سب سے اہم اس کی یہ کوشش ہے کہ ہدایت کے راستوں سے انسان محروم رہے۔ اس لیے تلاوت قرآن پاک کے وقت وہ انسان کی توجہ کم کر دیتا ہے۔ اکثر افراد بغیر ترجمہ کے پڑھتے ہیں۔ سمجھنے یا غور کرنے سے، دوسرے خیالات کے ذریعے دور رکھتا ہے۔ اکثر اوقات قرآن مجید کے سمجھنے کی صلاحیت کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اور مختلف ترجیحات کی طرف لے جاتا ہے۔ بالخصوص متشابہات آیات کی تشریح میں یہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے نبی ﷺ کے اقوال واعمال اور پھر آپ کے صحابہ عظام کے اقوال واعمال کا علم اور ان کی راہنمائی میں تشریح کرنا ضروری ہے۔

شیطان کے حملے سے بچنے کا طریقہ:۔

یہ مسائل ہر فرد کو پیش آتے ہیں۔ اس لیے ان سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی پناہ لینے کا حکم دیا ہے اور وہ اعوذ باللہ من شطان الرجیم کا جملہ ہے۔ اس کے معنی پر غور ضروری ہے کہ شیطان طاقتور ہے۔ نظر نہ آنے والا اور انسانی دماغ میں سرایت کرنے والی قوت ہے۔ اس قوت کے مقابلے میں صرف کامیابی اس طرح ہو سکتی ہے، کہ اللہ کی پناہ لی جائے۔ اللہ سے اور اس کے فرشتوں کی مدد کی درخواست کی جائے اور وہ تعوذ اور تسمیہ میں ہے۔ اس کے علاوہ، **لاحول والا قوتہ الا باالله العظیم،** بھی ہے۔ جس کے معنی کو سمجھنا اور غور کرنا بڑا ضروری ہے۔ تمام نیکی کی طرف رغبت دینے والی طاقتیں اور برائی سے بچانے والی قوتیں، اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت سے مہیا ہوتی ہیں۔ بالخصوص ان آیات کو پڑھتے ہوئے، ان کے مفہوم کو اپنے دماغ میں ساتھ

رکھنا ضروری ہے، تاکہ قرآن پاک و حدیث مبارکہ سے آدمی ہدایت حاصل کر سکے۔ اور غلط نفسانی توجیہات سے بچ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان غلط توجیہات اور تشریحات سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔

شیطان کو جو قوت اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اس کے ذریعہ وہ انسانوں کو گمراہ کرتا ہے۔ لیکن وہ سارے انسانوں کو گمراہ نہیں کرتا۔ صرف ان کو کرتا ہے جو اس کے ساتھ چلتے ہیں۔ یعنی اس کے پیدا کردہ، اللہ کے احکام کے خلاف، خیالات پر عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ کی ذات پر یقین نہیں کرتے اور اسکے مقابل دوسرے ذرائع اسباب پر زیادہ یقین کرتے ہیں۔

محفوظ لوگ:۔

اللہ کے نیک بندے شیطان کے جال اور چالوں سے بچ جاتے ہیں اور وہ صرف انسان بچ سکتے ہیں، جو اللہ پر پورا بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔ یہ صرف تخلیات کی بات نہیں، بلکہ یہ ایک طریقہ ہے جسے نبی ﷺ اور صحابہ اکرام نے عمل کے ذریعے کر کے دیکھایا ہے۔ اللہ پر ایمان کی وجہ سے اس کے احکام پر عمل کرنے کی قوت پید ہوتی ہے۔ پھر عمل ہوتا ہے۔ دوسرے ذرائع کے ساتھ سب سے اہم بھروسہ، اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ جسے توکل کہا گیا ہے۔ یہ تمام اسباب کے استعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ اسباب بھی اللہ کے انعام ہیں۔ یہ بھروسہ انسان کی ذہنی کیفیت سے پیدا ہوتا ہے۔ جب ہم اعوذ باللہ کو اس کے معنی اور مفہوم کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو ہمارا تعلق اللہ سے زیادہ اور شیطان سے نفرت بڑھتی ہے۔ اسی طرح لاحول کو اس کے مفہوم و مقصد کو سمجھتے ہوئے، پڑھنے سے ہمارے اندر خیر اور بھلائی کے عمل کی طرف رغبت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اور جوں ہی ایک برا خیال دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کا محرک شیطان کا حملہ ہے۔ ساتھ دوسرا خیال، فوراً اس کے مخالف نیکی اور بھلائی کا پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے نیکی کی طرف زیادہ رغبت بڑھتی اور انسان نیک اعمال کرتا ہے۔ اور برائی سے بچتا ہے۔ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ شیطان کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس عمل کو کافی مدت تک پابندی کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد انسان اللہ کے احکام کی تابعداری اور اس کی محبت کی راہ میں رواں دواں رہتا ہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ بدل کر دوسری آیت لائیں اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ نازل کرتا ہے، تو وہ (کافر) کہتے ہیں یقینا تو گھڑنے والا ہے۔ لیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبرائیل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کو ہدایت و بشارت (خوشخبری) ہو۔

احکام میں تبدیلی:۔

کفار مکہ، قرآن مجید پر ہر قسم کے اعتراضات کرتے۔ انسانی کلام، شاعری کا نام دیتے۔ پھر قرآن مجید میں احکام بتدریج نازل ہوئے، کچھ احکام میں تبدیلی ہوئی، تا کہ لوگوں کو آسانی ہو۔ ان احکام کی تبدیلی کو انسانی عمل قرار دیتے کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی کیسے ممکن ہے؟ اس کے جواب میں بتایا گیا، کلام اللہ تعالی نے بڑے محفوظ طریقے، یعنی سب سے اہم فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام (روح القدوس) کے ذریعے نازل کیا۔ جس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی۔ (اس کی وضاحت سمجھانے کے لیے مثال ہے، کہ مالی اور بینکنگ معلومات کو خاص طریقہ سے محفوظ (انکرپٹ) کر کے بھیجا جاتا ہے۔ جو بالکل محفوظ ہوتا ہے۔ اس کلام الہی میں، اہل ایمان کے لیے ہدایت، ثابت قدمی کی تعلیم اور عمل کرنے پر نجاعت کی خوشخبری ہے۔ اگلی آیات میں کفار (مشرکین مکہ) کے الزامات کو رد کیا ہے۔

ا۔ آیت سے یعنی دوسرے حکم سے پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے۔ بعض احکام کا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ قول و عمل سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی اللہ کی وحی پر مبنی ہے جو کہ غیر متلو ہے۔ جس طرح آیت مبارکہ ہے۔ "وما ينطق عن الهوى الا وحی یوحی"۔

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ۝

اور بے شک ہمیں علم ہے کہ وہ کہتے ہیں بے شک اس (نبی) کو ایک آدمی سیکھاتا۔ اس شخص کی زبان عجمی ہے۔ جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں جبکہ (یہ قرآن تو) فصیح عربی زبان ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝

بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیات (نشانیوں) پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝

جھوٹ تو صرف وہ لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات (نشانیوں) پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

ہدایت کے لیے کوشش:۔

مشرکین کے مختلف بہتان اور جھوٹے بیانوں کے جواب میں فرمایا، کہ جن لوگوں سے وہ قرآن کے بارے تعلق جوڑتے ہیں، وہ تو عجمی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید فصیح زبان عربی میں ہے۔ کفار مکہ، قرآن کی عظمت کو ماننے کے بجائے کہتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں مثلاً غلام یا جو عجمی افراد ہیں۔ (بلعام نامی شخص، ایک عجمی جابر نامی، ایک نصرانی بخس نامی، یہ آپ کے پاس علم کے لیے آئے تھے۔) کفار کہتے ہیں، کہ آپ ان سے عیسائیوں اور یہودیوں کے واقعات جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ عربی زبان میں فصیح نہیں تھے اور قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت یا سچائی کے راستے کی کوشش کریں گے۔ اللہ انہیں سچائی اور ہدایت کا راستہ دکھا دیں گے اور جو ہدایت اور سچائی کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے، وہ سچائی یا ہدایت تک نہیں پہنچ پاتے اور جو

ہدایت تک نہیں پہنچتے اور نہ کلام الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔ وہی جھوٹے بہانے اور بہتان پیدا کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کا انجام دردناک عذاب ہے۔ قرآن مجید کی سچائی میں کوئی کمی نہیں اور اللہ کے نبی کا دعوی سچا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۝

اور جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے سوائے اس کے جس پر جبر (ظلم) کیا گیا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن تھا، لیکن جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ (دماغ) کھول دیا۔ (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝

یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں زیادہ پسند کیا اور بے شک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں، آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ اور یہی لوگ غافل ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

بلاشبہ یقیناً آخرت میں یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔

قریش مکہ اسلام کی مخالفت میں انتہائی حدود تک جا چکے تھے۔ اور ہر طرح غریب، کمزور مسلمانوں کی زندگی تنگ کر دی تھی۔ آیت مبارکہ کا شان نزول ایک واقعہ کی طرف ہے۔ جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ مشرکین مکہ نے حضرت عمار، ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ کو پکڑ لیا۔ ان کی ماں کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور اندام نہانی پر نیزہ مار کر آر پار کر دیا۔ ان کو قتل کر دیا۔ ان کے والد یاسر کو بھی قتل کر دیا۔ یہ دونوں اسلام کے پہلے شہید تھے۔ حضرت عمار سے جبریہ، کفریہ کلمات کہلوائے (نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو برا اور بتوں کی تعریف)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہ کفر کہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے۔ اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے۔ پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے اگر وہ دوبارہ تم سے جبراً کلمہ کفر کہلوائیں، تو تم دوبارہ کہہ دینا۔ (اسباب نزول القرآن / المستدرک)۔ اسلام میں انسانی جان کی حفاظت فرض ہے۔ اور اس کو بچانے کے لیے عارضی طور پر کفریہ کلمات کہنے کی اجازت ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ شخص دل میں ایمان رکھتا ہو۔ یہ رخصت ہے۔ اس عمل کی سزا نہیں۔ اس کے مقابل عزیمت ہے، جس کا انعام عمل کے مطابق ہے۔

اکراہ یعنی جبر کی فقہ میں تعریف یہ ہے: کہ جو شخص دھمکی دے رہا ہے، تو وہ اس دھمکی کو نافذ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہو۔ مثلا اگر قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے۔ تو اس کے پاس قتل کرنے کا آلہ ہتھیار اور طاقت ہو اسطرح اکراہ یا جبر کی صورت ہو گی ورنہ نہیں۔

اگر کوئی شخص ایمان قبول کرنے کے بعد کسی پابندی یا جبر کی وجہ سے کفریہ کلمات کہتا ہے۔ پھر اس پر قائم رہتا ہے۔ یعنی اس کا ذہن اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ تو وہ بہت بڑا گناہ گار ہے۔ چونکہ اس نے ہدایت کے بعد گمراہی کا انتخاب کیا۔ اس کا سبب دنیا کی محبت اور نفس کی خواہشات کی تکمیل تھی۔ اس لیے اللہ تعالی نے اسے دوبارہ ہدایت کی طرف راستہ نہیں دیکھائیں گے۔ اور اس کے سوچ سمجھ کے اعضاء گویا بے کار ہو گئے ہیں اور جہنم اس کا ٹھکانہ ہے۔ اسی گناہ کی بنا پر چونکہ یہ ایک دین سے بغاوت ہے۔ اس لیے اس کی سزا بہت سخت ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنہوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جدوجہد (جہاد) کی اور صبر کیا۔ بے شک آپ کا رب (خدا) ان آزمائشوں کے بعد (ان لوگوں کو) البتہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝

جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر کسی نے جو عمل کیے اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

گناہ گاروں اور نافرمانوں کے بعد ان افراد کا ذکر ہے، جنہوں نے دنیا کے آرام کی پرواہ نہیں کی اور اللہ کے احکام کو ترجیح دی۔ تکالیف کی وجہ سے اپنے وطن رشتہ دار، مال و متاع چھوڑا اور ہجرت کی۔ جو بھی تکالیف آئیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ اس کی اعلی مثال وہ مسلمان اور مہاجرین ہیں جو کمزور تھے اور کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اور اسلام کی خاطر کفار مکہ سے جنگیں کیں۔ ان کے اس عظمت و استقلال صبر کی وجہ سے اللہ کے ہاں بہت بڑا انعام ہے۔

پچھلی آیات میں دونوں گروہوں (اللہ کے نافرمان اور اللہ کے فرمانبردار) کے کردار اور جزا و سزا کا ذکر ہے۔ یہ جزا و سزا کا دن روز قیامت پر ہو گا۔ جس دن سب انسانوں کو دنیا میں ان کے اعمال کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ جسے دیکھ کر گناہ گار پریشان ہوں گے اور بہانے ڈھونڈے گے۔ دوسروں پر الزام لگائیں گے۔ لیکن اللہ تعالی پورا انصاف فرمائیں گے۔ کسی کو کسی دوسرے کے عمل کے بدلے سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ صرف اپنے اعمال اور انکے نتیجے میں ہونے والے نقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔ انصاف کی یقین دہانی کی ہے۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۝

اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان کرتا ہے جو بے خوف تھی، ہر طرف سے مطمئن تھی۔ اس کے پاس ہر جگہ سے وسعت کے ساتھ رزق پہنچتا تھا۔ پس اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ تو اللہ نے انکی بداعمالیوں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کے لباس سے مزا چکھایا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ

اور یقیناان کے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا، تو انہوں نے اسے جھٹلایا، تب انہیں عذاب نے آپکڑااور وہی ظالم تھے۔

معاشی و معاشرتی بدحالی کے اسباب:۔

آیت مبارکہ میں انسانی تاریخ کے نہایت اہم واقعات کو بیان کیا ہے۔ یہ واقعات نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے بھی مختلف اقوام پر گزرے ہیں۔ قوم شعیب، قوم صالح وغیرہ۔ مکہ شریف میں سخت قحط آیا، جو کئی سال تک رہا اور لوگ پرانی کھالیں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے برے معاشرہ میں اللہ تعالی نے نبی کو چنا اور اپنا پیغام دیا۔ اور ان کو برائیوں سے روکا۔ انہوں نے نبی کی مخالفت کی۔ اسے جھٹلایا اور اس کے ماننے والوں پر ظلم ڈھائے۔ جس کی وجہ سے سزا و ناکامی کے حقدار ہوئے۔ بالآخر ابوسفیان نے آپ سے درخواست کی۔ کہ صلہ رحمی کی بنا پر دعا کریں، تاکہ یہ قحط ختم ہو جائے اور پھر آپ نے دعا کی۔ بارش نازل ہوئی قحط ختم ہوا۔

اہم نکتہ:۔

ایک پرسکون خوشحال معاشرے کا بدحال، خوف، فساد کے معاشرے میں بدل جانے کے اسباب کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق معاشی خوشحالی، اللہ کے انعام ہیں۔ جہاں زندگی آسان ہوتی ہے۔ امن اور خوف کا نہ ہونا برکت ہے۔ یہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک معاشرے کے افراد اچھے اعمال کرتے ہیں۔ اچھے اعمال ایک اللہ کے شکر کا طریقہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی اچھے اعمال کو پسند کرتے ہیں۔ اگر لوگ ایمان نہیں رکھتے، لیکن اللہ کے متعین کردہ حقوق العباد کے نیک اعمال کرتے ہیں، تو ان کے بدلے انعام ملے گا۔ اور دنیا میں آسانی ہو گی۔ لیکن آخرت میں ایمان کی محرومی کی سزا ملے گی۔ اگر کوئی قوم ایمان بھی رکھتی ہے، لیکن وہ بداعمالی شروع کر دیتی ہے۔ جو کہ حقوق العباد کا اہم حصہ ہے۔ جس میں عدل، سچائی، ناپ تول صحیح کرنا، وعدہ کی پابندی، کمزوروں کا تحفظ، غریبوں، محتاجوں کی مدد ہے۔ یہ اعمال اس معاشرے میں بہت کم ہو جاتے ہیں۔ تو وہ معاشرہ عذاب الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ وہاں خوف افلاس کے سائے پھیل جاتے ہیں، بلکہ لباس کی طرح افراد یا معاشرہ کو گھیر لیتا ہے۔ یہ عذب الہی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے معاشرہ میں اللہ تعالی نے نبی کو چنا، اپنا پیغام دیا۔ ان کو برائیوں سے روکا۔ انہوں نے نبی کی مخالفت کی۔ اسے جھٹلایا اور اسکے ماننے والوں پر ظلم ڈھائے، یا تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

سو اللہ کے دیے ہوئے پاک رزق میں سے کھاو اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی ہی کی عبادت کرتے ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

اس (اللہ) نے تو تمہارے لیے بس مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا ہے۔ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ البتہ جو شخص مجبور ہو جائے۔ لذت کے لیے نہ کھائے اور (ضرورت کی) حد سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

پاک رزق:۔

معاشی بدحالی اور بدامنی کے اسباب کے بعد زندگی کے حالات میں کھانے پینے کے احکام درج ہیں۔ سب سے اہم اصول یہ ہے کہ پاک اور حلال رزق کھایا جائے۔ صاف و پاک سے مراد جس کی اجازت اللہ تعالی نے دی ہے۔ انسانیت اور عدل کے اصولوں کے مطابق حاصل کیا گیا ہو۔ اس کا ذریعہ جھوٹ، دھوکہ، مکر، ڈاکہ، چوری نہ ہو۔ اسی طرح جو کھانے کے احکام ہیں ان کے مطابق ہو۔ یعنی مردہ جانور یا خنزیر یا غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا ہوا نہ ہو۔ اس کی تفسیر سورت البقرہ اور سورت المائدہ میں گزر چکی ہے۔ اسلام میں انسانی ضروریات کو اہمیت دی۔ اگر کوئی شخص مجبور ہے اور بھوک کی نوبت انتہائی شدید ہے۔ تو جان بچانے کی غرض سے حرام غذا (مردار، خنزیر وغیرہ) بھی صرف ضروری حد تک کھا سکتا ہے۔ اللہ تعالی اس کو معاف کر دیں گے۔ اللہ کی نعمتوں، جو اس نے زمین پر انسانوں کے لیے حیوانات، نباتات، پھل اور اشجار کی صورت میں رکھی ہیں کو صحیح استعمال کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے۔ (شکر کی برکات کے بارے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے)۔ کئی احادیث مبارکہ میں شکر کی تاکید کی گئی ہے۔ عبادت بھی صرف اللہ تعالی کی کرنی ضروری ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَّهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

ان کے لیے تھوڑا سا فائدہ ہے اور (آخرت میں) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ پر جھوٹ یا بہتان:۔

آیت مبارکہ میں جو لوگ قانون کی (فقہا و قانون دان) تشریح کرتے ہیں اور تشریح کرنے میں اپنی رائے کو اپنی طبیعت یا مزاج میں تشدد یا زیادہ نرمی کی وجہ سے شامل کر دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں بڑے اہم احکام ہیں۔ ان کی ذاتی ترجیح، جسے وہ قانون بتا رہے۔ یعنی اللہ کا حکم ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ عمل اللہ پر جھوٹا بہتان لگانا ہے۔ کیونکہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انکی زبانوں کا جھوٹ ہے۔ اسکی وجہ سے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ ذاتی مفاد و پسند، دنیاوی لالچ کی وجہ سے ان کے لیے شدید عذاب

ہے۔ جبکہ اس کا فائدہ دنیا میں صرف چند سالوں کا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں محفوظ فرمائے۔ مذہبی مفتی، داعظ، خطیب حضرات اور شیوخ کرام کے لیے یہ آیت لمحہ فکریہ ہے۔ جو مذہب کے نام پر فیصلے یا رائے دیتے ہیں۔ دوسرے قانون دان حضرت کے لیے یہی اصول ہے، کہ وہ صرف تشریح کو قانون کے بیان کردہ الفاظ کے مطابق کریں تا کہ انصاف ہو سکے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

پھر بے شک آپ کا رب جنہوں نے جہالت سے برے عمل کیے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی۔ (نیک کام کیے) بے شک اس کے بعد آپ کا رب (ان لوگوں کے لیے) بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

کھانے / غذا کے بارے اہل کتاب بالخصوص یہود کے رویہ کا ذکر ہے۔ یہود اونٹ کے گوشت کو حرام کہتے ہیں اور اس کو حضرت یعقوب اور حضرت موسی علیہ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جبکہ شریعت موسوی اور شریعت ابراہیمی میں یہ حرام نہیں۔ انہوں نے محض حضرت یعقوب کی نفس پرستی کی مخالفت کی بناء پر، نہ کھانے کو ایک خدائی حکم بنا دیا۔ اور خود کو اس کے محروم کر دیا۔ اسی طرح دوسری بھی روایات انہوں نے ڈالیں۔ جو ان کے لیے سختی کا سبب بنیں۔ اور یہ رویہ ان کے اپنے کردار اور انتخاب کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح دوسرے مذاہب میں بھی بہت سی ایسی چیزیں آ جاتی ہیں، جو لوگ اپنی پسند یا ناپسند کی وجہ سے رائج کر دیتے، جس طرح پچھلی آیت نمبر ۱۱۶ میں ذکر ہے۔ یہ انسانوں کا اپنے اعمال کی وجہ سے ان پر زیادتی یا محرومی ہے۔

ارادہ اور غیر ارادہ کا فرق:۔

اگر کوئی شخص کسی لاعلمی کی بناء کوئی ایسا کام کرے جو گناہ ہو، اسے سزا نہیں۔ لیکن جب اسے معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ تھا، تو فوراً اپنی غلطی کی تلافی کرے۔ اور توبہ کرے تو اللہ تعالی اسے بخش دیں گے۔ غلطی کی تلافی، حقوق اللہ میں اخلاص کے ساتھ توبہ اور حقوق العباد میں متاثر شخص کے نقصان کی تلافی پر یا اس سے معافی کی درخواست، حتی کہ وہ معاف کر دے۔ اللہ تعالی ہمیشہ توبہ کو پسند کرتے ہیں اور توبہ کا دروازہ موت سے پہلے تک کھلا ہے۔ اللہ کی ذات نہایت مہربان اور بخشنے والی ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝

بلاشبہ ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے، اللہ کا فرمانبردار اور اس کی طرف یکسو اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

اس (اللہ) کی نعمتوں کے شکر گزار تھے (اللہ نے) ان کو منتخب کر لیا اور انہیں صراط مستقیم (سیدھے راستہ) کی ہدایت دی۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ

اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور بلاشبہ وہ آخرت میں ضرور صلاحین (نیکوکار) میں سے ہو گا۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(اے نبی) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو اللہ کی طرف یکسو تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔

آیت مبارکہ میں حضرت ابراہیم کے مقام کا ذکر ہے۔ آپ کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ اہل مکہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے تابع اور ان کی اولاد (حضرت اسماعیل سے) ظاہر کرتے تھے۔ جبکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی حضرت ابراہیم کے تابع اپنے کو تصور کرتے تھے۔ کیونکہ بنی اسرائیل بھی، حضرت اسحاق کی اولاد سے تھے۔ حضرت ابراہیم کے درجات میں بلند مقام، توحید کی وجہ سے ہے۔ جس طرح آپ نے اپنے خاندان، اس وقت کے حکمرانوں کو مدلل طریقے سے تبلیغ کی۔ پھر اس کی تبلیغ میں ساری مصیبتیں برداشت کیں۔ حضرت اسماعیل کو مکہ چھوڑنا، ذبح کرنا۔ پھر فلسطین کو ہجرت کرنا، آپ کے کردار میں اللہ کے لیے اخلاص اور اس کے احکام کی مکمل، انتہائی اعلی درجہ پر، تابعداری۔ انسانوں کے لیے محبت، کی وجہ سے آپ کی ذات کو ایک جماعت (امت) تصور کیا گیا کہ اپ کا اللہ کے ہاں مقام ایک فرد کے برابر نہیں بلکہ ایک بڑی جماعت (امت) کے برابر ہے۔ آپ کا راستہ حق کا راستہ تھا۔

امت کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ جماعت یا گروہ، جو کسی ایک امر (مقصد) پر اکٹھا ہو، وہ ایک امت ہے۔ خواہ مذہب ہو یا زمانہ زندگی یا کوئی ملک یا کوئی مقام ہو۔ ان میں اشتراک پر وہ ایک امت ہیں اور یہ وہ اپنے اختیار یا بغیر اختیار کے اکٹھے ہوں، مثلاً دین پر اختیار ہے لیکن ملک یا زبان یا زمانہ کے لوگ ہونے پر نہیں۔

نبی ﷺ سے بھی فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم کے اخلاص، توحید کو اختیار کیا جائے اور نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا اور حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر اور اصل توحید کو نافذ ہونے پر آپ کو ناز تھا۔ اس لیے آپ حضرت ابراہیم کی دعا کا نتیجہ تھے (بحوالہ حدیث)۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ہفتے کے دن (کی تعظیم) کو تو ان لوگوں پر ضروری قرار دیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور بے شک آپ کا رب ان کے مابین قیامت کے دن اس امر کا فیصلہ کرے گا۔ جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

کفار مکہ کو یہود کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ سبت کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں وہ ان کی اپنی ہے۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالی کے ہاں جمعہ کا دن ہے۔ یہود نے سبت کا ترجیح دی اور احکام کی مخالفت کی جس کی وجہ سے سختی آئی۔ اسی طرح عیسائیوں نے

بھی جمعہ کی بجائے اتوار کو ترجیح دی اور مسلمانوں نے جمعہ کو ہی ترجیح دی۔ یہ اختلاف جو امتوں میں یا مذاہب میں ہے۔ جبکہ یہ مذہب دراصل توحید پر مبنی تھے اس کے بارے میں کوئی کہاں تک صحیح ہے۔ اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ فرمائیں گے۔

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ۝

(اے مخاطب) اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت، حکمت اور اچھے واعظ و نصیحت کے ساتھ دیجیے اور ان سے (اگر بحث ہو) احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ یقینا آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے، جو اس کے راستے سے بھٹک گئے اور وہی (اللہ) ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ۝

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ‌ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ۝

اور آپ (اے نبی) صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں۔ جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ۝

بے شک اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور احسان پر عمل پیرا ہیں۔

دعوت و تبلیغ کے اعلی اصول:۔

کفار مکہ کی دشمنی، اسلام اور نبی علیہ اسلام کی دعوت سے انکار، قرآن اور اسلام پر اعتراض اور یہ سلسلہ کئی سالوں تک جاری تھا۔ اللہ تعالی نے اس کام میں آنے والی مشکلات کے حل کے لیے بہترین اصول بیان فرمائے۔ ساتھ ہی فرمایا، کہ اپ دل تنگ یا پریشان نہ ہوں۔ ان کے مکر ختم ہو جایں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ یہ اصول کسی بھی دعوت کے لیے مذہبی ہو یا تجارتی مارکیٹنگ کے لیے بڑے کامیاب ہیں۔ دعوت کا مطلب ہے بلانا، انبیاء کا پہلا فرض منصبی تھا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں۔ اور اس دعوت کا طریقہ کار بتایا گیا ہے جو انتہائی اعلی اور علمی ہے، جسکے اہم امور (۱) حکمت اور (۲) موعظہ حسنہ اور (۳) مجادلہ احسن ہیں۔

حکمت:۔

حکمت کا مطلب ہے بات دانائی سے کی جائے۔ اندھا دھند تبلیغ یا مقصد بیان نہ کیا جائے۔ بلکہ مخاطب کی ذہینت، استعداد اور صلاحیت کے مطابق، موقعہ کی مناسبت سے بات کی جائے۔ ہر طرح کے لوگوں سے ایک ہی کی طرح کی بات نہ ہو۔ ایک روایت کے مطابق لوگوں سے ان کے عقل کے مطابق بات کی جائے۔ (تکلم الناس علی قدر عقولھم)۔ جس گروہ یا شخص سے معاملہ ہے، اس کو دیکھا جائے۔ (غور کیا جائے) پھر دلائل کے ساتھ اسے قائل کیا جائے جو اس کے دل و دماغ پر اثر کرے۔ اس کی توضیح یوں

ہے کہ گروہ یا ٹارگٹ مارکیٹ کا تجزیہ کیا جائے۔ ان کا علمی، سماجی، ثقافتی اور جغرافیائی معلومات کو دیکھ وعظ و نصیحت کا انتخاب کیا جائے۔

موعظہ حسنہ:۔

عمدہ نصیحت دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ ا۔ مخاطب کو صرف دلائل سے ہی مطمئن نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی متاثر کیا جائے۔ برائیوں، گمراہی کو محض عقلی طریقہ سے رد نہ کیا جائے، بلکہ فطرت کے مقاصد اور برے نتائج کا خوف بھی دلایا جائے۔ عمومی فوائد و نقائص بیان کیے جائیں۔ دلائل یا راہنمائی، اور عمل صالح کی صرف خوبی، عقلی دلائل پر منحصر نہ ہو، بلکہ رغبت اور شوق پیدا کیا جائے۔ ۲۔ نصیحت یا ہدایت ایسے طریقے سے کی جائے، جس میں مخاطب کی خیر خواہی ظاہر ہو۔ اس کا اہتمام و خیال ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ اسکی اہمیت نہیں، بلکہ اسے ناصح کے دل میں اسکی محبت اور بھلائی کا احساس محسوس ہو۔ یہ اگر دو طریقے کامیاب نہ ہوں، تو تیسرا مرحلہ مجادلہ احسن ہے۔

مجادلہ احسن:۔

یعنی دلائل کے جوابات سے، لیکن بحث میں مناظرہ بازی، ذہنی دنگل، کج بحثی، مخاطب کو محض نیچا دکھانا۔ الزام تراشی، بہتان، پھبتیاں جس کا مقصد مخاطب کو چپ کرانا یا اپنی زبان آوری کے جوہر دکھانا، نہ ہو۔ بلکہ شریں کلامی پر اعلی درجہ کا شریفانہ اخلاق، معقول اور دل پسند دلائل جس سے مخاطب کے اندر ضد یا ہٹ دھرمی پیدا نہ ہو۔ آسان، سادہ طریقہ سے سمجھانے کی کوشش کی جائے اور جب محسوس ہو کہ مخاطب، صرف کج بحثی یا ضد پر اتر آیا ہے، تو اسے اس کے حال پر چھور دیا جائے۔ تا کہ ضد سے وہ مزید گمراہی میں یا مخالفت میں دور تک نہ نکل جائے۔ یہ وہ اعلی، علمی، مارکیٹنگ مینجمنٹ کے اصول ہیں جو قرآن مجید نے کئی دفعہ ذکر کیے ہیں۔ تمام انبیاء کرام نے اپنی تبلیغ میں ان کو استعمال کیا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے، کہ

حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ لہذا جیسے اسے ملے اسے حاصل کرے۔ تمام علما اور مبلغین کو ان تعلیمات کی پابندی ضروری ہے۔ تشدد اور ضد سے بچنا فرض ہے۔

بدلہ کا میعار:۔

اگلی آیات (۱۲۶۔۱۲۸) بھی انسانی معاملات کے لیے روشن مینار ہیں۔ لڑائی یا جھگڑا کی صورت میں صرف اسی قدر بدلہ لیا جائے، جس قدر نقصان ہوا ہے۔ طاقت ور ہونے کی صورت میں بھی انصاف کرنا بہت ضروری ہے۔ ان آیات کے شان نزول کے بارے میں کہا گیا ہے، کہ غزوہ احد میں کفار مکہ نے مسلمان شہدا کی لاشوں کو مسخ کر دیا تھا۔ اعضاء کاٹ دیے۔ جو شدید نفرت کا اظہار تھا۔ انصار کے کافی افراد شہید ہوئے۔ صحابہ نے عہد کیا کہ وہ بھی کفار کے ساتھ جنگ میں ایسا کریں گے۔ پھر ان آیات کے ذریعہ بدلہ کو صرف واقعہ (یعنی انصاف) کی حد تک محدود کیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر معافی اور صبر کا حکم دیا اور صبر کرنے والوں کے اعلی مقام کا ذکر کیا۔ نبی علیہ اسلام نے اس کی اعلی مثال فتح مکہ کے موقعہ پر قائم کی۔ جبکہ سب سابقہ دشمن زیر تھے۔ لیکن سب کو

معاف کر دیا گیا۔ صبر کی عظیم دولت بھی اللہ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر مشکل میں صبر کرنے اور دل کو پریشان نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اہل صبر اور اہل تقوی کا درجہ ظاہر فرمایا، کہ وہ احسان، بھلائی، نرمی، معاف کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ کے ہاں انکا اعلی مقام ہے۔

اہل سلوک وصفا کے لیے بدلہ کا معیار، تمام رذائل کو انسانی کردار سے نکال دینا ہے۔ صبر سے ان کا مقصود، درجات کی بلندی کے لیے مزید کوشش اور مصائب کا خیر مقدم کرنا ہے۔ آخری آیات مبارکہ انسانی کردار اور کسی بھی معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے بہت ضروری ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سورت کی ابتداء اللہ کے عذاب سے بچنے اس کی ذات کی بلندی و عظمت سے شروع ہوئی اور انتہا، متقیں اور محسنین کے کردار کی اہمیت پر ختم ہوئی۔

سورت النمل کی تفسیر مکمل ہوئی اللہ تعالی ہمیں علم نافع اور قرآن مجید کے اسرار سے آگاہی عطا فرمائے۔ حرمت قرآن عظیم ورسول کریم علیہ التسلیم کے طفیل قبول فرما کر خلق خدا کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین۔

۱۷۔ سورت بنی اسرائیل

تعارف:۔

سورت کا نام بنی اسرائیل ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کا ذکر آیت نمبر ۴ میں ہے۔ بعض علماء نے اسکا نام الاسراء، کہا ہے، جو پہلی آیت میں مذکور ہے، جس کے معنی رات کا سفر کرنا ہے۔ جس سے مراد معراج النبی کا سفر ہے۔ اکثر مفسرین اور آثار سے اس کا نام، بنی اسرائیل ہے۔

اس کا نزول مکہ شریف کے ایام میں ہوا اور واقعہ معراج ہجرت سے تقریباً بارہ سے سولہ ماہ قبل ہے۔ سورت نزول کے اعتبار سے پچاسویں (50) اور ترتیب کے لحاظ سے سترھویں (70) ہے۔ اس کا نزول سورت القصص کے بعد، سورت یونس سے پہلے ہے۔ اس میں ایک سو گیارہ (111) آیات اور بارہ (12) رکوع ہیں۔

اس کی ابتداء واقعہ معراج سے اور کفار مکہ کے رد عمل کا ذکر ہے۔

توحید اور ذات باری تعالیٰ پر عقلی سائنسی دلائل ہیں۔ کفار کو آل فرعون کے کردار اور انجام سے عبرت حاصل کرنے کا بتایا گیا ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں ذکر ہے۔ نماز تہجد اور مقام محمود کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انسان پر نعمتوں اور اسکی قدرت کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کی برکات اور اس کے نزول میں ترتیب کا ذکر فرمایا۔ حضرت موسیٰ کے معجزات کا ذکر اور آخر میں اللہ تعالیٰ کے تقدس اور بلند صفات کا ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے (خاص) بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکتیں دیں تاکہ ہم اس (خاص بندہ) کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی بہت سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

واقعہ معراج النبی:۔

واقعہ معراج النبی کے بارے میں اکثر علماء محدثین و مفسرین کی رائے ہے، کہ ہجرت سے بارہ یا سولہ ماہ قبل جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کعبہ میں عشاء کے بعد سو رہے تھے۔ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور سفر کے لیے کہا۔ وہاں سے براق سواری (جو کہ خچر کے مشابہ جانور تھا) جس کا ایک قدم منتہائے نظر تک ہوتا تھا۔ یعنی روشنی کی رفتار تھی، پر سوار ہو کر بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں نماز میں انبیاء کی امامت کی۔ وہاں سے پھر آسمانوں پر گئے۔ مختلف آسمانوں کے مقامات، پھر عرش معلی اور سدرہ کے مقام کا ذکر ہے۔ اس سفر کے دوران مختلف مناظر کا ذکر ہے۔ جو ہمارے لیے بڑے اہم ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک جسمانی معراج، صرف مسجد اقصیٰ تک تھا، کی رائے، لیکن اکثریت کی رائے، کثرت احادیث کی بنا پر جسمانی معراج کے حق میں ہے۔ کچھ نے صرف

روحانی معراج کا ذکر کیا ہے، لیکن آیات کریمہ اور متعدد احادیث جن کے پچیس عدد راوی ہیں، سے جسمانی معراج ثابت ہے۔ کچھ تاریخی واقعات نے بھی اس کو ثابت کیا ہے، جیسے کفار کے سوال کرنے پر آپ ﷺ نے مسجد اقصی (شام) کی طرف سے تجارتی آنے جانے والے قافلوں کے بارے میں خبر دی، جس کی بعد میں تصدیق ہو گئی۔ اس طرح شاہ روم کے دربار میں ابوسفیان بن حرب کی موجودگی میں، جو اس وقت مسلمانوں کے زبردست خلاف تھے۔ ایک مسجد اقصی کے پادری نے اس بات کی تصدیق کی، کہ ایک رات مسجد اقصی کا وہ بڑا دروازہ بند نہ کر سکے، اور جب صبح گئے تو وہاں لوگوں کے پاوں کے نشان تھے، جیسے نماز پڑھی گئی ہو۔ اس وقت بھی مسجد اقصی کے وسیع احاطے میں نیچے کی جانب، وہ مقام محفوظ ہے، جہاں براق (سواری) کو باندھا گیا اور نماز پڑھائی گئی۔ اندازہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کو واقعہ معراج ہوا۔ (روضتہ الاحباب سید جمال الدین محدث)۔ روایات میں تاریخ کے بارے اختلاف بھی ہے۔

جب آپ نے صبح کو اعلان کیا، تو کفار مکہ (قریش) نے مذاق اڑایا۔ اسی کو مذاق کے طور پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا، تو آپ نے فوری تصدیق کر دی۔ کچھ مسلمان بھی حیرت زدہ ہو گئے اور اسے ناممکن سمجھا۔ سفر معراج پر ہی پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ ایک روایت میں سفر سے پہلے آپ کا سینہ مبارک (حلق سے نیچے ناف تک) کو چاک کر کے صاف کر کے دوبارہ جوڑ دیا گیا۔ یقینا اس عمل سے، اہم سفر معراج کے لیے قوت اور استعداد میں اضافہ مقصود تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ معراج میں نورانی سیڑھی کے ذریعے بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ سیڑھی اوپر چڑھنے کا ذریعہ ہے، جیسے آج کل متحرک سیڑھی، لفٹ یا راکٹ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نظام کے ذرائع استعمال فرمائے۔ جن کو سامعین کی سمجھ یا وضاحت کے لئے نبی ﷺ نے بیان کیا۔

موجودہ دور میں خلاء میں رہنا، زمین کی حدود یا کشش سے باہر نکلنا، ایک عام عمل ہے۔ جس کے ذریعے مصنوعی سیارے فضاء میں چھوڑے جاتے ہیں۔ اب مریخ (Mars) پر تجارتی پرواز کا منصوبہ زیر عمل ہے۔ سائنسی شوائد حسی یا برقی (الیکٹرانک) بنیاد پر ہوتے ہیں۔ معلومات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے اس کو یقین کرنے میں مزید وقت لگے گا۔ بحثیت مسلمان یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ مختلف صحابہ اکرام نے مختلف مواقع پر سفر معراج کی تفصیل بیان کی۔ جس طرح اور جتنا، جس نے سنا، اس کے مطابق بیان کر دیا، جس کی وجہ سے واقعات کی ترتیب و تشریح کی روایات میں کچھ اختلاف بھی ہے۔

مکاشفات معراج: لمحہ غور و فکر:۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے سبحان الذی اسری بعبدہ، آیت کی تشریح میں فرمایا، کہ میرے پاس ایک گھوڑی یا خچر (سواری) لائی گئی۔ اس پر مجھ کو سوار کر دیا گیا۔ آپ نے فرمایا، اس کا قدم حد نگاہ پر تھا۔ آپ سوار ہوئے، اور آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ اسلام بھی چلے۔ (چونکہ حضرت جبرئیل فرشتہ تھے، لہذا آپ کی رفتار بھی اسی سواری کی رفتار کے برابر تھی)، اور سواری بھی نور (روشنی) کی تھی۔ کیونکہ اس کا قدم حد نگاہ تک تھا۔ یعنی روشنی کی رفتار تھی۔ آپ

ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے، جو ایک دن فصل بوتی اور دوسرے دن کاٹ لیتی (پک جاتی)۔ اور جس قدر وہ فصل کاٹتے تھے، اتنی ہی فصل بڑھ جاتی۔ آپ نے کہا، اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا، یہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں۔ (اخلاص کے ساتھ نیکی کرتے ہیں)۔ ان کی نیکیوں کو سات سو گناہ تک بڑھا دیا گیا ہے اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، (اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ)، اللہ تعالی اس کے بدلے میں اور چیز لے آتا ہے۔ وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

نماز کو چھوڑنا:۔

پھر آپ ایک ایسی قوم سے گزرے جن کے سروں کو کچلا جا رہا تھا۔ اور جب سر کچل دیا جاتا۔ تو وہ سر پھر درست ہو جاتا اور ان کو مہلت نہ ملتی (کہ سر پھر کچل دیا جاتا)، اے جبرئیل: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر (فرض) نماز کے وقت بھاری ہو جاتے تھے۔

زکوۃ نہ دینا:۔

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس گئے جن کے آگے اور پیچھے کپڑے کی دھجیاں تھیں۔ اور وہ جہنم کے کانٹے دار درخت زقوم کو جانوروں کی طرح چر، چگ رہے تھے۔ اور جہنم کے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے۔ میں نے کہا اے جبرائیل: یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے مالوں کی زکوتہ ادا نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالی نے ان پر بلکل ظلم نہیں کیا، اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے (ان کی نافرمانی کی سزا ہے)۔

زناکار کی سزا:۔

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے، جن کے سامنے دیگچوں میں پاکیزہ گوشت پکا ہوا تھا۔ اور دوسری جانب سڑا ہوا خبیث گوشت رکھا ہوا تھا۔ وہ سڑے ہوئے خبیث گوشت کو کھا رہے تھے، اور پاکیزہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں (جبرائیل) نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں، جس کے پاس حلال اور طیب بیویاں تھیں۔ وہ ان کو چھور کر رات بھر بدکار عورت کے پاس رہتے تھے۔

راستے میں تکلیف کا سبب بننا:۔

پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے جو، ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے اور اللہ تعالی فرماتا ہے "اور ہر راستہ میں اس لیے نہ بیٹھو کہ لوگوں (مسلمانوں) کو ڈراؤ۔ (الاعراف ۸۶)۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے، جو لوگوں کا راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں۔

امانت داری:۔

پھر ایک شخص کے پاس سے گذرے، جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر لیا تھا، جس کو وہ اٹھا نہیں سکتا تھا۔ وہ اس گٹھے میں مزید لکڑیاں ڈالنا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا، یہ آپ کی امت میں سے وہ شخص ہے، جس کے پاس امانتیں تھیں، وہ ان کو ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اور وہ مزید امانتیں رکھ لیتا۔

فتنہ پرور خطیب، واعظ:۔

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے، جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کے انگاروں سے کاٹے جاتے تھے، اور جب بھی ان کو کاٹ دیا جاتا، وہ پھر پہلے کی طرح ہو جاتے، اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی۔ آپ نے کہا، اے جبرئیل: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے فتنہ پرور خطیب ہیں۔

جھوٹی خبر:۔

پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے پتھر سے ہوا، جس کے سوراخ سے ایک بڑا بیل نکلا، پھر وہ بیل اس سوراخ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ لیکن داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں (جبرائیل علیہ السلام) نے کہا، یہ وہ شخص ہے، جو بری (بڑی) بات کہہ کر اس پر نادم ہوتا ہے۔ اس کو واپس لینا چاہتا ہے اور واپس نہیں لے سکتا۔ پھر آپ کا گزر جنت اور پھر دوزخ سے ہوا۔ ان کی کیفیات بیان فرمائیں۔ آپ نے انبیاء کی نماز کی امامت کا بھی ذکر فرمایا (بحوالہ امام بہیقی - دلائل النبوہ)۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ موجودہ مسلمانوں عامتہ الناس کے علاوہ، بالخصوص وہ اہل علم و اہل طاقت (حاکم) افراد کا کردار کیسا ہے؟ ان مکاشفات میں جن عیوب و جرائم کا ذکر ہے، وہ کس کثرت سے ان میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان کا انجام وہی ہو گا، جو نبی ﷺ نے بتا دیا ہے۔ یوم محشر کس قدر قابل افسوس ہو گا۔ کہ یہاں (دنیا) میں محبت و عشق کا دم بھرنے والے اور نام کے شیدائی، اپنے کردار میں تضاد و نفاق کی وجہ سے کس شفاعت کی توقع رکھتے ہیں۔ جس دن حقیقی عدل ہو گا۔ اور ہر آدمی اپنے عمل کا بدلہ پائے گا۔ ایک اور حدیث کے مطابق جب کوئی بدکار آپسے آپ سے شفاعت کی درخواست کرے گا۔ تو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے آپ منہ موڑ لیں گے۔

ع   از نگاہ مصطفیٰ پنہاں گیر

(میرے اللہ: قیامت کے دن مجھے میرے نبی مصطفیٰ ﷺ کی نظر سے میری بداعمالیوں کی وجہ سے اوجھل رکھیں)۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت دینے والا بنایا تھا کہ تم میرے سوائے کسی کو اپنا کارساز نہ قرار دینا۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

(اے) ان لوگوں کی اولاد! جن، کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ بے شک وہ (نوح) بڑے شکر گزار بندے تھے۔

وَ قَضَيۡنَاۤ اِلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا كَبِيۡرًا۝

اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کر کے بنی اسرائیل کو بتا کر دیا تھا کہ تم ضرور دوبارہ زمین میں فساد کرو گے اور تم بڑی سرکشی کرو گے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ‌ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا۝

چنانچہ جب ان دو میں سے پہلے وعدہ کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دِیے جو سخت جنگجو تھے اور وہ تمہارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے اور یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا تھا۔

ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا۝

پھر ہم نے تم کو دوبارہ ان پر غلبہ دیا اور ہم نے مال و دولت اور اولاد کے ساتھ مدد کی اور ہم نے تمہاری نفری (تعداد) کو بڑھا دیا۔

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ‌ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا‌ ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا۝

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنی ہی جانوں کے ساتھ کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو وہ بھی تمہارے لئے ہو گی۔ چنانچہ جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ایک اور قوم ان پر غالب ہوئی) تا کہ وہ تمہارے چہرے سیاہ کر دیں اور مسجد اقصی میں داخل ہو جائیں جیسے پہلے داخل ہوئے تا کہ وہ غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر دیں۔

عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ عُدْتُّمۡ عُدۡنَا‌ ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا۝

قریب ہے تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم دوبارہ سرکشی کرو گے تو ہم بھی دوبار (وہی معاملہ) کریں گے۔ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنا دیا ہے۔

یہود کی تاریخ عروج وزوال:۔

یہود کی تاریخ اور کردار کا ذکر ہے، اور اس کے ساتھ اللہ نے تمام قوموں کے عروج وزوال کے اسباب بھی ذکر فرمائے ہیں۔ یہ واقعات اسلام سے تقریباً ہزار سال سے زیادہ قبل عرصے کے ہیں۔ اور قرآن کا اعجاز ہے، کہ نہ صرف واقعات ہوے، بلکہ پہلی کتب سماوی (تورات، زبور / انجیل) میں ان کا ذکر ہے۔ مرقس کی انجیل باب ۶ ایت ۷ تا ۲۹، متی کی انجیل، باب ۱۴، ایت ۳۔۱۲ نیا عہد نامہ۔ حضرت نوح کے طوفان کے بعد صرف مومنین اس دنیا میں باقی رہ گئے تھے۔ اور مشرق وسطی کے علاقوں میں ساری اقوام ان کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت نوح اور ان کی اتباع کرنے والے شکر گزار بندے تھے۔ حضرت موسی کو، تورات اور بنی اسرائیل کی ہدایت کی ذمہ داری دی گئی۔ اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو حضرت یوسف کے ذرِیعے مصر میں عزت واعزاز دیا۔ پھر ان کی بد اعمالی کے سبب ان پر قبطی لوگ غالب آ گئے اور ان کو غلام بنالیا۔ حضرت موسی علیہ السلام کے بعد، دو دفعہ ان کی بد اعمالی کی سزا دی گئی۔

یہ تمام قوموں کے لئے اصول ہے، کہ جب تک وہاں معاشرہ، انصاف اور اچھے اصولوں پر رہتا ہے، اور اس کا معیار اس زمانے کے لحاظ سے ہے، تو وہاں دوسری قوم ان پر طاقت کے ذریعے غلبہ اور ان کی تباہی نہیں کرتی ہے۔ یہ قانون، اللہ تعالی کے ماننے، یا نہ ماننے والے، دونوں قسم کے معاشروں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہودی، اللہ تعالی کو ماننے والے ہیں۔ جب اللہ کے احکام کے مطابق عبادات و معاشرت کو چھوڑ دیا، تو ان پر ایک دفعہ جالوت مسلط کر دیا گیا۔ جالوت کی موت، طالوت کی قیادت میں حضرت داود علیہ السلام نے اسے قتل کیا اور یہ ظلم کی طویل رات ختم ہوئی۔ بنی اسرائیل کو حضرت داود اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی قیادت ملی۔ جس نے سلطنت اسرائیل کو بہت وسیع کیا۔ مسجد اقصی کی تعمیر، حضرت داود اور حضرت سلیمان نے کی۔ یہ ان کا سنہری دور تھا۔ اس دور کے بعد بنی اسرائیل پھر ظلم و ستم پر اتر آئے۔ تورات و زبور، کے احکام پس پشت ڈال دیے۔ قانون تعزیرات کی مرضی سے تنفید کرتے رہے۔ انبیاء کو قتل کروایا۔ اللہ تعالی نے پھر، بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ذریعہ سزادی۔ بخت نصر نے یروشلم کو تباہ کیا۔ ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا۔ مسجد اقصی جلا دی۔ بخت نصر مجوسی تھا۔ یہودیوں کو قید کر لیا۔ ان بادشاہوں کے نام میں اختلاف بھی ہے۔ یہ واقعات اسرائیلات کا حصہ ہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ جب احکام خداوندی خواہ عبادات کے ہوں یا معاملات کے ان میں کوتاہی کی جائے تو اللہ تعالی کسی اور قوم کے ذریعہ اس قوم کو سزا دیتے ہیں۔

قانون مکافات برائے اقوام:۔

ایک اہم فیصلہ بیان فرمایا: کہ اگر تم نیکی کرو گے تو تمہارے فائدے کے لئے ہو گی۔ اور اگر برا کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے لئے برا ہو گا۔ قوموں کی سزا کا طریقہ افراد کی سزا سے مختلف ہے۔ افراد کو تو پکڑ کر سزا دی جاتی ہے۔ اور قوموں کی سزا، کا طریقہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے، کہ ان پر کوئی اور قوم غالب آ جاتی ہے۔ قتل و غارت مقدس مقامات و آثار کی تباہی کر دیتی ہے۔ پھر اگر معاشرے کے افراد توبہ کریں، اپنا کردار بدل دیں، تو اللہ تعالی انہیں عزت دے دیتا ہے۔ اور اگر پھر غلطی کریں تو ان کو دوسری قوم کے ذریعے سزا ملتی ہے۔ اس کے علاوہ شرک کی وجہ سے آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ قانون تمام انسانوں کے لئے ہے۔

مسلمانوں کا عروج و زوال:۔

یہی اصول مسلمانوں پر بھی لاگو ہوا۔ اللہ کے دین (اسلام) کی برکت نے خلفائے راشدہ کی حکومت کے دوران امت مسلمہ کو عظمت عطا ہوئی۔ اور مسلمان اپنے نظام عدل، معاشرت و معیشت میں مساوات، علم دوستی کی بنا پر دنیا کی عظیم تہذیب و تمدن بن گئے۔ جب حکمران عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ اللہ کے احکام بالخصوص، انصاف، خدا خوفی، انسانی حقوق سے منہ موڑ لیا، تو نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ دوسری قوموں نے ان کو تباہ کر دیا۔ مشرق وسطی میں جب بغداد کے بادشاہ عیاشیوں میں پڑ گئے، تو منگولوں نے ختم کر دیا۔ پھر ترک حکمرانوں نے اپنے اعلی کردار پر حکومت قائم کی، جب وہ عیاشی میں پڑ گئے تو وہ بھی ختم ہو گیے۔

یہی مغلوں کے ساتھ ہندوستان میں ہوا۔ پھر مسلمانوں پر یورپی طاقتیں حاوی ہو گئیں، جو آج تک غالب ہیں۔ بد قسمتی سے کوئی ایک بھی ایسا ملک نہیں جہاں خلاف راشدہ کی مثال قائم ہو۔

یہی آئین قدرت ہے، یہی اسلوب فطرت ہے

جو ہے راہ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۟ۙ

بے شک قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک (بھلائی) کے کام کرتے ہیں کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۟۠

اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کرنا ہے۔

مکافات عمل (جزاو سزا) کے بعد رہنمائی کی ضرورت اہم ہوگئی، تاکہ انسانیت عذاب و ظلم سے بچ جائے۔ قرآن مجید کی صورت میں ہدایت کا ذکر کیا، کہ یہی سیدھی حق کی راہ بتاتا ہے اور بھلائی خیر کی تاکید کرتا ہے۔ ضروری حقوق اللہ اور حقوق العباد موجود ہیں۔ جو نیکی کے کام کریں گے، ان کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت بڑا اجر ہے۔ آخرت پر ایمان ہو گا، تو جزاو سزا پر بھی ہو گا۔ یہ نیک اعمال کی رغبت اور برے اعمال سے بچنے کا محرک ہے۔ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے، شدید عذاب کا شکار ہوں گے۔ یہ ہدایات بار بار دہرائی گئی ہیں، کہ انسان اپنے لئے صحیح راستہ اختیار کرکے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۟

اور انسان برائی کی دعا ایسے مانگتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دعا ہو۔ اور انسان بڑا جلد باز واقع ہوا ہے۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۟

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا ہوا (اندھیر کے ساتھ) بنا دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا۔ تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم سالوں کی گنتی اور (مہینوں) کا حساب جان لو۔ اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۟

اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اسکے گلے میں لٹکا دیا ہے اور ہم قیامت کے دن اس کے اعمال نامہ (لکھا ہوا) نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۟ؕ

(کہاجائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ لو۔ آج تم خود ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہو۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

جو شخص ہدایت کی راہ پر چلتا ہے تو وہ خود اپنے فائدے کے لئے چلتا ہے، اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے، پس اس کی گمراہی کا نقصان بھی اسی کو ہو گا، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک (اس کے پاس) کوئی رسول (پیغمبر) نہ بھیج دیں۔

آخرت کی ہدایت اور نجات کا ذکر جاری ہے۔ انسانی نفسیات کا ذکر کیا کہ انسان اپنی ذہنی ساخت میں ذاتی مفاد کے لئے جلدی پسند ہے۔ بسا اوقات تکلیف پر گھبرا کر بددعا کرتا ہے۔ صبر اور غوروفکر نہیں کرتا، کہ یہ تکلیف اس کے لئے آسانیاں بھی لے آئی گی۔ دوسری طرف جو دوسرے تکلیف دیں، ان کے لئے بھی جلدی (غصہ میں) بدلہ اور بدعا کر دیتا ہے۔ لھذا صبر اور غوروفکر ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا، کہ روشنی اور اندھیرا، دو چیزوں کو پیدا کیا۔ روشنی نہیں تھی تو اندھیرا تھا۔ روشنی کے لئے سورج اور چاند پیدا کئے۔ سورج کی روشنی، انسانی زندگی، جدوجہد اور عمل کا وقت میسر کرتی ہے۔ اور رات کو چاند کی روشنی آرام کا وقت میسر کرتی، اور تاریخوں کی گنتی کو آسان بناتی ہے۔ جس سے ہماری زندگی میں مختلف کام اسلوب اور منظم طریقے سے چلتے ہیں۔ روشنی، اندھیرا، دن رات، کا ذکر بار بار فرمایا، تا کہ انسانوں کو ان کا فائدہ اور اللہ کی عظمت، قوت، کا احساس ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ سارے اعمال جو سورج کی روشنی یا رات کے اندھیرے میں کئے جائیں، وہ انسان کے ریکارڈ شدہ، اس کے گلے کا طوق یا تعویز ہیں۔ جو اس کے ساتھ رہتے ہیں اور جب موت آجاتی ہے، تو یہ ریکارڈ بند ہو جاتا ہے۔ قیامت کے دن انسان کو دکھایا جائے گا۔ اور وہ خود جب ان اعمال کو جو اس نے کئے ہیں جان لے گا۔ حدیث کے مطابق دو فرشتے (کراما کاتبین)، دائیں اور بائیں جانب متعین ہیں۔ دائیں والا نیکی اور بائیں والا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے۔ انسان کے اعضاء میں کسی حد تک شعور ہے۔ جس کی وجہ سے ہماری عادات یا جسم کی ضرورت بن جاتی ہیں اور جب تک وہ پوری نہ کی جائیں جسم کو آرام نہیں ملتا۔

انسانی اختیار اور سزا اور جزا:۔

اسلام نے ایک قانون انسانیت واضح کیا۔ کہ ہر آدمی اپنے عمل کا ذمہ دار ہو گا۔ کسی دوسرے کے عمل کی، اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ ہاں اس عمل سے منسلک کوئی عمل ہوا، تو اس کے کردار کی حد تک اس کو جزا و سزا ملے گی۔ ورنہ وہ صرف اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ اگر ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے، جس کے سارے اسباب، اللہ نے مہیا کر دیے ہیں، اور اسے کلی اختیار بھی دیا ہے۔ اس کا فائدہ انسان کو ہو گا۔ بڑا واضح ہے کہ یہ فائدہ، دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی میں بھی ہو گا۔ لھذا، اس کے اچھے اعمال، اللہ یا اس کے رسول یا معاشرے، پر احسان نہیں، بلکہ اس کا اپنا فائدہ ہے۔ اسی طرح اس کے برے اعمال کا نقصان اس کے عمل کی حد

تک، اس کو ہی ملے گا۔ اس دنیا اور آخرت میں سزا پائے گا۔ اگر دنیا میں کسی سبب سے نہ پاسکا تو آخرت کی زندگی میں عدل الٰہی کے مطابق پائے گا۔ جب اعمال نامے ظاہر ہو جائیں گے۔

معذور اور لاعلم:۔

اللہ نے اپنی مخلوق سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ وعدہ فرمایا ہے، اس وقت کسی قوم یا فرد کو سزا نہیں دی جائے گی، جب تک اس کو احکام کی اطلاع نہ دی جائے۔ اطلاع کے لیے انبیاءعلیہم السلام کی ذات متعین فرمائی ہیں۔ جنہوں نے اپنے وقت میں پیغام پہنچایا۔ اس آیت کی رو سے علمانے کہا ہے، کہ جن افراد تک اسلام یا نیکی یا اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا گیا، کہ وہ سمجھ سکیں، تو ان کو اللہ تعالی عذاب سے بچا دیں گے اور عذر قبول فرمائیں گے۔ اس موضوع پر رسول اللہ کی بھی احادیث مبارکہ موجو ہیں۔ تاریخ میں بھی عذاب الٰہی اسی وقت آیا، جب لوگوں نے معلومات کے باوجود نافرمانی کی۔ اسی اصول کے مطابق نابالغ اولاد، مسلمان ہو یا یا غیر مسلم، وہ عذاب سے محفوظ ہے۔ اسی طرح کا دماغی مریض (پاگل) بھی مستثنیٰ ہے۔

وَاِذَآ اَرَدۡنَآ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا۝

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحال (امراء حکمران) کو (اطاعت کے) احکام دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس معاشرے پر (عذاب) کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ تب ہم انہیں تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

وَكَمۡ اَهۡلَـكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ‌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا۝

اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا (انہیں) خوب دیکھنے والا ہے۔

امراء و حکمران طبقہ کے اثرات:۔

احکام، اعمال اور جزا و سزا کے اصول کے بعد عذاب کے اسباب اور نتیجہ کا ذکر فرمایا۔ یہ امور تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے ثابت ہو چکے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں احکام سے انکار کا سلسلہ اس کے امراء اور حکمران طبقہ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا تکبر یا معاشرے میں ان کا مقام ہے، جس سے لوگ مرعوب ہوتے ہیں۔ ان افراد یا اس طبقہ سے کئی طریقے سے عام افراد متاثر ہوتے ہیں۔

۱۔ ان کے علم و مرتبہ سے

۲۔ ان کی طاقت یا حاکمیت سے

۳۔ ان کی معاشرہ میں پوزیشن سے لوگ ان جیسا رویہ اپناتے ہیں۔

۴۔ ان کے فیصلوں سے متاثر ہو کر اور ان کی طرح فیصلے کرتے ہیں۔

۵۔ ان کا رویہ اس طرح کی سوچ والے افراد کو تقویت دیتا ہے۔

٦۔ امراء طبقہ کسی بھی معاملے کو اہمیت والا بنا دیتا ہے۔

ان اسباب کی وجہ سے، عدل کا نظام متاثر ہوتا ہے۔ کمزور اور غریب کے لئے قانون بدل جاتا ہے۔ طاقتور و امیر یا حکمران کے لئے مختلف تشریح کر کے، ظلم کی ابتداء شروع کر دی جاتی ہے، اور بلا آخر سارا معاشرہ ظلم و فساد سے بھر جاتا ہے۔ جو اللہ کے احکام عدل اور حقوق العباد کی شدید نافرمانی ہے۔ یہ قوموں کا طریقہ زوال ہے، جو طویل عرصہ پر محیط ہوتا ہے۔ پھر اس معاشرے پر اللہ تعالی تباہی کا فیصلہ فرما دیتے ہیں۔ اس طرح کے کئی معاشرے، حضرت نوح کے طوفان کے بعد (جب صرف مومنین ہی باقی رہ گئے تھے، پھر فاسقین، بن ہو گئے تھے) وہ معاشرے تباہ ہو گئے۔ لھذا ان امور سے درس عبرت لینا بہت ضروری ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۝

جو شخص (صرف) دنیا کا فوری طلب گار ہو ہم اس کو اسی دنیا میں سے جتنا (ہم) چاہیں دے دیتے ہیں، پھر ہم اس کا ٹھکانہ جہنم بنا دیتے ہیں۔ جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو گا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۝

اور جو آخرت چاہے (آخرت کی زندگی) اور اس کے لئے پوری پوری کوشش کرے، جب کہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش قابل قدر ہے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۝

ہم ہر ایک کو آپ کے رب کی عطا سے نوازتے ہیں، ان کو بھی اور ان کو بھی۔ اور تیرے رب کی عطا کسی سے روکی ہوئی نہیں (سب کے لئے ہے)۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۝

دیکھئے (آپ)! کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور آخرت کے درجات بہت بڑے ہیں اور اس کی فضیلت بھی بہت زیادہ ہے۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۝

تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو لائق عبادت نہ بناؤ (ورنہ) تم مذمت کئے ہوئے اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاوگے۔

اعمال کے اختیار، ان کی جزا و سزا اور پھر حکمران و امراء طبقہ کے سماجی و معاشرتی اثرات پر گمراہی پھیلنے کے اسباب کے بعد انسانوں کے رویے کا ذکر کیا۔ اس دنیا میں سب انسان اللہ کی مخلوق ہیں۔ لیکن زمین پر معاشرت اور زندگی کے لئے، لوگوں کے درمیان صلاحیت اور رزق میں اختلاف ہے۔ اور اختلاف اللہ تعالی نے پیدا فرمایا ہے۔ اس کی حکمت سے انسان کو دوسرے انسان کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور معاشرہ باہمی تعاون کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ انسان اپنی کوشش کرتا ہے۔ اور ہر کوشش کرنے والے کو،

اللہ تعالی اس کی کوشش کا صلہ دیتے ہیں۔ لیکن کچھ انسان اپنی خواہشات کے تحت اور ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے، اعمال کو دنیا کے فوائد اور آرام تک محدود کر دیتے ہیں اور اپنی آخروی زندگی کو بھلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالی نے رزق اور اس کے اسباب، سب انسانوں کے لئے رکھے ہیں۔ کسی کو بھی محروم نہیں رکھا۔ وہ اس میں اپنا حصہ لے لیتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ کیونکہ ایمان، عبادت اور نیک اعمال سے محروم تھے۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے، جو اپنی عاقبت کا خیال رکھتا ہے۔ ایمان، اخلاص اور اعمال صالحہ کے ساتھ رہتا ہے، کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی ترجیح آخرت کی حقیقی زندگی ہے۔ اللہ تعالی انہیں بھی دنیا میں ان کا حصہ دیتے ہیں۔ لیکن ان کے ایمان، اخلاص و عمل کی بدولت، آخرت کا حصہ بہت بڑا ہو گا۔ اور حقیقت میں آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ جو اس کو بھول گیا وہ خسارہ میں رہ گیا۔ انسان کو اپنے اعمال میں اخلاص (اللہ کی رضا) کو نہیں بھولنا چاہیے۔ اور صرف اللہ تعالی واحد و لاشریک کی عبادت کرے۔ ورنہ شرک کی وجہ سے سب اعمال، اخروی زندگی میں ضائع ہو جائیں گے اور انسان مذموم مقہور ہو جائے گا۔

وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۝

اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے نرم (ادب سے) بات کرو۔

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاؕ۝

اور ان کے سامنے رحم دلی اور عاجزی کے ساتھ بانہیں (بازو) پھیلا دو، اور کہو اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرمایے، انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۝

تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم صالح (نیک کام کرنے والے) ہو گے، تو بلاشبہ ان لوگوں کی خطائیں بہت معاف فرماتا ہے۔ جو کثرت سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پچھلی آیات میں انسانی کردار کا ذکر تھا۔ اور وہ لوگ جو اللہ پر یقین اور اعمال صالحہ کرتے ہیں۔ ان کے اعمال کی تفصیل اور ہدایات ذکر کی ہیں۔ یہ ہدایات آیت نمبر ۲۳ سے لے ۴۰ تک ہیں۔ اور تمام دنیا کے معاشروں میں ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ سارے اصول اسلامی معاشرہ اور قوانین کا حصہ ہیں۔ ان کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ نبی ﷺ نے ریاست مدینہ میں یہ اصول عملی طور پر نافذ کیے۔

والدین کے حقوق:۔

انسانی زندگی میں والدین کا اہم کردار ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے اپنی معبودیت کے بعد ان کا ذکر کیا۔ کہ ان کا ہر طرح سے خیال کیا جائے، نرمی، ادب، ان کی رضا، (خوش رکھنا) کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اگر اسلام کے خلاف حکم دیتے ہیں، تو تعمیل نہ کی جائے۔ لیکن احترام رکھا جائے۔ غیر مسلم ہونے کی صورت میں بھی، لحاظ و ادب رکھنا لازم ہے۔ کتب احادیث میں اس موضوع پر کئی ابواب ہیں۔ والدین میں والدہ کے حقوق زیادہ ہیں۔

۱۔ ایک حدیث کے مطابق والد کا غصہ ہی اللہ کا غصہ، اور والد کی رضا میں اللہ کی رضا ہے۔

۲۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کیا میں جہاد کروں؟ آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا، پھر تم ان کی خدمت میں جہاد کرو۔ (متعدد کتب احادیث)۔ماں باپ سے تلخ کلامی سختی سے منع ہے۔ ایک انصاری صحابی نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ، کیا میں باپ کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کے ساتھ کوئی نیکی کرنا میرے ذمہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ چار قسم کی نیکیاں ہیں (۱) ان کی نماز جنازہ پڑھنا۔ (۲) ان کے لیے استغفار کرنا اور ان کے عہد کو پورا کرنا۔ (۳) ان کے دوستوں کی تعظیم کرنا۔ (۴)۔ ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

یہ ان کے ساتھ وہ نیکیاں ہیں جو ان کی موت کے بعد تم پر باقی ہیں۔ اسلامی نظام معاشرت میں خاندان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اور خاندان کے افراد کے حقوق کا بہت اہتمام ہے۔ تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالی نے، اس سے ڈرنے والوں کو اور توبہ کرنے والوں کی خطاوں پر معاف کرنے کی خوشخبری بھی دی ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝

اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو بھی (حق) دو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاو

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝

بے شک فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا سخت ناشکرا ہے۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا۝

اور اگر کبھی تم کو ان (رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے، کہ تمہیں اللہ کی متوقع رحمت کا انتظار ہو، تو ایسے میں ان کے ساتھ نرمی سے بات کر لیا کرو۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ باندھ کر نہ رکھو اور نہ (ایسے فضول خرچ کہ) ہاتھ کو پوری طرح کھول دو، کہ پھر (نتیجہ میں) ملامت زدہ اور فقیر ہو کر بیٹھنا پڑے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

بلاشبہ آپ کا رب جس کے لئے چاہے رزق میں وسعت دے دیتا ہے۔ اور (جس کے لئے چاہے) تنگی پیدا کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝

اور تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو اور ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے۔

مستحق افراد:۔

اسلامی معاشرے کے اساسی اصولوں کو بیان کیا جارہا ہے۔ جن پر اہل ایمان عمل کر کے آخرت کی سعادتیں نصیب کر سکتے ہیں۔ والدین کے حقوق کے بعد معاشرے کے دوسرے افراد کے حقوق بیان کیے ہیں۔ ان میں پہلے رشتہ دار اور قریبی افراد، والدین اور بھائی، بہن ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے رشتہ دار، چچا، ماموں وغیرہ۔ پھر محرم رشتہ دار (جن سے نکاح کی اجازت نہیں) ہیں۔ اس کے علاوہ معاشرے کے دوسرے ضرورت مند افراد، مساکین، فقراء و مسافر ہیں۔ ان سب کے بارے میں حکومت کے علاوہ، افراد کو بھی ان کے خیال کا حکم دیا ہے۔ تاکہ معاشرہ میں محبت اور امن میں اضافہ ہو۔ ان کے ساتھ اخراجات میں فضول خرچی یا ضیاع کو منع کیا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، کہ کمزور فقراء اور محتاجوں کے لئے اہتمام کرے۔ لیکن اگر ریاست یا حکومت کے وسائل نہیں۔ تو افراد کے ذمہ بھی لگا دیا ہے۔ کتب احادیث و فقہ (قانون) میں، اس پر ابواب میں تفصیل موجود ہے۔ ۱۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ: اے ابن آدم! خرچ کر (مستحقین) پر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ (رزق میں اضافہ دوں گا)۔ (مسلم شریف)۔ اس سے مراد انسان، اہل عیال، مہمانوں، فقراء، مساکین، پر خرچ کرے۔ ۲۔ ایک اور حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔ اور جب بندہ کسی کو معاف کر دے تو اس کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے، اللہ اس کی مرتبہ بلند کرتا ہے۔ (مسلم شریف)۔

خرچ اور اعمال میں اعتدال (متوسط طریقہ):۔

خرچ اپنے لئے ہو یا کسی اور کے لئے، اس میں اسراف (ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا) سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ اور اسے شیطان کا عمل اور اس کے تابع قرار دیا ہے۔ جس قدر ضرورت ہو اتنا ہی خرچ کیا جائے۔ خرچ میں بخل یا کنجوسی نہ کی جائے، اس کو ہاتھ باندھنے کے مطابق قرار دیا ہے، کہ کچھ دیتا ہی نہیں۔ اسلام میں طریقہ اعتدال (متوسط) واجب ہے۔ اسراف کا تعلق، احوال کی نسبت سے ہے۔ کہ اس قدر خرچ نہ کرے کہ خود محتاج ہو جائے۔ ۱۔ عمرو بن شعیب اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو۔ اور لباس پہنو، بغیر تکبر اور اسراف کے۔ ۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جس شخص نے اعتدال اور میانہ روی اختیار کی، وہ تنگ دست نہیں ہو گا۔

(امام بیہقی)،۳۔ حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خرچ کرنے میں اعتدال اور میانہ روی، نصف معیشت ہے۔ (التدبیر نصف المعشیہ، والتود نصف العقل، والھم نصف الھرم، وقلتہ العیال احد الیسارین۔ الدر المنثور)۔

رزق کے دینے کے بعد، چونکہ رزق میں لوگوں میں برابری نہیں ہوتی۔ کسی کے ہاں، وافر اور کہیں ضرورت سے بھی کم ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں حکم ہے کہ اس میں مصلحت ہے، کہ لوگ دوسروں کو دیں۔ کسی صورت میں محنت کریں اور بسا اوقات رزق کی کمی گناہوں سے بچاتی ہے۔ اور اسی طرح رزق کی زیادتی بھی، نافرمانی سے روکتی ہے۔ پھر اس کمی بیشی میں ایک جیسا معاملہ نہیں رہتا۔ بلکہ آج کا فقیر، کل غنی اور آج کا امیر، کل غریب بھی ہو جاتا ہے۔ اس بنیاد پر جرائم کو نہیں اپنانا، بلکہ صبر اور کوشش کرنے کا حکم دیا ہے۔ رزق کے معاملے میں قبل از اسلام، عرب لڑکیوں کو مار دیتے، کہ وہ عار کا باعث ہیں۔ جسے بڑا گناہ اور قابل سزا جرم قرار دیا۔ اسی طرح اگر کوئی اپنی اولاد کو محض غریبی یا تنگی رزق کی وجہ سے مار دے تو یہ بھی جرم ہے۔ کیونکہ رزق کے اسباب اللہ تعالی نے سب کے لیے پیدا کیے ہیں۔ اور ان میں آبادی کے اضافہ کے ساتھ وسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جہاں آدمی، ناکارہ اور نالائق ہیں، وہاں کم آبادی میں بھی غربت ہے۔ جہاں آدمی سمجھدار اور محنتی ہے، وہاں کثرت آبادی کے ساتھ کثرت رزق اور معیشت مضبوط ہے۔ اولاد کی تربیت یا صحت کے پیش نظر، اپنی ذمہ داری کا احساس رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اولاد کی اچھی تربیت کرنا بھی فرض ہے۔ یہ موضوع سورہ انعام (آیت ۱۵۱) میں بھی گذر چکا ہے۔ (حدیث: قلتہ العیال احد الیسارین)۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝

اور زنا کے قریب نہ جاؤ بیشک وہ برائی ہے اور وہ برا راستہ ہے۔

وہ اصول جاری ہیں جو انسانیت کے لئے ایک خوبصورت اور کامیاب معاشرے کے لئے ضروری ہیں۔ اسلام میں خاندان کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ خاندان میں مرد، عورت (خاوند اور بیوی) کے ساتھ اولاد لڑکے اور لڑکیاں ہیں۔ پھر یہی والد، والدہ، دادا، دادی بنتے ہیں۔ ماموں اور چچا، اس طرح خاندان مکمل ہوتا ہے۔ اور ہر ایسا عمل جو خاندان کو ختم کرے، اس کو اسلام نے کم سے کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ خاندان محفوظ رہے اور توانا ہو۔ زنا کی ممانعت بھی اسی مقصد کا حصول ہے۔

فحاشی (زنا) اسباب و اثرات:۔

قرآن میں زنا کو فحاشی اور بدترین عمل قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اطلاق افراد اور معاشرے یا ریاست پر، برابر ہے۔ ہر فرد کے لئے ضروری ہے کہ ایسے مواقع یا اسباب، جو مرد اور عورت کے ناجائز جنسی تعلقات کا سبب بنیں، کو مناسب طریقہ سے روکے۔ مثلاً لباس، انداز، میک اپ، کے طریقے اور فلمیں، ڈرامے یا مضامین۔ دوسری طرف، ریاست کے لئے بھی ضروری ہے، کہ حفظ ماتقدم، ایسے اقدامات کرے جس سے خاندان آباد رہیں۔ زنا اور فحاشی کو کم سے کم کیا جا سکے۔ نکاح کی ترغیب، نوجوانوں میں، تنہائی میں اختلاط کے مواقع کم کرنا، روزگار کے لئے موزوں جنس کا لحاظ، مثلاً ٹیچنگ کے لئے خواتین کی ترجیح۔ روزگار کے

دوران ان امور کا اہتمام کرنا کہ علیحدگی رہے، تاکہ ناجائز جنسی تعلقات کو کم کیا جاسکے۔ اور اس کے ساتھ انسانی آزادی اور ذاتی پاسداری بھی رہے۔

پردہ کی ضرورت:۔

اسلام میں زنا کو روکنے کے لئے، پردہ (جسم کے اعضا کو ظاہر نہ کرنا) کا نظام اپنایا ہے۔ پھر کام کرنے والی عورتوں کو پردہ/ لباس کی تخفیف (رعایت) کی ہے۔ ان کا لباس ان کے کام کی وجہ سے، وہ اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک، چہرے اور پاؤں کو پنڈلی تک، کھلے رکھ سکتی ہیں۔ تنگ لباس، جس سے اعضاء کی ساخت واضح محسوس ہو یا نظر آئے سے منع کیا ہے۔ جنسی طور پر رغبت دلانے والے، انداز، لباس، میک اپ کو بھی ناپسند کیا گیا ہے۔ تاکہ جنسی جذبات کو ابھار کر، یرغمال نہ بنایا جائے۔ تمام خواتین کو ایک دوسرے پر جنسی مقابلے کی کیفیت سے منع کیا گیا ہے۔ جنسی ضرورت ایک فطری عمل ہے۔ اور جب بلوغت کی ابتداء ہوتی ہے، تو انسانی نظام کے مطابق جنسی رغبت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس رغبت کا اظہار شروع ہو جاتا ہے۔ انسان ساتھی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اسلام نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بلوغت کے ساتھ شادی کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ فطری اور جنسی ضرورت کو پورا کیا جاسکے۔ اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے، اس زمانے کے رواج کے خلاف، مرد اور عورت کو جو اکھٹے رہتے تھے، اگر ان کے لئے رہنا مشکل ہے تو طلاق کی اجازت بھی دی ہے۔ نکاح کا مقصد، عورت کی جوانی اور اس کی بڑھاپے کی بھی حفاظت ہے، تاکہ اس کی ذمہ داری کو مرد اٹھائے۔ اس کی فطری اور جنسی طبع کی وجہ سے، ماہواری، حمل، ولادت، پرورش اولاد کے لئے جو وقت اور کوشش درکار ہوتی ہے، اس کے لئے اس کو اپنے رہن سہن کی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ عورت کے، بحثیت انسان، سارے حقوق ہیں۔ وہ اپنی جائیداد اور ملکیت، احترام آزادی، طلاق و علیحدگی اس کا حق ہے۔ لیکن مغربی معاشرے میں سو سال پہلے تک، اس قسم کے قوانین نہیں تھے۔ جس کی وجہ سے، خواتین کو پہلی اور دسری جنگ عظیم کے بعد جدوجہد کرنا پڑی۔ اور آزادی نسواں نے مختلف انداز اختیار کر لیا۔ آزادانہ اختلاط، اسکے بعد، ناجائز تعلقات کی وجہ سے خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ مرد یا عورت کی اپنے گھر یا مرکز سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ جنسی دوستی رکھنے والے افراد کی، اولاد نہ ہونے کی صورت میں، زندگی میں ایک عائلی نظام نہ ہونے کی وجہ سے انسان، حیوانی طرز عمل اختیار کر لیتا ہے۔ اگر ان تعلقات کے نتیجے میں اولاد ہو، تو اس کی پرورش اور نسبت کا معاملہ بھی اہم ہے۔ اس سے بچنے کے لئے، اسلام نے نکاح کا اصول اپنایا ہے، تاکہ مشکلات پیدا ہی نہ ہوں۔ جو بچے والدین کے ساتھ پرورش نہیں پاسکتے، ان کی شخصیت میں کمی رہ جاتی ہے۔ جو ان کی عملی زندگی میں معاشرتی مسائل کا سبب بنتی ہے۔ زنا کی وجہ سے جنسی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ حمل کے بعد، مرد کا مادہ تولید، ماہواری نہ آنے کی وجہ سے عورت کے جسم میں رہ کر حمل کی غذا کا حصہ بن جاتا ہے۔ زنا کی وجہ سے، مختلف مذکر افراد کے ہارمون کی کیفیت مختلف ہوتی ہے، جس کی وجہ سے دوران حمل بچے کی نشوونما پر اثر پڑتا ہے۔ یہ طبی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے۔ زنا کی وجہ سے چونکہ مختلف مرد اور مختلف عورت کے تعلقات پیدا ہوتے

ہیں، جس کی وجہ سے جھگڑے اور فساد جنم لیتے ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات صرف جنسی ضرورت نہیں، بلکہ تمدنی اور معاشرتی ضرورت بھی ہے۔ جو صرف ایک ساتھ، ایک جگہ میں مل کر رہنے سے ہوتی ہے، جسے شادی کہاجاتا اور نکاح اس کا اعلان ہے۔

مغرب میں کئی اداروں نے موجودہ انسانی آزادی کے تحت خاندانوں میں علیحد گی (طلاق) کے بڑھتے رجحان کا اندازہ لگایا ہے جس کا نتیجہ بیان کر دیا ہے۔ (نیشنل سنٹر برائے بائیو ٹیکنالوجی انفارمیشن)۔ اگر اسباب کا تجزیہ کیاجائے، اور اسلام نے جو حل دیا ہے، اس کے تناظر میں، یہ مسائل کافی حد تک ختم ہوسکتے ہیں۔ سارے مسائل سراسر ختم نہیں ہوسکتے۔ انسان کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن کمی وبیشی کی جاسکتی ہے۔ درج ذیل علیحد گی کے اسباب ہیں۔

۱۔ سب سے بڑا سبب جو کہ ۵۹ فیصد ہے۔ وہ شادی شدہ، عورت یا مرد کے دوسروں سے جنسی تعلقات ہیں۔ جس کے بارے اسلام نے سخت سزا رکھی ہے۔ کوئی برا عمل کرے یا محض الزام لگائے دونوں صورتوں میں سخت سزا ہے۔

۲۔ دوسرا بڑا سبب، جھگڑے ہیں۔ چونکہ خاوند اور بیوی، دونوں کام کاج کی وجہ سے مختلف اوقات کی وجہ سے پابند ہو جاتے ہیں۔ پھر معاشی طور پر ایک دوسرے کی ضرورت نہیں رہتی، جس کی وجہ سے جھگڑے بڑھ جاتے ہیں۔ چونکہ عورت اپنی ذاتی آمدن کے سبب علیحدہ ہو جاتی ہے۔ اسلام نے اس کا حل یہ کیا، کہ خاوند اور بیوی کو ایک یونٹ بنادیا۔ اور اس کی انتظامی سربراہی مرد کے پاس ہے۔ عورت کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے۔ اس طرح عورت فکر معاش سے آزاد ہے۔ عورت مرد کی انتظامی سربراہی میں کام کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے مقابلے کا تصور نہیں، بلکہ خاند اور بیوی کے حقوق کے بارے میں ایک کی زیادہ ذمہ داری کی وجہ سے جھگڑے کی نوبت کم آتی ہے۔ اور نظم وضبط کا ماحول رہتا ہے۔

۳۔ خاوند اور بیوی کے حقوق کے بارے، ماں باپ کی رہنماہی نہ کرنا ہے۔ جس کی وجہ سے شادی کو سنجیدہ طور پر نہیں لیا جاتا۔ اس کے حل کے لیے، اسلام نے والدین کے مشورہ سے شادی کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ بالغ اور سمجھدار عورت اپنے لیے انتخاب کر سکتی ہے۔ لیکن فیملی کے مشورے کی وجہ سے ان کی نفسیاتی، اخلاقی مدد رہتی ہے۔ اور طلاق یا علیحد گی کی صورت میں صلح ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ والدین کو اپنی نوجوان اولاد کو، روزگار اور شادی کی پابندی کی اہمیت اور ذمہ واری کا بتانا بھی ضروری ہے۔

۴۔ بڑا سبب نشہ آور، اشیاء کا کثرت سے استعمال ہے۔ اس کے حل میں اسلام نے نشہ اور اشیاء کو حرام قرار دیا ہے۔ اور نشہ پر سزا بھی رکھی ہے۔

۵۔ مالی مسائل بھی علیحد گی کا سبب ہیں۔ اسلام میں ریاست مدد کرتی ہے اور خاندان کے نظام اور صلہ رحمی کا طریقہ کار، اس لئے اپنایا ہے کہ افراد کے مسائل باہم حل کئے جائیں۔

۶۔ صحت کے مسائل، بیماری کی پریشانی بھی، طلاق یا علیحد گی کا سبب بنتی ہے جس کا علاج طبی ہے۔

۷۔ ذمہ داری کا فقدان بھی اہم وجہ ہے۔ جو نوجوان خاندن کے ماحول کے خلاف آزادانہ (بغیر والد یا والدہ اور دوسرے رشتہ واروں کے) بچپن گزارتے ہیں، انہیں خاندان کا احساس نہیں ہوتا۔ اور وہ شادی کی اہمیت اور ذمہ داری کی پرواہ نہیں کرتے، جس کے سبب جلد علیحدگی ہو جاتی ہے۔

۸۔ گھریلو لڑائی بھی علیحدگی کی وجہ ہے۔ اسلام میں عورت پر ہاتھ اٹھانا مردانگی کے خلاف ہے۔ حدیث مبارک ہے، کہ اچھے مرد عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اسلام میں طلاق سے بچنے کے لئے پہلے سمجھانا بجھانا، پھر ازداجی تعلقات کو عارضی طور پر توڑ دینا، لیکن ایک ہی مقام پر رہنا ضروری ہے۔ تاکہ فریق کو احساس پیدا ہو، اگر یہ ناکام ہو جائے، تو صرف ایک دفعہ معمولی ضرب، جو کہ چہرے پر نہ ہو اور نہ ہی جسم پر نشان آے، کی محض اس وجہ سے اجازت ہے، کہ خاندان نہ ٹوٹے، لیکن اگر عورت اس کو قبول نہیں کرتی اور ضد کا رویہ بر قرار رکھتی ہے، تو پھر طلاق ہے۔ مزید لڑائی یا تشدد کی اجازت نہیں اور تشدد کرنے سے طلاق لینے کا حق عورت کو مل جاتا ہے۔

یو ایس اے (امریکہ)، میں ایک سروے کے مطابق علیحدگی کرنے یا علیحدہ رہنے کو پسند کرنے والی عورتوں، کی اکثریت وہ ہے، جو مردوں کے ساتھ بہت زیادہ اختلاط کرتی ہیں۔ مثلاً شراب خانوں وغیرہ میں کھانا پینا، نشہ اور اشیاء، مردوں کے ساتھ مل کر ایک جگہ پر کام کرنا ہیں۔ اس کے برعکس جو عورتیں زیادہ نہیں گھومتیں اور ملازمت نہیں کرتیں، ان کے ہاں طلاق کی شرح بہت کم ہے۔ اسی لئے اسلام نے اختلاط سے منع کیا ہے۔ ہاں اگر عورت کو زندگی کے اخراجات میسر نہیں، تو وہ کام کر سکتی ہے۔ جس کے لئے مناسب لباس ہو اور حکومت بھی اس کی ماحول میں مدد کرے، اگر عورت گھر کا خرچ چلا رہی ہے تو اس کے حقوق مزید بڑھ جاتے ہیں اور مرد کے حقوق کم ہو جاتے ہیں، کیونکہ مرد اپنی ذمہ داری نبھانے میں ناکام رہا ہے۔ یہ ساری شرائط اس لئے ہیں، کہ ناجائز جنسی تعلقات نہ ہوں اور خاندان محفوظ رہے۔ اس کا مقصد آنے والی نسل کو بہترین پرورش کا ماحول میسر کرنا ہے۔ کیونکہ وہی معاشرے کی اصل ہیں۔ اسی وجہ سے زنا کو فحاشی اور برا راستہ کہا ہے۔ افراد کو اس سے بچنے اور حکومت کو اس سے بچانے کا ضروری حکم ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اسے قتل نہ کرو سوائے کہ تمہیں قانونا، اس کا حق پہنچتا ہو اور جو ظلم سے قتل کیا جائے، تو ہم نے اس کے وارث (والی) کو قصاص کا اختیار دیا ہے۔ چنانچہ وہ قصاص (قتل) کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے، بیشک وہ مدد کیا ہوا ہے۔

اسلامی معاشرے کو پر امن رکھنے کے لئے احکام کا ذکر جاری ہے۔ زنا کے بعد قتل کا ذکر ہے۔ انسان کی جان بہت اہم ہے، اور اس کی حفاظت فرض ہے۔ اس لئے خودکشی حرام ہے اور جرم ہے۔ قتل کے مدعی جہاں ورثاء ہیں جن کو اختیار بھی دیا گیا

ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں یا ان کی بے رغبتی یا کسی سازش کی وجہ سے، ریاست وارث بنے گی۔ جس طرح نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں۔ اس سے مراد ریاست یا ریاست کا نمائندہ ہے۔ دوسری وجہ ریاست یا سربراہ، احکام الہی کی تنفید کا ذمہ دار ہے۔ اس لئے بھی وہ اس میں حصہ لے سکتا ہے۔ وارث کا تعین، خاندان میں قریب ترین رشتہ کی بنا پر ہے۔ اگر وہ چاہیں تو قصاص لیں اور چاہے تو دیت لے لیں۔ تاکہ انسان سے جو غلطی ہوئی ہے اگر نادم ہے، تو سزا پائے۔ یا معاف کر دے۔ ان کی مرضی ہے۔ اگر کہیں یہ شک ہو کہ مقصد کوئی اور ہے، تو بذریعہ جج، معاملہ کی جانچ پڑتال ہوگی۔ قصاص یا بدلہ لینے میں انصاف اور برابری ضروری ہے۔ عذاب دینا مقصود نہ ہو۔ قتل کی سزا، اس وقت لاگو ہوگی، جب قتل کرنے والے نے جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ قتل کی سزا کے بارے میں فقہ (قانون) کی کتابوں میں تفصیل درج ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝

اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاو، سوائے جو اس کے لئے بہترین صورت ہو، حتی کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں، اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

یتیم، معاشرے کے کمزور افراد ہوتے ہیں، ان کی کفالت یا ذمہ داری ان کے ورثاء اور اسلامی ریاست کی ہے۔ ان کے مال کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ البتہ اگر اس میں اضافہ اور بہتری کی صورت ہو تو استعمال کیا جائے۔ اس کے بارے میں پچھلی سورتوں، الانعام اور البقرۃ میں گزر چکا ہے۔ مقصد اسلامی معاشرے میں کمزور افراد کی فلاح و بہبود کی اہمیت ہے۔ عہد کی پابندی کسی بھی خوشحال اور ترقی کرنے کے لئے معاشرے میں بہت ضروری ہے۔ اسلام نے اس کی بہت تاکید کی ہے۔ ایک حدیث کے مطابق اس کا دین نہیں، جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔ کسی معاشرے میں یہ ختم ہو جائے، تو وہ معاشی اور سماجی طور پر تباہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اسلامی قوانین میں ہر فرد کو اپنے عہد کا جواب دہ بنا کر، وعدہ پورا نہ کرنے میں خسارہ کا ذمہ دار بنایا ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

جب ناپ کرو، تو پورا پورا کرو اور جب وزن کرو تو درست ترازو سے وزن کرو، یہ بہترین اور انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

اسلامی معاشرے کی بنیاد، امانت، صداقت اور دیانت پر ہے۔ اس کے لئے ناپ تول، لین دین میں صحیح طریقہ بہت ضروری ہے۔ چونکہ یہ کاروبار یا معیشت کے لئے اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے انجام کو بہترین کہا گیا ہے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، کہ ناپ تول پورا پورا ہو، خریدار اور فروخت کرنے والے کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ سورت الانعام اور دوسری سورتوں میں بھی آچکا ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝

اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ لگیں، بے شک کان اور دل و دماغ، ان میں سے ہر ایک کی بابت سوال کیا جائے گا۔

معلومات دینا:۔

اسلامی معاشرے کے اقدار کا ذکر ہے۔ یہ اقدار نہ صرف روایات بلکہ اسلامی قوانین کا حصہ ہیں۔ یہ آیت مبارکہ، میڈیا اور رپورٹنگ کے لئے بنیادی معیار ہے۔ ان آیات میں ذرائع ابلاغ کے لئے انسانی حواس علم کا ذکر کر کے، واقعہ کی اہمیت اور بیان کی صداقت کی تاکید کی ہے۔ آنکھ کا مشاہدہ، کان کی صحیح سماعت اور عقل کا استعمال سمجھنے، جانچنے اور آگے بیان کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور ان کے عمل کی بنا پر جو نتیجہ نکلے گا وہ اس کا ذمہ دار ہو گا۔ اگر کسی نے محض شک یا ظن پر بات کی، یہ جھوٹ ہو گا۔ اسلام میں، سنی سنائی یا ظنی بات کو جھوٹ تصور کیا گیا ہے۔ حدیث کے مطابق، جھوٹ کے لئے کافی ہے کہ سنی سنائی بات کی جائے۔ ایسے امور جو حقائق اور کثرت وقوع کی وجہ سے ظن سے نکل کر مصدقہ بات بن چکے ہیں، ان کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ذاتی مشاہدہ نہ بھی ہو۔

کفار مکہ، محض ظن کی بنا پر، اپنے آباء کے کفریہ عقائد کی تصدیق اور ان پر عمل کرتے تھے، جس کی وجہ سے گمراہ قرار پائے۔ ہر فرد اور ذمہ دار افراد یا ادارہ کے لئے ضروری ہے کہ تحقیق کر کے کوئی بھی اطلاع دی جائے۔ ایک حدیث کے مطابق، غلط بیان کرنے والے کے اعضاء، اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ ضروری ہے کہ کوئی بھی معلومات ملیں، تو ان کو قبول کرنے سے پہلے تصدیق و تحقیق کا عمل ہونا ضروری ہے۔ اور پھر ان پر عمل کیا جائے یا نہیں، ایک علیحدہ مسلہ ہے۔ یہ تعلیمات ہر معاشرے کے لئے ضروری، اور جدید قوانین ابلاغ کی بنیاد ہیں۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝

اور زمین پر اکڑ کر مت چلو بلا شبہ نہ تم کبھی زمین پھاڑ سکتے ہو اور نہ کبھی بلندی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو۔

انسانی نفسیات کے مطابق کس قدر خوبصورت مثال (زمین پھاڑنا اور پہاڑ پر پہنچنا) دی ہے۔ انسانی کردار معاشرے میں بہت اہم ہے۔ زیادہ معاشرتی برائیاں اور نقصانات، لیڈروں اور افراد کے رویہ کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ایک بہت برا رویہ یا عمل، تکبر ہے۔ جسکی وجہ سے آدمی دوسروں کو کمتر سمجھے اور ان کو حقیر جانے۔ کچھ حد تک انسانی احترام اور انسانی خود اعتمادی بہت ضروری ہے۔ لیکن تکبر میں انسان، ان امور کی حدود سے بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بارے میں تفصیلا سورت یوسف میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاں قرآن مجید میں اس کو بہت برا کہا گیا ہے، اور اللہ کے ہاں جرم ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی اس کی تنبیہ آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ ایک شخص نے کہا: ایک آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔ آپ نے فرمایا: اللہ حسین و جمیل ہے۔ وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر، حق (واقعہ) کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (متعدد کتب

حدیث)۔اسلامی معاشرہ یا سوسائٹی کی بنیاد انسانی مساوات ہے۔سب حضرت آدم کی اولاد ہیں۔اس میں معاشی اور معاشرتی قوانین کے ذریعے لوگوں میں طبقاتیت کو کم سے کم کیا جاتا ہے۔ تا کہ زیادہ زیادہ حد تک عمومی سہولیات میں مساوات رہے۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۝

یہ سارے۔(مذکورہ) کام برائی ہیں اور آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۝

یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی معبود نہ بناو، ورنہ جہنم میں ملامت زدہ دھتکارے ہوئے ڈالے جاوگے۔

اسلامی معاشرہ اور ریاست کے قوانین کی بنیاد ان آیات نمبر ۲۰ تا ۳۹ میں دی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ دوبارہ تحریر ہے، کیونکہ یہ امور بہت اہم ہیں، اس سے پہلے دوسرے مقامات میں بھی ان کا ذکر ہے۔

سابقہ احکام کا خلاصہ:۔

۱۔ توحید اللہ کی عبادت اور وہی قابل عبادت ہے۔اور غیر اللہ کی عبادت حرام ہے۔

۲۔ والدین کی اطاعت اور انکساری محبت کے ساتھ خیال کرنا۔

۳۔ قرابت داروں کا حق۔

۴۔ مساکین وفقراء کا خیال۔

۵۔ مسافروں کا خیال۔

۶۔ اسراف اور فضول خرچی منع ہے۔

۷۔ صدقہ دو اگر نہ ہو تو اخلاق سے پیش آنا۔

۸۔ کنجوسی سے منع کرنا۔

۹۔ میانہ روی کو اخراجات، عبادات اور معاملات میں اپناؤ۔

۱۰۔ اولاد کو محض رزق یا غربت کے خوف سے، پیدا ہونے کے بعد ختم نہ کرو۔

۱۱۔ قتل کا بدلہ قتل ہے اور دیت بھی ہے۔ قصاص میں انصاف ہو۔

۱۲۔ یتیم کے مال کی حفاظت۔

۱۳۔ وعدہ کی پابندی۔

۱۴۔ ناپ تول میں کمی بیشی نہ ہو۔ صحیح طریقہ پر ہو۔

۱۵۔ بغیر علم کے گمان پر بات یا خبر نہ بنائی جائے۔

۱۶۔ تکبر اور اکڑ، منع ہے۔

اس کے ساتھ دوبارہ تاکید کی کہ شرک یعنی اللہ کے ساتھ مستحق عبادت کسی کو نہ بنایا جائے۔

یہ تمام احکام، جس کی تنفیذ اسلام نے افراد اور معاشرہ پر مدینہ کی اسلامی ریاست میں آج سے چودہ سو سال پہلے کی تھی اور اسلامی کتب فقہ میں اس پر قوانین مدون ہیں۔ آج بھی تمام مذہب معاشروں میں موجود ہیں۔ ہر مسلمان کے کردار میں ان پر عمل ضروری ہے۔ اگر ہم دیکھیں تو ہماری معاشی اور معاشرتی مسائل، ان احکام سے روگردانی کی وجہ سے ہیں۔

اَفَاَصۡفٰکُمۡ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنَاثًا ؕ اِنَّکُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾

پھر کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے چن لیا اور (اپنے لئے) فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں۔ بلاشبہ تم بہت بڑی (نازیبا خطرناک) بات کہتے ہو۔

عرب لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے اور لڑکی کی پیدائش کو عار سمجھتے۔ لڑکے کو پسند اور فخر کرتے۔ جب کہ دونوں، مرد اور عورت، اللہ کی مخلوق اور مساوی ہیں۔ یہ نقطہ نظر جاہلانہ اور غلط تھا۔ پھر اس پر یہ تضاد کہ اللہ کی ذات کے لئے فرشتوں کو لڑکیاں کہتے۔ جس کا مطلب ہے کہ ان کے نظریہ کے مطابق اپنے لئے وہ، بہتر اور اللہ کی ذات کے لئے کمتر مخلوق کا انتخاب کرتے ہیں۔ لہذا یہ دونوں عمل (جنسی تفریق) اور اللہ سے اولاد، بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ کی صفات کا صحیح ادراک اور احترام ضروری ہے، ورنہ کفر کا اندیشہ ہے۔

وَ لَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّکَّرُوۡا ؕ وَ مَا یَزِیۡدُہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

بے شک ہم نے قرآن میں کئی طرح سے بیان کیا، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں، مگر اس اسلوب نے ان (لوگوں میں) نفرت کو بھی زیادہ کیا ہے۔

قُلۡ لَّوۡ کَانَ مَعَہٗۤ اٰلِـہَۃٌ کَمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰی ذِی الۡعَرۡشِ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾

کہہ دیجیے اگر اس (اللہ) کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ وہ (کفار مکہ) کہتے ہیں تو وہ صاحب عرش (اللہ) تک پہنچنے کے لئے ضرور کوئی راہ ڈھونڈ لیتے۔

سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴۳﴾

وہ پاک ہے اور ان (کفار مکہ) کی باتوں سے زیادہ اعلی اور برتر ہے۔

تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَنۡ فِیۡہِنَّ ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَ لٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۴﴾

ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے۔ اس (اللہ) کی تسبیح (حمد و ثنا) کرتی ہے۔ اور کوئی ایسی چیز نہیں، جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بڑا بردبار اور معاف کرنے والا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں اسلامی احکام کی تنفید، جس کا مقصد انسانیت کی فلاح ہے، کے لئے چند امور میں ایک بہت ضروری امر یہ ہے کہ انسان، اللہ کے وجود اور پھر اس کی قوت وعظمت پر ایمان، جس کا نتیجہ توحید اور آخرت کی صورت میں جزاو سزا ہے، پر پورا یقین کرے۔ اگر اس پر یقین نہیں ہو گا، تو نہ صحیح ایمان ہو گا اور نہ ہی اعمال، یا احکام اسلام پر عمل ہو گا، اور اسلامی معاشرے کا وجود ممکن نہیں ہو گا۔ جس طرح آج دنیا میں دو ارب کے قریب مسلمان ہیں۔ لیکن صحیح اسلامی معاشرہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اپنے کردار، ان کی اہمیت اور ان کا اقوام عالم میں مقام کچھ خاص نہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں ان عقائد کو، ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے بار بار دہرایا گیا ہے۔ اور مختلف انداز میں مثالیں دی گئی ہیں۔ وجود باری تعالی کے لئے، کائنات، زمین، نباتات، اجرام فلکی۔ انسان کی اپنی زندگی اور موت، حیوانات، رات اور دن کے دلائل پیش کیے۔ منکرین مکہ نے ان پر توجہ نہ دی اور اب بھی بہت کم انسانیت اس پر توجہ دے رہی ہے۔ جہاں جہالت ہے وہاں توہمات اور جہاں جدید علوم ہیں، وہاں خالق کے بجائے نظام فطرت کی تعریف کی جارہی ہے۔ آیات میں ہی بتایا گیا ہے، کہ اگر ایک کے بجائے دو تین خالق یا خدا ہوتے، تو اس طرح مربوط نظام کائنات نہ ہوتا۔ ضرور اختلاف اور چند سالوں کے بعد فساد شروع ہو جاتا یا متعدد وجود کا کھلا ثبوت مل جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، کیونکہ اللہ کی ذات، واحد کنٹرول کرنے والی ہے۔ اسی طرح اللہ کے ساتھ فرشتوں یا بتوں کے وسیلہ اور سفارشی کا تصور بھی، اس کی شان، عظمت کے خلاف ہے جو اہل مکہ کا عقیدہ تھا۔

نبات وجمادات کی حمد وثنا:۔

اللہ تعالی کی قوت وعظمت کا یہ عالم ہے، کہ تمام آسمان وزمین اور اس پر تمام موجود مخلوق اس کے تابع اور حمد وثنا کرتی ہے، جس کو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ ان کی حمد وثنا کی زبان کی لہروں کا معیار مختلف ہے۔ جو ہمارے کانوں کی قوت سے زیادہ یا کم ہے۔ اس لئے سنائی نہیں دیتا۔ مثلا فضا میں اس قدر لہریں ہیں، جن کو صرف ریڈیو سگنل کے ذریعے پتہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح، پودوں، درختوں سے بھی لہریں یا سگنل نکلتے ہیں، جنہیں ہم نہیں سن سکتے یا جان سکتے۔ حیوانات کا بھی عالم ہے۔ ان کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے، اوازسن سکتے ہیں۔ درختوں کی اگرچہ نسیں (نروز) نہیں بلکہ ان کے سیلز (cells) میں استعداد ہے، کہ وہ برقی لہروں کو پیدا کرتے ہیں۔ جن کو ایکشن پوٹینشیل ((Action Potentials) کہتے ہیں۔ جیسے نروز سیلز (nerve cells) حیوانات میں کرتے ہیں۔ دراصل تمام بیالوجیکل سیلز، الیکٹریکل ہوتے ہیں۔ اور ان میں آئینز (Ions) کے آنے جانے سے برقی سگنل، نباتات اور حیوانات میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو انسان محسوس نہیں کرتا یا پہنچانتا اور اللہ تعالی کی حمد وثنا کی زبان بھی یہی سگنلز ہو سکتے ہیں۔ مزید تحقیق سے نیے افق روشن ہوں گے۔

جدید جیو فزکس اور منرالوجی (معدنیات کے بارے علوم) میں پتا چلا ہے، کہ مختلف معدنی پتھر مختلف درجے کے ریڈیو ایکٹو سگنلز چھوڑتے ہیں۔ مثلا گرینائیٹ، ماربل، جم سٹون، مختلف تعمیراتی مواد، ریت سے بنے ہوئے پتھر، قدرتی پتھر، جپسم، ان کے اندر سے ریڈیو لہریں نکلتی ہیں۔ جن کے بارے میں اب انسان کو علم ہوا ہے۔ الیکٹرک اور میکینکل دباؤ، سے لہروں میں تبدیلی

محسوس کی جاتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی جان رکھتے ہیں جس کی نوعیت مختلف ہے۔ ابھی یہ ساری معلومات ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ جس طرح انسان کے پاس پیمائش اور جاننے کے آلات بدلیں گے، یہ معلومات بھی بدلیں گی۔ لیکن اس سے، ان کی اللہ تعالی کی حمد اور اس کے احکام پر عمل کا ایک اظہار ہے۔ یہی سگنل ہی حمد کی زبان ہو سکتی ہے۔ یا اور کوئی جو ہمارے علم میں ابھی تک نہیں آرہی، اور شاید مستقبل میں آجائے۔ اور اگر نہ بھی آئے تو یہ حمد، علوم (سائنس) کے خلاف نہیں اور نہ ہی ناممکن ہے۔

حدیث پاک کے مطابق پتھروں اور درختوں نے حضور ﷺ کو سلام پیش کیا۔ جو آیت (قرآن مجید) کی تصدیق ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًاۙ

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک چھپا ہوا (نظر نہ آنے والا) پردہ ڈال دیتے ہیں۔

وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۝

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں، اس سے کہ وہ سمجھیں (سمجھتے نہیں)، اور کانوں میں گرانی ڈال دیتے ہیں اور جب آپ تنہا قرآن میں اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ اس قرآن کو سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (ہمیں علم ہے)، جب یہ ظالم (مسلمانوں سے) یوں کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک ایسے آدمی کے پیچھے چل پڑے ہو جس پر جادو ہو گیا ہے۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۝

دیکھیے انہوں نے آپ کے لئے کس طرح مثالیں بیان کیں، وہ گمراہ ہو گئے لہٰذا وہ راستہ (ہدایت) نہیں پا سکتے۔

کفار مکہ کی ضد اور اسلام دشمنی میں، انسانی رویوں کا ذکر ہے۔ قرآن مجید اور نبی ﷺ کے وعظ کا وہ مذاق اڑاتے اور سمجھنے کی کوشش نہ کرتے، بلکہ مخالفت کرتے۔ اس طرح اللہ تعالی نے ان کے اپنے عمل کی وجہ سے، ان کو ہدایت سے محروم کر دیا۔ قرآن مجید گویا، وہ سن ہی نہیں سکتے۔ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ سے جب پوچھا گیا کہ نبی ﷺ نے کیا کہا ہے۔ اس کا جواب تھا۔ کہ وہ آپ کے ہونٹوں کو ہلتا دیکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ ابو لہب کی بیوی، ام جمیل نبی ﷺ کو پتھر مارنے کی غرض سے نکلی، آپ سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے حضرت ابو بکر صدیق سے پوچھا، کہ محمد صلی ﷺ کہاں ہیں؟ میں ان کو پتھر مارنا چاہتی ہوں۔ لیکن وہ آپ کو نہ دیکھ سکی۔ یہ تو واقعات تھے۔ لیکن عام طور پر تمام کفار، اس وقت اسلام

دشمنی میں عقل کے لحاظ سے اندھے اور بہرے بن چکے تھے۔ ان کے اس عمل کی وجہ سے ان کو ہدایت سے محروم کر دیا گیا۔ اور بدر میں تباہ ہوئے، آخر کار مفتوح ہوئے۔ کفار، قرآن مجید کا نہ صرف انکار کرتے بلکہ نبی ﷺ کو جنات زدہ قرار دیتے۔ اس وقت جاہلیت کی وجہ سے، کسی قسم کی نئے خیالات، جس طرح کے نبی ﷺ نے قیامت، عدل، انسانیت

پسندی، اللہ کی وحدانیت اور قرآن مجید کی فصیح و بلیغ آیات سنائیں، یہ ان کے لئے ایک غیر معمولی عمل تھا۔ جو انسانی عمومی عقل سے بلند تھا۔ اس لیے آپ کو جنات زدہ یا جادو گر کہا گیا اور اسی گمراہی کی وجہ سے واضح مثال (تعلیم) کے باوجود ہدایت سے محروم رہے۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝

اور انہوں نے کہا، جب ہم اور ہڈیاں چورا ہو جائیں گے، تو ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جانے والے ہیں۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۝

کہیے! تم پتھر یا لوہا ہو جاو۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا۝

یا کوئی اور مخلوق، جو تمہارے دلوں میں بڑی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ کہیں گے، کون ہمیں دوبارہ لوٹائے (پیدا کرے) گا؟ کہیے وہی، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ آپ کی طرف (حیرانگی سے) اپنے سر ہلائیں گے۔ اور کہیں گے، وہ کب ہو گا؟ کہہ دیجیے! امید ہے کہ وہ (وقت) قریب ہی آ گیا ہو۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا۝

جس دن وہ (اللہ تعالی) تمہیں بلائے گا۔ تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور تم خیال کرو گے، کہ بس تھوڑا عرصے ٹھہرے ہو۔

کفار مکہ کے لئے، ایک توحید بڑا مسلہء تھا۔ مشرکانہ رسومات ان کے ایمان کا حصہ بن چکی تھیں۔ اور بتوں کو وہ خدا کا نمائندہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف قیامت اور دوبارہ زندہ ہونا، ان کے فہم و عقل سے باہر تھا۔ کہ ایک انسان کس طرح ریزہ ریزہ اور مٹی میں گھل مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو گا۔ اس کے بارے میں بتایا گیا، کہ انسان کا جسم، لوہے اور پتھر کے مقابلے میں بہت نرم ہے۔ اور فوراً ختم اور گھل جاتا ہے۔ جبکہ پتھر اور لوہا بہت زیادہ وقت لیتے ہیں۔ اگر انسانی اجسام کسی سخت مادے کے بنے ہوتے تو بھی دوبارہ زندہ کرنا مشکل نہیں۔ کیونکہ جس نے پہلے زندگی دی ہے، وہ دوبارہ دے سکتا ہے۔ حشر و نشر کے بارے میں سورت اعراف آیت ۵۷ میں ذکر آ چکا ہے۔ جب انسان دوبارہ زندہ ہوں گے، تو ہیبت خدا سے سبحان اللہ، الحمد للہ، کریں گے اور یہ خیال کریں گے کہ موت کا وقت سے دوبارہ اٹھنے کا وقت تھوڑا عرصہ تھا۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۝

اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا۝

تمہارا رب تمہیں بہتر جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۝

اور آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم نے داود کو زبور دی۔

بات کا انداز اور مقصد:۔

پچھلی آیات توحید، قیامت، حشر و نشر کے بارے میں تھیں۔ یہ آیات، انسانی معاملات بلخصوص آپس میں بات چیت، اصلاح کے بارے میں ہیں۔ کہ جو بات کی جائے، وہ اچھے طریقے سے کی جائے۔ اچھے امور اور اصلاح، فائدہ مند ہو۔ پھر جس سے بات کی جائے، اس اچھے انداز، اس کی اہلیت، ضرورت کے مطابق ہو۔ تاکہ وہ غور کرے، یہ تعلیم و تبلیغ یا غیر تبلیغ امور میں بات چیت، تمام انسانوں کے لئے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ بدگمانی سے باز رہو۔ کیونکہ بدگمانی کرنا سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور کسی کی برائیاں تلاش نہ کرو۔ کسی کی تفتیش نہ کرو۔ کسی سے بغض نہ رکھو۔ اور کسی سے تعلق منقطع نہ کرو، اور اے اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن جاو، (احادیث کتب)۔ یہ نرمی اور حسن اخلاق کیوں ضروری ہے؟ اس کی وجہ بھی ظاہر کی۔ کہ انسان کا دشمن شیطان ہے۔ اور شیطان، انسان کے دل و دماغ میں پہنچ کر خیالات پر اثر کرتا ہے، اور اس طرح غلط فہمی، تکبر اور حسد کے جذبات پیدا کر کے فتنہ و فساد برپا کر دیتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے حسن ظن، نرمی، اخلاق بہترین ہتھیار ہیں۔

تبلیغ کے سلسلہ کے بعد، چونکہ نبی ﷺ کفار مکہ کے اسلام لانے کی شدید خواہش رکھتے تھے اور ان کی اسلام دشمنی، پر پریشان رہتے، تو آپ کی تسلی کے لئے فرمایا، کہ آپ نے تبلیغ کی۔ آب ہدایت لینا، ان کا اپنا کام ہے۔ آپ کسی کے ہدایت یافتہ ہونے کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالی کی ذات، تمام امور اور تمام انسانوں کے کردار کے بارے معلومات رکھتی ہے، کہ وہ کسی حد تک ہدایت لے گا یا نہیں۔ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کے درمیان مخلوق کی مکمل خبر رکھتا ہے۔ پھر انبیاء کے ذکر میں حضرت داود کا ذکر کیا، کہ وہ بادشاہ تھے۔ امور دنیا میں مصروف رہنا پڑتا تھا، لیکن حمد و ثنا میں کبھی کمی نہ آئی۔ تمام زبور میں اللہ کی حمد و ثنا ہے۔ اور آپ (حضرت داود) کا بڑا مقام ہے۔ انبیاء کے اپنے اپنے، اللہ تعالی کے ہاں مراتب ہیں۔ ہمارے نبی، نبیوں کے سردار ہیں۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا يَمۡلِكُوۡنَ كَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡكُمۡ وَلَا تَحۡوِيۡلًا ۝

کہہ دیجیے: انہیں پکارو، جنہیں تم اس (اللہ) کے سوا معبود سمجھتے ہو۔ نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ہٹانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں، نہ اسے بدلنے کا۔

اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الۡوَسِيۡلَةَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ‌ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ۝

جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں، وہ خود اپنے رب تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں، کہ ان میں سے کوئی اللہ کے قریب تر ہو جائے اور وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

کفار مکہ کے عقائد، مشرکانہ تھے۔ خدا کا تصور تھا۔ بتوں کو بھی وسیلہ بناتے، خدا کا نمائندہ تصور کرتے، اسی طرح جنوں اور فرشتوں کو بھی مقدس مخلوق سمجھتے ہوئے، اللہ کے قریب تر جانتے۔ اور ان کو وسیلہ بناتے۔ ان کے عقائد کی سختی سے تردید کی۔ کہ جن کو معبود بناتے ہیں (عبادت کرتے ہیں) وہ بے جان بت ہیں۔ اگر فرشتوں یا جنوں کو وسیلہ بنا رہے ہیں، تو وہ بھی خود اللہ کی رحمت کے محتاج اور بخشش کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ طریقہ کار غلط ہے۔ شرک کے ذریعہ، اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔ اللہ کا عذاب انتہایی شدید ہوتا ہے۔ پچھلی کئی قومیں بالکل نیست و نابود ہو گیئں۔ اللہ کے عذاب سے انبیاء کرام، صحابہ اور مومنین نے پناہ مانگی ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے، کہ رسول اللہ یہ دعا کثرت سے کرتے تھے۔ اے ہمارے رب: ہمیں دنیا میں بھی اچھایی عطا فرما اور اخرت میں بھی اچھایی عطا فرما۔

والدین یا نیک افراد سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔ اسکے ساتھ ہر حال اور ہر ضرورت میں اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے، کیونکہ دعا کا قبول یا رد کرنا، صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا‌ ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡـكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ۝

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے یوم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے شدید عذاب نہ دیں یہ کتاب (لوح محفوظ) میں لکھا ہوا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ‌ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ۝

اور ہمیں نشانیاں (معجزے) بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا تھا۔ اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (بطور) واضح نشانی (معجزہ) دی تھی۔ پھر انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم تو صرف ڈرانے کے لئے نشانیاں بھیجتے ہیں۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ‌ ؕ وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا الَّتِىۡۤ اَرَيۡنٰكَ اِلَّا فِتۡنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ فِى الۡقُرۡاٰنِ‌ ؕ وَنُخَوِّفُهُمۡ ۙ فَمَا يَزِيۡدُهُمۡ اِلَّا طُغۡيَانًا كَبِيۡرًا ۝

اور (یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا، بے شک آپ کے رب نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا، اسے لوگوں (کافروں) کے لئے ایک آزمائش بنا دیا، اور اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ اور ہم انہیں ڈراتے ہیں، تو یہ ڈرانا ان کی بڑی سرکشی کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔

کفار مکہ، اسلام دشمنی اور بہانے کی خاطر مختلف معجزے طلب کرتے۔ مثلاً پہاڑ سونا بن جائے۔ مقصد صرف ضد تھا۔ اللہ تعالی کے اس طرح کے معجزات دکھانے کے بعد، پھر انکار کی گنجائش نہیں رہتی، اور وہ قوم عذاب کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضرت صالح کی اونٹنی کا واقعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معجزات ہر وقت دکھائے نہیں جاتے۔ اس طرح وہ معاشرے اور بستیاں جو ظلم اور احکام عدولی کرتی ہیں، تباہ ہو جاتے ہیں۔

حضور ﷺ، جب معراج پر تشریف لے گئے۔ تو وہاں کے مکاشفات (جو آپ نے دیکھا)، جب صبح اس کا ذکر کیا، تو لوگ حیران رہ گئے۔ چونکہ واقعہ رات کا تھا۔ مدت قلیل تھی، سفر انتہائی طویل۔ صرف بیت المقدس کی مسافت ہفتوں کی تھی۔ پھر آسمانوں کے سفر، اس طرح کفار، کے علاوہ کچھ مسلمان بھی پھسل گئے۔ اس لئے، اس پر، یقین ایک آزمائش بن گیا۔ اس آیت مبارکہ سے جسمانی معراج کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن ان سب تعلیمات و واقعات کے باوجود، شیطان نے اتنا شر کش کر دیا کہ قریش کے بہت کم افراد اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے اور مسلمانوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے ہجرت کرنا پڑی۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا ان سب نے سجدہ کیا اور بولا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

کہنے لگا: بھلا دیکھ تو، جسے تو نے مجھ پر عزت دی ہے، اگر تو مجھے یوم قیامت تک ڈھیل دے، تو تھوڑے لوگوں کے سوا میں اس کی تمام نسل کو قابو کر لوں گا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝

اللہ نے فرمایا: جا، پھر ان (انسانوں) میں جو تیری اتباع کرے گا تو بلاشبہ تم سب کی سزا جہنم ہے۔ بھرپور سزا!

وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝

اور ان میں جن پر بھی تیرا بس چل سکے اپنی اپنی آواز سے بہکائے، اور ان پر اپنے سوار، پیادوں (کی فوج) چڑھا لے۔ اور مال اور اولاد میں شریک بن جا۔ اور اپنے (جھوٹے) وعدے دے۔ شیطان ان سے جو وعدہ کرتا ہے وہ دھوکہ ہی ہوتا ہے۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

بے شک (سچے) بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں۔ اور آپ کا رب ان کے لئے کافی کارساز ہے۔

شیطان کے وار:۔

قران مجید میں انسانوں کی سمجھ اور پھر ہدایت کے لئے شیطان کا بار بار ذکر آتا ہے۔ کیونکہ یہ انسان پر بہت شدید طریقہ سے اثر انداز ہوتا ہے۔ اور اس کی دشمنی کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ انسان کو جو اللہ نے دوسری مخلوقوں پر علمی و تجزیاتی برتری دی ہے، اس کی وجہ سے فوقیت ہے۔ اس کی وجہ سے اسکے لئے سجدے کا حکم تھا۔ جس کو تکبر کی بنا پر شیطان نے نہیں مانا۔ شیطان کو جو سزا ملی، اس کا بدلہ لینے کے لئے، ہر انسان کو گمراہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ جنوں کے ذریعے وہ انسانوں کے اندر مختلف خیالات پیدا کرتا، توہمات بناتا ہے۔ آرزوں اور انسانی طبعی ضروریات جیسے غذا، جنسی خواہشات، سکونت، وغیرہ کی بنا پر جھوٹے تصورات، تخیلات، بنا سنوار کر جرائم کرواتا ہے۔ شیطان کو، انسان کے دماغ تک پہنچنے کی قوت ہے۔ وہ تمام موجود، اسباب کو استعمال کرتا ہے۔ یعنی ان کی طرف توجہ پھیر دیتا ہے۔ یہ اسباب آواز، ساز، تصاویر، رنگ، جذبات، سارے اس کے لشکر یا ساتھی ہیں۔ جن کو بڑھا کر، گھٹا کر، دلربا، بنا کر، انسان کے خیالات پھر ارادے اور عمل کی صورت پہنا کر، جرم سرزد کروا دیتا ہے۔ تمام برے اعمال جو اس کا ذریعہ ہیں، خواہ مال و دولت کی حرص، کاروبار، مثلا رشوت، جھوٹ، دھوکہ، اسمگلنگ، کمیشن، ناقص اعمال، ناپ تول میں کمی، لین دین میں دھوکہ، سب اس کے ذریعہ ہیں۔ اس طرح اولاد کے ذریعے بھی وہ غلط کام کرواتا ہے۔ ان کی تربیت میں کمی، ان کی وجہ سے لالچ اور دھوکے، جرائم، سب اس کے اسباب ہیں۔ اور ان کی ایسی تصویر بناتا ہے، کہ آدمی کو احساس جرم و گناہ نہیں ہوتا، لیکن جب آخر نتیجہ پر پہنچتا ہے تو سراسر فریب نکلتا ہے۔

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا وہ افسانہ تھا

اللہ تعالی نے اس کے مقابل فرشتے بھی متعین کئے ہیں۔ جو انسان کے دماغ و عقل پر اثر انداز ہو کر اسے احساس دلاتے ہیں۔ پھر انسان اپنا فیصلہ کسی ایک طرف کر کے عمل کرتا ہے۔ اور اس عمل کے مطابق اس کو جزا یا سزا ملتی ہے۔

اللہ کے خاص بندے:۔

انسانوں میں ایسے بندے بھی ہیں جن پر شیطان کے وار ناکام ہوتے ہیں۔ بھلائی، نیکی، اچھے اعمال، اللہ کے حکم اور اسکی محبت کی وجہ سے نیک کام سرانجام دیتے ہیں۔ اور شیطان نے جو برائیوں کا جال بچھایا ہوتا ہے، اس سے بچ جاتے ہیں۔ ان کی اطاعت، پر مصمم ارادہ کی وجہ سے شیطان، ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ ان کو اللہ تعالی کی حفاظت اور رحمت ہی کافی ہوتی ہے۔ ان اعمال کی وجہ سے، وہ اللہ کے خاص بندے بن کر امتیاز حاصل کرتے ہیں۔ ان سارے امور میں انسانی ارادہ و عمل بہت اہم ہے۔ یہ مضمون سورت عراف ۲۵ اور ۱۱، سورت الحجر، ۴۴، ۲۶ میں گذر چکا ہے۔ مقصود یاد دہانی ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۝

تمہارارب وہی تو ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بے شک وہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝

اور سمندر میں تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جن (دیوتاوں) کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، سوائے اللہ کے، پھر جب وہ (اللہ) تمہیں خشکی تک پہنچادیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝

کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں رہا، کہ اللہ تمہیں خشکی کے حصے میں زمین میں دھنسادے یا تم پر سنگریزوں والی سخت اندھی بھیج دے اور تم اپنے لئے کوئی رکھوالا نہ پاسکو۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں دوبارہ اس (سمندر) میں لوٹا دے، پھر تم پر توڑ دینے والی طوفانی ہوا بھیجے، تو وہ تمہارے کفر (انکار) کے سبب تمہیں غرق کر دے، پھر تم اپنے لئے ہمارے خلاف کوئی چارہ جوئی کرنے والا نہ پاسکو۔

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انہیں خشکی (زمین) اور سمندر میں سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور ان کو اپنی بہت ساری مخلوقات پر فضیلت (برتری) عطا کی۔

انسان اور شیطان کے تعلق کے بارے میں مزید دلائل ہیں، کہ اللہ تعالی کے انسان پر بہت انعام ہیں۔ سمندر میں پانی کی اچھال اور ہوا کی فضا میں اچھال کی وجہ سے انسان ہوا اور پانی پر سفر کر رہا ہے۔ اس سے معاشرتی زندگی میں فوائد حاصل کر رہا ہے۔ جب ہوا یا سمندر کے سفر میں پریشانی پیدا ہوتی ہے، جھکڑ اور لہریں موت اور تباہی کو قریب کر دیتی ہیں۔ گھبرا کر، اللہ سے نجاعت مانگتا ہے۔ کیونکہ دوسرے اس کے دیوتا، حمایتی کچھ نہیں کرتے۔ پھر اللہ کی مدد سے، وہ اس طوفان و منجدھار سے بچ نکلتا ہے۔ تو دوبارہ شیطان کی دوستی میں، اکثر اللہ تعالی کو بھول جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خشکی پر بھی کسی اندھی، طوفان، زلزلہ کی وجہ سے تباہ ہو سکتا ہے یا پھر دوبارہ سمندر یا ہوا، میں طوفان کی وجہ سے تباہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کو احسان نہیں رہتا۔ وہ اپنے مالک و خالق حقیقی کے احکام کو بھول کر شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا عمل بہت بڑی ناشکری ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالی نے انسان کو اس کے جسم کی ساخت، ذہنی صلاحیت کی وجہ سے بہت ساری مخلوقات، جو کائنات یا زمین پر بستی ہیں، سے ممتاز بنایا۔ وہ تمام سمندر اور زمین کے

ذرائع پر قدرت رکھتا ہے۔ فائدے اٹھا کر اپنی معاش اور معاشرت (رہن سہن) کو خوبصورت بناتا ہے۔ لیکن اس کے مطابق شکر گزار نہیں ہوتا۔ اس فضیلت کا تقاضا ہے کہ انسان دنیا کو محبت وامن سے بھر دے۔ کتنا وہ کر رہا ہے، یہ سوال ہے؟ (انسان کو انسان سے سب سے زیادہ خطرہ ہے)۔ یہ حقائق ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ اللہ تعالی کے ہم شکر گزار بندے بنیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

جس دن ہم تمام انسانوں کو، ان کے لیڈر (امام) کے ساتھ بلائیں گے، پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تھا، تو وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے اور ان کے اوپر ریشہ (ذرہ) کے برابر ظلم نہیں ہو گا۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝

جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ (حق) سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا رہے گا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ۝

اور (اے نبی) جو وحی ہم نے تمہارے پاس بھیجی ہے۔ یہ (کافر) لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے۔ تاکہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہمارے نام پر گھڑ کر پیش کرو اور اس صورت میں یہ تمہیں اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔

وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتَ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝

اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا، آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے۔

إِذًا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝

تو اس وقت ہم آپ کو دنیا کی زندگی میں دگنا (سزا) کا مزہ چکھاتے اور دگنا مزہ موت کے بعد، پھر آپ ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتے۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور بے شک قریب تھا، کہ وہ اس زمین پر تمہارے قدم ڈگمگا (اکھاڑ) دیں تاکہ تمہیں یہاں سے نکال کر باہر کریں۔ (اگر ایسا ہو) پھر یہ بھی تمہارے بعد زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝

آپ سے پہلے جو ہم نے رسول بھیجے تھے، تو ان کے لئے بھی یہی طریقہ کار تھا، اور آپ ہمارے طریقہ کار میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔

اللہ تعالی کی رحمتوں کے مقابل انسان کی ناشکری کے بعد قیامت کے احوال کو ذکر کیا۔ بروز قیامت لوگ اپنے لیڈروں کے نام سے بلائے جائیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی امت ان کے نام کے ساتھ بلائی جائے گی۔ اور ان کو، دنیا میں ان کے کاموں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ، ان کی امت اور دوسرے بادشاہوں، لیڈروں کے نام کے ساتھ،

ان کی امت حاضر ہو گی۔ ان کے اعمال کے حساب وکتاب میں پورا پورا عدل ہو گا۔ کسی پر گٹھلی کے اوپر جو پتلی جھلی ہوتی ہے (جس سے نظر گزر جاتی ہے اور عام ہوا میں وزن نہ ہونے کے سبب تیرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کی مثال دی گئی ہے۔) کے برابر بھی زیادتی نہیں ہو گی۔ لہذا، اس دنیا میں آنکھ، کان اور دماغ، کھول کر احکام کی حکمتوں کو سمجھنا اور عمل کرنا ہے۔ ورنہ انسان کی مثال اندھے کی ہے، جس کو کچھ دکھائی نہیں دیتا اور وہ کسی بھی کھائی یا گڑھے میں گر سکتا ہے۔ یہی حال انسان کا دنیا میں اچھے اعمال نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن ہو گا۔ کفار نے جہاں ظلم وستم کی حد کر دی تھی، وہاں نبی ﷺ کو ہر طرح کے لالچ دینے کی بھی پوری پوری کوشش کی۔ مختلف متبادل اشیاء، مثلاً دولت، عورت اور شادی، سربراہی وامارت، کی پیشکشیں کیں کہ اپنے فرائض منصبی (نبوت) کو چھوڑ دیں۔ قریش نے آپ کی جان لینے کی بھی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو استقامت دی۔ کہ آپ نے فرمایا کہ ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیں، تو بھی اپنا فرض منصبی ادا کروں گا۔ یہ اللہ کا انعام تھا۔ لیکن انبیاء کی حفاظت اللہ تعالی خود کرتے ہیں۔ اس لئے معصوم از گناہ ہوتے ہیں۔ شیطان کی چالوں سے بچنے کے لئے، یہ آیات مبارکہ تمام انسانوں اور مسلمانوں کے لئے راہ ہدایت ہیں۔ پھر لیڈر کا عمل اور اس کے اثر کی وجہ سے اس کی سزا وجزا بھی زیادہ ہے۔ علماء، امراء (لیڈر) کی سزا دوگنی ہے۔ جس طرح قرآن مجید نے امہات المومنین کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے۔

جب انبیاء پر ظلم ہوا اور شہروں سے نکالا گیا۔ تو ان آبادیوں یا معاشروں پر عذاب نازل ہوا۔ کیونکہ انہوں نے انسانیت کی بھلائی کی دروازے بند کر دیے تھے۔ اسی طرح، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مکہ سے مدینہ چلے گئے، تو مکہ والے، مسلمانوں کے ہاتھ سے چند سال کے بعد ہی شکست کھا گئے، اور ذلیل ہوئے۔ اللہ تعالی نے دنیا میں ظلم کو اپنے بندوں کے ذریعے ختم کر کے مظلوموں کو نجات دلاتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ کفر رہ سکتا ہے، رہے گا، لیکن ظلم ہمیشہ نہیں رہ سکتا۔ اللہ کے نظام کائنات کے اصول دائمی ہیں۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝

سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے اور فجر کی نماز میں قرآن پڑھیں بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔

وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

اور رات کے کچھ حصے میں آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، (یہ) آپ کے لئے اضافی عبادت ہے، عنقریب آپ کا رب، آپ کو مقام محمود پر پہنچائے گا۔

نمازوں کے اوقات کے بارے میں احکام ہیں۔ سورج کے ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز ہے۔ پھر رات کے اندھیرے میں مغرب (بعد از غروب آفتاب) اور عشاء کی نماز ہے۔ صبح قبل از طلوع فجر کی نماز ہے۔ نمازوں کے اوقات اور رکعت کی تعداد، نماز کے لئے طہارت، طریقہ نماز، فرائض وواجبات کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اوقات کی وسعت اور

انسانی سہولت کے لئے نبی ﷺ نے دن میں مختلف اوقات کے دوران نمازیں پڑھیں، تاکہ سہولت رہے۔ تہجد کی نماز رات کو دوسرے نصف میں ہوتی ہے۔ جو کہ نفل ہے اور سونے کے بعد اٹھ کر پڑھنا سنت ہے۔ اس کی رکعت کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور اس کا بڑا مرتبہ و ثواب ہے۔ مقام محمود کا امتیاز نبی ﷺ کو خصوصی طور پر قرب الٰہی کے لئے دیا گیا ہے۔ جس کا اظہار قیامت کے دن ہو گا۔

وَ قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا۝

اور کہیے اے میرے رب: مجھے جہاں داخل فرما اچھائی (سچائی) کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے نکال چھائی (سچائی) کے ساتھ نکال اور مجھے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ تیری مدد ہو۔

وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا۝

اور کہیے: حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل تو مٹنے والا ہے۔

آیات مبارکہ مکہ شریف میں نازل ہوئیں۔ اور اس کے بعد آپ نے وہاں سے ہجرت کی۔ اسلئے اس کی ایک تعبیر، آپ کے مکہ سے خروج (ہجرت) اور مدینہ شریف میں ورود (داخل ہونا) ہے۔ ان دونوں امور میں اللہ تعالی کی راہ نمائی، نصرت اور حق کی جدوجہد کا ذکر ہے۔ ویسے بہت خوبصورت دعا ہے۔ بہتر ہے کہ کسی بھی اہم مقام پر داخل ہوتے وقت پڑھی جائے اور اللہ تعالی کی رحمت و مدد کو پیش نظر رکھا جائے۔ اللہ تعالی نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ جب آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر جو خانہ کعبہ میں بت تھے، ان کو چھڑی کے ذریعے گرایا، تو آیت آپ کی زبان مبارک پر جاری تھی۔ ایسے امور جو اسلام کے سراسر خلاف ہوں اور اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کر رہے ہوں، ان کو اور ان کے اسباب کو اسلامی معاشرہ میں ختم کرنا چاہیے۔ لیکن انصاف کے اصولوں کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا۝

ہم قرآن میں وہ نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے سوائے نقصان کے اور کچھ زیادتی نہیں ہوتی۔

وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوۡسًا۝

اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت دیتے ہیں، تو وہ (بجائے شکر کے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل لیتا ہے۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچی تو مایوس ہو جاتا ہے۔

قُلۡ كُلٌّ یَّعۡمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰی سَبِیۡلًا۝

آپ کہہ دیجیے: کہ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ صحیح راستہ پر ہے۔

امراض سے شفاء:۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب اور مومنوں کے لیے رحمت و شفاء ہے۔ اس کی تعلیمات، ان پر غور و فکر اور علمی و روحانی طور پر، انسان کو معاشرہ، انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق، کو سمجھنے میں بہت مدد و رہنمائی کرتا ہے۔ اس پر عمل کرنے میں کامیابی ہے۔ اسلئے روحانی اور ذہنی پریشانیوں کے لئے ایک بہترین علاج ہے۔ اس کے علاوہ کئی آیات مبارکہ کے پڑھنے اور ان کو پڑھ کر پانی پر پھونک مارنے یا پھونک، ہاتھوں پر مار کر جسم پر ملنے سے بھی، جسم کے اندر اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس اثر کی بناء پر جسم کے اندر بیماری کے خلاف، ہارمون یا بیکٹریا پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے بیماری زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جس طرح پہلے حدیث میں ذکر ہو چکا ہے، کہ اللہ تعالیٰ صحت مند گوشت پیدا فرما دیتا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا۔ کہ اگر کوئی آدمی کوئی تعویز یا کلام یا کوئی اور علامت اس بناء پر لٹکاتا یا پہنتا ہے۔ کہ وہ (تعویذ) اس پر کوئی بیماری یا بلاء پریشانی روک لے گا، یا محبت پیدا کرے گا۔ آپ نے اسے حرام قرار دیا اور منع فرمایا۔ بیماری میں آپ نے قرآن مجید کی آیات کا ذکر، یا پڑھ کر دم کرنے یا پریشانی میں نماز وغیرہ سے، اللہ تعالیٰ سے شفاء اور کامیابی کی دعا کرنے کی ترغیب دی۔ اگر غور کریں، تو منع کرنے کی وجہ، انسان کی قوت عمل، اس کے ارادے کو مضبوط کرنا ہے۔ کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے حفاظتی تدابیر کرے، اور محض توہم پرست بن کر نہ بیٹھ جائے۔ کوشش کر کے مسائل حل کرے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور دم بھی کوشش کی ایک صورت ہے۔ نفسیاتی تسلی کے بعد عمل میں تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف قرآن مجید کو نہ سمجھنے یا غور و فکر کرنے سے آدمی، ہدایت اور عمل کی برکت سے محروم رہتا ہے۔ منکرین اسلام نے قرآن کو ضد اور تکبر کی وجہ سے سمجھنے یا غور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس کی وجہ سے ان کو فائدہ نہیں ہوا۔ اور انہوں نے اپنی غلطی کی وجہ سے نقصان میں اضافہ کیا۔

انسان کے کردار کا ذکر ہے۔ جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو بھاگنے لگتا ہے۔ گھبرا جاتا ہے۔ ہر طرف سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ صبر کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں۔ اور جب نعمت ملتی ہے تو اکڑ کر شکر گزار بننے کی بجائے دوسرے راستے پر چل پڑتا ہے۔ اور سارے عمل کو اپنی صلاحیت مانتا ہے۔ یہ رویہ ہم اپنے معاشروں میں دیکھتے ہیں کہ حکمرانوں کے پاس مجمع رہتا ہے۔ اور جونہی کوئی حکمرانی سے گیا، تو اس کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ یہ انسان خود غرضی کی دلیل ہے۔

تشدد منع ہے:۔

مختلف انسانوں کے مزاج ہیں۔ کوئی دھیما اور کوئی سخت۔ اسی طرح علم و عقل کا درجہ بھی مختلف ہے۔ اس وجہ سے، ان کے انداز اور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ تشدد اور ظلم کو کبھی نہیں اپنانا چاہیے۔ ہر شخص، جیسا صحیح سمجھتا، یا چاہتا ہے، اس طرح کا عمل کرتا ہے۔ اگر وہ سوال کرے تو بتانا چاہیے، لیکن ریاست کو عدل کے ساتھ قانون نافذ کرنا بہت ضروری ہے، تاکہ فساد نہ ہو۔ صحیح اور غلط، سچ اور جھوٹ کا فیصلہ بروز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے عدل سے فرمائیں گے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں تو محض تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝

اور البتہ اگر ہم چاہیں، تو جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، اسے ضرور لے لیں۔ پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہیں پائیں گے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

سوائے آپ رب کی رحمت کے، بے شک آپ پر اس کا فضل بہت زیادہ ہے۔

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

کہہ دیجئے: اگر تم انسان اور جن، اس بات پر جمع ہو جائیں، کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں، تو وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے مدد گار بھی بن جائیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور بلاشبہ ہم نے انسانوں (کی بھلائی) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی حکمت کی باتیں طرح طرح سے بیان کی ہیں، پھر بھی اکثر لوگ انکار کے سوا کسی بات پر راضی نہیں ہیں (انکار کیا)۔

روح:۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے نبی ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ جس کے جواب میں آپ نے وحی کے بعد فرمایا۔ کہ یہ اللہ کا امر ہے۔ اور اس کے بارے میں بہت کم علم دیا گیا ہے۔ تمام علم اللہ تعالی کے پاس ہے۔ روح کیا ہے؟ سائنس تو اس کو نہیں سمجھتی۔ البتہ مذاہب کے علماء نے اس پر بحث کی ہے۔ مسلمان اہل علم کلام (علماء) نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ لیکن جامع تعریف یہ ہے کہ، یہ ایک قوت ہے جو بدن میں موجود ہو، تو زندگی یا سانس، رواں دواں رہتا ہے۔ اور جب نکل جائے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور جسم بے حس وجود بن جاتا ہے۔ چونکہ امر ہے۔ اس لئے اس کا وجود مادی نہیں ہے۔ بعض علماء نے اسکی تشبیہ، بخارات (بھاپ) سے دی ہے۔ چونکہ قوت ہے، تو ایک ایسی چیز ہے جس کا ادراک انسان کو نہیں۔ اس کا وجود کیا ختم ہو جاتا یا رہتا ہے؟ اسکے بارے بھی مختلف آراء ہیں۔ لیکن اکثریت کے ہاں یہ صور کے موقع پر فنا ہو جائیں گی۔ اور پھر واپس پیدا ہو جائیں گی۔ اور کچھ کے ہاں یہ مادی نہیں، اس لئے اس کو فنا نہیں ہے۔ اس کا ذکر سورت البقرہ اور سورت الحجر: ۸۵ میں بھی کیا گیا ہے۔ مرنے کے بعد روح کہاں ہوتی ہے؟ کہا گیا ہے کہ: (۱):۔ جنت میں مومنین کی اور گمراہوں کی دوزخ میں ہوتی ہیں۔ (۲):۔ مقام علین میں ساتویں آسمان اور مقام سجین میں ہوتی ہیں۔

روح کے معانی میں، قرآن مجید اور جبرئیل علیہ السلام بھی لئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ روح کو پیدا اور کنٹرول فرماتے ہیں۔ سائنس روح کو نہیں مانتی، لیکن روح کی جدید تشریح یا مثال، انرجی کی صورت میں سگنل ہیں، جو سافٹ ویر کی طرح کنٹرول ہوتا ہے۔ روح کے کنٹرول کا ذریعہ بھی فرشتے ہیں۔ جو انرجی (روشنی) سے بنے ہیں اور سافٹ ویر کی طرح حکم بجالاتے ہیں۔ جس طرح انسان کے بنے سافٹ ویر، انسان کا حکم بجالاتے ہیں اور چاند پر چاند گاڑی اور عطارد (مارس) پر مارس روور (گاڑی) کو کنٹرول کرتے ہیں۔ مزید انکشافات مستقبل میں ہوں گے۔ روح کو کنٹرول کی مثال اس طرح ہے جیسے مختلف معلوماتی پلیٹ فارم (وٹس اپ، فیس بک، ٹویٹر) اپنے سافٹ ویر کو تمام موبائیل یا یوزر (استعمال کرنے والے) کے کمپیوٹر پر کنٹرول کرتے ہیں۔ اسی طرح روح بھی کنٹرول ہوتی ہے۔ تمام جان دار دماغ رکھتے ہیں اور وہاں روح ایک سافٹ ویر کی طرح موجود رہتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، وہاں سے بذریعہ فرشتہ نکال لیتے ہیں اور وہ جاندار ختم ہو جاتا ہے۔ کمپیوٹر، انسانی دماغ کی ایک ادنی نقل ہے، جس میں یاداشت (میموری) جو مادی وجود ہے اور سافٹ ویر، ان کا مادی وجود نہیں ہوتا لیکن کام کرتے ہیں۔ یہ صرف سمجھانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام بہت ایڈوانس ہے۔

کفار مکہ، محض ضد کے لئے مختلف مطالبے کرتے۔ قرآن مجید کو انسانی کلام کہتے اور وحی الٰہی کا انکار کرتے۔ قرآن مجید نے کئی دفعہ اسطرح کا کلام لانے کا چیلنج کیا، لیکن وہ اس طرح کی آیت بھی نہ لا سکے۔ دعوت تبلیغ روکنے کے لئے انہوں نے ہزاروں جتن کیے۔ لالچ دیے۔ لیکن آپ صلی ﷺ اپنے مشن میں ہمہ تن مصروف رہے، اور یہ اللہ کے فضل کا نتیجہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو، اللہ تعالیٰ اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں۔ ان کے کردار انتہائی اعلیٰ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید ہدایت کی کتاب ہے۔ اس میں تمام انسانی فلاح کے اسباب اور عوامل کا ذکر ہے۔ لیکن بد قسمتی سے لوگ، ضد، کم علمی کی خاطر قرآن مجید کا وہ مطالعہ نہیں کرتے، جس کا حق ہے۔ قریش مکہ تو صرف اس کا انکار ہی کرتے رہے۔ آجکل اس کے احکامات پر عمل نہ کرنا اور مسلمان کہلانا، انکار کے مترادف ہے۔ ہمارے لئے موجودہ دور میں یہ لمحہ فکریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن مجید کو سمجھنے اور ہدایات پر عمل کرنے کی ہمت دے۔ آمین۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝

اور وہ بولے ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمے جاری کر دے۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝

یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگور کا باغ ہو اور باغ کے درمیان نہریں جاری ہوں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝

یا تو آسمان ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے، جیسے آپ کہا کرتے ہیں یا اللہ کو یا فرشتوں کا سامنے لے آو۔

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

یا تمہارے لئے سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے، حتی کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتار لائیں، جسے ہم پڑھیں، آپ کہیں، میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک انسان رسول ہوں۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر جاری ہے۔ قرآن سے انکار، نبی ﷺ کی مخالفت اور عجیب و غریب معجزوں کا مطالبہ، مثلاً پہاڑ سونے کا بن جائے، اور میدان ہو کر باغ و بہار بن جائے، چشمے جاری ہوں۔ پہاڑ سونے کا بن جائے۔ قرآن کو آپ کی زبان سے سننے کی بجائے آسمان سے فرشتہ کتاب لے کر آئے۔ آپ کا گھر سونے کا بن جائے۔ غرض جتنے منہ، اتنی باتیں۔ اس سے پہلے بتایا گیا، کہ اگر معجزہ واقع ہو، اس سے سبق نہ سیکھا جائے، وہی ضد اور انکار جاری رہے۔ تو قدرت جس طرح معجزہ ایک خارق (خلاف) عادت کام ہوتا ہے، اسی طرح وہ قوم بھی خلاف توقع تباہ کر دی جاتی ہے۔ اس لئے معجزوں کا مطالبہ یا پورا ہونا، خطرناک ہے۔ ان تمام امور کے جواب میں آپ نے جو جواب فرمایا اور یہ کئی دفعہ آیا، کہ میں انسان ہوں۔

مقام انبیاء:۔

میرا رب پاک، بلند ہے۔ وہ معجزے عطا کرتا ہے۔ میں انسان کے ساتھ، اس کا رسول بھی ہوں۔ جو تمہیں اس کا پیغام سنا رہا ہوں۔ تمام انبیاء، انسان تھے اور حکمت یہ تھی کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان سے انسان کا سیکھنا، سکھانا، ایک فطری عمل ہے۔ انسان، انسان کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ انبیاء، معاشرہ میں زبان، اپنی اہلیت اور قوت میں، اللہ کے نبی ہونے کی وجہ سے تمام انسانوں اور فرشتوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت کرتا ہے۔ کفار کہتے تھے، کہ آپ کیسے نبی ہیں۔ آپ تو ہماری طرح چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، انسان ہیں۔ جس کے جواب میں قرآن پاک نے بتایا کہ انسان ہیں، لیکن وہ انسان ہیں جن کو اللہ تعالی نے انسانیت کی رہبری کے لئے چن لیا، علم عطا کیا، معراج دی، تمام انسان کی طرح انسان سمجھنا یا بشر، آدمی، بار بار کہنا، گستاخی ہے۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمھیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

آپ ﷺ سید المرسلین ہیں۔ آپ کے شرف اور اعلی مقام کے پیش نظر، یہ بے ادب، انداز کلام ہے۔ آپ کا مقام رفیع تو یہ ہے۔

ع　　　بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر

آپ کو بعض اوقات اگر کوئی نور کہتا ہے یا سمجھتا ہے تو وہ ہدایت اور علم و کردار کی بلندی ہے۔ ورنہ روشنی، تو ایک قوت ہے یا کسی چیز کا اتنا شفاف ہونا کہ روشنی گزر جائے، محض ٹرانسپرنٹ مواد بھی ہو سکتا ہے۔ انسان کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ اسطرح کا انداز محبت (نور و بشر) دراصل انسان کو، اس کے مقصد اعلی، جو نبی علیہ السلام کی ذات سے سچی محبت اور آپ کے مطابق، اپنا کردار بنانے کے بنیادی اسلامی مقصد سے دور کر دینے کا ذریعہ ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۝

کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو وہاں مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا۝

کہہ دیجیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ (بطور) گواہ کافی ہے، بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر اور (انہیں) خوب دیکھنے والا ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا۝

اور جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو آپ ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہرگز نہ پائیں گے۔ اور ہم قیامت کے دن انہیں (گمراہوں کو) چہرے کے بل، اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ جب بھی وہ بجھنے لگے گی، تو ہم اس (آگ) کو ان کے لئے اور بھڑکا دیں گے۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝

یہ ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے ہماری آیات (نشانیوں) کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے، تو کیا پھر بھی ہمیں نئے سرے سے زندہ کرکے اٹھایا جائے گا؟

اللہ تعالی کے احکام نہ ماننے والوں کے دنیا اور آخرت میں کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ آخرت کا انکار کرنے والے یہ سوچتے ہیں, کہ انسان جب مٹی میں ختم ہو جاتا ہے یا کسی حادثہ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ تو وہ کس طرح دوبارہ زندہ ہو گا۔ وہ ہر روز لاکھوں زمین سے نکلنے والے پودوں، درختوں کو نہیں دیکھتے. وہ کس طرح بظاہر کوئی ان کا اصل نظر نہیں آتا, لیکن وہ کھل (نکل) کر بڑا پودے یا درخت بن جاتے ہیں۔ لہذا اللہ کی قدرت پر ان کو یقین کرنا چاہیے۔ نبی کو اسی لئے انسان بنا کر بھیجا گیا، کہ فرشتہ جسمانی مخلوق نہیں۔ اور نہ ہی زمین پر رہ سکتا ہے۔ اس لئے نبی ایک انسان ہو گا، اور ان کو عملی صورت میں کردار پیش کرکے ہدایت کا صحیح نمونہ یا رہنما ہو گا۔ یہی اعزاز ہے کہ ایک انسان ہو کر، انسانیت اور مخلوق کے اعلی ترین مقام پر فائز ہو تا ہے۔ جو انسان احکام الہی سے انکار کرتے ہیں۔ قرآن اور نبی علیہ اسلام کی رہنمائی، کائنات کے احوال، انسان کی اپنی زندگی، ان امور سے وہ آنکھ، کان، یعنی عقل، بند کر لیتے ہیں۔ گویا وہ اندھے بہرے اور گونگے ہیں۔ ان کے اس عمل کی بنا پر، اللہ تعالی انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن ان کی حالت کا اندازہ لگائیں۔ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ لیکن اس معذوری کے باوجود ان کو الٹا چلنا

پڑے گا۔ جبکہ اوپر کے جسم کے حصہ میں سکون نہیں ہو سکتا، کیونکہ ٹانگوں، پاؤں، گھٹنوں کے جوڑ علحیدہ علحیدہ ہونے کی وجہ سے توازن رکھنا تقریبا بہت مشکل ہو گا۔ یہ سزا کی کیفیت سمجھانے کے لئے مثال ہے۔ یا حقیقت ہے۔ جو بھی ہے انتہائی خوفناک ہے۔ اور ضروری ہے کہ اس سے بچا جائے۔ نبی علیہ السلام کو تسلی فرمائی، کہ آپ منکرین حق کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالی آپ کے اس عمل کی صداقت پر گواہ ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کئے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر دوبارہ پیدا کر دے۔ اور اس (اللہ) نے ان (انکار کرنے والوں) کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں کوئی شک نہیں۔ پھر ان ظالموں نے انکار کیا، مگر کفر کرنے سے انکار نہیں کیا۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا

کہہ دیجیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے، تو اسی وقت انہیں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور روک لیتے اور انسان نہایت ہی بخیل ہے۔

قیامت کے واقع ہونے پر ایمان کے دلائل ہیں۔ کہ جس نے ساری کائنات بالخصوص، زمین و آسمان اور اس میں اشیاء بغیر کسی اصل یا بنیاد کے بنائی ہیں۔ مرنے والے انسان کو، جس کا مکمل وجود ہوتا ہے۔ اس کے لئے دوبارہ زندہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ جو انکار کر رہے ہیں، ان کو دنیا میں مہلت ہے۔ اس کے بعد ان کو سزا ملے گی۔

بخل:۔

انسان کی خصوصیات ونفسیات کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ انسان اصل میں حریص اور بخیل ہے۔ بخل کی وجہ حرص ہے۔ حرص اور بخل کی وجہ سے انسان جرائم کرتا ہے۔ اسلام میں بخل کو بہت برا قرار دیا گیا ہے۔ یہ انسان کی بری اور منفی عادت ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں تنگی اور بین الانسانی تعلقات میں ترشی (سرد مہری) پیدا ہوتی ہے۔ لہذا چند احادیث بخل کی مذمت میں درج ہیں۔

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق بیان کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوں گی۔ بخل اور بد خلقی ا(سنن ترمذی)۔

۲۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالی بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ کسی قوم سے خیر بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے تو ان کے معاملات کا والی حکما(عقلمند اور سچے لوگ) کو بنا دیتا ہے۔ اور مال سخی لوگوں کے پاس رکھتا ہے اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ شر (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے۔ تو ان کے معاملات کا والی، جاہلوں کو بنا دیتا ہے۔ اور مال بخیلوں کے پاس

رکھ دیتا ہے۔ (الترغیب والترہیب)۔ یہ مومن کی صفات ہیں۔ اس حدیث سے بخل کے معاشی و معاشرتی نقصانات اور سخاوت کے سماجی اور معاشی فواید کی طرف اشارہ ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا۝

اور بے شک ہم نے موسی کو نو مکمل نشانیاں دیں چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھ لیں، جب وہ، (موسی) ان کے پاس آیا، تو فرعون نے ان سے کہا اے موسی: بے شک میں تجھے سحر زدہ (جادو کیا ہوا) سمجھتا ہوں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۝

اس (موسی) نے کہا تو یقینا جان چکا ہے، کہ یہ چیزیں (معجزات) آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے واضح دلائل بنا کر غور و فکر کرنے کے لئے نازل کئے ہیں۔ اور اے فرعون: میں تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا۝

پھر اس (فرعون) نے ارادہ کیا کہ، انہیں اس زمین سے اکھاڑ (نکال) دے، تو ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا۔

وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا۝

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس زمین میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا، تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے۔

بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ اللہ تعالی نے جب حضرت موسی علیہ السلام کو فرعون کے پاس تبلیغ حق کے لئے بھیجا۔ تو آپ کو مشہور معجزات عطا فرمائے گئے۔ معجزات یہ ہیں۔

١۔ ہاتھ مبارک کا روشن ہو جانا۔

٢۔ عصا کا سانپ بن جانا۔

٣۔ سمندر (دریا) کو چیرنا۔

٤۔ ٹڈیوں کا طوفان۔

٥۔ جوؤں کا بھیجنا (پڑنا)۔

٦۔ مینڈکوں کی بارش۔

٧۔ خون نکلنا۔

٨۔ طوفان کا آنا۔

٩۔ قبطیوں پر قحط۔

اس کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً پتھر سے چشمے نکالنا۔ من و سلوی کے کھانے۔ صحرا میں بادل کا سایہ مہیا کرنا۔ مقصد یہ ہے، کہ ان نو معجزوں کے باوجود، فرعون کی قوم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور محض ضد کی وجہ سے مخالفت کی، تو ان کو غرق کر دیا اور اب اہل مکہ اسی طرح کر رہے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق نو بہت اہم احکام بھی تھے۔ جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔

۲۔ زنا نہ کرو۔

۳۔ جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔

۴۔ چوری نہ کرو۔

۵۔ جادو نہ کرو۔

۶۔ کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاو کہ وہ اس کو قتل کر دے (جھوٹا الزام)۔

۷۔ سود نہ کھاؤ۔

۸۔ کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ۔

۹۔ میدان جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ۔

۱۰۔ ہفتہ سے دن حد سے نہ بڑھو (روایت صنوان بن کمال سنن ترمذی / مسند احمد)۔

یہ احکام تورات میں موجود ہیں۔ فرعون، بجائے اس کے، کہ کلمہ حق پر غور کرتا، موسیٰؑ کو سحر زدہ قرار دیا۔ ظلم و ستم برقرار رکھے۔ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰؑ کو ختم کرنا چاہا۔ بلا آخر غرق ہو گیا۔ اس کے رویہ کو دیکھ کر، حضرت موسی نے اس کی ہلاکت کی اس کو اطلاع بھی کر دی تھی (ایت)۔ یہ اہل مکہ کے لئے ایک غور و فکر کا پیغام تھا۔ کہ وہ اسلام کے خلاف اپنا رویہ بدلیں۔ ورنہ ان کا انجام بھی برا ہو گا۔ جو بعد میں ہوا اور مکہ کو فتح کر لیا گیا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

اور ہم نے اس قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے۔ اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا (جدا کر کے) نازل کیا، تا کہ آپ لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اس کو بتدریج ہی نازل کیا ہے۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝

کہہ دیجیے: اس پر ایمان لاوء یا ایمان نہ لاوء، بلاشبہ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان پر (آیات) تلاوت کی جاتی تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۝

اور وہ کہتے ہیں، پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔

وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۝

اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع (خوف) کو زیادہ کرتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝

کہہ دیجیے: اللہ کو، اللہ کہہ کر، یا رحمان، کہہ کر پکارو۔ تم جس نام سے بھی پکارو گے، تو اسی کے لئے اچھے سے اچھے نام ہیں۔ اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں نہ پست (ہلکی) آواز سے پڑھیں۔ بلکہ اس کے بین بین (درمیان) راستہ اختیار کریں۔

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۝

اور کہہ دیجیے: ساری تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کے لئے شریک ہے۔ اور نہ اسے کمزوری کی وجہ سے حمایتی درکار ہے۔ اور آپ، اس اللہ کی کمال درجہ کی، بڑائی بیان کریں۔

معجزات کے ذکر میں قرآن مجید ایک بڑا معجزہ تھا۔ لیکن جس کو قریش نہیں مانتے تھے۔ نبی ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ بشیر و نذیر ہیں۔ (نیکی پر اجر اور گناہ پر سزا کی خبر دینے والے)۔ آپ ان کی گمراہی پر پریشان نہ ہوں۔ قرآن مجید اور اللہ کا پیغام (اسلام) سراسر حق ہے۔ انسانیت کے لئے دنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ ہے۔ اگر عمل کریں تو ان کا اپنا فائدہ ہے۔ قرآن مجید کو آہستہ آہستہ نازل کیا گیا ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔

۱۔ اس کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ ۲۔ اس کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔

۳۔ عمل کرنے میں آسانی ہو۔ ۴۔ ضرورت کے مطابق رہنمائی ملتی ہے۔

۵۔ اس کی تدوین میں آسانی ہو۔ اور اسکی تدوین میں حفاظت ہو سکے۔

یہ امور قریش کی سمجھ سے بالا تھے۔ اس لئے وہ بھی کہتے کہ ایک مکمل کتاب کی صورت میں نازل کیوں نہیں ہوا؟ اگر قریش انکار کر رہے ہیں، تو کوئی نئی بات نہیں۔ اہل ایمان جو اہل کتاب میں سے ہیں، وہ اس کو مانتے ہیں۔ اور اس کی تلاوت ان کے دل و دماغ پر اثر کرتی ہے۔ ان کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کے حضور سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ ایمان میں شدت اور حلاوت سے آنکھوں میں آنسو ابل پڑتے ہیں۔ سر جھک جاتا ہے۔ ٹھوڑی زمین پر لگا کر عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ کے بہت

خوبصورت نام ہیں۔ جس نام سے پکارا جائے، وہ دعا اور پکار کو سنتا ہے۔ نبی ﷺ نے جب لفظ رحمان اور رحیم کے الفاظ، اللہ کی ذات کے استعمال کیے۔ تو کفار مکہ کہنے لگے۔ پہلے تو ان کا خدا، اللہ تھا اور اب ایک رحمان بھی ہے۔ ان کے اس وھم کو دور کیا، کہ وہ ذات واحد ہے۔ اس کے نام مختلف ہیں، جو ننانوے کے قریب ہیں۔

اللہ کی ذات بلند ہے۔ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں۔ اس کی قوت سب سے عظیم ہے۔ اس کو مدد گار کی ضرورت نہیں اور وہ کیفیت ماہیت سے پاک ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ واحد اور شریک ہے۔ عظیم، پاکی اور حمد کے لائق ہے۔

اور جب مسلمان، نماز میں بلند آواز میں تلاوت کرتے تو کفار مکہ شور کرتے۔ اور کوشش کرتے کہ بلند تلاوت میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اس لئے حکم دیا کہ خاموشی اور نرم آواز میں تلاوت کی جائے، تاکہ شور (اونچی اواز) نہ ہو۔ اس لیے دن کی نمازوں میں خاموشی کے ساتھ تلاوت اور رات کی نمازوں میں بلند آواز کے ساتھ ہے۔ لیکن

آواز میں شور نہ ہو۔ صرف مقتدی (ساتھ نماز پڑھنے والے) سن سکیں۔ ویسے بھی ایک اصول کے طور پر مناسب آواز کو کلام کا طریقہ فرمایا گیا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ اہل ایمان جن کے دلوں پر قرآن مجید اثر کرتا ہے۔ ان کے ایمان میں اضافہ اور محبت اور خوف کے آنسو رواں کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے۔ ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے، دوسری جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لئے رات کو بیدار ہوتی ہے۔ (بیہقی والحاکم)۔

ایک روایت کے مطابق (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) نبی ﷺ نے فرمایا کی بیماری اور پریشانی کے وقت، **توکلت علی الحق الذی لا یموت**، اور اگے اس اخری ایت (۱۱۰) کے پڑھنے سے اللہ تعالی تکلیف کو دور فرما دیں گے، (ابو یعلی)۔

سورت کی ابتداء اللہ کی قدرت، جس کا معراج کے ذریعے اظہار ہوا، اور اس کی انتہا اس کے کلام اور اس کی ذات کی وحدانیت، بادشاہی اور کبریائی پر ختم ہوئی۔

الحمد اللہ سورہ بنی اسرائیل مکمل ہوئی اللہ تعالی سارے قرآن مجید کی صحیح تفسیر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور کوشش کو قبول فرما کر عام الناس کے لیے مفید بنائے۔ امین ہارب العالمین بجاہ سید المرسلین والہ واصحابہ اجمعین۔

۱۸۔ سورہ کہف

تعارف:۔

سورت کا نام الکہف ہے۔ چونکہ اس میں کہف بڑی غار کا آیت نمبر ۹ میں ذکر ہے۔ اصحاب غار کا بھی ذکر ہے۔ اس سورت میں بارہ رکوع اور ایک سو دس آیات ہیں۔ اس کا زمانہ نزول، ہجرت حبشہ سے پہلے اور سورت بنی اسرائیل کے فوری بعد ہے۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۶۸ ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے اس کا نمبر ۱۸ ہے۔ مضامین کے لحاظ سے سورت بنی اسرائیل کی ابتداء تسبیح سے اور اختتام حمد پر ہے۔ اسی طرح سورت الکہف کی ابتداء بھی حمد اور اس کی انتہا بھی اللہ کے انعام و اکرام اور توحید پر ہے۔ موضوعات میں بھی مماثلت ہے۔ شان نزول کے بارے میں روایت ہے، کہ کفار مکہ نے جب اسلام کو پھیلتے دیکھا، اور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت سے متاثر ہوئے۔ تو کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہاء کر دی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ دوسری طرف کفار مکہ نے مدینہ کے یہود کے پاس نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی المعیط کو بھیجا، کہ وہ، دعوی نبوت، کا امتحان لینے کے لیے کچھ سوالات بتائیں۔ یہود نے ان سے کہا کہ ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو، جو پہلے زمانے میں نکلے تھے۔ ان کا کیا ہوا؟ دوسرا اس شخص کے بارے میں پوچھو، جس نے مشرق اور مغرب کا سفر کیا تھا، اور تیسرا انسانی روح کے متعلق سوال کرو۔ ان کے جواب میں انہوں نے کہا، ایک جواب نفی ہے۔ اور دو کے جواب مثبت ہوں گے۔ جب وہ واپس آئے، تو نبی ﷺ سے یہ سوالات پوچھے۔ آپ نے فرمایا، کہ کل جواب دوں گا۔ لیکن انشاء اللہ، کہنا بھول گئے اور وحی نہیں آئی۔ روایات میں ہے کہ پندرہ دن تک وحی بند رہی۔ اس عرصہ میں کفار مکہ ہر روز بار بار تنگ کرنے کے لیے آتے۔ سوالات دوہراتے اور پروپیگنڈہ شروع کر دیا، جس کی وجہ سے آپ کی طبعیت اور مسلمان پریشان ہوئے۔ اللہ تعالی نے یک بارگی سورت کہف نازل فرمائی۔ روایت کے مطابق ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ تھے۔ اس سورت میں قریش کے سوالات کے مکمل جوابات دیے گئے ہیں۔ سورت کے واقعات، انسانی نفسیات کی تشریح، معاشرت اور حکمرانی کے اصول کے لئے سنگ میل ہیں۔ (۱) نوجوانوں کے قصے کی تفصیل سے وضاحت فرمائی۔ (۲) مشرق و مغرب کے سفر کرنے والے حکمران کا ذکر کیا۔ جس میں حکمرانی کا سبق ہے۔ (۳) پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات میں چھپی شعار کی حکمتیں ظاہر کیں۔ (۴) باغوں والے کے واقعات سے معاشرے میں ایک دوسرے سے برتاو کا ذکر ہے۔ (۵) توحید اور قیامت کا ذکر ہے۔ روح کا سوال چونکہ مختصر تھا، اس مناسبت سے سورت بنی اسرائیل میں ذکر کیا اور طویل و مفصل جوابات سورت کہف میں شامل ہیں۔ سورت کہف کی فضیلت میں کئی احادیث ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص نے جمعہ کے دن سورت کہف کو پڑھا۔ اسکے لیے دو جمعوں کے درمیان نور کو روشن کر دیا جائے گا۔ (المستدرک)۔ ایک اور روایت جو انہی سے مروی ہے کہ جس شخص نے سورت الکہف کی آخری دس آیات پڑھیں، اس شخص کو خروج دجال سے ضرر نہیں ہو گا۔ (المعجم الاوسط)۔

ا۔ صحابہ کرام اور دوسرے انسانوں کے لیے جو ایک مقصد اعلی کے لیے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ رہنمائی کی ہے۔

۲۔ صاحب عدل حکمران کی اہمیت اور اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کی دلیل ہے۔ اسلام کی عظمت و آخرت کی طرف بھی اشارہ تھا کہ حق پر چلنے والے حکمران انسانیت کے لیے رحمت ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿ؑ۱﴾

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔

قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾

نہایت، سیدھی و صحیح (کتاب)، تاکہ وہ (نبی) اس (اللہ) کی طرف سے شدید عذاب سے ڈرائیں اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت (خوشخبری) دیں، کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔

مَّاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾

اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ٭﴿۴﴾

اور وہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا، کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے۔

مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿۵﴾

حالانکہ نہ ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے، اور نہ ان کے باپ دادا کے پاس (علم) تھا۔ بڑی خطرناک بات ہے، جو ان کے موہنوں سے نکل رہی ہے۔ وہ سراسر جھوٹ کہہ رہے ہیں۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِہِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾

اگر یہ کافر اس قرآن پر ایمان نہ لائے، تو لگتا ہے آپ فرط غم سے اسکے پیچھے اپنی جان دے دیں گے۔

سورت کی ابتداء اللہ کی حمد و ثناء سے ہوئی، جو اس ذات کی عظمت کا اور اپنے نبی ﷺ پر اپنے خاص کرم کا اعلان کیا۔ جو اس کتاب کی صورت میں ہے۔ کہ یہ کتاب صحیح معلومات، واقعات، انسانی بھلائی کی رہنمائی کے لیے صحیح اور کامیابی کے راستے کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کے بیانات میں کوئی تضاد نہیں بلکہ مربوط ہیں۔

اس سچی کتاب میں اللہ کے حکم پر چلنے والوں کے لیے خوشخبری اور اعلیٰ انعام و اکرام کا وعدہ ہے، یہ انعام ابدی ہو گا۔ نیکی یا بدی کے اعمال کا انسان کو اختیار دیا ہے، لہٰذا اس کے اعمال کے مطابق سزا ہو گی۔ نبی کا کام پیغام پہنچانا ہے اور انسان کو اس کی کوشش کے مطابق اللہ تعالیٰ کامیابی (ہدایت) اور ناکامی (گمراہی) دیتا ہے۔ اس اصول کا اعلان کئی بار کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب کے بھیجنے والے، خالق حقیقی کے بارے میں غلط باتیں کیں، کہ اس نے اولاد بنالی ہے۔ سراسر جھوٹ اور غلط کلام ہے۔ جس طرح عیسائی کہتے ہیں۔ یہ بات ان کے باپ داداوں نے گھڑی تھی۔ جن کو اللہ کی ذات کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے یہ جرم اور سنگین جھوٹ ہے۔

نبی ﷺ کی تبلیغ اور اپنی قوم کے ایمان نہ ہونے پر، جو غم تھا اس کا اظہار کیا۔ کہ آپ اس غم میں گھل جائیں گے۔ جبکہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہے۔ داعی کا کام دعوت دینا ہے۔ آپ کو تسلی دی کہ ان حالات میں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ۝

بلاشبہ جو کچھ زمین پر ہے اسے زمین کی زینت بنایا، تاکہ ہم انہیں (انسانوں) کو آزمائیں کہ ان میں عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ۝

اور جو کچھ اس زمین پر ہے۔ بلاشبہ یقیناً ہم اسے چٹیل میدان بنادینے والے ہیں۔

دنیا کی رنگینی:۔

آیات مبارکہ، اللہ تعالی کی تخلیق اور انسان کے اس سے فائدہ اور زندگی کے مقصد کے بارے میں تعلیمات ہیں۔ اگر غور کریں تو بدلتے موسم، بادوباراں، بہار وخزاں، صحرا، دریا، سمندر اور پہاڑ، سبزہ اور مختلف پھل، فصل، جنگلات، حیوانات، خوبصورت آبشاریں، دریا، جھیلیں اور مسکراتے پھول، چہچہاتے پرندے، غذائی اجناس، معدنیات، یہ سب انتہائی منظم طریقے سے اللہ کے احکام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ ان کے کام یا کارکردگی کا فائدہ انسان ہر لحظہ اٹھارہا ہے۔ یہ سارے انعام اور پھر اس انسان کی زندگی، صحت، علم، عقل، سارا کچھ انسان کو اس کے فائدے اور استعمال کے لئے عطا ہوا۔ اسی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ٹھہرا۔ لیکن یہ اعزاز بھی امتحان ہے، کہ وہ اس زندگی کو کس طرح گزارتا ہے۔ صرف اپنی نفسانی اور جسمانی خواہشات کا حیوانات کی طرح تابع ہے۔ یا کائنات پر غور کر کے اس کے خالق کا ادراک کرتا ہے۔ اس پر یقین اور ایمان رکھ کر اس کے احکام کو دل وجان سے مانتا ہے۔ یہ سارا عمل اس کا اپنا اختیاری ہے۔ جو اعمال میں اچھا ہوگا اس کو اچھا بدلہ ملے گا۔ اور جو برے اعمال کرے گا اس کو اسکی سزا ملے گی۔ یہ ساری زمین، ایک دن چٹیل میدان بن جائے گی۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر سمندر کی گہرائیوں کو بھر دیں گے۔ گرمی سے پانی خشک ہو جائے گا، اور پھر اس چٹیل صاف میدان میں تمام انسانوں کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔ دنیا کی زینت ایک انعام و آزمائش ہے۔ اس کا صحیح استعمال انسان کے لیے باعث برکت اور برا استعمال باعث پریشانی ہے۔ دنیا کی مذمت اس کے غلط استعمال کے سبب کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے اس آیت "ایہم احسن عملا" کی تلاوت کی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ، اس آیت کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: تاکہ ہم آزمائیں کہ تم میں سے کس کی عقل زیادہ اچھی ہے۔ اور تم میں سے کون اللہ تعالی کی حرام کی ہوئی چیزوں سے زیادہ پرہیز کرنے والا اور تم میں

سے کون زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ تعالی کی اطاعت کرنے والا ہے۔ زندگی کی رنگینی اور انسان کی جسمانی اور نفسانی خواہشات کے لیے معاشی و معاشرتی جدوجہد ایک فطری عمل ہے۔ اس کے نتیجہ میں اگر دوسروں کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے، تو جُرم ہے۔

رسول اللہ کا طرزِ حیات:۔

ہمارے نبی ﷺ ایک حکمران تھے۔ جن پاس قانون سازی اور تنفیذی (انتظامیہ) کی قوت کے علاوہ، سماجی اور مذہبی، روحانی رہنمائی کا اعلی مقام تھا۔ آپ کی ذاتی خواہشات اور زندگی کے گزارنے کا طریقہ، تمام حکمرانوں، بالخصوص انتظامی امور کے ذمہ دار افراد، کے لیے ایک مثال ہے۔ جو اس حدیث سے ظاہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سوگئے اور آپ کے پہلو میں اس کے نقش پڑ گئے تھے۔ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ: ہم آپ کے لیے گدا بنادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا، دنیا سے کیا تعلق ہے۔ میں صرف دنیا میں، اس سوار کی طرح ہوں، جو کسی درخت کے سائے میں بیٹھے، اور پھر اس کو چھوڑ کر آگے روانہ ہو جائے۔ آپ ﷺ کو ریاست (شریعت) کی طرف سے اخراجات کے لیے ایک الاونس (رقم) ملا ہوا تھا، لیکن وہ بھی آپ استعمال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ غربا میں تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ کے بعد، آپ کے خلفاء راشدین نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ کیا آج ہمارے حکمران ایسی زندگی گزارتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡكَهۡفِ وَ الرَّقِيۡمِ ۙ كَانُوۡا مِنۡ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۝

آپ نے خیال کیا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے۔

اِذۡ اَوَى الۡفِتۡيَةُ اِلَى الۡكَهۡفِ فَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا۝

جب ان نوجوانوں نے غار کی طرف پناہ لی، تو انہوں نے کہا: اے ہمارے (رب) ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے معاملے میں صحیح رہنمائی مہیا فرما۔

فَضَرَبۡنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمۡ فِى الۡكَهۡفِ سِنِيۡنَ عَدَدًا ۝

پھر ہم نے ان کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک ان کو سلائے رکھا۔

ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ لِنَعۡلَمَ اَىُّ الۡحِزۡبَيۡنِ اَحۡصٰى لِمَا لَبِثُوۡۤا اَمَدًا ۝

پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ جو انہوں نے گذاری۔

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ۝

ہم تمہارے سامنے ان کا قصہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں یہ کچھ نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔ اور ہم نے انہیں ہدایت میں خوب ترقی دی۔

اصحاب کہف:۔

سورت کا نام کہف، اصحاب کہف کی وجہ سے ہے۔ اس کے شان نزول کے بارے تعارف میں لکھا جاچکا ہے۔ کہف ایک بڑی غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ میں ہوتی ہے۔ الرقیم کا معنی لکھا ہوا بھی ہے۔ جس سے مراد وہ کتبہ ہے جس پر ان کے نام لکھے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں الرقیم اس پہاڑ کا نام بھی ہے۔ جس میں یہ غار تھی۔ یہ غار کہاں ہے اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ میں نے ایک اس طرح کی چھوٹی سی غار, اردن کے دارلخلافہ عمان کے مضافات میں پہاڑ پر دیکھی۔ جس میں ممی کی صورت میں کپڑوں میں لپٹے جسم تھے۔ اور کتے کا ڈھانچہ تھا۔ اسکے مجاور کے مطابق,یہی اصحاب کہف کی غار ہے۔ کچھ مفسرین کے مطابق شام کے علاقہ میں ہے۔ اور کچھ کے مطابق ترکی کے علاقہ میں ہے۔ یہ واقعہ شام کے ایک پادری جیمز سروج(James of Seruj) نے اپنے مواعظ میں تحریر کیا۔ اس بشپ نے ۵۲۱ء میں وفات پائی۔ یہ اس واقعہ کے قریب ترین زمانہ تھا۔ اس کے مواعظ کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا۔ اور وہاں سے برطانوی مورخ ایڈورڈ گبن نے اپنی مشہور زمانہ کتاب سلطنت روم کا زوال، میں اس کا ذکر کیا۔ اور حسب طریقہ، مستشرقین نے قران کے واقعات کو نشانہ بنایا۔ اس واقعہ کے بارے احادیث میں کوہی تفصیل نہیں، لہذا یہ ساری معلومات دوسرے ذرایع سے ہیں۔ اس لیے صرف قران مجید کے حقایق تک تو صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ البتہ واقعات جس طرح درج کیے گیے ہیں، ان کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ نوجوان جس دور میں تھے۔ اس دور میں عیسائیت پر بڑا ظلم ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے بت پرستی کو سرکاری طور پر نافذ کر رکھا تھا۔ ایشائے کوچک، اس وقت رومن حکومت کے ماتحت تھا۔ دقیانوس (Desies) بادشاہ تھا۔ اور عیسائیت کا شدید مخالف تھا۔ ایک شہر (Ephesus) افیسس (طرطوس) میں رہنے والے چند نوجوان، جن کو اللہ تعالی نے ہدایت دی تھی۔ وہ بت پرستی سے شدید نفرت کرتے تھے۔ بت پرستی لازم تھی۔ مجوسی بھی تھے۔ عیسائیوں کو زبردستی، بت پرستی پر مجبور کیا جارہا تھا۔ اور انکار پر قتل یا قید کر دیا جاتا۔ ان نوجوانوں نے اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر، وہاں سے نکل کر ساتھ پہاڑ، کی ایک غار میں چھپ کرپناہ لی۔ جو اس وقت جلد جان بچانے کا طریقہ تھا۔ ان کے ساتھ کتا بھی تھا۔ جب وہ غار میں داخل ہوئے، تو وہ اس کے دہانے کے اندر پاوں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ نوجوان ایمان سے لبریز، بت پرستی سے نفرت کرتے تھے۔ ان کا مقصد اپنے ایمان کو بچانا، اللہ کی یاد میں رہنا تھا۔ جس کے لیے غار ایک بہترین جگہ تھی۔ ان کے پاس کوئی کھانے کا سامان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ بمشکل اپنی جان بچا کر لائے تھے۔ سو گئے اور ان کی نیند کو اللہ تعالی نے عارضی موت میں بدل دیا۔ کیونکہ ان کی یہ نیند چند سو سالوں پر محیط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان بچانے کی تمنا اور ہدایت کی جستجو کو قبول کیا۔ ظالم بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حکومتیں بدل گئیں۔ یہاں بت پرستی اور ان تین سو سالوں میں سب کچھ تبدیل ہو گیا اور عیسائیت سرکاری مذہب بن گیا۔ اللہ تعالی نے ان کی نیند کی گہرائی کو کانوں پر بھاری پن مسلط کرنے کا ذکر کیا ہے۔ عمومی طور پر گہری نیند میں آدمی کو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ اس طرح ان کی نیند گہری اور طویل بھی کر دی گئی۔

نیند اور حواس:۔

جب آدمی سوتا ہے تو اس کے دماغ میں غیر حساس حصہ (unconscious) کام کرتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے نظام ہضم، نظام دوران خون، نظام تنفس، کام کرتا ہے۔ لیکن حساس حصہ (conscious) کام چھوڑ دیتا ہے۔ دوسرے حواس خمسہ تقریباً ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بصارت، ذائقہ (منہ بند ہوتا ہے) چھونے کی حس اور سماعت (سننا)۔ چھونا اور ذائقہ جسم کے ساتھ ملنے سے ہے۔ لیکن سماعت کا تعلق دور سے بھی ہے۔ یعنی آواز کا ماخذ، جسم سے دور ہو سکتا ہے۔ عام طور پر سماعت کچھ حد تک کام کرتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شور میں آدمی سو نہیں سکتا اور شور کی وجہ سے نیند سے اٹھ جاتا ہے اور اس طرح اللہ تعالی نے ان کے کان بھاری کر کے ان کی سماعت بند کر دی تھی، تا کہ کسی قسم کا شور ان کو متاثر نہ کرے۔ دوسری طرف جسم کی حرکت کے لیے وہ پہلو بدلتے رہے، تا کہ اعضاء اور پٹھے کام کرتے رہیں۔ جب اللہ نے چاہا، تو ان کو جاگ آگئی اور پھر جاگنے کے بعد، بھوک کا احساس ہوا۔ اپنے چھپ جانے اور نیند کا خیال بھی آیا اور پوچھنے لگے کہ کتنی مدت سوئے ہیں۔ سونے کی مدت کے بارے میں آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ یا پھر وہ جب باہر نکلے، تو مقامی افراد، ان کی مدت جب سے وہ غائب تھے، کے بارے میں بحث کی، یا وہ حکمران جو، اب نئے آئے تھے، وہ ان کی مدت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہاں کے لوگوں کو ان کے بھاگ جانے اور چھپ جانے کا علم تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہو چکا تھا۔ اس لیے بعد میں آنے والوں کو، ان کے مذہب عیسائیت، کی وجہ سے ہمیشہ تجسس رہا۔ جس کی وجہ سے مدت غیاب پر بحث تھی۔ اس کے بارے میں قرآن مجید نے بتایا کہ یہ واقعہ سچ اس طرح ہے۔

تنہائی بمقابلہ گروپ:۔

اہم نقطہ ایمان کی سلامتی، اللہ کی تابع داری اور محبت میں، کفر سے پناہ لینے کے لیے ہجرت کرنا ہے۔ تا کہ جان و ایمان، دونوں سلامت رہیں۔ ان سب امور میں، اللہ تعالی کی رہنمائی اور مدد طلب کرنا ضروری ہے۔ جب عمل ہو گا تو اللہ تعالی کی مدد بھی شامل حال ہو گی۔ ایمان کی سلامتی کے لیے تنہائی اور ہجرت کی ترغیب ہے، لیکن فضلیت یہ ہے کہ معاشرے میں رہ کر، وہیں دنیا کی خدمت کی جائے اور بد کردار لوگوں سے عمل کے ذریعے، نفرت یا علیحدگی کا اظہار کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ مبارک کا قول ہے: کہ تم لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہو اور جب وہ اللہ تعالی کے ذکر اور اس کی عبادت کریں اور تم بھی ساتھ دو اور جب وہ برائی کریں تو ان کا ساتھ چھوڑ دو۔

گوشہ نشینی کب:۔

ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ مسلمان جب لوگوں سے مل جل کر رہے اور ان کی ایذاوں پر صبر کرے تو وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذا پر صبر نہیں کرتا (۔ مسند احمد)۔ مل جل کر رہنے سے نیکی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ البتہ جب فتنہ شدید ہو جائے اور امکان اصلاح ختم ہو جائیں، تو گوشہ نشینی بہتر ہے۔ اور اللہ سے رہنمائی کی مدد طلب کرے جس طرح اصحاب کہف نے کیا تھا۔

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۝

اور ہم نے ان کے دل خوب مضبوط کر دیے۔ جب وہ کھڑے ہوئے اور بولے، ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا کسی معبود کو ہرگز نہیں پکاریں گے۔ (اگر پکارا) تو یقینا اس وقت ہم نے ظلم وزیادتی والی بات کہی۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ۝

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ کے سوا دوسرے خدا بنا رکھے ہیں۔ وہ ان کی عبادات پر واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ (اگر صحیح ہوں تو) پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۝

اور (ساتھیو) جب تم نے ان لوگوں سے علحید گی اختیار کرلی اور ان سے بھی، جن کی اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں، تو چلو غار میں پناہ لے لو۔ کہ تمہارا رب تمہارے لیے اپنا دامن رحمت پھیلا دے گا۔ اور تمہارے کام میں آسانی پیدا کرے گا۔

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۝

اور (وہ غار ایسا تھا کہ) تم سورج کو نکلتے وقت دیکھو گے وہ ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا ہے۔ اور جب غروب ہوتا ہے۔ تو ان کے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا ہے۔ اور وہ اس غار کے کھلے حصہ (جگہ) میں (سوئے) تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے۔ اور جسے گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہرگز مددگار نہیں مل سکتا۔ جو اسے (حق کے) راستے پر لائے۔

اصحاب کہف کے دل ایمان سے منور تھے۔ معاشرے میں بت پرستی کا رواج تھا۔ اور حاکم وقت، بت پرستی کا شیدائی تھا۔ انہوں نے، اس کے خلاف آواز بلند کی۔ کہ بت، بغیر دلیل یا قوت کے کیسے معبود بن سکتے ہیں۔ اس کی اطلاع، حاکم وقت کو ملی۔ اس مخالفت پر، ان کو سزا کا خوف بھی لاحق ہوا۔ جس میں پھانسی یا سنگسار کرنا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالی کی طرف سے طمانیت قلب کا انعام ہوا۔ وہ حق پر قائم رہے اور فیصلہ کیا، کہ اس ماحول سے نکل کر ایمان کو بچایا اور اس کے لیے، غار میں پناہ لی جائے۔ ایک روایت میں، یہ واقعہ حاکم کے دربار کے بجائے، دوسری عبادت کی جگہوں پر واقع ہوا۔ یہ حق پر تھے اور ایمان کی سلامتی چاہتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالی کی رحمت کا یقین تھا، کہ وہ زندگی میں آسانی پیدا فرمائیں گے۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ ایمان کی برکت

سے طمانیت اور قوت پیدا ہوتی، اور یہی قوت آدمی کو کھڑا کر کے باطل سے ٹکرا جانے کی ہمت عطا کرتی ہے۔ جب ہمت پیدا ہو جاتی ہے، تو راستے کھل جاتے ہیں۔ اور کامیابی بھی قدم چوم لیتی ہے۔ بقول اقبال۔

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے۔۔۔ لڑا دے ممولے کو شہباز سے۔

یہ اصحاب، پہاڑ کی غار میں چلے گئے، غار کا محل وقوع اس طرح تھا کہ سورج کی شعاعیں نکلتے وقت جب متوازی ہوتی ہیں۔ اندر کھلے احاطہ میں، جہاں وہ سو رہے تھے، نہیں پہنچتی تھیں۔ اس طرح غروب کے وقت بھی، بائیں طرف سے اندر نہیں جاتی تھیں۔ اس کی وجہ سے غار میں گرمی نہیں پڑتی تھی۔ دوسری طرف کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے ہوا کا کافی گزر تھا۔ اس لیے درجہ حرارت معتدل رہتا۔ غار، ویسے بھی خارجی موسم کے اثرات (گرمی / سردی) سے کافی محفوظ ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسلم اور ابن عطیہ نے توجیومیٹری کے اصول پر ایک زائچہ (نقشہ) بھی بنایا۔ جس پر غار کے ساتھ سورج کا زاویہ کا تعین کیا۔ (روح المعانی)۔ اس غار میں اتنا طویل عرصہ (تین سو سال سے زائد) قیام ایک اللہ کی نشانی ہے، کہ کھانے پینے کی ضرورت، جسم کی حالت وصورت، لباس و انداز قائم رہا۔ پھر اتنے گمراہ معاشرے میں اللہ پر یقین اور اسکی عبادت پر قائم رہنا بھی اس کے فضل سے ممکن تھا، اور ہے۔

وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَ كَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ۝

اور آپ انہیں (دیکھ کر) جاگتے ہوئے خیال کریں گے, حالانکہ وہ سوئے تھے اور ہم ان کو دائیں اور بائیں طرف بدلتے رہتے تھے, اور ان کا کتا (غار کے) دہانے پر اپنے دونوں بازوں پھیلائے ہوئے (بیٹھا) تھا۔ اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھیں, تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی۔

وَ كَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ۝

اور (جیسے ہم نے انہیں سلایا تھا) اسی طرح ہم نے انہیں اٹھا دیا, تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں, ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا, ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم (نیند میں) رہے ہوں گے۔ دوسروں نے کہا, تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی کو چاندی کا یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ وہ جا کر دیکھ بھال کر لے۔ کہ کون سے شخص سے (اس شہر میں) پاکیزہ کھانا (مل سکتا) ہے۔ پھر تمہارے پاس وہاں سے، کچھ کھانے کو لے آئے اور اسے چاہیے کہ وہ خوب نرمی سے بات کرے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۝

کیونکہ اگر وہ (لوگ) تم پر مطلع ہو گئے تو تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر دیں یا تمہیں اپنے دین میں واپس لوٹا دیں گے۔ اور (ایسا ہوا) تو تمہیں کبھی بھی فلاح نہیں مل سکے گی (پاؤ گے)۔ کیونکہ اگر وہ (لوگ) تم پر مطلع (واقف) ہو گئے تو تمہیں پتھراؤ کر کے ہلاک کر دیں یا تمہیں اپنے دین میں واپس لوٹا دیں گے۔ اور (ایسا ہوا) تو تمہیں کبھی بھی فلاح نہیں مل سکے گی (پاؤ گے)۔

غار کے اندر کی کیفیت آیات مبارکہ میں بیان ہے۔ گرمی اور موسم کے بارے میں پچھلی آیت میں ذکر تھا۔ انسانی جسم کی ضرورت کے پیش نظر اس میں حرکت ضروری ہے۔ اگر حرکت نہ ہو تو اعضاء بے جان اور پھر زمین یا کسی جگہ پر غیر متحرک رہنے کی وجہ سے جلد گل جاتے ہیں۔ اس کے لیے اس مدت میں ان کے اجسام کروٹیں بدلتے رہے اور کروٹ کو بدلنے کی وجہ سے جسم اور جگہ کی پوزیشن بھی بدلتی رہی۔ جسم صحیح و سالم رہے۔ غار کی کیفیت، کتے کے دہانے پر بیٹھنے اور روشنی براہ راست نہ پڑنے کے سبب خوفناک ہو گئی تھی۔ اور اس طویل عرصہ میں کوئی بھی اس کے اندر ہیبت اور خوف کی وجہ سے نہ جا سکا۔ یہ ساری مدت جسم کا محفوظ رہنا، اور کسی کا اندر تک نہ آنا، ایک بڑی نشانی ہے۔ اللہ تعالی نے جب چاہا، تو اٹھا دیا۔ جب وہ اٹھے، تو نیند کے بعد آدمی فوراً اپنی نیند کی مدت یا اس سے پہلے کام کا احساس کرتا ہے۔ اسی طرح ان اصحاب نے آپس میں سونے کے وقت کا اندازہ لگایا۔ جب وہ داخل ہوئے تو صبح کا وقت تھا۔ جب اٹھے تو شام ہو رہی تھی۔ اس بناء پر ایک نے کہا کہ ایک دن یا اس سے کم عرصہ ہے۔ لیکن اس موضوع پر وقت ضائع کرنے کے بجائے، اسے اللہ تعالی پر چھوڑ دیا کہ وہ بہتر جانتا ہے۔ اور نیند سے اٹھنے کے بعد ان کو فوری طور پر بھوک کا احساس ہوا۔ جو ایک فطری ضرورت ہے۔ نیند کے دوران دماغ کا ایک حصہ کام کرتا رہتا ہے۔ جس سے تنفس، نظام خون، ہضم چلتا رہتا ہے۔ لیکن دوسرا حصہ حواس والا، کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے، نیند کو آدھی موت قرار دیا ہے۔ اصحاب کہف کے ساتھ کتے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے کسی کے ساتھ معیت یا تعلق کی وجہ سے جو نسبت پیدا ہو جاتی ہے، اسکا اظہار ہے۔ ایک حدیث پاک کے مطابق جس کا مفہوم ہے کہ آدمی اسی سے پہچانا جاتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔ کتے کو رکھنے کی اجازت ان صورتوں میں ہے۔

۱۔ شکار کرنا۔ ۲۔ جان و مال کی حفاظت کرنا۔ ۳۔ مویشیوں یا کھیتوں کی حفاظت۔

اس لیے شوقیہ طور پر رکھنے سے ثواب میں کمی ہوتی رہتی ہے۔ اسی لیے قابل ترجیح نہیں۔ جہاں یہ وفادار ہے وہاں لالچی بھی ہے۔ بھوک کو مٹانے کے لیے ایک ساتھی کو جو ان کے پاس سکے تھے، دے کر شہر کی طرف بھیجا۔ اور تاکید کی کہ دیکھ بھال کر یعنی اچھی غذا، ستھری لذیذ اور پاک ذرائع سے بنی ہوئی لے ائیے، تاکہ وہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔ وہ دوبارہ اس جگہ جا رہے تھے، جہاں سے بھاگ کر نکلے تھے۔ اس لیے تاکید کی کہ معاملات میں حسن سلوک اور نرمی کا خاص اہتمام کرے، تاکہ کسی قسم کا اختلاف یا ہمارے بارے میں ان کو معلوم نہ ہو سکے۔ اگر ایسا نہ ہوا، تو کسی جھگڑے کی صورت میں ہماری رہائش کا راز کھل جائے گا اور اس کا نتیجہ پھر حکمرانوں سے مقابلہ اور مخالفت کی وجہ سے سزا ہو گی۔ جس سے بچنے کے لیے یہ ساری کوشش کی گئی۔ اس واقعہ سے چند اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں جو معاشرتی زندگی کے لیے اہم ہیں۔

۱۔ معاملات میں نرمی اور خوش اخلاقی ضروری ہے۔

۲۔ کسی آدمی کو کسی کام کے کرنے کے لیے نمائندہ بنایا جاسکتا ہے۔

۳۔ ضرورت کے لیے مال واسباب پاس ہونا ضروری ہے تاکہ قیام وطعام میں آسانی ہو۔

۴۔ خریداری سے پہلے معیار، مقدار اور موضوع کے مواد کے بارے میں معلومات ضروری ہے، تاکہ صحیح فیصلہ ہو۔

۵۔ صحیح معلومات نہ ہونے پر بحث ومباحثہ سے گریز کرنا چاہیے۔

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۝

اور اس طرح ہم نے ان کی خبر لوگوں تک پہنچادی، تاکہ وہ یقین سے جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں (پھر وہ وقت بھی آیا)، جب لوگ ان کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے، (بحث ومباحثہ) چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنادو، ان کا رب ہی ان کے معاملے کو بہتر جانتا ہے۔ (آخر کار) جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ان پر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۝

کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی اور چوتھا انکا کتا تھا، اور کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا، یہ سب بغیر دیکھے ان کے اندازے ہیں۔ اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ کہہ دیجیے: میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ہی ان کا حال جانتے ہیں۔ لہذا ان کے بارے سرسری گفتگو سے آگے بڑھ کر کوئی بحث نہ کرو۔ اور نہ ان کے بارے کسی اور سے پوچھیں۔

اصحاب کہف کا حال جاری ہے۔ جب یہ لوگ نیند سے جاگے اور ایک آدمی کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ اس کا لباس، چال ڈھال، انداز، لہجہ، بہت پرانا تھا۔ جسے گزرے دو تین سو سال ہو چکے تھے۔ اس نے وہاں سے غذا خریدی۔ اور ادائیگی کے لیے پرانا سکہ دیا۔ دکاندار نے عجیب وغریب سکہ دیکھ کر اس سے دوسرا سکہ مانگا، تو اس کے پاس وہی سکے تھے۔ اور وہ، انہیں موجودہ کرنسی سمجھ رہے تھے۔ اس لیے حیران بھی ہوا۔ دکاندار نے اپنے ارد گرد لوگوں اور ساتھ والے دکانداروں کو بتایا۔ تو پتا چلا کہ یہ تو قدیم بادشاہ کا سکہ ہے۔ اس کے بارے پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ ہم یہاں کے رہنے والے ہیں۔ بس کل بت پرستی اور حکمران کے ظلم سے تنگ آکر غار میں چھپ گئے تھے۔ وہاں نہ صرف حکومت اور حکمران خاندان بدل چکا تھا، بلکہ عیسائیت سرکاری مذہب تھا۔ اور ان کے بارے غائبانہ طور پر یہ قصہ مشہور تھا۔ چونکہ ایک عجیب وغریب صورت تھی۔ اس لیے فوراحاکم کو اطلاع بھی دی گئی۔ سب عیسائی تھے۔

اور یہ بھی اپنے مذہب عیسائیت کی حفاظت کے لیے بھاگے تھے۔ پھر اتنے قدیم زمانے کے افراد کا زندہ رہنا یا ہونا، ایک معجزہ تھا۔ جس کی وجہ سے حاکم وقت اور دوسرے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ وہ غار پر تصدیق کے لیے آئے۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی تھے۔ انہوں نے بتایا اور لوگ بحث و مباحثہ میں پڑ گئے۔ اصحاب کہف نے کہا ہم غار میں جاتے ہیں۔ وہ دوبارہ غار میں چلے گئے۔ تو ان کو موت نے آلیا۔ اور وہ وفات پا گئے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ دوبارہ سو گئے ہیں اور غار کا دروازہ بند کرنا چاہا تا کہ کوئی داخل نہ ہو سکے۔

یہ واقعہ ایک معجزہ تھا۔ کہ تین سو سال تک افراد سو رہے ہیں۔ اور پھر جاگ کر اٹھے اور شہر میں گئے۔ اس طرح قیامت کے وقت دوبارہ زندگی کا لوگوں کو یقین ہو گیا۔ مختلف ادوار کے بعد ان کی یادگار کے طور پر غار کے دہانے کے باہر ایک عبادت گاہ بنا دی گئیں۔ تا کہ لوگ عبادت اور واقعہ کو یاد کریں۔ واقعہ کے بعد مومنین اور قصہ گو حضرات نے اصحاب کہف کی تعداد میں مختلف اندازے دکھائے۔ یہ یہودیت، عیسائیت میں تھے۔ اور ان کے نام تک درج کیے ہیں۔ مفسرین کی مختلف اراء ہیں۔ لیکن اکثریت سات کی تعداد کو زیادہ صحیح سمجھتی ہے۔ لیکن واضح روایات میں ذکر نہیں۔ اس واقع سے چند امور واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ واقعہ سچا ہے جس کا ذکر یہود، عیسائی اور مسلمان کرتے ہیں اس لیے جھوٹ پر لپٹا مبنی ہونا ممکن ہے۔
۲۔ کسی اچھے کام کے لیے یادگار بنائی جا سکتی ہے تا کہ اس کام کے فوائد کا احساس رہے۔
۳۔ عقیدہ حیات بعد از موت کے بارے میں ثبوت، عوام الناس کو بھی مل گیا اور یہ معاملہ یقین کی طرح ثابت ہو گیا۔
۴۔ اصحاب کہف کی تعداد پر بحث و مباحثہ سے گریز کیا جائے۔ اصل تعداد اللہ تعالی جانتے ہیں صرف سچی بات کا پرچار کرنا چاہیے۔
۵۔ اعلی مقصد (رضائے الہی) کے لیے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے بلا آخر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًاۙ

اور آپ کسی شے کے متعلق کبھی یہ نہ کہیں: بے شک ہی اسے کل کرنے والا ہوں۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۝

مگر یہ کہ اللہ چاہے اور جب تم بھول جاو، تو اپنے رب کو یاد کرو، اور کہو امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرما کر اس سے زیادہ ہدایت کے قریب کر دے گا۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۝

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور مزید نو سال۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا۝

کہہ دیجیے: اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے، اس مدت کو جتنا عرصہ وہ (غار میں) رہے، آسمانوں اور زمین کا علم غیب اسی (اللہ) کے لیے ہے۔ وہ کتنا ہی زیادہ دیکھنے والا اور کتنا ہی خوب سننے والا ہے۔ ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی بھی مدد گار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔

وَ اتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۝

اور آپ اس وحی کی تلاوت کیجیے: جو آپ کے رب کی کتاب سے آپ کی طرف نازل کی گئی ہے۔ اس کے احکامات کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں ہے۔ اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے۔

آیت کا شان نزول یہ ہے، کہ جب کفار مکہ نے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے دوسرے دن جواب کا وعدہ کیا۔ عموماً وحی الٰہی جب بھی کوئی موقع آتا، تو رہنمائی کرتی۔ آپ اس دفعہ انشاء اللہ (اگر اللہ تعالی کو منظور ہوا) نہ کہہ سکے۔ پھر ہر روز انتظار رہا اور تقریباً پندرہ دن کے بعد وحی کے ذریعے سورت کہف اور تمام سوالات کے جوابات ملے۔ اس دوران نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کفار مکہ کے طعن و تشنیع کے تیز و تند تیر سہتے رہے۔ اس تاخیر سے: ۱۔ ایک بات سب پر واضح ہو گئی کہ کلام الٰہی کوئی نبی ﷺ کی شاعری یا من گھڑت قصے نہیں، ورنہ اتنی طویل انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی۔ اسلیے جو بھی وحی ہوتی ہے وہ ساری اللہ کی طرف سے ہے۔ اور ۲۔ تمام امت کے لیے نصیحت ہے کہ کسی بھی کام کرنے سے پہلے اللہ تعالی کا ذکر ہو اور کسی بھی کام کا مکمل ہونا اس کے حکم کے بغیر ممکن نہیں۔ ۳۔ اسکے علاوہ انبیاء کا سہو بھی ان کے اتباع کرنے والوں کے لیے ایک سہولت میسر کرتا ہے۔ جس طرح نماز میں سہو کی وجہ سے بجائے دوبارہ نماز کے سجدہ سہو سے کمی بیشی پوری ہو جاتی ہے۔

اگر کسی وجہ سے انشاء اللہ نہیں کہا جاسکا، تو جب اس کی یاد دہانی آئے تو فوراً اس کو کہہ دینا چاہیے۔ اور اللہ تعالی کی رہنمائی طلب کرنی چاہیے۔ فقہ یعنی قانون میں یہ الفاظ پختہ وعدہ نہیں بناتے۔ جس پر باز پرس کی جاسکے۔ اسی طرح اگر قسم کے ساتھ کہا، تو وہ قسم نہیں ہو گی۔ لیکن انشاء اللہ جملہ کے ساتھ متصل ہونا ضروری ہے، اگر کچھ عرصے کے بعد کہا، تو وہ علیحدہ کلام تصور ہو گا۔ اصحاب کہف کے بارے اس وقت سے لے کر حضور ﷺ کے زمانہ تک ان کی تعداد، ان کی موت حیات (نیند) اور پھر دوبارہ موت یا نیند کون سی صورت ہو گی۔ یہ اختلاف اور بحث و مباحثہ رہا ہے۔ نیند کی مدت تین سو اور تین سو نو کہی گئی ہے۔ اس کی ایک توجیہہ یہ کی گئی ہے کہ تین سو شمسی سال ہیں جو عیسائیوں کے ہاں ہیں اور نو سال زائد قمری سالوں کا فرق ہے جو یہودیوں پھر مسلمانوں کے سال ہیں۔ صحیح عرصہ کی معلومات اللہ تعالی کے ہاں ہیں، جو ساری کائنات کا علم غیب رکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز غائب یا چھپی نہیں اور وہی مدد گار ہے۔ آیت میں تمام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کلام الٰہی کو پڑھیں۔ اسکے احکام پر عمل کریں۔ اسکے احکام دائمی ہیں ان کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالی کی ذات کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں۔ اس کی پناہ طلب کریں۔

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۝

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ رکھیں۔ جو صبح و شام اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے، اس کی عبادت کرتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی زینت کا ارادہ کرتے ہوئے ان (لوگوں) سے اپنی آنکھیں نہ ہٹائیں (پھیریں)، اور آپ اس شخص کا کہنا مانیں، جس کا دل، ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور اس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا۝

اور کہہ دیجیے: حق تو تمہارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس کے شعلوں کی چار دیواری ان کا احاطہ کرے گی۔ اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں، تو ایسے پانی کے ساتھ ان کی فریاد پوری کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہو گا۔ وہ (ان کے) چہرے کو بھون ڈالے گا، وہ برا مشروب ہے اور وہ بری آرام گاہ (ٹھکانہ) ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا۝

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یقینا جس نے اچھا عمل کیا، ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا۝

انہی لوگوں کے لیے دائمی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے اور وہاں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور وہ اچھی آرام گاہ ہے۔

فقراء کی اہمیت:۔

آیت کا موقع شان نزول یہ ہے۔ "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کے پاس، عینیہ بن حصن اور اقرع بن حابس جو مکہ کے سردار تھے۔ انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی: اگر آپ مسجد میں صدر نشین ہوں اور ان بدبوؤں کو ہم سے دور کر دیں۔ یعنی سلمان فارسی، حضرت ابوذر اور دیگر فقراء و مسکین کو، کیونکہ وہ اون کے موٹے کپڑے پہنتے تھے، جن کپڑوں سے ان کو بدبو آتی تھی۔ تب اللہ تعالی نے یہ آیتیں نازل کیں۔ حتی کہ آیت "انا اعتدنا للظلمین نارا۔" (بے شک ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے)۔ ان متکبروں کو اللہ تعالی نے دوزخ کی آگ سے ڈرایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ان مسکینوں کو، ڈھونڈنے کے لیے نکلے۔ وہ مسجد کی پچھلی صفوں میں بیٹھے ہوئے، اللہ تعالی کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس نے میری وفات سے پہلے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی امت کے ان لوگوں کے ساتھ رہوں۔ تمہارے ساتھ ہی میری زندگی ہے۔ اور تمہارے ساتھ ہی میری موت ہے۔ (جامع البیان)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، نے اپنی ساری زندگی سربراہ حکومت اور خصوصی الاونس برائے اخراجات (انفال) ہونے کے باوجود، اپنی ذاتی زندگی فقراء کی طرح گزاری اور مثال قائم کی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں، کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو (جنت میں) تو تمہارے پاس اتنا مال مہیا ہونا چاہیے، جتنا کسی سوار کا سفر خرچ ہو (یعنی مسافر کا) اور تم آپ اپنے آپ کو امیروں کی مجلس سے دور رکھنا اور پیوند سے پہلے کپڑے کو پرانا نہ کرنا۔ (ترمذی)۔

محمود بن لبید بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دو چیزوں کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے۔ موت کو اور موت فتنہ سے بہتر ہے۔ اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے اور مال کی کمی کی وجہ سے حساب کم ہوتا ہے۔ (مسند احمد)۔ اس موضوع پر سورت انعام کی آیت ۵۲ میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اسلام کی ترویج کی شدید خواہش رہتی تھی۔ امیہ بن خلف جہمی نے رسول اللہ کو یہ مشورہ دیا، کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ اپنے قریب نہ رکھیں۔ بلکہ مکہ اور قریش کے سرداروں کو ساتھ لگاءیں۔ یہ لوگ اپکا دین قبول کرلیں گے تو ترقی ہو گی (ابن مردویہ بروایت ابن عباس)۔

آیت مبارکہ میں اہل محبت کی عزت افزائی اور قدر دانی کا اظہار ہے۔ وہ صحابہ کرام، جن کے دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے معمور اور اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہتے تھے، ان کا مقام دنیا کے سرداروں اور دولت مندوں سے کہیں بڑھ کر ہے، جن کے دل، اللہ کی محبت سے خالی ہیں۔ یہ اہل مکہ کے لیے ایک وارننگ تھی۔ کہ ان کی سرداری اور دنیاوی جاہ و جلال کی اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کوئی خاص وقعت نہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو دیکھ ان کو یدبیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے، تو اس کے اپنے فائدے کے لیے ہے۔ مرضی ہے تو قبول کرے اور انکار کرے گا، تو اس کا انجام دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جلنا ہے۔ وہ نہ صرف بھڑکتی آگ بلکہ آگ کی چاردیواری کے اندر بھی ہوں گے۔ اور تیل کی تلچھٹ کی طرح مائع بطور پانی ملے گا۔ ان کے ظلم اور انکار احکام خداوندی، کی سزا ہو گی۔ قرآن مجید نے پڑھنے والوں کے لیے ہمیشہ تقابل کا انداز اپنایا، تاکہ قاری کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ دوسری طرف مومنین اور اللہ کے احکام ماننے والوں کا ذکر ہے، کہ اس دنیا میں ان کو اگر مشکلات اور پریشانی گھیرے رکھیں لیکن جنت میں اعلی مقام ہو گا۔ خوبصورت رہائش، اعلی لباس زیب تن، اعلی انداز، نشست ہو گا۔ لباس، رہائش وزینت کی خواہش اور انداز اظہار، ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لیے تختوں، باریک یا موٹے ریشم اور کڑوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ علاقہ اور رواج کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور اس وقت کے رواج کے مطابق قرآن مجید نے مثالیں دی ہیں۔ یہ نہ صرف اس وقت کے مجبور مسلمانوں اور مکہ کے سرداروں کے لیے تھیں، بلکہ آنے والے زمانے کے لیے بھی حقیقت نما ہیں۔

وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّ حَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّ جَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا ﴿ؕ﴾

اور (اے نبی) ان لوگوں کے لیے ان آدمیوں کی مثال پیش کرو، جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کو دو باغ دیے ہیں اور ان کو ارد گرد سے درختوں نے گھیرا ہوا تھا اور ان کے درمیان کھیتی (فصل) اگائی تھی۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝

دونوں باغوں نے اپنا پھل خوب دیا اور پھل دینے میں کوئی کمی نہ کی اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی۔

وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝

اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی، تو وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا، جب اس سے (وہ) بحث کر رہا تھا۔ میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور میرا جھتہ بھی تم سے زیادہ معزز ہے۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝

اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا، میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو گا۔

وَّ مَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی اور اگر کبھی مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝

اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا، جب اس سے باتیں کر رہا تھا۔ کیا تم اس (ذات) کے ساتھ کفر (انکار) کرتے ہو، جس نے تجھے مٹی سے، پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تجھے ٹھیک پورا انسان بنا دیا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝

لیکن میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہو رہا تھا۔ اس وقت تو نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمھیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے۔

فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝

تو امید ہے میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اور تمہارے اس باغ پر آسمانی آفت بھیج دے جس سے وہ چکنے (چٹیل) میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝

یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تم اسے تلاش بھی نہ کر سکو۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝

اور (پھر یہ ہوا کہ) اس کا سارا مال (پھل) عذاب کے گھیرے میں آ گیا۔ اور صبح ہوئی تو اس حالت میں کہ اس نے باغ پر جو خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اس کا باغ چھتریوں پر گرا پڑا تھا اور وہ کہتا تھا، اے کاش: میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ؕ

اور اسے کوئی ایسا جھتہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔ اور اسے کوئی ایسا جھتہ (گروپ) میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ؕ

وہاں تو تمام اختیار اللہ سچے کے ہیں۔ وہ ثواب ثواب دینے میں بہتر اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔

پچھلی آیات میں، جو اللہ کی یاد میں مشغول اور وہ جو نافرمان ہیں، انکی سزا و جزا کا ذکر تھا۔ اور وہ سزا و جزا، دنیا کے اندر نہیں بلکہ آخرت کی تھی۔ دنیا میں تو متکبر سردار، اللہ کے نافرمان دندناتے رہتے ہیں۔ اور بسا اوقات بغیر سزا کے چلے جاتے ہیں۔ ان آیات میں اسی زندگی میں مکافات عمل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ ہم تمام انسان اس سے سبق حاصل کریں۔

یہ واقعہ کچھ مفسرین کے نزدیک، عام مومن اور غیر مومن بھائیوں کا ہے۔ اکثر کے ہاں، مقاتل بن سلیمان بحوالہ ابن عباس، بنی اسرائیل کے ایک امیر سردار کے دو بیٹوں کا ہے۔ جس نے کافی دولت چھوڑ دی تھی۔ اور وہ ان کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو گئی۔ ایک نے اس میں سے کچھ کی زمین خرید کر اس پر باغ لگایا اور پانی کی سیر ابی کا بندوبست کیا۔ دوسرے نے اس کے بدلے وہ رقم فقراء اور غرباء میں تقسیم کر دی اور اللہ تعالی سے اسکی رضا طلب کی۔ پھر جب اسکے بھائی نے باغ کے بعد عالیشان مکان تعمیر کیا، تو اس مومن بھائی نے اتنی ہی رقم محتاجوں اور ضرورت مندوں کو دے دی۔ پھر جب اس کے بھائی نے مکان کے لیے فرنیچر زیب و زینت کے سامان خریدے، اس نے پھر اپنے حصہ کی رقم سے اللہ کی خاطر محتاجوں اور غریبوں کی مدد کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے پاس اسکی زیادہ رقم خرچ ہو گئی، اس کا دوسرا بھائی اپنی کھیتی، مکان اولاد اور اپنے ساتھیوں پر نازاں تھا۔ ایک دن کسی ضرورت کی بناء پر، اس مومن نے اپنے بھائی سے کوئی چیز طلب کی۔ تو اس نے اسے حقیر جانا۔ اور اپنے، باغ، مکانات اور اولاد پر فخر کرنے لگا۔ اور کہا کہ یہ میری دولت ہمیشہ رہے گی۔ مجھے یقین نہیں کہ دنیا ختم اور قیامت آئے گی۔ اگر آئی بھی تو میرا رب مجھے ایسی ہی جگہ دے گا۔ اور تم آج محتاج ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا تھا۔ لیکن اس کے احکام پر عمل یا پورا ایمان نہیں، صرف زبانی اقرار تھا۔ مومن بھائی نے اس کو بتایا، کہ سارے اسباب اور انعامات اللہ کا فضل ہیں۔ اور وہ جب چاہے ان سے انسان کو محروم کر سکتا ہے۔ درخت سوکھ کر پھل دینا ختم کر دیتے، نہریں خشک، زمین چٹیل، فصل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ کی عنایت ہے۔ اس لیے جب آپ اس کی نعمت کو دیکھیں تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ، ضرور کہنا چاہیے۔ انسان مٹی کا پتلا ہے۔ ایک نطفہ سے پیدا ہو کر بڑھا ہوتا ہے۔ اسلیے اللہ کا شکر گزار ہونا لازمی ہے۔ اور یہ تمہارا باغ جس کی آمدن پر تم نازاں ہو، سوکھ سکتا ہے۔ اور

پھر ایسا ہی ہوا۔ ایک دن اس قدر سخت طوفان آیا کہ سارا باغ اجڑ گیا۔ درخت گر گئے۔ انگوروں کی بیلیں اپنے چھپروں پر گر پڑیں۔ پھل ختم ہو گئے۔ کھجور کے درخت صرف تنے کھڑے رہ گئے۔ اس نے یہ جب انجام دیکھا۔ تو کف افسوس ملنے لگا، کہ کاش میں اس تکبر سے نکل کر اللہ کا شکر گزار بنتا ہے۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گیئں اور درس عبرت بن گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ ساری قوت وطاقت اللہ کے پاس ہے اور وہی حقیقی سزا وانعام دینے والا ہے۔۔۔ ع۔۔ دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو۔

لیکن آب بات اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی اور اسے اپنے تکبر، خود غرضی، غربا ومسکین سے بے پرواہی کی سزا مل چکی تھی۔ اس واقعہ سے چند امور واضح ہیں۔

۱۔ انسان کو دنیا کے آرام وآرائش کے اسباب کو اللہ کا انعام جاننا چاہیے۔

۲۔ ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ ایسی چیز کو دیکھے تو ماشاء اللہ کہے۔ اس کی حدیث مبارکہ میں تاکید بھی آئی ہے۔

۳۔ اپنی نعمتوں میں دوسروں کو شریک کرنا چاہیے تاکہ محرومیاں کم ہوں اور یہ ایک اللہ کے شکر کا اظہار ہے۔ اس کے بارے میں احادیث میں تاکید آئی ہے۔

۴۔ دنیا کی نعمتیں عارضی ہیں۔ اور اگر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی گئی تو اس دنیا میں اس کی سزا بھی مل جاتی ہے۔ ان نعمتوں پر تکبر نہیں کرنا چاہیے۔

۵۔ قیامت پر ایمان ہے۔ اور دنیا کے سامان صرف اس وقت تک ہیں۔ جب تک آدمی زندہ ہے یا قیامت نہیں آتی۔

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کو دیکھا اور وہ اس کو اپنے لیے یا کسی اور کے لیے اچھی لگی اور اس نے کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ تو اس کو نقصان نہیں ہو گا۔ (کنز لاعمال)۔

وَ اضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ فَاَصۡبَحَ هَشِيۡمًا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ۝

اور ان کے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کیجیے: جیسے پانی (بارش کا برسنا) جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا (برسایا)، پھر اس سے زمین میں خوب نباتات پھلے پھولے، پھر وہ چورا چورا ہو گئے، جسے ہوا ہیں اڑا لے جاتی ہیں اور اللہ ہر شے پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔

اَلۡمَالُ وَالۡبَنُوۡنَ زِيۡنَةُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ‌ۚ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ اَمَلًا ۝

مال اور اولاد تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور آپ کے رب کے نزدیک باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب (اجر) میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے لیے بھی بہتر ہیں۔

پچھلی آیات میں، دنیا میں انسانی کردار کے انجام کا ذکر تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالی کے انعامات کا ذکر ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی عبادت کرنی چاہیے، پھر ان عوامل کا ذکر ہے جو اس کی یاد سے انسان کو غافل کر دیتے ہیں۔

بارش اور نباتات:۔

بارش، زمین پر تازہ پانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور پانی کے جمع ہونے کا، زمین میں جذب ہونے، اور دوبارہ چشموں، نہروں اور دریاؤں کے ذریعے میسر ہونے کا اصلی سبب ہے۔ پانی سے بجلی بھی بنتی ہے اور بحری اور دریائی تجارت کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ پانی درختوں، نباتات اور فصلوں کے لیے زندگی کا کام کرتا ہے۔ اس کے بغیر وہ پھل پھول نہیں سکتے۔ انسان اور حیوان کے سیل نوے فیصد (90٪) پانی سے بنے ہوئے ہیں۔ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ بارش کے ذریعے، ماحول بھی صاف ہوتا اور گرمی میں کمی آتی ہے۔ یہ معلومات جدید سائنس کی ہیں۔ لیکن قرآن مجید نے چودہ سو سال پہلے بارش کی اہمیت اور اسکی برکات کا ذکر کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں، بارش کے موسم میں ہریالی ہی ہریالی ہو جاتی ہے۔ حیوانات، پرندوں کی غذا متوفر ہو جاتی ہے اور خوب کھاتے ہیں۔ خزاں میں پودے ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر سردی میں مزید کمی آجاتی ہے۔ جب بہار آتی ہے، تو بارش کے فورا بعد پودے اور نباتات نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور جنگل کے ماحول کو رنگین کر دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد، پودے اپنی زندگی کا دورانیہ ختم کر کے خس و خاشاک میں مل جاتے اور انہیں ہوا اڑاءے پھرتی ہے۔ اللہ تعالی کی طرف سے یہ انعام کا حصہ ہے۔ یہی حساب انسانی زندگی کا ہے۔ کہ ایک نطفہ سے نوجوان، پھر موت کی دہلیز پر پہنچ کر سب دنیا میں چھوڑ کر نکل جاتا ہے۔ اکثر انسان دنیا کے اس جھمیلے / ہنگامے میں خالق انسان کو بھول کر مخلوق کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ جو عوامل انسان کو غافل کرتے ہیں۔ ان میں انسان کی ذات اور اسکی اولاد سے متعلق خواہشات ہیں۔ اپنی ذات کے لیے دولت، مرتبہ، عالیشان رہائش، خوبصورت اور اعلی سواری، بیوی یا ساتھی، اولاد اور لوگوں پر غلبہ یا حکمرانی کے جذبات، انسان کی فطرت کا حصہ ہیں۔ کچھ حد تک انکی ضرورت اور فائدہ بھی ہے، زینت و سکون ہیں۔ لیکن اللہ تعالی نے معاشرت میں امن و امان اور مخلوق کی بہتری سلامتی کے لیے اس کی حدود رکھی ہیں۔ لیکن انسان اپنی خواہشات میں اندھا ہو کر ان حدود کو پامال کر دیتا ہے۔ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بھول جاتا ہے۔ اور معاشرے کو ناانصافی، ظلم اور تفریق سے بھر دیتا ہے۔ اس کا سبب اس کی حیوانی حد تک خواہشات کی پیروی اور اللہ پر ایمان و یقین کی کمی ہے۔ اسلیے یہ نکتہ قابل غور ہے، کہ دنیا کی خواہشات اگر حاصل ہو جائیں تو بھی ان کے استعمال کا وقت اور مواقع محدود ہیں۔ اس کے مقابل زندگی میں اگر اللہ کے احکام پر عمل کیا جائے، تو اس کی برکات، ایمان سے اطمینان اور آخرت میں دائمی راحت اور جنت ہے۔ جو کہ دنیا کے مقابل میں بہت بڑا اجر ہے۔ ایسی مثالیں دہرائی گئی ہیں، اس کا مقصد ان پر غور و فکر کر کے زندگی کو نیک اصولوں پر گذارنا، اور خالق انسان کی تابعداری کرنا ہے۔

اعمال صالحہ:

نیکیاں اور اچھے اعمال، مال اور اولاد کے مقابل میں بہتر ہیں، جن میں کار خیر نہ ہو۔ الباقیات الصالحات (دوام / باقی رہنے والی نیکیاں) کے بارے میں مفسرین کی مختلف اراء ہیں۔ ا۔ ابن ابی طلحہ، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ الباقیات الصالحات، سے لوگوں سے نیک اور اچھی باتیں کرنا ہے۔ ایک روایت کے مطابق پانچوں وقت کی نماز ہے۔ حضرت ابو سعید خدری

سے روایت ہے، کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ الباقیات الصالحات کو کثرت سے پڑھو، (یعنی معنی و مفہوم سمجھو حالانکہ صحابہ اہل زبان تھے)۔ اور وہ یہ ہیں۔ سبحان اللہ، الحمد اللہ، لا الہ الا ھو۔ اللہ اکبر۔ اور لا حول لا قوتہ الا باللہ، (مسند احمد)۔ در حقیقت ان کو سمجھنے اور عمل کرنے میں تمام نیکی اور بھلایی کے اعمال شامل ہیں۔

قناعت:۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اسلام لایا اور اس کو بہ قدر ضرورت (کفاف) رزق دیا گیا۔ اور اللہ نے جو کچھ اسکو دیا ہے، اس میں اسکو قانع کر دیا۔ وہ شخص کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ لالچ اور برے اعمال سے بچ گیا۔ (مسلم / ترمذی)۔ قناعت ایک ایسی نعمت ہے کہ انسان کی زندگی پر سکون بنادیتی ہے۔ اس لیے بڑی دولت ہے۔ قول ماثور ہے کہ غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو۔

دنیا کے اعمال کی رنگینی کے بعد قیامت کے منظر کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلا میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝

اور وہ آپ کے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے۔ بے شک تم ہمارے پاس ایسے آئے ہو، جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ بلکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

اور ہر ایک کا نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس میں لکھے ہوئے (اعمال) سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی: کیسا یہ اعمال نامہ ہے جو نہیں چھوڑ رہا کسی چھوٹے اور نہ بڑے عمل کو، مگر اس نے سب کا ریکارڈ رکھا ہے۔ اور انہوں نے جو عمل کیے تھے حاضر پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

قیامت کا منظر پیش کیا جارہا ہے تاکہ اسکی ہولناکی کا علم ہو اور ہم اپنے بچاو کا اہتمام دنیا کی زندگی میں کریں۔ اس طرح کے مناظر کئی مقامات پر ذکر کرنے کا بھی یہی مقصد ہے۔

پہاڑ جب بڑے کسی زلزلہ یا کسی سیارے کے ٹکرانے سے (جو بھی اللہ تعالی کا نظام ہے اس کے مطابق) اس قدر شدت سے زلزلہ ہو گا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ اور زمین پر پھیل جائیں گے۔ جس کی وجہ سے زمین کی تمام نشیبی جگہ بھر جائیں گی۔ اور پھر سورج کی گرمی کا منظر بھی ہولناک ہو گا۔ اسکی گرمی سے سمندر خشک ہو جائیں گے اور وہ بھی بھر جائیں گے۔ دنیا کا

بلند ترین مقام ۸۸۴۸ میٹر بلند ہے۔ اسی طرح دنیا کا گہرا سمندر ۱۰۹۱۸ میٹر گہرا ہے (بحر الکاہل)۔ اسطرح زمین ایک کھلے میدان کا منظر پیش کرے گی۔ جہاں ہر انسان بغیر لباس کے ہو گا اور ہولناکی کا یہ عالم ہو گا کہ کسی انسان کو دوسرے انسان کی کوئی خبر نہیں ہو گی۔ باپ بیٹے، خاوند بیوی، کسی کو کسی کی بھی خبر نہیں ہو گی ہر نفس اپنے غم میں مبتلا ہو گا۔ انسان کو تمام اعمال اور لمحات کی تفصیل، اس کو جب دی جائے گی تو حیران ہو گا۔ تمام لوگ صفوں کی صورت میں سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔ آج سے ایک سو سال پہلے تک، تو ان معلومات اور اسطرح کہ منظر کے بارے ایک تخیل معلوم ہو تا تھا۔ لیکن آپ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے سب کچھ انسان کے سامنے پیش کر کے ان کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ تخیلاتی یا تصوراتی امور کے بجائے ایک روشن حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔ تمام امور میں عدل ہو گا۔ اور اللہ تعالی کسی پر کسی طرح کا کوئی غلبہ نہیں روا رکھیں گے۔ خوف کی وجہ سے کسی کی کوئی بات کرنے کی ہمت نہیں ہو گی بلکہ اپنے اعمال کی تفصیل پر حیران و پریشان ہوں گے۔ (ایت ۵۷ سورہ اعراف میں بھی دوبارہ زندگی کی تفصیل دی گئی ہے)۔

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، پھر بھی تم مجھے (اللہ کو) چھوڑ کر اسے (ابلیس) اور اسکی اولاد کو دوست بناتے ہو، جبکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کے لیے کیا ہی برا بدلہ ہے۔

اللہ تعالی کی نافرمانی کا بڑا ذریعہ شیطان کے انسان کے دماغ پر اثر ہے۔ اس کی وجہ بار بار قرآن مجید نے ظاہر کی ہے کہ حضرت انسان کا وقار، اللہ کے ہاں بہت اونچا تھا اور شیطان اپنے تکبر کی وجہ سے اپنے کو سب سے بہتر سمجھتا تھا۔ اس نے نہ صرف سجدہ سے انکار کیا، بلکہ انسان کو ورغلانے کا عہد کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بار بار قرآن مجید میں یاددہانی کرائی گئی ہے، کہ اپنے خیالات، ارادوں اور اعمال میں اللہ کے احکام سے انکار کرنا، جس نے انسان کو عزت و عظمت عطا کی۔ اور شیطان کی پیروی، اسکو دوست بنانا، اپنے ساتھ ظلم ہے۔ جس کا انجام جہنم ہو گا۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝

میں نے نہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت ان کو حاضر کیا، نہ خود ان کو پیدا کرتے وقت، اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔

وَ يَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝

اور اس دن (کا دھیان کرو) جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ پکارو ان کو جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ پکاریں گے۔ لیکن ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ (جہنم کا حصہ) بنا دیں گے۔ اور اس دن (کا دھیان

کرو) جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ پکارو ان کو جنہیں تم میرا شریک سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ پکاریں گے۔ لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ (جہنم کا حصہ) بنادیں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا۟

اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

شیطان اور اس کی پیداوار یا معاونین کے بارے ذکر ہے کہ انسان، شیطان کے خیالات اور ورغلانے سے حق کو نہ چھوڑے۔ شیطان اور جن، خود اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کو اللہ کے مقابل ترجیح دینا ظلم ہے۔ ضروری نہیں عبادت میں شرک کیا جائے، اللہ کے احکام سے نافرمانی بھی ایک شرک ہے۔ جس طرح قول ماثور ہے ''**ما شغلک عن الله فهو صنم**'' جو چیز اللہ کی یاد سے غافل کردے وہ بت ہے۔ یعنی جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ قیامت کے دن یہ تمام بری قوتیں، جن کا دنیا میں انسان سہارا اور بھروسہ کرتا ہے، سب ختم ہو جائیں گی۔ کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور ان کے ماننے والے ایک جہنم کی وادی میں گر جائیں گے، اس سے نہ نکل سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۝

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کی سمجھ) کے لئے ہر قسم کے مضامین وامثال بیان کی ہیں اور انسان جھگڑا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے (جھگڑالو ہے)۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۝

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی، تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس مطالبے کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ ان کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں یا عذاب ان کے بالکل سامنے کھڑا ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْۤا اٰيٰتِيْ وَمَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا۝

اور ہم رسولوں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں) کو خوشخبری دیں اور (کافروں) کو عذاب سے ڈرائیں اور جن لوگوں نے کفر (انکار کرنا) اپنا لیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ حق کو ڈگمگادیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے ڈرائے گئے اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔ اور ہم رسولوں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں) کو خوشخبری دیں اور (کافروں) کو عذاب سے ڈرائیں اور جن لوگوں نے کفر (انکار کرنا) اپنا لیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ حق کو ڈگمگادیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس چیز سے ڈرائے گئے، اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّہٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡہَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰہُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ اَکِنَّۃً اَنۡ یَّفۡقَہُوۡہُ وَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَدۡعُہُمۡ اِلَی الۡہُدٰی فَلَنۡ یَّہۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا، جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے اور اس کے دونوں ہاتھوں کے برے اعمال کو بھلا بیٹھے۔ بے شک ہم نے ان کے دلوں پر (ان کے اعمال بد کی وجہ سے) غلاف چڑھا دیئے ہیں، جس کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی اور اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے تو تب بھی وہ سیدھے راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔

وَ رَبُّکَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَۃِ ؕ لَوۡ یُؤَاخِذُہُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَہُمُ الۡعَذَابَ ؕ بَلۡ لَّہُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ یَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾

اور آپ کا رب بہت بخشنے والا اور بڑا رحمت والا ہے اگر وہ ان کے کئے ہوئے (برے اعمال) پر پکڑے (سزا دے) تو یقیناً ان کے لئے عذاب جلدی دے۔ لیکن ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جس سے بچنے کی کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔

وَ تِلۡکَ الۡقُرٰۤی اَہۡلَکۡنٰہُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَ جَعَلۡنَا لِمَہۡلِکِہِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾

یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی، تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا اور ان کی ہلاکت کے لئے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔

ہدایت اور انسانی نفسیات:۔

آیات مبارکہ میں انسانی نفسیات، کردار اور ہدایت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مثالوں، علمی اور تاریخی واقعات کے ذریعہ ہدایت دی گئی ہے۔ جس سے دنیا میں صالح اور بھلائی، امن کا معاشرہ قائم ہو، اور انسان کی عظمت دوسری مخلوق پر ثابت ہو۔ انسانی تاریخ میں قرآن مجید سے قبل بھی بہت سارے انبیاء کرام، رسول آئے اور کتب بھی آئیں۔ ان تمام اسباب و ذرائع کے باوجود انسان اپنی خرابی طبع کی وجہ سے گمراہی میں رہا۔ اور ہر دفعہ تباہی یا خوف کے واضح علامات و واقعات کی انتظار میں رہا۔ اس ہٹ دھرمی، ضد کی وجہ، انسان کا جھگڑالوپن ہے۔ وہ اپنی سوچ کی وجہ سے اپنی بات پر اڑ جاتا ہے اور اس کیفیت کو شیطان مزید فریب سے خراب کر دیتا ہے۔

کائنات میں خالق کے دلائل اور الہامی کتب موجود ہیں۔ اصلاح و بھلائی کے احکام بھی ہیں، لیکن انسان ان سے منہ موڑ لیتا ہے اور اپنے تخیل کو ثابت کرتا اور اسی پر اٹک جاتا ہے۔ اپنی ذات کے نفع کے لئے حریص ہے اور عموماً اپنے حرص کی خاطر جھگڑے کرتا ہے۔ پھر اس ضد کی وجہ سے اس کے اندر اصلاح کرنے کو قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی تباہی یا سزا کا ایک وقت معین ہے۔ اس وقت تک مہلت ہوتی ہے اور پھر تباہی نافذ ہو جاتی ہے۔ یہ واقعات قوم نوح، قوم ہود، قوم لوط، قوم شعیب میں واقع ہو چکے تھے جو عرب اور شام کے علاقوں میں سے تھے۔ انسان کی اس فطرت یعنی جھگڑالوپن کا نقشہ، طریقہ کار کا نمونہ ایک حدیث

شریف میں بڑے خوبصورت انداز میں دیا گیا ہے جو قابل غور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز، ایک شخص کفار میں سے پیش کیا جائے گا، اس سے سوال ہو گا کہ ہم نے رسول بھیجا، تو ان کے متعلق تمہارا کیا عمل رہا؟ وہ کہے گا، اے مرے خدا: میں تو آپ پر ایمان بھی لایا، آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں ان کی اطاعت کی۔ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ سامنے رکھا ہے۔ اس میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔ یہ شخص کہے گا، میں تو اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ یہ ہمارے فرشتے تو تمہاری نگرانی کرتے تھے۔ وہ تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ یہ کہے گا میں ان کی شہادت کو بھی نہیں مانتا اور نہ ان کو پہچانتا ہوں۔ اور نہ میں نے ان کو اپنے عمل کے وقت دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، تو یہ لوح محفوظ سامنے ہے۔ اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے۔ وہ کہے گا، میرے اللہ آپ نے مجھے ظلم سے پناہ دی ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے بے شک ظلم سے تو ہماری پناہ میں ہے۔ تو وہ اب کہے گا کہ میرے پروردگار میں ایسی غیبی شہادت کو کیسے مانوں، جو میری دیکھی بھالی نہیں۔ میں تو ایسی شہادت کو مانتا ہوں، جو میرے نفس کی طرف سے ہو۔ اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کفر (انکار) و شرک پر گواہی دیں گے۔ اس کے بعد اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (بحوالہ مسلم / قرطبی / معارف القرآن)۔

انسانی نفسیات ہمیشہ بہانہ تلاش کرتی ہے تا کہ اس کا بچاؤ ہو۔ اس میں حق و صداقت کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یہی فساد کا سبب ہے۔ یہی بات قابل مواخذہ ہو گی۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِفَتٰٮهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤى اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِىَ حُقُبًا‏

اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا، میں تو چلتا ہی رہوں گا حتیٰ کہ مجمع البحرین (دو سمندروں کے سنگم) پر پہنچ جاؤں، یا لمبی مدت چلتا ہی رہوں گا۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَيۡنِهِمَا نَسِيَا حُوۡتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ سَرَبًا‏

پھر دونوں جب مجمع (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ) پہنچے تو وہ اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے دریا (پانی) میں سرنگ نما راستہ بنا لیا

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰٮهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا‏

جب وہ دونوں آگے گزر گئے تو اس (موسیٰ) نے اپنے نوجوان سے کہا: کہ ہمیں ہمارا ناشتہ دو۔ بلاشبہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوئی ہے۔

قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ‌ۖ عَجَبًا‏

وہ بولا: بھلا آپ نے دیکھا، جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بے شک مچھلی (کا ذکر کرنا) بھول گیا اور اس مچھلی کا ذکر کرنے سے مجھے شیطان نے ہی بھلایا تھا اور اس (مچھلی) نے سمندر میں عجیب طریقہ سے راستہ بنا لیا تھا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ

اس (موسیٰ) نے کہا: یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم تلاش کر رہے تھے۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

سورۃ کہف کے تیسرے واقعے کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہم السلام کا واقعہ ہے۔ واقعہ سے پہلے حضرت موسیٰ اور انکے ساتھ جو نوجوان تھا اس کا مختصر تعارف ہے۔

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر کے بارے اختلاف ہے کہ ایک سو بیس سال یا ایک سو ساٹھ سال تھی۔ آپ کی وفات میدان تیہ کی علاقے میں ہوئی۔ آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ اللہ سے ہم کلامی کا شرف ملا، توریت کتاب ملی اور متعدد معجزات ملے۔ آپ کا زمانہ فرعون کا زمانہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بالآخر غرق ہوا۔

نوجوان: نوجوان خادم، روایت کے مطابق حضرت یوشع بن نون تھے جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بطور متعلم اور خادم رہتے تھے۔ آپ کے بارے بھی حدیث میں نبی ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ کے بعد آپ بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ روایت ہے کہ آپ نے ایک روز دعا کی تو سورج غروب ہونے سے لیٹ ہو گیا تھا۔

مجمع البحرین: دو سمندروں یا دریاؤں کے ملنے کی جگہ (سنگھم)۔ اس کے بارے کوئی واضح حدیث نہیں۔ لیکن آثار اور اکثر مفسرین کے نزدیک خلیج عقبہ کا وہ حصہ جو بحر احمر کے ساتھ خلیج سویز سے ملتا ہے، وہ جو صحرائے سینہ کا حصہ تھا، جہاں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کافی مدت رہے۔

سفر کا واقعہ: روایت (بخاری شریف) کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے کے ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ کی رائے میں اس وقت کون علم میں سب سے بڑا ہے۔ چونکہ انبیاء کو خصوصی مقام کی وجہ سے علم عطا ہوتا ہے، تاکہ انسانیت کی راہنمائی کریں۔ اس بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ اندازِ جواب پسند نہ آیا۔ کیونکہ انبیاء کے مرتبے کے لحاظ سے ان سے مقام ادب و محبت رہتا ہے۔ بظاہر آپ کا جواب آپ کے علم کے مطابق صحیح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام / وحی فرمایا، کہ ایک اور شخص آپ سے علم میں زیادہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے ملنے اور علم حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور درخواست کی کہ آپ اس سے ملنا چاہتے ہیں اور سیکھنا چاہتے ہیں وہ کہاں ہے۔ جواباً اطلاع ہوئی کہ وہ مجمع البحرین میں ہے اور آپ ایک مچھلی ساتھ لے جائیں جہاں مچھلی گم ہو جائے گی وہیں وہ بندہ عالم ملے گا۔ آپ نے مچھلی اور سفر کی غذا، ایک ٹوکری (زنجیل) میں رکھ لی اور حضرت یوشع بن نون کے ساتھ تلاش میں نکل پڑے۔ چلتے گئے رات گزر گئی اس دوران ایک چٹان کے پاس رکے اور حضرت موسیٰ کو نیند آگئی۔ اس دوران مچھلی ٹوکری سے نکل کر پانی میں چلی گئی۔ اور نشان چھوڑتی گئی لیکن حضرت موسیٰ کے سونے کی وجہ سے نوجوان نے ان کو جگا کر بتانا مناسب نہ سمجھا اور پھر بتانا بھول گیا۔ اور اس بھولنے کو شیطان کا عمل تصور

کیا۔ جب دوبارہ چلتے گئے۔ صبح کو تھکان کی وجہ سے آرام کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا۔ جب ناشتہ کا سامان کھولا تو مچھلی نہ تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب پتہ چلا کہ مچھلی چٹان کے پاس پانی میں چلی گئی اور یہی مقام تھا جہاں ملاقات ہونی تھی۔ لہٰذا دوبارہ واپس چلے گئے تاکہ ملاقات کریں۔ جب چٹان کے پاس پہنچے تو ملاقات ہو گئی۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۝

پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو وہاں پایا، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے علم (لدنی) سکھایا تھا۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۝

موسیٰ نے ان سے کہا کیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ کو رشد و بھلائی کا جو علم دیا گیا ہے (آپ اس میں) کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝

وہ بولا: بے شک آپ میرے ساتھ ہر گز صبر نہ کر سکیں گے۔

وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۝

اور آپ اس چیز پر کیسے صبر کریں گے؟ جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا۝

اس (موسیٰ) نے کہا: آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۝

انہوں (بندے) نے کہا پس اگر تم میری پیروی کر رہے (ساتھ چل رہے ہو) تو مجھ سے کسی چیز (کام) کے متعلق اس وقت تک سوال نہ کرنا جب تک میں خود اس کا تم سے ذکر نہ کروں۔

بندہ علم و حکمت:۔

حضرت خضر علیہ السلام کا شجرہ نسب حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کے مختلف نام منقول ہیں، ایلیا، خضرون، الیسع۔ خضر آپ کا لقب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ زمین پر بیٹھتے تو اس زمین پر سبزہ اُگ جاتا تھا۔ ایک قول کے مطابق خشک گھاس ہری ہو جاتی۔ ایک قول ہے کہ نماز پڑھتے تو اردگرد سبزہ ہو جاتا۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ نبی ہیں یا ولی ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ نبی نہیں بلکہ دوسرے کوئی موسیٰ تھے۔ اس طرح حضرت موسیٰ جن کے پاس گئے وہ خضر نہیں بلکہ کوئی اور عالم تھے۔ لیکن احادیث حضرت خضر کی تصدیق کرتی ہیں اس لئے وہ حضرت خضر ہی تھے جن سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ ملے۔ اکثر علماء و محدثین کے مطابق

آپ انسان ہیں اور ہر انسان موت کو چکھتا ہے، لہٰذا آپ نے بھی اس کو چکھا ہے۔ صوفیاء اور علماء کے درمیان اس اختلاف کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی نے اپنی تفسیر مظہری میں حل فرمادیا اور یہ معلومات خواجہ مجدد الف ثانی قدس العزیز کے کشف کے حوالہ سے ہے کہ حضرت خواجہ خضر اور حضرت الیاس علیہ السلام زندوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ ہم مثالی اجسام میں متشکل (مثالی جسم۔ جس طرح ہم ٹی وی کی سکرین پر دیکھتے ہیں اور اس کی آواز و حرکت دیکھتے ہیں۔ جدید مثال تھری ڈی یا ہالوپورٹیشن ٹیکنالوجی ہے۔) متشکل ہو جاتے ہیں اور زندہ لوگوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ گم کردہ لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں اور اللہ کی اجازت سے مظلوم کی دادرسی کرتے ہیں اور علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے لئے اللہ چاہتا ہے اس کو نسبت عطا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اولیاء اللہ میں سے اس قطب مدار کا مددگار بنادیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اس جہاں کا مدار بنادیا ہے اور اس جہاں کی بقا اس کے وجود کی برکت اور اس کے فیضان سے ہے اور اس زمانہ کا قطب یمن کے ملک میں فقہ شافعی کا مقلد ہے اور ہم اس قطب کی اقتداء میں مذہب شافعی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ کہتے ہیں اس کشف صحیح کی وجہ سے تمام اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے اور اشکال دور ہو جاتا ہے (تفسیر مظہری)۔

علم لدنی (خاص علم):۔

اس علم کے ذریعے انسان اچھے برے، غلط صحیح کا فرق معلوم کر سکتا ہے۔ اس لئے علم ایک نور ہے، جو اللہ تعالیٰ انسان کے دماغ میں سمجھنے، جاننے اور یاد رکھنے کی صلاحیت عطا کرنے کے ذریعہ، دیتا ہے۔ ایک طالب علم مختلف علوم ان کے ماہرین سے حاصل کرتا ہے۔ اسلامی علوم، قوانین، حقوق اللہ حقوق العباد عقائد کا ذریعہ نبی علیہ السلام کے اقوال و افعال اور احوال اور قرآن مجید ہے۔ اگر علوم کو کسی انسان کے واسطے سے حاصل کیا جائے، تو وہ علم کسبی ہے اور اگر یہ علم کسی واسطے کے بغیر حاصل ہو تو علم لدنی ہے۔ وحی والہام، فراست علم لدنی کی اقسام ہیں۔

بعض علوم (معلومات) وہ ہیں جو کہ ریاضت مجاہدہ (عبادات) کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ مجاہدہ و ریاضت سے قوت حسیہ خیالیہ، (قوت خواہشات) کمزور ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ کمزور ہو جاتی ہے، تو قوت عقلیہ (روحانی)، قوی (طاقتور) ہو جاتی ہے۔ انوار الٰہیہ، عقل و دماغ میں روشن ہو جاتے ہیں۔ بغیر کسی واسطہ اور طلب کے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کو علوم لدینہ (خصوصی علم) کہتے ہیں۔

مختلف نفوس کی نفسیاتی ماہیت پر ان کا دارومدار ہوتا ہے۔ بعض نفوس انوار الیہ سے فیضیاب ہوتے ہیں، ان کا بدنی لذتوں سے بہت کم تعلق ہوتا ہے۔ اور وہ کسی قسم کے گناہ سے بھی ملوث نہیں ہوتے۔ ان میں انوار الیہ اور فیضان قدسیہ کے حصول کی استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔ ان پر عالم الغیب سے علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے۔ یہ بھی علم لدنی ہے۔ اس کے مقابل جو

نفوس انسانی گناہوں کی آلودگی سے صاف نہیں ہوتے، بدنی لذتوں میں ڈوبے رہتے ہیں ان پر انوار الیہ یا علوم کا بلاواسطہ فیضان نہیں ہوتا۔(تفسیر کبیر)۔

ان علوم لدنیہ کے حاملین کے مراتب اور درجات بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان علوم کی انواع (اقسام) بھی مختلف ہوتی ہیں۔ تمام ملائکہ، انبیاء علیہم السلام، اولیاء کاملین، علوم لدنیہ کے حامل ہوتے ہیں، لیکن ان کے درجات اور مراتب مختلف ہوتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہوتا ہے۔

شریعت، طریقت اور حقیقت:۔

شریعت: ظاہری احکام پر عمل شریعت ہے (حلال، حرام، فرض، واجب، سنن، مستحبات، اسلامی قوانین، معاملات وغیرہ)۔ یہ سب لوگوں کے لئے ہے۔ یہ التزام عبودیت ہے۔ ظاہری احکام پر قائم رہنا ہے۔ ان کا تعلق اجسام و ابدان سے ہے۔ شریعت میں مخلوق کو مکلف (احکام کا پابند) کرنا ہے۔

طریقت: شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے۔ اس کا تعلق دلوں سے ہے یعنی دلوں میں علوم و معرفت کا حصول۔ یہ خاص لوگوں کے لئے منہاج (راستہ) ہے۔

حقیقت: شریعت کا خلاصہ حقیقت ہے، پس ہر شریعت جس کی حقیقت سے تائید نہ ہو، وہ غیر مقبول ہے اور اسی طرح ہر حقیقت جو شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔ یہ خاص الخاص (اخص الخواص) کی معراج ہے۔ حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے۔ یعنی حق کو دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ہے۔ حقیقت میں حق کے تصرفات کی خبر دینا ہے، اللہ کا مشاہدہ کرنا۔ حقیقت میں قدر و رضا اور ظاہر و مخفی چیزوں کا مشاہدہ کرنا ہے، (رسالہ القشیریہ / مرقات)۔

روایات (احادیث) کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندہ خاص (حضرت خضر) کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے کہا تمہاری زمین میں سلامتی کہاں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے کہا، بنو اسرائیل کے موسیٰ ہیں؟ انہوں کے کہاہاں۔ حضرت موسیٰ نے کہا: کہ کیا میں آپ کی اس شرط پر اتباع کروں کہ آپ کو جو ہدایت کا علم دیا گیا ہے، آپ اس علم کی مجھے بھی تعلیم دیں گے۔ حضرت خضر نے کہا: میرے ساتھ آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اے موسیٰ! میرے پاس اللہ کے علم سے ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے، وہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ اور آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اس نے آپ کو سکھایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: انشاء اللہ آپ مجھے ضرور صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے چلنے لگے۔ ان کے پاس کشتی نہیں تھی۔ ان کے پاس سے ایک کشتی گزری۔ انہوں نے ان سے کہا کہ ان کو سوار کر کے لے جائیں۔ انہوں حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ان کو سوار کر لیا۔ پھر ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے سمندر سے ایک دو چونچیں ماریں۔ پس خضر نے کہا مجھے اور تمہیں علم دینے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے صرف اتنی کمی ہوتی ہے جتنی اس چڑیا کے سمندر میں چونچ مارنے سے کمی ہوئی ہے۔

نکات: درجہ ذیل اسباق و نکات ان واقعات سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) علم کی جستجو بہت ضروری ہے۔ (۲) اس کے حصول کے لئے سفر کرنا مشقت اُٹھانا اس کا حصہ ہے۔ (۳) سفر میں زاد سفر کا اہتمام ضروری ہے تا کہ پریشانی نہ ہو۔ (۴) اصحاب علم یا استاد کا احترام اور اس کا خیال لازم ہے۔ (۵) زندگی کے واقعات، بیماری و پریشانی و نعمت کا ذکر کیا جانا ممنوع نہیں بشرطیکہ بطور خبر ہو۔ اس میں شکایت یا تکبر کا عنصر نہ ہو۔ (۶) معاملات کو طے کرنا ضروری ہے، تا کہ آنے والے واقعات کے متعلق پیش بندی یا مسائل کا حل کیا جا سکے۔ (۷) نیکی کے معاملات میں شیطان کے عمل سے بچنا ضروری ہے مثلاً غفلت، بھول چوک، اہتمام نہ کرنا، سستی وغیرہ۔

فَانْطَلَقَا ۜ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـئًا اِمْرًا ۝

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی میں شگاف کر دیا۔ اس (موسیٰ) نے کہا: کیا آپ نے اس کو اس لئے توڑا ہے کہ اس میں سوار لوگ ڈوب جائیں یہ تو آپ نے بڑا خطرناک (انوکھا) کام کیا ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝

اس (خضر) نے کہا، کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تو میرے ساتھ یقیناً صبر نہ کر سکے گا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: میری بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیں اور میرے معاملے میں مجھے دشواری میں نہ ڈالیئے۔

فَانْطَلَقَا ۜ حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـئًا نُّكْرًا ۝

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی۔ پس اس (خضر) نے اس لڑکے کو مار ڈالا۔ اس (موسیٰ) نے کہا کیا آپ نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی جان کے بدلہ (قصاص) کے قتل کر دیا۔ یقیناً آپ نے بہت معیوب کام کیا۔

کشتی سے اترنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی کے ایک حصے میں سوراخ کر دیا، جس کی وجہ سے استعمال نہیں ہو سکتی تھی۔ کشتی والوں نے ان سے کرایہ بھی نہیں لیا تھا۔ اس طرح کا معاملہ بظاہر سماجی معاملات میں مناسب نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ کے سامنے صرف موجودہ حالات تھے۔ اس لئے اس پر ان کو تعجب ہوا اور کہا کہ یہ عجیب کام (عمل) ہے۔ حضرت خضر نے انہیں سفر کی شرط (سوال نہ کرنا) یاد دلائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معذرت کی۔ یہ سوال اس لئے ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طالب علم کی طرح تھے جس کی پہلے سے ہی کافی تعلیم ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیز اس کے خلاف ہو تو وہ سوال کرتا ہے۔

کشتی سے اترنے کے بعد زمین پر سفر شروع ہو گیا۔ آگے ایک میدان میں بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے ایک بچے کو گردن سے پکڑ کر ختم کر دیا۔ یہ کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے پہلے سے بھی زیادہ عجیب عمل تھا۔ اس لئے آپ نے شدید

الفاظ استعمال کئے، کہ آپ (حضرت خضر) نے معیوب کام کیا ہے، ایک انسان کو زندگی سے محروم کر دیا ہے اور اس کا کوئی جرم سامنے بھی نہیں تھا۔ حضرت خضر نے دوبارہ انہیں وعدہ یاد دلایا اور اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اَب اگر غلطی ہو گی تو آپ کے پاس حق ہے کہ معاف نہ کریں کیونکہ میں حد تک پہنچ چکا ہوں۔

سولہواں پارہ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۝

اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا۝

اس (موسیٰ) نے کہا: اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، بے شک آپ میری طرف سے حد عذر تک پہنچ چکے ہیں۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا۝

پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان دونوں نے ان گاؤں والوں سے کھانا مانگا تو انہوں نے ان کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی، تو اس (خضر) نے وہ سیدھی کر دی۔ اس (موسیٰ) نے کہا اگر تم چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۝

اس (خضر) نے کہا: اَب میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے۔ اب میں آپ کو ان کاموں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے تھے۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا۝

رہی وہ کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے اس لئے میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں (کیونکہ)، ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی (صحیح وسالم) کو زبردستی لے لیتا تھا۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَاۤ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۝ۚ

اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ مخلص تھے تو ہمیں یہ خطرہ (ڈر) تھا کہ وہ (بڑا ہو کر) ان کو سرکش اور کفر میں پھنسا دے گا۔

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا۝

چنانچہ ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان دونوں کو بدلہ میں اس سے اچھا (بچہ) دے جو پاکیزہ اور زیادہ رحم دل رحمدل ہو۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖۗ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ۝

اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا، ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ کام اپنی رائے سے نہیں کئے۔ یہ ان کاموں کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

آگے چلتے گئے ایک بستی (گاؤں) میں پہنچے۔ سفر کی وجہ سے دونوں کو شدید بھوک لگی ہوئی تھی۔ مقامی افراد سے کھانا طلب کیا۔ لیکن کسی نے بھی کھانا نہیں دیا۔ وہاں ایک دیوار گری پڑی تھی۔ حضرت خضر نے اس دیوار کو سیدھا کر کے بنا دیا۔ ان حالات میں جبکہ کسی نے ان سے یہ کام کرنے کو نہیں کہا اور بستی والوں نے کھانا دینے سے بھی انکار کے باوجود یہ کام کر دیا۔ وہ ان سے اس کی اجرت لے سکتے تھے وہ بھی نہیں لی۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال کر دیا۔

اس تیسرے سوال پر حضرت خضر نے ان سے کہا کہ اب میرا آپ سے علیحدگی کا وقت آ گیا ہے۔ کہ تین دفعہ وہ سوال کر چکے ہیں۔ جبکہ ان کو ایک کی بھی اجازت نہ تھی۔ اور کہا ان باتوں کا میں آپ کو علم بتائے دیتا ہوں کہ یہ کام کیوں کئے گئے۔

(۱) کشتی کا حصہ کو اس لئے توڑا کہ پیچھے بادشاہ صحیح اور قابل استعمال کشتیاں ملاحوں سے زبردستی قبضہ میں لے رہا تھا۔ اور اس کشتی کے ملاح غریب تھے تو ان کی کشتی وہ لے لیتا، تو وہ اپنی روزی کمانے اور کشتی سے محروم ہو جاتے۔ کشتی کا حصہ توڑنے سے کشتی پکڑی نہیں جائے گی اور بچ جائے گی جس کی وجہ سے یہ اپنا روزگار کر سکیں گے۔

(۲) جس لڑکے کو مار دیا تھا وہ بڑے ہو کر کفر اور ظلم میں مبتلا ہونے والا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کے والدین بھی اس میں شامل ہو جاتے۔ چونکہ وہ بہت نیک تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اور اس کے بدلے ایک نیک اور تابعدار فرزند عطا کرے گا، جو ان کے لئے بہتر ہو گا۔

(۳) تیسرا واقعہ ایک گھر کی دیوار جو گری پڑی تھی اس کو بغیر اجرت تعمیر کیا ہے۔ اس کے لئے بتایا، یہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی۔ ان کا والد ایک نیک آدمی تھا اور اس نے ان کے لئے دیوار کے نیچے خزانہ چھپا رکھا تھا۔ تاکہ لڑکے بڑے ہو کر نکال کر استعمال کر سکیں۔ دیوار گرنے سے، خزانہ ضائع ہونے کا خدشہ تھا۔ اس لئے دیوار بنا کر خزانے کو محفوظ کیا۔ اور پھر واضح کیا کہ یہ تمام امور مصلحت کے تحت، اللہ کے حکم سے ساتھ انجام دیئے گئے ہیں۔

واقعہ سے مندرجہ ذیل اسباق ملتے ہیں۔

(۱)وقتی طور پر بعض اوقات، انسان کو پریشانی گھیر لیتی ہے۔ لیکن اگر آپ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں تو اس میں آپ کے لئے کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ اس موضوع پر کافی احادیث موجود ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے ہر حال میں برکت و خیر ہے۔ اگر تکلیف ہے تو صبر اور کفارہ ہے۔ اور اگر نعمت ہے تو شکر اور برکت ہے۔

(۲)بڑے نقصان سے بچنے کے لئے تھوڑا نقصان قبول کرنا بہتر ہے (کشتی اور لڑکے کا معاملہ)۔

(۳)سفر کے دوران مسافر سوال کر سکتا ہے اور اس کی مدد کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ کا سائل کا تم پر حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(۴)نابالغ یتیم کے حقوق اور اموال کا اہتمام ریاست اور افراد کی ذمہ داری ہے۔ (بلا معاوضہ خدمت کرنا ریاست کا کام ہے)۔

حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے کچھ لوگ اس کی ظاہری کیفیت کو اصل سمجھ لیتے ہیں اور حقیقی مقاصد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ تین واقعات جو بظاہر حالات میں صحیح نہیں نظر آرہے، یہ تو صرف ایک وقتی یا سطحی تجزیہ تھا۔ لیکن طویل المدت حقائق ظاہری حالت کے برعکس تھے۔ لہٰذا یہ اقدام اپنی افادیت میں ضروری تھے۔ اس سے انسان کے لئے مصیبتوں اور پریشانیوں میں اللہ کی حکمت کا سہارا لینا چاہیے اور بدحواسی، پریشانی، کم ہمتی کے بجائے اللہ پر بھروسہ اور نیک اعمال میں جس قدر ہو سکے حصہ لینا چاہیے۔ پریشانی کم کرنے کے لئے بہترین علاج صبر ہے۔

معاشرے کے قوانین، تشریعی امور جو الہامی احکام پر یا حکمرانوں کی ہدایات پر بنائے جاتے ہیں، عموماً معاملات سے متعلق ہوتے ہیں۔ اور ظاہری اسباب و عوامل کی بناء ان کا فیصلہ ہوتا ہے۔ عموماً یہ انسانی ارادہ کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ جس طرح چوری، قتل، گواہی، نکاح، طلاق، کاروبار وغیرہ۔ دوسرے امور جنہیں تکوینی کہا جاتا ہے۔ وہ کائنات میں انسان کی طاقت سے ماوراء اور غیر ارادی ہوتے ہیں۔ حادثات، قدرتی آفات وغیرہ۔ لیکن سارے امور اللہ کے حکم، اس کے مقرر کردہ اسباب اور طریقہ کار کے مطابق واقع ہوتے ہیں۔ معجزات و کرامات میں واقعہ آناً فاناً ہو جاتا ہے، لیکن اسباب رہتے ہیں۔ معاشرتی قوانین کے تحت کسی کو حق نہیں دیا جا سکتا، کہ وہ مصلحت کے بہانے سے جرم شروع کر دے، ورنہ کوئی حد نہیں ہو گی۔ اس لئے صوفیاء حضرات نے جب کبھی کوئی تشریعی امور میں طریقہ کار سے ہٹ کر کام کیا، تو اس کی سزا کو بڑی خوش دلی سے قبول کیا، تاکہ دنیا میں موجود نظام جزا و سزا قائم رہے۔ عموماً جو لوگ روحانیت سے انکار کرتے ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے، کہ مکار اور نقلی صوفیاء افراد اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے میں چونکہ حضرت موسیٰ کو تسلی دلانی تھی۔ اس لئے حضرت خضر کے ذریعہ ہوا۔ کیونکہ ان (خضر) کی بات کی صداقت مسلمہ تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کے ساتھ تھی۔ اس لئے یہ امور ان سے واقع ہوئے اور ان کی مصلحت کو بھی حضرت موسیٰ نے تسلیم کر لیا۔ اگر کسی اور آدمی سے ہوتا، تو حضرت موسیٰ اس کو قبول نہ کرتے، لہٰذا کسی انسان سے یہ واقعہ خلاف فطرت نہیں ہے۔ عمومی اصول پر، اعلیٰ مقصد کی خاطر معمولی مقصد کو چھوڑ دیا گیا، اس لئے قابل

گرفت نہیں۔ کیونکہ اعلیٰ مقصد کے حصول کا یقین تھا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ سارے معاشرے میں اجتماعی کام ایسے کئے جاتے ہیں جو کسی خاص فرد کے لئے نقصان دہ، لیکن معاشرہ کے لئے مفید ہونے کا یقین ہوتا ہے اس لئے ان کی اجازت ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اس وقت دوا نہیں لے سکتا جب تک اس کے پاس ڈاکٹر کا نسخہ نہ ہو، اگرچہ اسے دوا کا علم بھی ہو، اس کا مقصد اس کے غلط استعمال کو روکنا ہے۔ جس کی وجہ سے مریض کے حق دوا کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس واقعہ میں حضرت موسیٰ کے ذریعے ہم تک تقدیر کے فیصلوں کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ لیکن تقدیر سے بڑھ کر عمومی زندگی میں تدبیر کا استعمال ضروری ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے تقدیر جاننے کے باوجود سارے معاملات اعلیٰ تدبیر و عمل سے حل کئے اور یہ قدرت کے نظام کا ضروری حصہ ہے۔

اصحاب علم ظاہر و باطن:۔

علماء ظاہر وہ اصحاب علم ہیں، جو ظاہری حالات و واقعات کی علوم عقلیہ و نقلیہ سے فیصلہ یا رائے قائم کرتے ہیں۔ وہ علوم کسبیہ (جو کسی فرد سے حاصل ہوں، سکول) کے ماہر ہوتے ہیں۔ عمومی ظاہری قوانین کی اطلاع دیتے اور پابندی کی تاکید کرتے ہیں۔ ان کا مقصد انسانی فلاح ہے۔

علماء باطن سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ہر حال میں اپنے کو ممنوع کاموں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اللہ کی عبادت ایسے کرتے ہیں کہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔ غیر اللہ کی محبت کو ترک کر کے، اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول رہتے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق وہ رسمی عبادت کی وجہ سے فضیلت نہیں رکھتے، بلکہ حسن اخلاق، خدا خوفی، حسن نیت، مسلمانوں / مخلوق کے لئے خیر خواہی، رضا الٰہی، صبر، حلم، عقلمندی، تواضع کی وجہ سے فضیلت رکھتے ہیں اور انبیاء کے خلفاء ہیں۔ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے آفتوں اور مصائب کو دور فرماتا ہے۔ ان کو اپنے فضل سے جلال و جمال اور حکمتوں کے عجائب پر مطلع فرماتا ہے۔ علماء باطن کا مقصد بھی انسانی فلاح ہوتا ہے۔

اسلام میں علمائے ظاہر و باطن میں تضاد نہیں۔ ہر ایک کا اپنے راستے کا اختیار ہے۔ اہم معیار اخلاص اور کردار ہے۔ اس واقعے سے یہ تاثر لینا یا دینا کہ شریعت (ظاہری احکام) اور طریقت (باطنی احکام) میں تضاد ہے، صحیح نہیں۔ بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ دراصل یہ واضح کرتا ہے کہ اسباب اور ظاہری انداز اگر مختلف ہیں، لیکن باطن اور اصل میں سب امور، تقدیر یا نظام الٰہی کے تابع ہیں۔ شریعت یا قوانین کی پابندی انسانی معاشرے کے لئے بہت ضروری ہے۔

اولیائے کرام کی کرامات، شریعت سے تضاد نہیں، بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نتیجہ ہیں اور ان کے اسباب و عوامل بھی اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر کوئی قول و عمل، بظاہر عادات و شریعت کے خلاف ہے، تو وہ صرف مقام جذب کی شدت کی وجہ سے ہے۔ جس کا درجہ مقام صحو یعنی سکون و قرار سے کم ہے۔ کرامات مقربین کے ہاں متروک ہے، (واللہ اعلم بالصواب)۔ کرامات کے عوامل اس تیزی سے واقع ہوتے ہیں کہ موجودہ، سائنسی پیمانے ان کو مقید نہیں کر سکتے، اس لئے سائنس ان سے انکاری ہے، لیکن یہ واقعات حقیقت ہوتے ہیں، لیکن ان کا وقوع شاذ و نادر ہوتا ہے۔

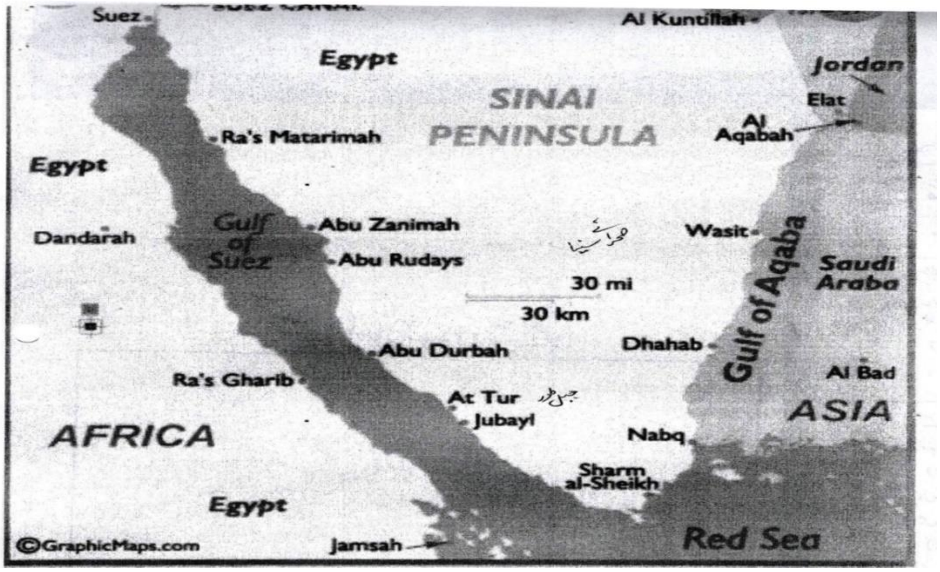

حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سفر

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۭ

اور (یہ لوگ) آپ سے ذوالقرنین کے بارے پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے عنقریب میں اس کا کچھ تمہیں پڑھ کر (تلاوت کرکے) سناؤں گا۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ

بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور انہیں ہر کام کے وسائل دیئے تھے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا

چنانچہ وہ سامان لے کر (ایک راستے کے پیچھے) چل پڑا۔

حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا

یہاں تک کہ وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچا، تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ سیاہ کیچڑ (دلدل) والے چشمے (پانی) میں ڈوب رہا ہے۔ اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔ ہم نے کہا: اے ذوالقرنین تجھے اختیار ہے خواہ تو لوگوں کو سزا دے یا پھر ان سے اچھا برتاؤ (سلوک) کرے۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا

اس نے کہا: ان میں جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا اسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور وہ اسے سخت عذاب دے گا۔

وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى ۚ وَ سَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ؕ

البتہ جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہو گا (اللہ کی طرف سے)، اور ہم بھی اس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔

سوال کرنے والے لوگ مشرکین مکہ تھے، جنہوں نے یہود کے کہنے کے مطابق سوالات کئے اور ان میں ایک ذوالقرنین کے بارے تھا۔

ذوالقرنین:۔

ذوالقرنین کو ذوالقرنین کیوں کہتے ہیں، اس کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ (۱) ان کی دو زلفیں تھیں جن کی وجہ سے ذوالقرنین کہلائے۔ (۲) ایک روایت کے مطابق چونکہ مشرق کے انتہائی دور مقام اور مغرب کے بھی انتہائی (خشکی کے) دور مقام پر گئے اس کے دو، ذوالقرنین ہیں۔ (۳) ایک روایت میں ان کے سر پر نشانات تھے جیسے سینگ ہوتے ہیں (۴) سر کی دونوں جانب چوٹ کے نشان تھے۔ یہ نام قبل از اسلام، یہودی لٹریچر میں ہے اور اس کا ذکر عہد نامہ قدیم میں دو مقام پر آیا ہے۔ ہمارے مفسرین نے بھی اسرائیلیات (روایات) کو لکھا ہے۔ اس لئے کون تھا، کس ملک کا تھا، میں مختلف آراء ہیں۔ پرانا عہد نامہ (توریت) کے باب یسعیاہ 45 آیات 3 میں یوں ذکر ہے۔

"خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوادوں اور دروازوں کو اس کے لئے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائیں۔"

اسی طرح تورات (عہد نامہ قدیم) کے دانیال باب میں، دانیال نبی کے خواب کا ذکر بھی ہے جس کی تعبیر و تفسیر ذوالقرنین یعنی ایرانی بادشاہ خسرو ہے جس نے بابل اور یونان کی بادشاہتیں سرنگوں کیں۔

ذوالقرنین کی ذات کے بارے بھی اختلافات ہیں۔ کچھ مفسرین نے اس سے مراد سکندر اعظم جو (یونانی، مقدونی، رومی) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس کا وزیر ارسطور تھا۔ جس نے بہت سارے ممالک فتح کئے اور سکندریہ کا شہر مصر میں آباد کیا۔ شاہان فارس کو مغلوب کیا۔

دوسرا جس کے بارے اکثریت کی رائے ہے۔ وہ ایران کا بادشاہ کیخسرو ہے، جس کو ایرانی گورش، یونانی سائرس، یہودی خورس کہتے ہیں۔ اس نے یہودیوں کو بابل (بخت نصر) کی غلامی سے نجاعت دلائی، دوبارہ بیت المقدس آباد کیا۔ هیکل سلمانی کی تعمیر میں مدد دی اور ان کے خزانے یا تبرکات واپس کئے۔ وہ ان کا نجاعت دہندہ تصور کیا جاتا ہے۔ متاخرین علماء کی ہی رائے ہے (مولانا حفظ الرحمان۔ قصص القرآن۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن)۔ اسی طرح صحیح تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے عرصہ حکمرانی میں بھی اختلاف ہے۔ کہیں اس کا عرصہ حضرت عیسیٰ سے 300 سال قبل اور کسی نے 2000 سال قبل کے قریب تحریر کیا۔ کسی نے

حضرت ابراہیم کے زمانے میں واقع ہونے کے بارے میں کہا۔ اسی طرح کچھ علماء و مفسرین نے اسے نبی کے درجہ پر لیا ہے (ابن کثیر)۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مبارک ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتے بلکہ نیک صالح مسلمان تھے (روح المعانی)۔

پہلی مہم:۔

ذوالقرنین کی پہلی مہم یا سفر جو فتوحات کا سلسلہ تھا، وہ مغرب کی طرف تھا اور مغرب اقصیٰ تک پہنچے، جو کہ موجودہ مراکش ہے۔ جہاں بحر اوقیانوس کی موجیں زمین کو چھوتی ہیں اور بحر ظلمات ہے۔ وہاں سے آگے چونکہ زمین کی خشکی ختم ہو جاتی ہے تو گویا وہ نقطہ غروب شمس ہے۔ سورج اور زمین اپنے اپنے مدار میں رواں ہیں، لیکن چونکہ خشکی کا آخری حصہ تھا اور آگے سورج پانی میں ڈوب رہا تھا تو اس رنگ سیاہ اور کیچڑ والے چشمے میں ڈوب رہا ہے کا منظر دے رہا تھا۔

وہاں کی قوم غیر مسلم تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذوالقرنین کو "قلنا" (ہم نے کہا)، کا لفظ فرمایا: اس لئے کچھ مفسرین ان کو نبی سمجھتے ہیں۔ لیکن اکثر نہیں۔ ان کے خیال میں یہ حکم اس وقت میں موجود، نبی کے ذریعہ ان کو دیا گیا۔ دراصل جناب ذوالقرنین کے قصہ میں نہ مقام، نہ عرصہ حکومت، نہ ہی ان کو پیغام کس طرح دیا گیا اہم ہے، بلکہ ان کا کردار، طریقہ عمل اور انصاف پسندی کے جو اسباق ہیں، وہ غور طلب ہیں۔ رواج یا احکام کے مطابق، ذوالقرنین کے پاس حق تھا کہ وہ محکوم قوم کو ختم کر دیتا۔ لیکن اس نے انسانی جذبہ کے ماتحت ان کو زندہ رہنے دیا اور ساتھ ہی تلقین کی کہ وہ عدل کو اختیار کریں۔ ظلم نہ کریں، دھوکہ نہ دیں۔ اگر ایسا کیا گیا، تو انہیں نہ صرف اس زندگی میں سزا دوں گا، بلکہ آخرت میں بھی وہ عذاب جہنم کے سزاوار ہوں گے۔ دوسری ان کو تاکید کی کہ نیک اعمال اور صالح کردار کے بدلے ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعامات دیئے جائیں گے اور ساتھ ہی ان کے دنیاوی معاملات میں سہولت پیدا کی جائے گی۔

نکات:۔

۱۔ ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوازمات و اسباب مہیا فرمائے، جو کسی مہم میں کامیابی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسباب، دنیا کی زندگی اور اچھی حکمرانی کے لئے لازم ہیں۔ ان میں دفاعی اسباب (گھوڑے، تربیت یافتہ فوجی، آلاتِ حرب، غذا و صحت، نقل و حمل) تمام تھے اور ان کا اعلیٰ انتظام تھا، جس کی وجہ سے کامیابی ان کی منتظر رہتی تھی۔

۲۔ عدل و انصاف: ان کے معاملے میں عدل و انصاف کی بہت اہمیت تھی، ظلم سے نفرت تھی۔

۳۔ انسانوں کے ساتھ مہربانی: طاقت اور غلبہ کے بعد محکوم اقوام کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا رویہ تھا۔

نقشہ بسلسلۂ قصۂ ذو القرنین

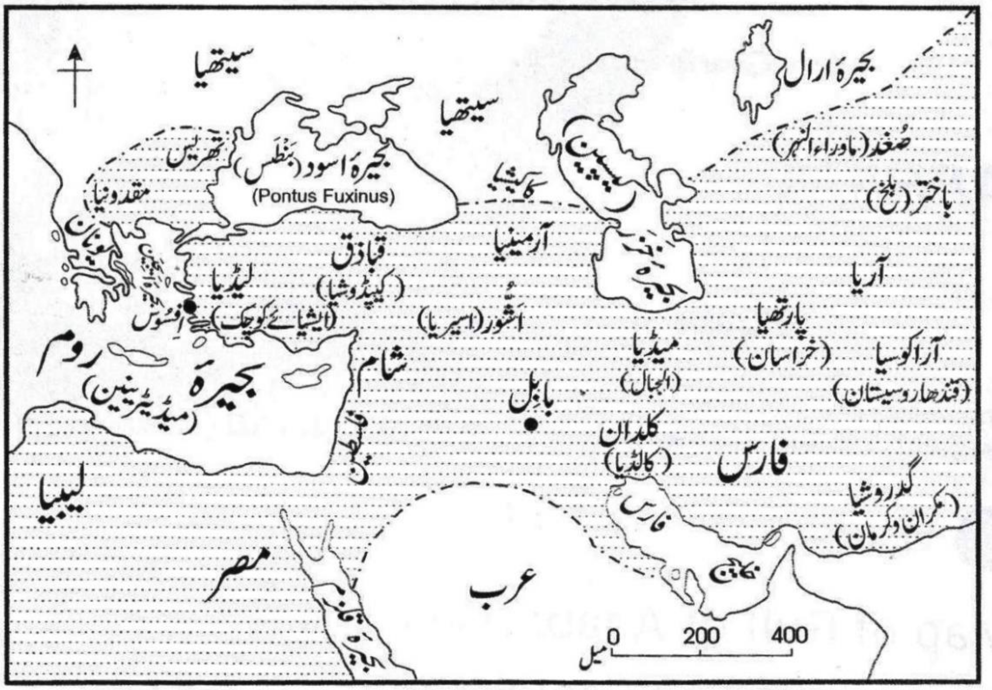

خورس اور اُس کے جانشینوں کی سلطنت چھٹی صدی قبل مسیح کے آخری زمانے میں

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۝

اس کے بعد وہ ایک اور مہم (راستے) پر چل پڑے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۝

یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک اسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لئے ہم نے اس (سورج کی دھوپ) سے بچنے کے لئے کوئی اوٹ (حجاب) مہیا نہیں کی تھی۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا۝

واقعہ اسی طرح ہے اور ہمارے علم نے ان کے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہوا ہے (ذوالقرنین کی مہمات کا)

دوسری مہم:۔

دوسرا سفر مشرق کی جانب تھا۔ اس لشکر کشی کو مغربی مؤرخین (لیبر وڈوئس اور ٹی سیار) نے یوں بیان کی ہے کہ لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی۔ مشرق کے بعد وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث تھی (یہ قرآن مجید

کے مطابق ہے)۔(ترجمان القرآن۔ مولانا ابوالکلام)۔ قرآن مجید کے مطابق یہ ایسی قوم تھی کہ سورج کی گرمی اور موسم کی سردی سے بچنے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ روایات کے مطابق نہ ان کے پاس لباس تھے، نہ انہوں نے گھر بنائے ہوئے تھے۔ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے اور مچھلی پر ان کا گزر تھا۔ یہ قبائل کون تھے۔ مغربی مؤرخین کے مطابق یہ بکڑیا یعنی بلخ کے علاقے کے قبائل تھے(نقشہ میں ایران سے مشرق اقصیٰ کی طرف بلخ ہے)اس کے آگے پہاڑ ہیں(ترجمان القرآن)۔ یہ بحیرہ ارال کے پاس کے علاقے ہیں جو موجودہ قزغستان اور ازبکستان کے درمیان ہے۔ ایک اور اندازہ جو موجودہ مواصلاتی ترقی کی وجہ سے ہوا۔ شمال بعید کے وہ علاقے جو انتہاپی شمال میں ہیں، مثلاناروے کے علاقے، جہاں نصف سال سورج غروب نہیں ہوتا، بھی ہوسکتے ہیں۔ سورج کے سامنے پردہ نہ ہوناشاید یہی ہو۔ مزید تحقیق ہوسکتی ہے۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۝

اس کے بعد وہ ایک اور مہم (راستے) پر چل پڑے۔

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا ۝

یہاں تک کہ وہ جب دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ (قوم) ملے جن کے بارے ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔

قَالُوۡا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَ مَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَهُمۡ سَدًّا ۝

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج ماجوج زمین میں فساد کر رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادیں۔

قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡهِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَهُمۡ رَدۡمًا ۝

اس(ذوالقرنین) نے کہا: اللہ نے جو مجھے قدرت وطاقت دی ہے، وہی میرے لئے بہتر ہے۔ لہٰذا تم لوگ محنت (افرادی قوت) سے میری مدد کروتو میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنادوں گا۔

اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡهِ قِطۡرًا ۝

میرے پاس لوہے کی چادریں لے آؤ، یہاں تک کہ جب انہوں نے اس دیوار کو دونوں پہاڑی سروں کے برابر کر دیا تو کہا کہ اب آگ خوب دہکاؤ، یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو پگھلا دیا تو کہا کہ پگھلا ہوا تانبالاؤجو میں اس میں انڈیل دوں۔

فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡهَرُوۡهُ وَ مَا اسۡتَطَاعُوۡا لَهٗ نَقۡبًا ۝

پھر یاجوج ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ان میں کوئی سوراخ کر سکتے تھے۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝

اس (ذوالقرنین) نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

تیسری مہم (سفر):۔

تیسری لشکر کشی، ذوالقرنین نے اس علاقہ تک کی، جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے۔ یہ شمالی علاقہ کی مہم تھی جو بحیرہ خزر (کیپسپین سمندر) سے آگے علاقوں تک تھا جو کیشیا کے سلسلہ کوہ تک ہے۔ وہاں ہی درہ ہے جو دو پہاڑیوں کے درمیان تھا۔ اور اسی راہ سے یاجوج ماجوج آکر اس علاقہ کو تاخت و تاراج (تباہ) کیا کرتے تھے اور یہیں سد (دیوار) تعمیر ہوئی۔ اس طرح کا ایک اور بھی سد ہے لیکن قریب واقع، یہی ہے۔ اس کے علاقے کے دوسری جانب بحیرہ اسود ہے۔ جسے اب بلیک سمندر کہتے ہیں۔ دونوں بحیروں کے درمیان پہاڑی سلسلے ہیں۔ یہ درہ، راستہ تھا، جہاں سے حملے ہوتے اور جو قوم ذوالقرنین کو یہاں ملی وہ اسی علاقے کے مکین تھے۔ یہاں دو قومیں رہتی تھیں۔ جن کا ذکر تاریخ میں ہے۔ پہلی بحیرہ خزر (کیپسپین) کے مشرقی ساحل پر آباد تھی۔ اسے یونانی مورخین نے کیپسپین کے نام سے پکارا ہے۔ اسی نام سے بحر حرز کا نام کیپسپین بھی ہے۔ دوسری قوم جو اس مقام سے آگے بڑھ کر کاکیسیان کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے کول سی کے نام سے پکارا ہے۔ حرارا کے کتبہ اسلخر میں اس کا نام کوشیہ آیا ہے۔ انہی دو میں سے کسی نے یا دونوں نے مدد کی درخواست کی اور یہ غیر متمدن قومیں تھیں اس لئے فرمایا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔ (ترجمان القرآن۔ ابوالکلام آزاد)۔

یاجوج ماجوج:۔

یاجوج ماجوج کا احادیث میں بھی ذکر آیا ہے۔ علماء تفاسیر کے مطابق یہ دو قومیں انتہائی وحشی ہیں، حضرت نوح کی اولاد تھے۔ یہ شمالی چین منگولیا اور روس کے قبائل میں جو تاتاری منگول ہیں اور سیتھین کے ناموں سے مشہور تھے۔ قدیم زمانے میں یہ متمدن ملکوں پر حملے کرتے اور انہیں تباہ کرتے تھے۔ اور ان علاقوں میں ان سے بچنے کے لئے دو بند داریال کے مقام پر روکاوٹیں بنائی گئیں تھیں۔ ترجیح، درہ داریال کی سد کی ہے، جن کو ذوالقرنین سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ان میں بہت ساری اقوام مہذب ہو چکی ہیں۔

احادیث کے مطابق یاجوج ماجوج قوم کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہو گا اور یہ قتل و غارت بہت زیادہ کریں گے، جہاں سے گذریں گے تباہی اور ذرائع پیداوار ختم کر دیں گے۔ ان کا اختتام تقریباً ایک سال اور چندماہ میں ہو جائے گا۔ جو ایک مرض کی بناء پر ہو گا یہ سب ختم ہو جائیں گے اور مخلوق خدا کو نجاعت حاصل ہو گی اس کے بعد بڑی خوشحالی کا دور ہو گا۔ اس کی ایک تشریح قرب نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم ٹیکنالوجی کے لحاظ سے بہت ایڈوانس ہو گی، جو دوسری اقوام پر معاشی طور پر غالب ہو

جائے گی لیکن یہ غلبہ صرف تھوڑی مدت ہو گا۔ لگتا ہے کہ شاید چینی قوم ہو۔ یہ میرا خیال ہے۔ حدیث میں اس کی طرف اشارہ، ان کے مرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

قبل از اسلام مختلف فاتحین میں سے دخورس (کیخسرو) کی انتظامی اہلیت، سلطنت کی عظمت کے لحاظ ذوالقرنین کی علامات پائی جاتی ہیں۔ اس کی سلطنت کا عروج 549 قبل مسیح میں تھا۔ اس نے پہلے میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (ایشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو فتح کیا۔ پھر بابل کو فتح کیا اور اس کی فتوحات مکران ساحل (بلوچستان / سندھ) اور دوسری طرف صغد (موجودہ ترکستان) اور افریقہ میں مصر، لیبیا اور دوسری طرف مقدونیا و تھریس تک وسیع ہو گیا۔ شمال میں قفقاز (کاکیشیا) اور خوازم تک پھیل چکا تھا۔ یہ سارے علاقے اس کے زیر نگیں اور اس وقت کی مہذب دنیا اس کے تابع تھی۔ (تفہیم القرآن)۔

قرآن مجید، ہدایت انسانی کی کتاب ہے۔ سائنسی علوم، انسانی نفسیاتی اور تاریخی واقعات کا تذکرہ صرف ہماری ہدایت کے لئے ہے۔ تیسرے سفر کے اہم نکات بھی اچھی حکمرانی کے لئے مینارہ نور ہیں۔

۱۔ حکمران کو اپنے عوام کی سہولت کو سب سے مقدم رکھنا چاہیے۔

۲۔ اپنے عوام پر کسی بھی حکمران یا حکومت کو غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے تاکہ ان کی زندگی آسان رہے۔

۳۔ انسانی جان کی حفاظت اور اجتماعی حفاظت کا اہتمام کسی بھی حکمران یا حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔

۴۔ سائنس اور ٹیکنالوجی بہت ضروری ہے۔

۵۔ اللہ کے انعامات کا شکر کرنا ضروری ہے۔ ہر کامیابی پر اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

۶۔ برے اعمال کی سزا کے ساتھ اچھے اعمال کی اچھی جزا بھی ضروری ہے تاکہ ترغیب اور خوف دونوں استعمال ہوں۔

۷۔ تکبر کبھی نہیں کرنا چاہیے، کامیابی کو بھی اللہ کا انعام سمجھنا ضروری ہے۔

قدیم علوم اور ٹیکنالوجی:۔

واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پرانی اقوام بھی سائنس و ٹیکنالوجی سے آگاہ تھیں۔ سد (ڈیم) کا بنانا ایک تعمیراتی انجینئرنگ کا کمال ہے اور یہ کمالات اہرام مصر، دیوار چین اور سد ذوالقرنین سے واضح ہیں۔ پھر ری انفور سمنٹ ٹیکنالوجی کے بارے بھی ان کو علم تھا کہ لوہے کو ملا دیا جائے، تاکہ دیوار یا بند کی مدت حیات زیادہ لمبی ہو اور موسمی اثرات کا مقابلہ کر سکے۔ اسی طرح دھاتوں کے ملنے، سخت اور نرم ہونے سے میٹلرجی کا بھی علم انہیں تھا۔ چونکہ آبادی بہت کم تھی یا ان کے وسیع استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی اس لئے ایک صنعت کی حیثیت نہیں تھی بلکہ ہنر تھا۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝

اور اس دن ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کر لیں گے۔

وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ

اور اس دن ہم دوزخ کو ان کافروں کے آمنے سامنے (روبرو) لے آئیں گے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۙ

جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

آیت مبارکہ کو، اگر یاجوج ماجوج کے واقعہ کے تناظر میں دیکھا جائے، تو یوں ہے کہ وہ گویا ٹڈی دل کی طرح نکلیں گے، آپس میں موجوں کی طرح ٹکرائیں گے اور پھر صور پھونکا جائے تو سب جمع ہو جائیں گے۔ دوسری تفسیر، اگر صور اسرافیل کو دیکھا جائے، تو قیامت کا منظر ہے، کہ سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور کسی کو کوئی ہوش نہ ہو گا۔ اپنی اپنی فکر پڑی ہو گی اور موجوں کی طرح ٹکرا رہے ہوں گے۔ جن کے بارے دوزخ کا اعلان ہو گا۔ وہ دوزخ دیکھ رہے ہوں گے۔ اس کی ہولناکی ان کو نظر آنے لگے گی اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اللہ کے احکام سے غافل تھے۔ دنیا کی محبت میں، اپنے کو اطاعت سے محروم کر رکھا تھا اور تمام حواس کے باوجود، حواس گم کر کے نفس کے غلام بن کر نافرمانی میں پھنس گئے اور جہنم کے حقدار ہوئے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۟

کیا پھر جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا یہ گمان ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز (دوست) بنا لیں گے۔ بے شک ہم نے کافروں کی میزبانی کے لئے جہنم تیار کر رکھا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۟

کہیئے! کیا ہم تمہیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے بتائیں

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۟

جن کی دنیاوی زندگی میں تمام کوششیں ضائع ہو گئیں جبکہ وہ سمجھتے تھے کہ یقیناً وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۟

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا چنانچہ ان کے اعمال برباد ہو گئے، لہٰذا روز قیامت ہم ان کے لئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ رُسُلِيْ هُزُوًا ۟

یہ ہے ان کی سزا جہنم، کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کا مذاق بنایا (اُڑایا)۔

پچھلی آیت میں دوزخ و قیامت کے ذکر کے بعد جن اعمال کی وجہ سے لوگ دوزخ میں جائیں گے ان کا ذکر ہے۔ مفسرین نے اس سے وہ اقوام، جو شرک میں ملوث تھی مراد لی ہیں کیوں کہ انہوں نے خدائے حقیقی کو چھوڑ کر اس کی مخلوق (بندوں) کو اپنا معبود و مالک بنا لیا۔ ان میں یہود، حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی حضرت عیسیٰ، کو اللہ بیٹا تصور کرنے کی وجہ سے ہیں۔ یا وہ قومیں جو

فرشتوں، سورج، آگ کی پرستش کرتی ہیں اور اگر آج کوئی بھی اللہ کی ذات کے علاوہ کسی کو اپنا معبود یا کارساز سمجھتا ہے تو وہ اس گناہ کا مرتکب اور سزا کا مستحق ہے۔

ایک انتہائی ہیبت ناک و خوفناک کیفیت بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن جب ہر چھوٹے سے چھوٹے، نیک عمل کی ضرورت و بہت اہمیت ہو گی۔ اس دن بڑے بڑے عمل ضائع ہو جائیں گے اور ان کا کوئی فائدہ، کرنے والے کو نہیں ملے گا۔ تو کس قدر یہ پریشان کن صورت ہے۔ یہ ان لوگوں کی ہے، جو دنیا میں نیک اعمال میں مصروف ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد دنیاوی فائدہ، شہرت عزت، دولت، مرتبہ، مقام ہے۔ اور ان میں اخلاص الٰہی اور رضائے ربانی مقصود نہیں۔ وہ دنیا کے امور کو ہی اہم سمجھتے ہیں اور حساب و کتاب کا احساس تک نہ رکھا۔ اپنے خالق حقیقی کے مقام کو نہیں پہچانتے، لہٰذا ان کو دنیا کے اندر ہی معاوضہ دے دیا جائے گا اور قیامت کو جزا سے محروم رہیں گے۔

مفسرین کرام نے اس سے عقائد کا فساد اور نیت میں ریاکاری کا فساد لیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ایک قد آور اور بہت موٹا شخص آئے گا، جو اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن دار نہ ہو گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (بخاری مسلم)۔ ابو نعیم اور تاریخ ابن عساکر، میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ جندب بن زبیر، صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی تعریف و ثناء کر رہے ہیں تو اس سے ان کو خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مقصد ریا کا نقصان بتانا ہے)۔

اس آیت مبارکہ میں جس شرک سے منع کیا گیا ہے وہ ریاکاری "شرک خفی" ہے اور یہ عمل اگرچہ اللہ ہی کے لئے ہو مگر اس ساتھ کوئی نفسانی غرض، شہرت و عزت بھی شامل ہو، تو یہ عمل کو ضائع اور نقصان دہ بنا دیتا ہے۔ حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تمہارے بارے میں جس چیز پر سب سے زیادہ خوف رکھتا ہوں وہ شرک اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ریا (مسند احمد)۔ کتب احادیث میں ریا کاری پر کئی احادیث درج ہیں۔

بعض اوقات آدمی نیک عمل کر رہا ہوتا ہے، تو اس کا اظہار بطور مجبوری ہو جاتا ہے اور اگر اس پر تحسین ملتی ہے تو وہ ریا کاری نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کہ میں بعض اوقات اپنے گھر میں اپنی جائے نماز پر ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آ جائے تو مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے مجھے اس حال میں دیکھا، (تو کیا یہ ریا ہو گئی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ: خدا تم پر رحمت فرمائے، تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں۔ ایک خفیہ عمل کا، جو پہلے سے کر رہے تھے دوسرا اعلانیہ عمل کا، جو اس آدمی کے آ جانے کے بعد ہو گیا۔ یہ ریا نہیں ہے۔ (ترمذی شریف)۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے عمل سے اللہ کی رضا کے ساتھ مخلوق کی رضا، اپنی شہرت و وجاہت کی نیت کو بھی شریک کرے، یہاں تک کہ لوگوں کی تعریف کرنے پر، اپنے اس عمل کو اور بڑھادے۔ یہ بلاشبہ ریا اور شرک خفی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے اور لوگوں میں شہرت یا مدح کی طرف کوئی دھیان یا خیال نہ ہو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے مشہور کردیں تو اس کا ریا سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ مومن کے لئے بشارت ہے۔ (تفسیر مظہری)۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اخلاص اور ریا کے بارے سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں اپنے نیک اور اچھے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب ہو اور برے اعمال کا پوشیدہ رہنا محبوب نہ ہو، پھر اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال لوگوں پر ظاہر فرمادیں تو تم یہ کہو یا اللہ! یہ سب آپ کا فضل ہے۔ احسان ہے میرے عمل اور کوشش کا اثر نہیں۔ (میرے پروردگار: ہمیں ریا سے محفوظ فرما اور شیطان سے بچا۔ آمین)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ۟ۙ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے جنت الفردوس میں رہائش (ٹھکانا) ہے۔

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡهَا حِوَلًا ۟

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔

قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ۟

آپ کہہ دیجئے! اگر میرے رب کے کلمات (حمد و ثنا) کو لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں، تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ضرور سمندر ختم ہو جائے گا۔ خواہ ہم اس کی مدد (اضافہ) کے لئے اتنا ہی سمندر لے آئیں۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنۡ كَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ۟

(اے نبی) کہہ دیجئے: میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی توقع رکھتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

نافرمانوں اور جہنم میں رہنے والوں، کا موازنہ ایمان لانے والے اور نیک اعمال کرنے والے مومنین سے کیا گیا ہے۔ ان کو ان کے اعمال اخلاص کی بناء پر جنت کے اعلیٰ درجہ یعنی جنت الفردوس میں ٹھکانہ دیا جائے گا۔ جنت الفردوس سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس جنت کا سب بلند درجہ سے اور اس کے اوپر عرش ہے۔ پس تم اللہ سے

سوال کرو، تو فردوس کا سوال کرو(ترمذی / مسند احمد)۔ اس لئے نیک اعمال کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس طلب کرنا، اعلیٰ اخلاص کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کی اعلیٰ فضل وکرم کی تمنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طلب پر مسرت کا اظہار فرماتے ہیں۔

اللہ کے کلمات:۔

سورۃ کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے شروع ہوئی تھی اور اس کا اختتام بھی حمد وثناء پر ہو رہا ہے۔ اور اس کی کیفیت جو بیان کی گئی وہ سراسر حقیقت ہے کہ سمندر اگر سیاہی ہو، تو اللہ تعالیٰ کے کلمات کو تحریر کرنے کے لئے کافی نہیں۔ ہماری محدود علمی حیثیت کے ساتھ اندازہ لگائیے، کہ صرف زمین پر کیا ہے۔ صرف انسان کو ہی لیجئے۔ انسان کا وجود، DNA کی کیفیت اس کے اندر کیا ہے، انسان کے ہر حواس کی صورت (ڈیزائن) آنکھ، کان، ناک، زبان کے خواص، عمل کا طریقہ ہر ایک پر لوگ ساری زندگی تحقیق میں گزار رہے ہیں، پھر بھی نامکمل ہے۔ جسم اور اس کی حساسیت، اعصابی نظام، نظام تنفس، پھیپھڑے سانس کے اعضاء، اعضاء کا ڈیزائن، پٹھے، انسان میں نمو کا عمل، بڑھاپے میں کمزوری اور موت، نظام ہضم، خون اور اس کے اثرات، پیدائش، انسانی جسم کے دفاع ذاتی کا نظام، دماغ کے انداز اور استعداد سمجھ، یاداشت اور تجزیہ غرض ہزاروں انسان اس انسان کے وجود پر تحقیق میں مصروف ہیں لیکن ابھی تک تشنہ تکمیل ہے ہر دفعہ ایک نیا باب کھل جاتا ہے۔

انسان کے علاوہ، دودھ دینے والے حیوانات کے مذکور بالا خواص پر، وٹیرنری سائنس ہر وقت کام کر رہی ہے۔ دوسرے چوپائیوں پر ہزاروں لوگ تحقیق کر رہے ہیں اس کے بعد زمین پر رینگنے والے جانور (Vertebrates) میں ایک اندازے کے مطابق کل جاندار 8.7 ملین (ستاسی لاکھ) ہیں۔ جن میں ایک سے دو ملین یعنی دس سے بیس لاکھ کے درمیان حیوانات ہیں، ان حیوانات کے جسمانی نظام پر لاکھوں لوگ سینکڑوں سال سے تحقیق کر رہے ہیں لیکن ابھی تک نامکمل ہے۔ Zoology (علم حیوانات) پرندوں کی اقسام نو / دس ہزار کے قریب ہیں۔ اسی طرح پودوں اور درختوں کی 390900 اقسام ہیں۔ Botany (علم نباتات) ان کا نظام حیات بڑھنا، بیج، عمر، ان کے فوائد، ضرورت پر ہزاروں لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فصلیں، پھول، نباتات ہیں۔ سمندر اس کی معلوم مخلوق جس کی تعداد 228450 عدد ہے اور جن کے بارے معلومات نہیں ان کا اندازہ دو ملین (بیس لاکھ) کے قریب ہے۔ پھر جھیلیں بحیرے، زیرِ زمین معدنیات، سطح زمین کی اپنی خصوصیات، فضاؤں کے حالات بادل، بارش، برف گرج وچمک عرض کیا کیا ہے جس کو بیان کیا جائے۔ انسانی استطاعت سے باہر ہے۔

یہ ایک مختصر خاکہ ہے جس کی تفصیل ناممکن ہے اور آیت مبارکہ، اگر سمندر سیاہی بن جائے تو اللہ کے کلمات کو لکھنے کے لئے کافی نہیں، کی جھلک ہے۔ زمین کے علاوہ کائنات کی بات ہی نہیں کی گئی۔

عظمت نبی:۔

اللہ کا انکار کرنے والے، ہمیشہ انبیاء کو عام انسان تصور کرتے تھے اور ہیں۔ چونکہ انسان کی عظمت، اہمیت اور اللہ کی خصوصی تعلق سے وہ جاہل ہوتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ انسان کے لئے نبی کسی اور مخلوق سے ہو۔ جس کو قرآن مجید نے بار بار رد کیا

اور اس کی حکمتیں واضح کیں۔ آخری آیت میں کفار / مشرکین کے غلط تصور کے خلاف ذکر کیا ہے کہ نبی ایک انسان ہوتا ہے، کھاتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، معاشرے میں رہتا ہے، لیکن عام شخص یا فرد نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی طرف سے چنا ہوا لیڈر ہوتا ہے، جو قوموں اور انسانیت کی راہنمائی کرتا ہے۔ جس کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی ہے اور یہ فریضہ اور اللہ کا فضل، اسے معاشرے کے تمام انسانوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ نبی کو اپنی طرح ایک عام انسان سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے جس سے خدا ہم کو محفوظ فرمائے۔ انسان بحیثیت انسان تمام مخلوقات سے برتر ہے۔ انبیاء، انسانوں کے سردار ہیں۔ لہٰذا وہ دوسری تمام مخلوق سے برتر ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ توسید المرسلین ہیں۔

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر ع

آپ نے توحید الٰہی کا پیغام پہنچایا۔ نیک اعمال کی تاکید کی اور اپنی زندگی میں ایک مثالی فلاحی معاشرہ اسلام کے اصولوں پر قائم کر کے دنیا کو دیا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کو آپ کے طرز زندگی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب ابن قیم رحمتہ اللہ نے اپنی کتاب زاد لمعاد میں فرمایا کہ زمین کا مرتبہ آسمان اور ستاروں سے بلند ہے، کیونکہ اس میں انبیاء کے جسد خاکی موجود ہیں، بالخصوص ہمارے نبی ﷺ کا بھی جسد مبارک ہے۔

شیخ اکبر (ابن عربی رحمتہ اللہ) فرماتے ہیں۔ ہمارے شیخ طرطوشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرمایا کرتے تھے، کہ تمہاری عمر عزیز کے اوقات اپنے ہم عصروں سے مقابلے اور دوستوں سے میل جول ہی میں نہ گذر جائیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے بیان کو اس آیت پر ختم فرمایا ہے۔ "فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۝" یعنی جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اللہ کی عبادت میں کسی کو حصہ دار نہ بنائے۔ (قرطبی / روح المعانی)۔

زندگی کی فرصت سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر اعمال صالحہ کے ذریعہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کو خوبصورت بنانا مسلمان کے لئے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

نبی ﷺ نے فرمایا: بروایت حضرت ابو الدرداء، کہ جس شخص نے سورہ کہف کی اخری دس ایات یاد رکھیں وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم ونسایی، مسند احمد)۔

الحمدللہ سورۃ کہف مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور بطفیل حبیب اکرم ساری تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری نجاعت اور قارئین کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

۱۹۔ سورہ مریم

تعارف:۔

سورت مریم مکی ہے۔ اس میں اٹھانوے (98) آیات اور چھ (6) رکوع ہیں۔ اور ترتیب کے لحاظ سے انیسویں (19) سورت ہے۔ یہ وقت مسلمانوں پر انتہائی عسرت و مظالم کا تھا۔ بالخصوص کمزور مسلمان، غلام اور اہل حرفت، کفار مکہ کے مظالم کا بد ترین شکار تھے۔ یہ زمانہ سورت کہف کے ساتھ کا ہے۔ اور اس دوران بھی یہی حالات تھے۔ حتی کہ کچھ مسلمانوں، جن کی تعداد گیارہ مرد اور چار خواتین پر مشتمل تھی، تقریبا اعلان نبوت کے پانچ سال بعد حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر چند مہینوں کے بعد تقریبا، ایک سو ایک آدمی ہجرت کر گئے۔ ان کی ہجرت سے، مکہ میں ایک پریشانی کی کیفیت ہو گئی۔ وہ اس پر سوچنے لگے کہ کس طرح مسلمانوں کو واپس لائیں۔ جب کفار مکہ، بادشاہ نجاشی کے دربار میں گئے، تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورت مریم کی تلاوت کی۔ جس سے اس کے وقت نزول کے بارے اندازہ ہوتا ہے کہ سورت کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے ہے۔ نجاشی کے پاس کفار مکہ بڑے تحائف لے کر گئے، اور وہاں کے راہبوں سے رابطہ بھی کیا۔ بادشاہ سے مسلمانوں کو نکالنے کی درخواست کی۔ نجاشی ایک عادل بادشاہ تھا۔ اس نے کہا کہ وہ مسلمانوں سے ملے اور پوچھے بغیر ان کو واپس نہیں کرے گا۔ اس نے مسلمانوں کو بلایا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب نے مفصل تقریر کی اور مکہ کے حالات اور اسلام کے بارے میں بتایا۔ جب نجاشی نے حضرت مریم کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے سورت مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ آپ کے جوابات اور کلام الہی سے نجاشی متاثر ہوا۔ تحائف واپس کر دیے اور مسلمانوں کو رہنے کی اجازت دے دی۔ بعض روایات کے مطابق نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس کا اظہار علی الا علان نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ کی طرف تحائف اور کچھ افراد اسلام کی معلومات کے لیے روانہ کیے۔ اس نے مسلمانوں کو اپنی مملکت میں ہر قسم کی آزادی اور سہولت میسر کی۔ نجاشی کی وفات کی اطلاع پر نبی صلی اللہ و آلہ وسلم نے اس کا غائبانہ جنازہ پڑھایا۔

سورت میں حضرت مریمؑ کا قصہ اور دوسرے انبیاء حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے۔ اسی طرح کفار کے انکار پر سزا اور اہل ایمان کے اعمال پر جزا کا بیان ہے۔ تاکہ قیامت اور جزا و سزا پر یقین آ جائے۔ حضرت یحییٰؑ، زکریاؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسماعیلؑ کا ذکر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے عقیدہ تثلیث کو رد فرمایا۔ اللہ کی قدرت و عظمت کو بیان کیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ

کاف۔ ھا۔ یا۔ عین۔ صاد

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ

یہ آپ کے رب کی، اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝

جب اس (زکریا) نے اپنے رب کو نہایت آہستہ آہستہ آواز سے پکارا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝

اس (زکریا) نے کہا اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور میں بڑھاپے کی سفیدی چمک اٹھی ہے۔ میں تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ آرہی ہے۔ چنانچہ تو مجھے اپنے پاس (فضل) سے وارث عطا کر۔

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

جو میرا اور اہل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب تو اسے پسندیدہ بنا۔

سورت مریم کی ابتداء بھی، کاف، ہا، یا، عین، صاد، سے ہوئی۔ جو حروف مقطعات ہیں۔ جن کی تفصیل کے بارے میں سورۃ بقرہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے ساتھ حضرت زکریا کا ذکر شروع فرما دیا، جو ان پر رحمت نازل فرمائی۔ یہ ان کی ذات پر تھی۔ یا ان کی امت پر بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت زکریا، انبیاء کرام سے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یروشلم کو فتح کیا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے مختلف خاندانوں نے حکومت سنبھالی اور حضرت زکریا کے حصے میں یروشلم (بیت المقدس) کی خدمت آئی۔ پارسائی میں آپ، اپنی مثال تھے۔ حضرت ہارون کی نسل اور آبیاہ خاندان سے تھے اور اس کے سربراہ بھی تھے۔ آپ کی کافی عمر ہو چکی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس کی وجہ، آپ کی بیوی کا بانجھ پن تھا۔ یروشلم میں بیت المقدس کی عبادت گاہ کی ذمہ داری، عمر کی درازی اور کمزوری کا خیال تھا۔ آرزو تھی کہ آپ کے بعد اس ذمہ داری کے لیے کوئی مناسب ترین فرد میسر نہیں۔ جو رشتہ دار ہیں وہ اس کی اہمیت و برکت کو صحیح نہیں سمجھتے، اور کس طرح ان فرائض کی ادائیگی بطریق احسن کریں گے۔ اس بناء پر دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور خاموشی سے دعا کی، کہ آپ کو ایک وارث عطا کیا جائے۔ یعنی اولاد، تاکہ یہ کام بطریق احسن چلتا رہے۔ ادب و احترام کے تقاضے کے مناسب، خاموشی سے گڑگڑا کر دعا کی۔ قرآن مجید کے علاوہ

تورات میں بھی یہ واقعہ درج ہے (کتاب تواریخ، باب ۲۴،۲۳)۔ یہ وارث کی تمنا اپنی ذات کی نہیں، بلکہ اس مقدس فریضہ اور خانوادہ یعقوب کی بھلائی کا بھی وارث ہونے کے لیے تھی۔

انداز دعا:۔

دعا کے انداز کے بارے میں بھی ہدایت درج ہے۔ ا۔ ادب کے ساتھ ہو۔ ۲۔ اپنی کمزوری کا اظہار کر کے، اپنی عاجزی اور ضرورت کو واضح کرنا، تاکہ اس کی قبولیت کے امکانات زیادہ ہوں۔ ۳۔ خاموشی کے ساتھ جس کا مقصد یہ ہے کہ مطالبہ نہیں، بلکہ ایک عرض داشت ہے۔ ۴۔ عطا کرنے والے کی جود وسخا یا مہربانی کا ذکر کرنا، تاکہ مزید مہربانی کی عنایت ہو سکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ آہستگی سے دعا کرنا ستر (70) با آواز بلند دعاؤں کے برابر ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے جو جو کہ سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے سنا، کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔ اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ (مسند احمد)۔ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے۔ لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر، اللہ اکبر، کہنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اے لوگو: اپنے اوپر نرمی کرو، تم نہ کسی بہرے کو پکار رہے ہو۔ اور نہ غائب کو، تم سمیع (بہترین خوب سننے والا) اور قریب کو پکار رہے ہو، اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ (بخاری / مسلم / ابو داؤد۔)

حکمت یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی رازداری رہے اور ساتھ والے کو بھی اس کی دعا کی بلند آواز سے خلل واقع نہ ہو۔

حضرت زکریا نے اپنی عاجزی، بڑھاپے یعنی سر کے بال سفید ہونا۔ اور جسم کی کمزوری، یہ دونوں طوالت عمر کے سبب ہیں، کا ذکر کیا۔ پھر اللہ تعالی کے احسانات کو، اس ذات کریم نے ہمیشہ، ان کی دعا قبول کی اور نوازا، کا ذکر کیا۔ اس کے علاوہ بیوی کی کمزوری، عمر رسیدہ ہونا، اور بانجھ پن کا ذکر کیا۔ اس پر مزید، عظیم مقصد، اس مقدس گھر کی خدمت اور دین کی حفاظت اور آل یعقوب کی بھلائیوں اور خدمت کا تسلسل بھی مقصود تھا۔ کیونکہ اقرباء میں اس اہم کام کے سنبھالنے والے نظر نہیں آرہے تھے۔ اس لیے وارث، یعنی اولاد کی تمنا ظاہر اور درخواست کی۔ آل یعقوب کا ذکر کیا۔

انبیاء کی وراثت:۔

انبیاء کی وراثت مال نہیں، بلکہ علم و نبوت کی وارثت ہے۔ یہی حضرت زکریا کا مقصود تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا وارث نہیں بنایا جائے گا۔ ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ ایک اور روایت کے مطابق انبیاء کی وراثت علم ہے۔ آپ کی دعا کا آخری جملہ، کہ اسے پسندیدہ بنا، اہم ہے۔ اسی لیے صالح اولاد کی دعا کی گئی۔ پسندیدہ وہی ہوتا ہے جس کے افعال پسندیدہ اور اچھے ہوں۔ اس لیے ہمیں بھی اولاد کی دعا کے ساتھ ان کے اچھے کردار کی خواہش اور پھر ان کی اس طریقہ سے تربیت کرنی چاہیے کہ وہ صالح کردار ہوں۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

(اللہ نے فرمایا) اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔ اس کا نام یحیٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۝

اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا، جبکہ میری بیوی بانجھ آرہی ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا۝

کہا (فرشتے نے) اسی طرح ہو گا، تیرے رب نے فرمایا، یہ مجھ پر نہایت آسان ہے اور میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا جبکہ تو نہیں تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا۝

اس (زکریا) نے کہا، اے میرے رب میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو (تندرست ہونے کے باوجود) تین دن رات لوگوں سے کلام نہیں کرے گا۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا۝

چنانچہ وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا تو اس نے اشارہ کیا کہ تم صبح و شام تسبیح بیان کرو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اللہ تعالی نے قبول فرمائی اور انہیں اطلاع دی گئی، کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا، جس کا نام یحیٰ علیہ السلام ہو گا۔ اور اس سے پہلے یہ نام استعمال نہیں ہوا یعنی کوئی اس نام کا پہلے نبی نہیں بنایا گیا، یہ آپ کو امتیاز عطا کیا گیا۔ بائبل میں بھی آپ کا ذکر ہے۔

جب حضرت زکریا کو خوشخبری ملی، یقین تو تھا، لیکن تصدیق قلبی کے لیے اپنی کمزوری کو دہرایا، جو کہ اب تک اولاد نہ ہونے کا سبب تھی۔ یہ عموماً استعجاب اور خوشی کا ردعمل ہوتا ہے۔ جس کا جواب فرمایا، کہ اللہ نے جب انسان کو عدم سے پیدا فرما دیا، تو مرد اور عورت سے لڑکا پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔ بیماری اور صحت۔ معذوری اور قابلیت، اس کے لیے کوئی اہم نہیں۔ جب حضرت زکریا نے نشانی طلب کی، تو اس کے جواب میں فرمایا، کہ تندرستی کے باوجود آپ بات نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح وہ ذات بڑھاپے اور بانجھ پن کے باوجود حمل کو ٹھہرا سکتی ہے۔ کوئی مشکل یا ناممکن نہیں۔ حضرت زکریا، وعظ و تلقین بھی کرتے تھے، اسی لیے آپ اپنے کمرے سے نکلے اور لوگوں کو صبح و شام تسبیح و عبادت کرنے کی تلقین اشاروں سے کی۔ محراب سے مراد حجرہ ہے۔ اور یہ لفظ حرب سے بنا ہے، کیونکہ دوران عبادت انسانی نفس شیطان کے ساتھ جنگ کر رہا ہوتا ہے۔ محراب اونچی جگہ کو بھی کہتے ہیں۔ بائبل میں یہ ذکر لوقا کی انجیل میں باب 1 کی آیت پانچ تا بائیس تک ہے۔ جس کے مطابق حضرت زکریا، حضرت یحیی کی پیدائش تک گونگے (بات نہ کر سکنا) رہے جبکہ قرآن مجید میں مدت صرف تین دن ہے۔

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ‌ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ۙ

اے یحییٰ: کتاب کو پوری قوت سے پکڑ لو اور ہم نے اسے بچپن میں حکم عطا کیا۔

وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً‌ ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ

اور اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی دی اور وہ نہایت متقی (پرہیز گار تھا)

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا‏ ۙ

اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا اور سرکش نافرمان نہیں تھا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ۙ

اور سلام ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن دوبارہ زندہ (کر کے) اٹھایا جائے گا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے کہ ان کو نبوت، بچپن میں عطا کی گئی اور حکم سے مراد قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین اور معاملات میں صحیح رائے کی صلاحیت عطا کی گئی۔ توریت کی احکامات پر عمل کرانے کا حکم دیا گیا۔ ماں باپ کے فرمانبردار ہونے کے علاوہ جس طرح والدین اپنی اولاد کے لیے نرم دل ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں انسانوں کے لیے اسی طرح نرم دلی رکھتے تھے۔ اسکے ساتھ لوگوں کو ہدایت اور گناہوں سے بچا کر پاک کرنا، شرک سے نکالنا، آپ کی صفات ذکر، کی گئی ہیں۔ اسی طرح کی صفات بائبل کی انجیل، یوحنا، متی، اور مرقس میں مذکور ہیں۔ بائبل کے مطابق حاکم ہیروڈانٹی پاس، جس کی ریاست میں وہ تبلیغ حق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ انتہائی فاجر اور بدکار شخص تھا۔ اور اس نے رقاصہ کے رقص پر اسکی خواہش پوچھی، تو اس نے حضرت یحییٰ (یوحنا) کے سر کی خواہش کی اور اس طرح اس نے آپ کو اس وقت جیل میں رکھا ہوا تھا۔ اور وہیں شہید کر دیا۔ (تفہیم القران)۔

آپ کی ذات کا یہ اعزاز ہے کہ یوم پیدائش، یوم وفات، یوم حشر، پر آپ امن و سلامتی میں رہیں گے ' دراصل یہ اوقات کسی بھی فرد کے لیے انتہائی وحشت اور مشکل ہوتے ہیں۔ پیدائش جب مادر رحم سے نکل کر دنیا میں آتا ہے، پھر موت کے بعد دنیا کو چھوڑ کر برزخ میں جاتا اور اس کے بعد حشر کے دن انتہائی خوفناک حالت میں حساب و کتاب ہو گا۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡـكِتٰبِ مَرۡيَمَ‌ۘ اِذِ انْتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِيًّا ۙ

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے: جب وہ اپنے خاندان والوں سے دور مشرقی جانب کی جگہ الگ ہوئی۔

فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا‏ ۙ

پھر اس نے ان کے آگے پردہ تان لیا تب ہم نے اپنی روح (فرشتے) کو اس کے پاس بھیجا تو وہ اس کے لیے پورا انسان بن کر آیا۔

قَالَتۡ اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِيًّا ۙ

اس (مریم) نے کہا: میں تجھ سے رحمان کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو ڈرنے والا ہے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ‌ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝

اس (فرشتے) نے کہا: یقیناً میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا دوں۔

قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا ۝

اس (مریم) نے کہا: میرے ہاں بیٹے کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ کسی انسان (مرد) نے مجھے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكِ ‌ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ‌ۚ وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ‌ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا ۝

اس (فرشتے) نے کہا: اسی طرح ہو گا تیرے رب نے کہا ہے۔ یہ مجھ پر آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝

پس وہ اس کے ساتھ حاملہ ہو گئی تو وہ اس حمل کے ساتھ دور ایک جگہ چلی گئی۔

حضرت مریم، ان کے حمل کے واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت مریم عبادت گزاری اور خلوت کے لیے بیت المقدس کے مشرقی حصہ کی جانب چلی گئیں۔ آج بھی مسجد اقصی میں مسجد عبد الملک بن مروان کے حصہ کے ساتھ زمین دوز علاقہ میں وہ حصہ ہے، جسے مسجد والے حضرت مریم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت مریم نے اپنی تنہائی کے لیے ایک پردہ لگا دیا تا کہ خلل نہ ہو۔ اسی دوران حضرت جبرئیل ایک مثالی انسان کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ (لفظ تمثل استعمال ہوا ہے)۔ مثالی انسان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جس طرح ایک بڑی سکرین پر ایک انسان ظاہر ہو، جو باتیں بھی کرے اور نظر بھی آئے، چونکہ فرشتے نوری مخلوق ہیں۔ اسلیے، یہ انرجی کی تبدیلی کی وجہ سے بہت آسان ہے۔ جس طرح ڈیجیٹل ٹیکنالوجی نے تین جہات (تھری ڈی) پکچر بنائی ہے۔ اس کا نام، ہولوگرام ٹیکنالوجی ہے۔ (Holograms Technology) اس کے لیے، ایل ای ڈی سکرین کی بھی ضرورت نہیں۔ اس کے ذریعے ایک ڈاکٹر کو خلاء میں علاج کے لیے تھری ڈی صورت میں بھیجا گیا۔ اب سائنس اس کا انکار نہیں کر سکتی۔

جب فرشتہ کو حضرت مریم نے دیکھا تو حیرت اور خوف طاری ہوا، اور اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے کہا: کہ کیوں آیا ہے؟ فرشتے نے جواب دیا کہ وہ ان کو پاک لڑکا دینے کے لیے آیا ہے۔ حضرت مریم چونکہ انسانی زندگی کو جانتی تھیں کہ مرد و عورت کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے اس لیے فرمایا کہ میں نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا، لہٰذا اولاد (لڑکا) کیسے ہو گا، کیونکہ آپ سراپا پاک دامن تھیں۔

ساتھ ہی فرشتے نے بتایا، کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس لئے ہو جائے گا۔ یہ لڑکا، اللہ کی نشانی، اس کی رحمت اور لوگوں کے لیے ہدایت (نشانی) ہو گا۔ یہ کام اللہ کے حکم کے مطابق کوئی مشکل نہیں۔ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ فرشتہ کا انسانی صورت مین انے کا مقصد، آنسانی انس تھا کیونکہ فرشتے کو روشنی یا انرجی کی وجہ سے اصلی حالت میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ اسکے ساتھ انے والے واقعات کے بارے اطلاع بھی دینی تھی تا کہ حمل کی صورت میں پریشان نہ ہوں۔ روایات کے مطابق فرشتے نے حضرت مریم کے گریباں

پر پھونک ماری اور اس طرح حمل قرار دیا گیا، اور حاملہ ہو گئیں۔ یہ قرار حمل ایک معجزہ تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ فرشتے کی پھونک سے پیدا ہوئے۔ آپ کو نیک پاک اور اللہ کی نشانی / علامت کا اعزاز ملا۔ حمل کے قرار کے بعد حضرت مریم وہاں تنہائی میں گئیں۔ موجودہ بیت المقدس میں مسجد اقصی کے باہر ایک گرجا ہے۔ جسے مقام پیدائش حضرت عیسی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح "بیت اللحم" (فلسطین کا شہر) میں بھی حضرت عیسی کی پیدائش کا مقام موجود ہے۔

فرشتہ، انسانی صورت میں آنے کا مقصد ۱۔ حضرت مریم کا غیر انسانی وجود سے خوف ختم کرنا تھا۔ ۲۔ حمل کی اطلاع کے ذریعے آنے والے معاملات اور جسمانی مشکلات کے بارے میں آگاہ کرنا تھا تاکہ پریشانی کم ہو۔ ۳۔ اور اس حمل کی برکت بھی بتانا تھی۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۝

پھر دردزہ ان کو کھجور کے درخت کی طرف لے گیا انہوں نے کہا: کاش میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بھلائی ہوتی۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا۝

پھر اس (فرشتے) نے اس کے نیچے سے (علاقہ / درخت) سے آواز دی کہ غم نہ کر کہ آپ کے رب نے تجھ سے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۝

اور تو کھجور کا تنا اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۝

پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر تو انسانوں میں سے کسی کو دیکھے، تو اس سے کہہ دینا، بے شک میں نے رحمن (اللہ) کے لیے روزے کی نذر مانی ہے لھذا آج میں کسی انسان سے ہرگز کلام نہیں کروں گی۔

حمل کے واقع ہونے کے بعد، روایات کے مطابق جب وقت ولادت آیا، تو آپ اس احساس سے کہ حضرت زکریا اور دوسرے لوگ، جن میں آپ کی پاک دامنی ضرب المثل تھی، کیا خیال کریں گے۔ آپ وہاں سے دور چلی گئیں اور ایک درخت کی اوٹ کا سہارا لیا۔ درد کے وقت، اس موقعہ کی نزاکت اور ولادت کی اہمیت، کنوارے پن کے شدید احساس کی وجہ سے آپ نے کہا: کہ کاش یہ وقت نہ آتا۔ تاکہ آپ لوگوں کے مختلف سوالات کا سامنا کرنے سے بچ جاتیں۔ ہر ایک کو حقیقت بتانا اور لوگوں کا ایسے موقع پر یقین کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر آدمی کہتا ہے کہ میں کاش نہ ہوتا۔ اس پریشانی میں اللہ تعالی کی رحمت نے آپ کو سہارا دیا اور فرشتے کے ذریعے آواز دی گئی کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کی غذا کا اہتمام کر رکھا ہے، پانی کا چشمہ آپ کے نیچے ہے اور درخت پر تازہ کھجور کا پھل موجود ہے۔ آپ اس کو ہلائیں اور اپنی غذا کھائیں۔ بچے کے ولادت پر پریشان نہ ہوں،

بلکہ اللہ کی اس نعمت و برکت پر شادمان ہو۔لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔یہ غذا اور پانی بھی آپ کے لیے خصوصی عنایت تھی۔اس کے ساتھ یہ تنبیہ ہے کہ انسان کا اپنی غذا کے لیے کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔لوگوں کے اعتراضات کے بارے میں فرمایا، کسی کو جواب نہ دیں، بلکہ چپ (کلام نہ کرنے) کا روزہ رکھیں۔بتائیں کہ آپ کلام نہیں کریں گی۔

منت اور انسانی سہولت:۔

پرانی امتوں میں چپ کا روزہ رکھا جاتا، جس کا مقصد اللہ کی عبادت تھا۔مگر اسلام میں روزہ کی اجازت ہے۔لیکن سارا دن چپ کرنا، ایک غیر فطری عمل ہے۔اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ہر ایسا کام جو انسان کے لیے نقصان دہ ہو اس سے منع کیا گیا ہے اور کفارہ کا حکم دیا گیا ہے۔مقصد انسانی صحت کا آرام و حفاظت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔آپ نے ایک شخص کو کھڑے دیکھا، آپ نے اس کے متعلق پوچھا۔صحابہ نے کہا: وہ، ابو اسرائیل ہے۔اس نے نذر مانی کہ وہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایہ طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا۔روزہ سے رہے گا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے کہو کہ بات کرے اور سایہ طلب کرے اور بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔(بخاری شریف)

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔـا فَرِيًّا ۝

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئی تو وہ کہنے لگے۔اے مریم: تم نے یقینا برا کام کیا ہے۔

يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ۖ

اے ھارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا ۝

چنانچہ اس (مریم) نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ان لوگوں نے کہا ہم گود کے بچے سے کیسے باتیں کریں۔

قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۝ۙ

اس (بچہ) نے کہا، بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔

وَّجَعَلَنِىۡ مُبٰـرَكًا اَيۡنَ مَا كُنۡتُ ۖ وَاَوۡصٰنِىۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا ۝ۖ

اور اس (اللہ) نے مجھے برکت والا بنایا ہے، جہاں کہیں بھی میں ہوں۔اور جب تک میں زندہ رہوں، اس (اللہ) نے مجھے نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِىۡ وَلَمۡ يَجۡعَلۡنِىۡ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝

اور مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا۔

وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوۡمَ وُلِدْتُّ وَيَوۡمَ اَمُوۡتُ وَيَوۡمَ اُبۡعَثُ حَيًّا ۝

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاوں گا۔

بچے (حضرت عیٰسی)، کی پیدائش کے بعد حضرت مریم تنہا نہیں تھیں، بلکہ ساتھ ایک معصوم بچہ بھی تھا، جس کی حفاظت مطلوب تھی۔ آپ اپنے قبیلے میں جب بچے کے ساتھ آئیں، تو وہی ہوا جس کی آپ کو توقع تھی۔ لوگوں نے انگلیاں اٹھائیں اور بچے کی ولادت پر کئی سوال اٹھا دیے۔ آپ کا خاندان اور والدین نیک تھے۔ آپ بھی عبادت گزار تھیں۔ اس لیے بچہ کی بغیر والد کے پیدائش ایک معجزہ تھا۔ آپ نے ان کے اعتراضات جو آپ کے خاندان کے عظمت سے تھے کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ بچے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ کو حضرت ہارون (جو آپ کے بھائی بھی ہو سکتے ہیں یا آپ کے قبیلہ کے بانی حضرت ہارون مراد ہیں) کی نسبت سے پکارا گیا، جس طرح عمومی طور پر کبھی خاندان یا قوم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کا مقصد اہمیت دلانا ہوتا ہے۔ حضرت مریم نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے حضرت عیٰسی (بچے) کی طرف اشارہ کیا، جو آپ کی گود میں تھے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ایک نومولود بچہ، کیا اتنے بڑے سوالات کا جواب دے گا؟ اتنے معصوم سے کیا پوچھنا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ماں کا دودھ پی رہے تھے۔ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ جو نہی لوگوں کا اعتراض سنا۔ دودھ چھوڑ کر، لوگوں کی طرف منہ پھیرا، اور کلام فرمایا کہ میرے اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب ہدایت کے لیے بھی دی ہے۔ مجھے نبوت کی برکت دی ہے۔ مجھے نیکی کرنے والا اور اچھے اخلاق والا، اپنی والدہ کا فرمانبردار بنا کر بھیجا ہے اور والدہ کے ذکر کے ساتھ والد کا ذکر نہیں کیا۔ اسلیے آپ کی والدہ کی پاک دامنی ظاہر ہو گئی۔ پھر یہ فرمایا کہ میری ساری زندگی برکت و سلامتی والی ہے کہ جس دن پیدا ہوا ہوں اور جس دن مروں گا اور پھر جب دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاوں گا۔ وہ بھی سلامتی کا دن ہو گا۔ وہ بھی سلامتی کا دن ہو گا۔

کسی بھی نومولود بچے کا ماں کی گود میں بات کرنا، ایک غیر فطری عمل تھا۔ جس نے سب کو حیرت میں ڈال دیا اور قبیلہ کو آپ (عیسی) کی غیر معمولی حیثیت یعنی نبوت اور حضرت مریم کی پاک دامنی کا یقین ہو گیا۔ سب خاموش ہو گئے اور چلے گئے۔ حضرت عیسی نے اس کلام کے بعد اپنا بچپن عام بچوں کی طرح گزرا اور پھر بعد میں اعلان نبوت کیا۔ والدین کا ادب، نماز اور زکوٰۃ کے احکام، اسلام سے پہلے بھی الہامی مذاہب کا حصہ رہے ہیں۔ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ علیھم السلام سب نے ان کی تاکید کی ہے۔ حضرت عیٰسی نے بھی اپنی نبوت کے ساتھ ان کے نفاذ کا ذکر، نبی کا انسان ہونے کا اقرار بھی کیا، جو انبیاء کی، خدا کی ذات کا حصہ، بننے کی تردید ہے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۝

یہ ہے عیسی ابن مریم، یہی حق کی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝

اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ تو اس کے لیے بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝

بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

پچھلی آیات کی تصدیق ہے کہ حضرت عیسی کی پیدائش ایک معجزہ بغیر باپ کے تھی۔ آپ نے گھوارہ میں اس کی تصدیق ,نبی اور اللہ کا بندہ ہونے کے اعلان سے کی۔ نماز، زکوۃ، تکبر اور سرکشی سے پناہ اور والدہ کی اطاعت کا حکم بھی دیا۔ لیکن اس کے برعکس، عیسائیوں نے اللہ کا فرزند اور اللہ کا حصہ ,یہود نے ان کو یوسف نجار یا کسی اور کا فرزند قرار دیا۔ جس کا والد شرعی نہیں تھا۔ دونوں فریق / غلطی پر ہیں اور حضرت عیسٰی کی صحیح پہچان وہی مقام ہے، جو قرآن مجید نے پیش کی ہے۔

اللہ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اس کا کوئی شریک ہو۔ بن باپ کسی کو پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں، جس کام کو وہ چاہتا ہے، اس کا حکم دیتا ہے، تو وہ ہو جاتا ہے۔ لہذا حضرت آدم کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا، حضرت عیسی کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ اس شان والی ذات، نبی ﷺ اور تمام مسلمانوں کا رب ہے۔ مشرکین مکہ اور دوسرے غیر مسلم افراد، بالخصوص عیسائی اور یہود کے لیے تعلیمات ہیں، کہ وہ شرک سے بچیں۔ لہذا سیدھا راستہ اللہ واحد لاشریک کی ہی عبادت ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝

پھر نصاری کے گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ ان کے لیے تباہی ہے جنہوں نے یوم عظیم (قیامت کے دن) پیش ہونے پر انکار کیا۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے، کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے، لیکن آخر یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّ هُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝

اور آپ انہیں حسرت والے دن سے ڈرائیں، جب ہر معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا اور وہ (کفار) غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں۔

اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَیْهَا وَ اِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ۝

بے شک ہم ہی زمین اور اس پر جو ہے کہ وارث ہوں گے اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔

موجودہ عیسائیت (نصرانیت) کے درمیان جو مختلف فرقے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا: کہ حضرت عیسی کے اٹھائے جانے کے بعد، ان لوگوں نے اختلاف شروع کر دیا، اور ان کی ذات کو خدا کا حصہ بنا دیا۔ حالانکہ انہوں نے اپنے نبی اور اللہ کا بندہ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ یہ فرقے بنیادی طور پر چار ہیں۔ لوتھرن، ایسٹرن ارتھوڈکس، باپٹسٹ، پروٹسنٹ، ان کے بعد ذیلی فرقے یہ ہیں۔

پنٹی کوسٹل، کیتھولک، ایونجلیکازم، ایناباپٹسٹ، قویکر، ایڈونٹسٹ، اور نٹیل ارتھوڈکس چرچ، کیلونسٹ، اسمبلی آف گاڈ، پریسبیٹرنیزم، سوینتھ ڈے، ایڈونٹسٹ چرچ، ریسٹوریشنزم، ایسٹرن کیتھولک چرچ، ایشورین چرچ آف ایسٹ، اپسٹولیک چرچ، کونٹی ننٹل، ریفارمڈ چرچ، کونگریگشنل چرچ، (دکی پڈیا، گوگل سرچ)۔ ان سب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ صرف میتھاڈسٹ فرقہ، انہیں انسان (نبی) مانتے ہیں۔ یہ شرک (عقیدہ) انکے لیے، قیامت کے دن تباہی کا باعث ہو گا۔

مشرکین مکہ بھی قیامت اور روز جزاو سزا، دوبارہ زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ نبی ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے۔ اسی طرح ہر انسان جو اس پر یقین نہیں رکھتا، حساب وکتاب سے انکار کرتا ہے۔ جب یہ (قیامت کا) واقعہ ہو گا، تو اس کو پورا یقین آجائے گا۔ لیکن اس وقت سوائے حسرت ویاس کے کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا پر ہر جاندار فانی ہے۔ یہ سب اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ قیامت کے دن جزاو سزا کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ موجودہ زندگی کے بعد موت آئے گی۔ پھر اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ آج کے انکار کرنے اور گمراہی میں بھٹکنے والے ہوش کریں اور گمراہی سے بچیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۝

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے: بے شک وہ نہایت سچا نبی تھا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا۝

جب اس نے اپنے باپ (عرفی) سے کہا: اے میرے باپ: تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے۔ اور نہ آپ کے کسی کام آتا ہے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۝

اے میرے باپ: بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا لہذا تو میری اتباع کر، میں تجھے سیدھی راہ دکھاوں گا۔

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۝

اے میرے باپ: آپ شیطان کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ شیطان، رحمان کا نافرمان ہے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا۝

اے ابا جان: بے شک میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمان (اللہ) کی طرف سے عذاب آپہنچے۔ پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے۔

حضرت زکریا، یحییٰ، مریم اور عیسیٰ (علیہم السلام) کے بعد حضرت ابراہیم کا ذکر ہے۔ حضرت مریم، عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نصاریٰ کے بارے میں تھا۔ اہل عرب اور بالخصوص اہل مکہ اپنے آپ کو ایک طرف حضرت ابراہیم کا پیروکار، حضرت اسماعیل کی اولاد کہتے اور دوسری طرف بتوں کی عبادت کرتے۔ اس لیئے حضرت ابراہیم کی، خدائے واحد کی عبادت اور بت پرستی کے خلاف تبلیغ کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنے عرفی والد، آذر جو کہ بتوں کی عبادت کرتے تھا، بڑے احترام کے ساتھ منع کیا۔ بتوں کی بے بسی،

بے زبانی کا ذکر کیا۔ اپنی نبوت یا اللہ تعالی کے تعلق اور اس علم کا ذکر کیا، جو آپ کو عطا ہوا تھا۔ بتوں کی عبادت، گویا شیطان کی عبادت ہے۔ اور شیطان، اللہ تعالی کا سب سے بڑا نافرمان ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہو، اسے شیطان پکڑ لیتا ہے اور عذاب میں گرفتار کر ادیتا ہے۔ اس لیے اس سے بچنے کی تلقین کی۔ مذہبی طور پر اختلاف کے باوجود احترام کا پہلو ظاہر ہے۔ اسلام بھی اسی کا سبق دیتا ہے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا۝

وہ (آذر) کہنے لگا: اے ابراہیم: کیا تم میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور رجم کر دوں گا، اور تو لمبا عرصہ (ہمیشہ کے لیے) مجھ سے دور چلا جا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۝

اس (ابراہیم) نے کہا: تجھ پر سلامتی ہو، میں عنقریب اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ڮ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۝

میں تم سب کو چھوڑ تا ہوں اور ان کو بھی جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے اور میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ ہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۝

پھر جب اس (ابراہیم) نے ان کو چھوڑ دیا (الگ ہو گیا)۔ تو ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب بخشے اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۝ۧ

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے (دنیا میں) ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔

تبلیغ اور احترام آدمی:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار کا ذکر ہے۔ آپ نے اپنے چچا آذر کو جو کہ نمرود کی حکومت میں اہم عہدہ رکھتا تھا، دعوت اسلام دی۔ بتوں کے نقائص بتائے۔ آپ کی اس تبلیغ کے رد عمل میں آذر، کا رویہ بیان کیا گیا ہے۔ جو تمام اصحاب اقتدار و طاقت کا نمونہ ہے۔ اس کا جواب تکبر اور ظلم تھا کہ تمہیں سزا دوں گا (رجم کر دوں گا)۔ دھمکی دی کہ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ حضرت ابراہیم کا جواب تمام مبلغین کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ نے آذر کے پاس، بیان کے بدلے، سکون سے علیحد گی کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی علیحد گی کا سبب، (بتوں کی عبادت تھی) اس کا بھی ذکر کیا، کہ اس سے آپ مکمل طور پر علیحدہ ہیں۔ اللہ کی عبادت کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ ہی اعلی اخلاق کے ساتھ، برے سلوک کے باوجود اللہ تعالی سے اسکی (آزر) کی معافی و بخشش کی درخواست کا اظہار کیا۔ اور اللہ کی رحمت کی امید رکھی۔

اللہ تعالیٰ نے، اس کے احکام پر چلنے والوں کے لیے جو انعام رکھے ہیں، ان کا ذکر فرمایا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، جب کفر سے پھرے، اپنے وطن سے ہجرت کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت، حضرت اسحاق اور یعقوب کی صورت میں عطا کی۔ آپ کے اخلاق کی وجہ سے آپ کی اولاد سے بہت سارے انبیاء پیدا ہوئے۔ جن میں سب کے سردار خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت ابراہیم کا نام آپ کی زندگی سے لے کر آج تک بہت مشہور ہے۔ جیسے مسلم، عیسائی، یہودی، سب احترام و تکریم سے مانتے ہیں۔ یہ اس انعام کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کے احکام ماننے، مشکلات سے گذرنے والوں کو عطا کرتا ہے۔ یہ ہماری زندگی کے لیے مثالی کردار ہیں جن کی ہم نے اتباع کرنی ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۝

اور آپ (اس) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے: جو برگزیدہ تھے اور رسول نبی تھے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۝

ہم نے انہیں طور کی دائیں جانب سے ندا (آواز) کی اور ہم نے اسے راز و نیاز کرتے ہوئے قریب کیا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا۝

اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بخشا۔

رسول کون:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بلند مرتبے کا ذکر کیا۔ آپ اولعزم رسولوں میں سے تھے۔ رسول اور نبی کی تعریف میں، اہل علم نے کچھ امتیاز رکھا ہے۔ رسول وہ نبی ہے، جسے اللہ تعالیٰ شریعت عطا کرتے ہیں اور نبی پرانی شریعت کو جاری رکھتا ہے۔ نبی کا لغوی معنی خبر دینے اور رسول کا معنی پیغام پہنچانے والا ہیں۔ قرآن مجید میں دونوں الفاظ ایک دوسرے کے متبادل استعمال ہوئے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ، مدین سے واپس مصر جا رہے تھے، تو سینا کے پہاڑ میں گزرنے کے دوران آپ پہاڑ کے جس حصے سے گزر رہے تھے وہ آپ کے دائیں جانب تھا، جہاں آپ کو نبوت کی بشارت اور فرعون کو ہدایت کے احکام ملے۔ اللہ تعالیٰ کے قرب اور کلام کا شرف عطا ہوا۔ آپ کی دعا سے آپ کے بڑے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبوت ملی اور آپ کی مدد کا حکم ہوا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۝

اور آپ (اس) کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجیے، بے شک وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا۝

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ حکم دیتا تھا۔ بے شک وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔ اور اپنے رب کے ہاں نہایت پسندیدہ تھے۔

اہل مکہ کا حضرت اسماعیل کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ قریش ان کی اولاد اور ان پر فخر و ناز کرتے تھے۔ ان کے بارے میں بھی وضاحت کی کہ وہ اللہ کے رسول و نبی تھے۔ قول و فعل اور وعدے میں سچے (صادق) تھے۔ اس کے ساتھ انہوں نے اللہ کی عبادت یعنی نماز اور پھر زکوٰۃ یعنی غرباء اور محتاج لوگوں کی مدد کا حکم دیتے تھے۔ ان اعمال اور نبوت کی بناء پر اللہ کے ہاں ان کا مقام بلند (پسندیدہ) تھا۔ لہذا قریش ان کی اتباع کریں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝

اور (اس) کتاب میں ادریس کا ذکر کیجیے: بے شک وہ نہایت سچا نبی تھا۔

وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

اور ہم نے اسے بہت بلند مقام پر اٹھالیا۔

ادریس علیہ السلام:۔

حضرت ادریس کا ذکر فرمایا کہ وہ سچے نبی تھے اور اللہ تعالی نے انہیں بلند مقام پر اٹھالیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں معلومات تورات اور بائیبل میں ہیں۔ ان کا ذکر، پیدائش اور تلمود میں ہے۔ اس کے علاوہ روایات بھی ہیں۔ آپ کا نام اخنوخ بتایا گیا۔ بائیبل میں حنوک (Enoch) تحریر ہے۔ روایات کے مطابق، آپ حضرت نوح کے دادا یا ان کے والد کے دادا ہیں، طویل عمر پائی۔ آپ کا زمانہ حضرت نوح سے پہلے کا ہے۔ موت کے بارے میں اختلاف ہے۔ جب حضرت آدم کے بعد لوگ گمراہ ہو گئے، تو اللہ تعالی نے آپ کو نبی چنا اور ہدایت کی ذمہ داری دی۔

انبیاء اور علوم:۔

آپ کے بارے روایات ہیں کہ ستاروں کے بارے میں غور و فکر کرتے تھے۔ قلم یعنی تحریر اور خط لکھنا ایجاد کیا۔ اس طرح ستاروں کے زائچہ یا خطوط کے بارے بھی روایت ہے۔ آپ نے سوئی اور دھاگہ ایجاد کیا اور اور کپڑوں کی سلائی کی ابتداء کی یعنی جدید تہذیب و لباس کے بانی ہیں۔ ناپ تول کے آلات و ہتھیار بنائے۔ انبیاء اپنے وقت سب سے بڑے لیڈر اور عالم ہوتے ہیں۔ ان کا علم رسمی کے بجائے علم لدنی ہوتا ہے۔ آپ کے بلند مرتبے کا ذکر ہے۔ بلند مقام پر اٹھانے کے بارے میں، بائیبل میں بھی آسمان پر اٹھانے کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک روایت بھی اسی مضمون سے ملتی جلتی ہے۔ دوران سفر معراج آپ کی ملاقات نبی ﷺ سے بھی آسمان پر ہوئی۔ بلند مقام سے مراد شرف نبوت، مقام قرب اور آسمان پر بھی مقام مراد ہے۔ (تفسیر بیضاوی / روح المعانی)۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ (السجدۃ تلاوت)

یہ وہ لوگ (انبیاء) ہیں، جن پر اللہ نے انعام کیا جو آدم کی اولاد ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا اور ابراہیم واسرائیل کی اولاد سے۔ اور ان لوگوں میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا۔ اور جب ان پر رحمان کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

فرائض نبوت:۔

پچھلی آیات میں انبیا کرام کا ذکر ہے جو حضرت آدمؑ کے بعد تشریف لائے، ان میں حضرت ادریس، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل اور اسحاق علیھم السلام ہیں اور اس کے بعد حضرت یعقوب اور ان کی اولاد سے انبیاء کرام حضرت موسی، حضرت زکریا، یحیی اور عیسیؑ تھے۔ ان تمام انبیاء کرام کے فرائض اور کردار واعمال، میں ساری قدریں مشترک ہیں۔ ان کے کردار کا یہ عالم کہ صادق، امین لوگوں سے محبت رکھنے والے، دوسری طرف توحید کے بعد نماز کو قائم کرنا, یعنی نماز کی رسمی ادائیگی سے لے کر خلوص, محبت اور کردار کی تبدیلی کی وجہ سے گزر کر اللہ تعالی سے ملاقات کے درجہ تک ہے۔ پھر زکوٰۃ یعنی صدقات وخیرات اپنے اموال سے معاشرہ کے کمزور اور محتاج اور محروم افراد کی مدد شامل ہے۔ بلکہ ان فرائض کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہی اسلام کی صداقت کی دلیل ہے، کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے انسانیت کی راہنمائی کے لیے پیغام کی تکمیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلمان، تمام انبیاء اور رسل پر ایمان اور احترام کرتا ہے۔ یہ برگزیدہ لوگ اللہ کے احکام کے آگے سرنگوں، پھر خوف ومحبت سے ان کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور تابعداری کی حد درجہ میں سجدہ ریز رہتے ہیں۔ یہ احکام اسلام کی اساس ہیں۔ اتنے برگزیدہ لیڈروں (انبیاء) کے بعد انسانیت کو کیا ہوا اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝

پھر ان کے نالائق جانشین ہوئے، جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کی پیروی کی۔ چنانچہ جلد ہی ہلاکت اور گمراہی سے دوچار ہو گئے۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـــًٔا ۝

سوائے ان کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایے اور نیک عمل کیے تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہو گا۔

جَنّٰتِ عَدۡنِ اِۨلَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ۝

دائمی جنتیں (باغات) جن کا رحمان نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ (ہر صورت) پورا ہونے والا ہے۔

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا‌ ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ۝

وہ وہاں (جنت میں) سلام (سلامتی) کے سوا کوئی لغویات نہیں سنیں گے اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہو گا۔

تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ۝

یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے بنائیں گے جو متقی ہو گا۔

عذاب کن کے لیے:۔

ابنیا کرام کی تبلیغ کا اثر ان کے وجود تک تو بہت رہا، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا، انسان، شیطان کے توہمات وخیالات کا شکار ہو کر، راہ حق سے بھٹک کر گمراہی کی طرف چلا گیا۔ اس نے اللہ کے احکام، اسکی عبادت، نیکی اور بھلائی، زکوٰۃ، غریبوں کی مدد اور جو احکام مختلف زمانہ میں انبیاء کرام کو کتب کی صورت میں دیے گئے تھے، ان کو پس پشت ڈال کر گمراہ ہو گیا۔ جس کا انجام اسکی تباہی پر ہوا۔ لفظ غیاً استعمال ہوا ہے، جو ہلاکت ہے، یہ ہلاکت دنیا کی زندگی اور قیامت کے بعد بھی ہو گی۔ نماز اور اللہ کی عبادت کو نظر انداز کر دیا۔ حقوق اللہ میں نماز عبادت اور زکوٰۃ بہت اہم ہیں۔ نماز کا اہتمام، اس کے شروط کے ساتھ، اچھے طریقے سے ادائیگی ہے۔ جو انسانی استطاعت کے مطابق ہو، اور اس سے بڑھ کر خشوع وخضوع ہو۔ جس طرح حدیث مبارکہ ہے: کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (متعدد کتب حدیث)۔ پھر فرائض کے علاوہ نوافل مراتب کو بلند کرنے میں اہم ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات اور امور خیر، معاملات میں اچھا اخلاق، صداقت دیانت بہت اہم ہیں۔ جب یہ نیک اعمال شیطان کے بہکانے، انسانی خواہشات بالخصوص لالچ، خود غرضی، تکبر کی وجہ سے ختم ہو گئے، تو انسان یا معاشرہ سزا کا مستحق ہو گیا۔ جن کے واقعات قرآن مجید نے انبیاء کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ حضرت نوح کا طوفان، قوم شعیب علیہ السلام، قوم لوط، قوم صالح اور قوم ہود کے واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔

انعام کن کے لیے:۔

جو افراد گمراہی سے بچ گیے، نیک اعمال کیے، انبیاء کے کردار اور احکامات کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے۔ اللہ سے توبہ کرتے رہے، تاکہ نادانستہ گناہوں کی بھی تلافی ہو۔ (دانستہ طور پر گناہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ جس کا وہ تصور نہیں کرتے)۔ معاشرے میں اصلاح، بھلائی اور نیک اعمال ان کے کردار کی بنیاد رہے۔ یہ لوگ اس دنیا میں عذاب سے بھی بچ گئے، اور موت کے بعد دائمی جنت کا انعام انہیں ملے گا۔ انبیاء کرام کی تعلیمات اور بن دیکھے (غائبانہ)، ان کو اس جنت پر یقین تھا۔ توبہ سے اللہ تعالی بڑے سے بڑا گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ حقوق العباد کے گناہ، اس وقت تک اللہ تعالی معاف نہیں فرماتے جب تک متاثرہ شخص معاف نہ کر دے۔ لہذا متاثرہ شخص سے معافی زندگی میں بہت اہم ہے۔

جنت کی زندگی:۔

جنت کی زندگی دائمی ہے، وہاں کوئی لغو، بے ہودہ، فتنہ، برائی، نہیں ہو گی۔ انسانی طبیعت کے تمام رذائل (برائیاں) ختم ہوں گی، کوئی معاشی یا معاشرتی مسلہء نہیں ہو گا۔ رزق کی فراوانی ہو گی۔ یہ عظیم انعام، صرف انہی لوگوں کی جزا ہو گی، جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کیے، ایمان اور تقوی سے زندگی بسر کی۔ اللہ تعالی ہمیں ان میں شامل فرمائے۔ (آمین)۔

اب خلائی سائنس کے پاس کئی شواہد آگئے ہیں کہ کائنات میں بہت سے ایسے عظیم سیارے ہیں، جو زمین کی طرح ہیں اور وہاں زندگی ہو سکتی ہے۔ وقت کے ساتھ اس میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔ جنت کا تصور اب غیر مسلموں کے لیے بھی فرضی نہیں رہا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾

اور ہم (فرشتے) صرف آپ کے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے آگے اور پیچھے اور اسکے درمیان ہے۔ سب اسی کی ملکیت ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہی رب ہے، سو اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو۔ کیا تم اس کے کسی ہم نام کو جانتے ہو۔

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے نبی ﷺ سے اصحاب کہف، روح اور ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے وحی پر اعتماد کیا اور کل جواب دینے کے لیے وعدہ کیا۔ لیکن وحی کئی ایام تک نازل نہیں ہوئی (جبرائیل علیہ السلام نہیں لائے)۔ اس دوران مشرکین نے طعنہ بازی شروع کر دی، کہ آپ (نبی ﷺ) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے۔ اس پر جب آپ نے جبرائیل سے دیر سے آنے کا سبب پوچھا، تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ان کا نزول (وحی لانا) سب اللہ تعالی کے حکم سے ہے۔ ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں۔ نیز تمام کائنات (آسمان و زمین) میں سب اللہ کی ملکیت ہے۔ اور پھر اللہ تعالی آپ کو بھولنے والے نہیں۔ کفار کے طعنوں سے آپ دل گرویدہ (پریشان) نہ ہوں۔ اس کے ساتھ مزید توصیف خداوندی بیان کی، کہ ساری کائنات سب اس کی ملکیت ہے۔ اور اس ہی کی عبادت کرنی اور اس پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اور اس راہ میں آنے والی مشکلات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جس کا نام بھی اللہ ہو۔ وہ، واحد لاشریک ہے۔ اس کا کوئی شریک یا اولاد نہیں۔ کفار مکہ اپنے بتوں کو الہٰ تو کہتے تھے، لیکن اللہ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور انسان کہتا ہے جب میں مر جاوں گا تو کیا میں ضرور (عنقریب) زندہ (قبر سے) نکالا جاوں گا۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾

اور کیا انسان (اتنا بھی) یاد نہیں کرتا کہ یقینا ہم نے اس سے پہلے اسے تخلیق (پیدا) کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

پس آپ کے رب کی قسم ہم ضرور ان کفار کو شیطانوں کے ہمراہ اکٹھا کریں گے۔ پھر ہم ضرور گھٹنوں کے بل، گرے ہوئے جہنم کے گرد حاضر کریں گے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۚ
پھر ہم ضرور ہر گروہ سے (اسے) کھینچ کر الگ کریں گے جو ان میں رحمن کے خلاف سرکشی میں سخت تر تھا۔
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝
پھر ہمیں بلاشبہ ان کا خوب علم ہے۔ جو اس (جہنم) میں جانے کے زیادہ لائق ہیں۔
وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ
اور تم میں سے ہر شخص ضرور جہنم پر وارد ہو گا۔ یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا گیا ہے۔
ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝
پھر ہم متقی لوگوں کو نجاعت دیں گے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل چھوڑ دیں گے۔

دوبارہ زندگی اور جہنم سے گزرنا۔

تمام الہامی مذاہب میں موت کے بعد زندگی اور جنت و جہنم کا ذکر ہے۔ کفار مکہ، اگرچہ دین ابراہیمی کے اپنے آپ کو پیروکار کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب و کتاب، یہ جنت و جہنم، انعام و سزا، سے انکار کرتے اور اسے ناممکن سمجھتے تھے۔ آج بھی بہت سارے انسان اس چیز سے انکار کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں دلائل ہیں۔ اگر غور کریں، تو ہر انسان اپنی پیدائش سے دو سال قبل تک تصور بھی نہیں کر سکتا کہ پیدا ہو کر بڑا ہو گا۔ اگر یہ ممکن ہے کہ انسان کا کسی بھی صورت و شکل میں وجود نہیں تھا، پھر وجود بنا اور جب مر گیا، تو اس کا وجود تو ہے۔ اگر بغیر وجود کے دنیا میں آسکتا ہے۔ تو پھر وجود کے ساتھ، مرنے کے بعد زندہ بھی ہو سکتا ہے۔ (یہ پیدا ہونے سے آسان ہے)۔ اسی نقطہ کو بیان فرمایا گیا۔ پھر مزید فرمایا۔ کہ جب زندہ ہو گا۔ تو اس سے اس کی زندگی کے دوران اس کے اعمال کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ انسان کو اس دنیا میں گمراہ کرنے والی قوت شیطان ہے۔ جس کا وجود ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے خیالات اس کی پہچان ہیں۔ یہ شیطان قیامت کے دن ایک جسمانی صورت میں اور اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے سب ساتھ اکٹھے، حاضر ہوں گے۔

ان دونوں کو ان کے جرائم کے بدلے گھٹنوں کے بل، اوندھے منہ جہنم پر لے جایا جائے گا۔ حساب و کتاب کے دوران، جو انسان اس دنیا میں اللہ کے احکام میں سرکشی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اکساتے ہیں، ان کو کھینچ کر علیحدہ کیا جائے گا۔ تاکہ انکی سرکشی کا نتیجہ، وہ لوگ دیکھیں گے، جو ان کی اتباع کرتے تھے اور جو انکے مخالف تھے۔ کیونکہ اللہ تعالی انسانوں کے اعمال اور نیتوں کو خوب جانتے ہیں۔ علیم و خبیر ہیں۔ ہر انسان کو ایک دفعہ جہنم میں لے جایا جائے گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ انسان کے اعمال، اللہ کے انعامات واحسانات کے مقابل کم ہیں۔ لہذا وہ اس لیے جہنم کو بھی دیکھے گا۔
۲۔ انسان اپنے جرائم کی سزا میں جہنم کا مستحق ہو گا۔

۳۔ نیک افراد کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔(۱) وہ پل صراط کی صورت میں جہنم سے گزریں گے۔(۲) وہ جہنم تک لے جائے جائیں گے۔ اور پھر جہنم کی آگ ان کے لیے سخت نہیں ہو گی۔ پھر نکل آئیں گے۔ جبکہ گناہ گار اپنے اعمال کی وجہ سے وہاں رہیں گے۔ جس طرح آیت میں ہے، کہ متقی لوگ نجاعت پائیں گے۔ اور ظلم کرنے والے (حقوق اللہ و حقوق العباد میں) وہاں دوزخ میں گھٹنوں کے بل یعنی انتہائی ذلیل حالت میں پڑے رہیں گے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا۝

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: فریقین (مسلمان اور کافر) میں سے کس کا مقام بہتر ہے اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا۝

اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں وہ ان سے اثاثوں اور اسائش میں کہیں بڑھ کر تھیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا۝

کہہ دیجیے: جو شخص گمراہی میں ہے (لازم ہے کہ) اسے رحمان (اللہ) لمبی ڈھیل دے دے حتی کہ وہ اس چیز (انجام) کو دیکھ لیں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یا عذاب یا قیامت۔ تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون درجہ (مقام) میں بدتر اور لشکر (طاقت) کے لحاظ سے کمزور ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۝

اور اللہ راہ ہدایت پر چلتے کو مزید ہدایت عطا کرتا ہے۔ اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے ہاں ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں۔

سورت کا نزول مکہ میں شروع ہوا۔ مکہ میں مسلمانوں کے ایام بہت تکلیف دہ تھے۔ اکثر مسلمان فقیر، غلام اور کمزور تھے۔ دوسری طرف ابو جہل مغیرہ، وغیرہ دولت مند تھے۔ وہ اپنی دولت اور سماجی حیثیت پر متکبر تھے۔ مسلمانوں کو عار دلاتے۔ اس کے جواب میں آیات مبارکہ حقائق سے آگاہ کر رہی ہیں، کہ یہ سماجی و معاشی برتری عموماً عارضی ہوتی ہے۔ زیادہ تر کسی انسان کے ساتھ کچھ وقت تک رہتی اور پھر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے پہلے علاقہ عرب، عراق، شام، فلسطین میں کئی ایسی قومیں آئیں جو طاقتور تھیں۔ اور بلا آخر، اللہ کے احکام کی خلاف ورزی پر تباہ ہو گئیں۔

کبھی کفار یا غیر مسلموں کی معاشی ثروت دیکھ کر آدمی سوچتا ہے کہ ان کو یہ فوائد کیوں حاصل ہیں۔ جبکہ یہ خدا کے نافرمان ہیں۔ اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی ایسے افراد کو ڈھیل دیتے ہیں، تا کہ وہ اپنی نافرمانیوں کی آخر تک جا کر شدید عذاب کے مستحق بن جائیں۔

یہ عذاب ان کو دنیا میں موت کے وقت سکرات موت کی صورت اور پھر یوم حساب و کتاب، اس کے بعد جہنم میں عذاب کی صورت میں دائمی طور پر ملے گا۔ آج اپنی دولت اور ثروت پر اکڑنے والے، اس وقت انتہائی لاچار اور بے بس ہو جائیں گے۔ جب عذاب دیکھیں گے اور اس کے مقابل آج کے کمزور مسلمانوں کی شان، دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ کون کمزور ہے؟ اور کون طاقتور؟ کس کا مقام بلند ہے اور کون گرا پڑا ہے؟ کیونکہ انکار کرنے والوں کی حالت پریشان کن ہو گی۔ لہذا یہ پریشانی عارضی ہے۔ جو اللہ کے احکام پر چلتے ہیں، اللہ تعالی ان کو مزید ہدایت فرماتا ہے۔ ان کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں۔ انسان میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ اعمال صالحہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ عبادات، اچھے اخلاق اور حقوق العباد کو پورا کرنا، دنیا اور آخرت میں کامیابی کے ضامن ہیں۔ اللہ کے ہاں مقبول ہیں۔

اَفَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوۡتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ؕ

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کیا اور کہا مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔

اَطَّلَعَ الۡغَيۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ۙ

کیا وہ غیب پر مطلع (آگاہ) ہے یا اس نے رحمن سے کوئی عہد (وعدہ) لیا ہوا ہے۔

كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ۙ

ہر گز نہیں ہم اس کی باتوں کو لکھ لیں گے اور اس کے عذاب کو بڑھاتے جائیں گے۔

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا

اور ہم اس کی چیزوں کے وارث ہیں اور وہ ہمارے پاس اکیلا (تنہا) آئے گا۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۙ

اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں۔

كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۠

ہر گز نہیں عنقریب وہ ان عبادتوں کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے خلاف ہو جائیں گے۔

کفار مکہ کی ذہنیت اور اسلام دشمنی کے بارے میں آیات ہیں۔ ان آیات کا شان (موقع) نزول ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابی خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ان کا کچھ قرض، (مکہ کے مالدار شخص) عاص بن وائل کے ذمہ تھا۔ انہوں نے اس کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارا قرض اس وقت تک نہیں دوں گا، جب تک تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر اور انکار نہ کرو۔ انہوں (خباب) نے کہا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا، کہ تم اگر مردہ ہو کر زندہ بھی ہو جاؤ۔ عاص بن وائل نے کہا، کیا میں مر کر بھی زندہ ہوں گا؟ اگر ایسا ہے تو بس تمہارا قرض بھی اس وقت ادا کروں گا۔ کیونکہ اس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)۔ ان خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ کہ یہ سارا مال یہیں رہ جائے گا۔ اس پر اکڑنے والے دنیا سے خالی ہاتھ

جاتے ہیں۔ اور وہاں (قیامت) کو بھی تن تنہا کھڑے ہوں گے۔ اس دنیا کی دولت کا اصل مالک، ذات الہٰی ہے۔ انسان تو تنہا آتا ہے اور تنہا جاتا ہے۔

ع   سکندر جب چلا دنیا سے تو دونوں ہاتھ خالی تھے

یہ کفار محض باتیں کرتے ہیں۔ ان کے پاس کیا ثبوت ہے، کہ ان کی دولت ان کو آخرت میں بھی ملے گی۔ بلکہ قیامت میں ان معبودوں (بتوں) جن کو پوجتے ہیں، وہ بھی ان کے خلاف ہوں گے۔ یہ طرز زندگی نقصان دہ ہے۔ اس کا نتیجہ عذاب ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ تَؤُزُّہُمۡ اَزًّا ۝

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے کافروں پر شیطان چھوڑ رکھے ہیں وہ جو انہیں خوب (برائیوں) پر ابھارتے ہیں۔

فَلَا تَعۡجَلۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَہُمۡ عَدًّا ۝

چنانچہ آپ انکی بابت جلدی نہ کریں ہم تو بس ان کے دن گن (مدت پوری کر) رہے ہیں۔

یَوۡمَ نَحۡشُرُ الۡمُتَّقِیۡنَ اِلَی الرَّحۡمٰنِ وَفۡدًا ۝

جس دن ہم متقین کو رحمن (اللہ) کی طرف (بطور) مہمان اکٹھا کر لائیں گے۔

وَّ نَسُوۡقُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ وِرۡدًا ۝ۘ

اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ہانک کر لے جائیں گے۔

لَا یَمۡلِکُوۡنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۝ۘ

(اس روز) وہی شفاعت کے مالک ہوں گے۔ جو رحمن (اللہ) سے عہد لیں چکے ہیں۔

برے اعمال کا سبب:۔

کفار اور ظالم افراد جو اللہ کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور اپنی خواہشات کے تحت ظلم و ستم اور حق تلفی روا رکھتے ہیں، ان کا بیان ہے۔ یہ افراد، کیوں ظلم، اللہ کے احکام کا انکار یا قیامت اور دوبارہ حساب و کتاب کی پرواہ نہیں کرتے، اور اس سے انکار کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالی نے انبیا، رسول اور کتابیں نازل فرمائیں، جو ہدایت کا راستہ دکھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انکار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ بیان کی ہے۔

شیطان، آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ ایک انرجی کی صورت میں ہونے کی وجہ سے مادی جسم نہیں رکھتے اور بجلی کی صورت میں حرکت کر سکتے ہیں اور بہت سارے مادی اجسام سے گزر جاتے ہیں۔ انسانی جسم میں بالخصوص دماغ تک سرایت کر کے، دماغ کے اندر میموری نیورون میں حرکت پیدا کر کے خیالات پیدا کرتے ہیں۔ یہ قوت، ان کو اللہ نے دی ہے۔ اور شیطان نے قیامت تک مہلت مانگی ہے۔ انسان دشمنی اس کا مقصد ہے۔ اس طرح انسانوں کو برے خیالات یعنی اللہ کے وجود سے انکار، قیامت اور جزا و سزا کے اصول کو نہ ماننا۔ احکام کی خلاف ورزی کے خیالات، انسان کے دماغ میں بار بار پیدا کرتا ہے۔ بار بار خیال آنے کی

وجہ سے انسان اس کا ارادہ کر لیتا ہے۔ اور پھر بار بار، ارادہ اور ماحول کی وجہ سے انسان عمل کر لیتا ہے۔ جس کی سزا اور انعام کا وہ مستحق بن جاتا ہے۔

اللہ کی ذات نے انسان کی ہدایت کے لیے پورا انتظام کیا ہے اور ہدایت اور نیک اعمال پر ذات الٰہی خوش ہوتی ہے، لیکن شیطان انسان کو انعام سے محروم کرنے کے لیے برے خیالات دیتا ہے۔ بار بار دہرا کر برے اعمال پر ابھارتا ہے۔ اور اسطرح انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ اپنی پوری محنت سے تبلیغ و ہدایت کر رہے تھے۔ لیکن انکار کرنے والے اپنی ضد اور تکبر کی وجہ سے گمراہی پر اڑے تھے۔ ضد اور تکبر، رواج و رسم، سب کو شیطان بہت اہم بنا کر دماغ میں ان کی اہمیت ڈالتا ہے۔ اور گمراہ کرتا ہے۔ پھر وقت گزرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ توبہ کا وقت نکل جاتا ہے۔ اور سزا مقدر بن جاتی ہے۔ نبی ﷺ کو تسلی دی ہے، کہ کفار کی اس مہلت سے آپ پریشان نہ ہوں۔ اس کی سزا کے نتیجہ میں انکار کرنے والے قیامت کے دن پریشان ہوں گے۔ اور پیاس کی شدت کے ساتھ حیوانات کی طرح، فرشتے ان کو ہانک کر لے جائیں گے۔ جہاں وہ سزا پائیں گے۔

دوسری طرف اللہ کے احکام ماننے والے مومن، اپنے اعمال کی وجہ سے کامیاب ہوں گے۔ اور اللہ تعالی کے فرشتے، انہیں اعزاز و احترام کے ساتھ سواریوں پر محترم وفود کی صورت میں جنت میں لے جائیں گے۔ قیامت کے دن، شفاعت کے مالک وہی ہوں گے۔ جو اللہ تعالی سے نیک اعمال کے سبب عہد لے چکے ہیں۔ امام ابن جریر نے کہا کہ عہد سے مراد، اللہ پر ایمان لانا، اس کے رسول کی تصدیق کرنا اور رسول ﷺ اللہ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے، اس کا اقرار کرنا اور جو کچھ آپ نے حکم دیا، اس پر عمل کرنا ہے۔ (جامع البیان)۔ اہم نکتہ نیک اعمال ہیں۔

وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ؕ

اور انہوں نے کہا رحمن (اللہ) اولاد رکھتا ہے۔

لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ۙ

البتہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آ پہنچے ہو۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَ تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۙ

قریب ہے کہ آسمان اس (بات / عقیدہ) سے پھٹ پڑیں، اور زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔

اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ

اس (بات) پر کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد کا دعوی کیا۔

وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ

اور رحمن کے لیے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔

اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؕ

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے۔ وہ سب رحمن (اللہ) کے پاس غلام (تابعدار) بن کر آئیں گے۔

لَقَدۡ اَحۡصٰىهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا

بلاشبہ یقیناً اس (رحمن) نے ان کا شمار کر رکھا ہے۔ اور انہیں خوب گن رکھا ہے۔

وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا

اور وہ سب یوم قیامت اللہ کے پاس تنہا تنہا آئیں گے۔

اہل مکہ، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے۔ نصاری (عیسائی) حضرت عیسٰی اور یہود، حضرت عزیر علیہ السلام، کو اللہ کے بیٹے کہتے ہیں۔ جبکہ یہ بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔ اس کی نوعیت اتنی شدید ہے کہ آسمان پھٹ جائے۔ زمین شق اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، کیونکہ وہ اس بات سے خوف زدہ اور متنفر ہیں۔ لیکن انسان نے یہ بڑا گناہ کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالی کی ذات، ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اور اس میں موجود، ہر شی اس کی غلام و تابع ہے۔ تمام موجودات کا ریکارڈ اور شمار ہے۔ زندگی موت، تعداد، ابتداء اور انتہا، ہر چیز کی مقرر اور متعین ہے۔ قیامت پر ہر ایک کو اس کا حساب ملے گا۔ اور ہر چیز تن تنہا اللہ کے ہاں حاضر ہو گی۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یقینا رحمن (اللہ) ان کے لیے (لوگوں میں) محبت پیدا کر دے گا۔

اطاعت و محبت کا مقام:۔

کفار (منکرین احکام)، کے کردار کے بعد اہل اطاعت اور محبت کے مقام کا اظہار فرمایا۔ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے احکام پر یقین کرتے ہیں۔ اس کی کتابیں، اس کے نبی کی تعلیمات، کو زندگی کی مشعل راہ بناتے ہیں۔ ان کی زندگی نیکی اور اعمال صالحہ کا خزانہ ہوتی ہے۔ ان کے مرتبہ کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالی انہیں محبت و سکون عطا فرماتے ہیں۔ ایک طرف دنیا محبت و احترام کرتی ہے۔ ان کو چاہتی ہے۔ پھر اللہ تعالی کی رحمت بھی ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور حدیث نبی ﷺ کے مطابق، اگر وہ اللہ پر قسم اٹھائیں تو اللہ تعالی ان کی قسم کو پورا کرتا ہے۔ ایک اور حدیث کے مطابق جب انسان اللہ تعالی کی اطاعت کرتا ہے۔ اس اطاعت کا منبع ا،للہ کی محبت اور اس کا خوف ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالی اس کے نام کو عامتہ الناس میں محترم بنا دیتے ہیں۔ اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔ اولیاء عظام اور علماء ربانی اسی گروہ میں شمار ہوتے ہیں۔

احب الصالحین دلست منهم ۔۔۔۔۔ لعل الله یرزقنی صلاحا

(میں صالحین سے محبت کرتا ہوں لیکن ان میں سے نہیں ہوں۔ یہی امید کرتا ہوں اللہ تعالی مجھے ان میں شامل فرمادیں گے)۔

قرآن مجید نے دونوں کرداروں کے موازنہ کے بعد فیصلہ انسان کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اللہ تعالی نیک افراد کے اتباع کی توفیق دے۔ آمین۔

فَاِنَّمَا يَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِيۡنَ وَتُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا

یقیناہم نے تواس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں ہی آسان کر دیا ہے۔ تا کہ آپ اس سے متقین (پرہیز گاروں) کو خوشخبری سنا سکیں۔ اور اس کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔

وَكَمۡ اَهۡلَـكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ؕ هَلۡ تُحِسُّ مِنۡهُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَوۡ تَسۡمَعُ لَهُمۡ رِكۡزًا

اور ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں۔ کیا آپ ان میں کسی کے وجود کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ سنتے ہیں۔

انکار کرنے والوں پر جو قیامت میں گزرے گی، کے بیان کرنے اور اہل اطاعت کی عظمت بیان کرنے کے ساتھ فرمایا: کہ یہ تعلیمات خطہ عرب جو کہ نبی ﷺ کا مسکن اور جن کی زبان عربی تھی۔ ان کی زبان میں احکام، آسان طریقے سے دیے ہیں، تا کہ لوگ سمجھ سکیں، اور نبی ﷺ، انہیں ان کے اعمال بد کی سزا سے ڈرائیں۔ نیک اعمال پر انعام کی خوشخبری دیں۔ اس وقت مکہ کے لوگ احکام الٰہی کی قبولیت میں بہت جھگڑالو تھے اور نظر انداز کرتے تھے۔ آج بھی لوگ سائنس کے وہم کی وجہ سے، اسی قسم کے رویہ کا شکار ہیں اور ہدایت سے محروم ہیں۔ اس کے ساتھ جن اقوام نے اللہ کے احکام نہیں مانے وہ ختم ہو گئے۔ ان کے نام و نشان تک مٹ گئے۔ وجود کی تو بات ہی نہیں۔ لہٰذا، اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کا انجام انتہائی برا اور خوفناک ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائیں۔

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے شروع ہوئی اور اس کا اختتام بھی اس کے بندوں پر خصوصی رحمت اور احکام الٰہی پر انکار کرنے والوں پر عذاب اور تباہی کے ذکر پر ہوا۔

الحمد اللہ سورۃ مریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی صحیح تفسیر و تاویل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اسے میرے اور قاریئن کے لیے باعث بخشش بنائے۔ آمین۔

۲۰۔ سورہ طٰہٰ

تعارف:۔

اس سورت کا نام "طہ" اس کے پہلے کلمہ کی وجہ سے ہے۔ اس طرح سورت "ص اور ق" بھی ہیں۔ طٰہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک کے مطابق، یہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسم ہے۔ طٰہ اور یسین ہیں۔ ایک معنیٰ: اے آدمی ہے۔ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔

ترتیب نزول کے حساب سے اس سورت کا نمبر 54 اور ترتیب مصحف کے اعتبار سے 20 ہے۔ اس میں ایک سو پینتیس 135 آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔ شان نزول کے بارے میں تحریر ہے، کہ مکہ کے سرداروں، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، مطعم بن عدی، نے نبی ﷺ کو لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا، تو کہنے لگے، کہ جب سے آپ نے، اپنے آباو اجداد کے دین کو چھوڑا، آپ بہت سختی اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی کہ قرآن پاک مشقت اور سختی میں مبتلا کرنے کے لیے نازل نہیں کیا گیا۔

اس سورت کا وقت نزول سورہ مریم کے ساتھ ہے اور مضامین میں مشابہت بھی ہے۔ اس کے تاریخ نزول کے بارے اہم واقعہ حضرت عمر بن خطاب کے اسلام لانے کا ہے کیونکہ جو آیات حضرت عمر نے سنیں ,وہ سورہ طٰہ کی تھیں۔ اس وقت پہلی ہجرت حبشہ ہو چکی تھی۔

اس سورت میں بھی قرآن کا نمونہ لانے کا چیلنج دیا گیا ہے۔ اللہ کی عظمت کا بیان ہے اور نبی علیہ اسلام کے ذمے تو نصیحت کرنا ہی ہے۔

حضرت موسیٰ کا قصہ تفصیل سے ہے۔ آپ کی مدین کی طرف ہجرت اور واپسی پر نبوت سے سرفراز ہونا، معجزات کا عطا ہونا، فرعون کے دربار میں تبلیغ، جادوگروں سے مقابلہ، ان کا ایمان لانا، بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنا۔ فرعون کا غرق ہونا، تورات کا نازل ہونا، بنی اسرائیل کا سامری کے فتنہ میں مبتلا ہونا اور دیگر کئی امور ہیں۔

حضرت موسیٰ کی تفصیل کی وجہ سے اس کا نام سورہ کلیم بھی کہا گیا ہے۔

حضرت آدم اور شیطان کے واقعہ کا ذکر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور مسلمانوں کو کفار کی اذیتوں پر صبر کی تلقین ہے۔ اللہ تعالیٰ عذاب سے پہلے رسولوں کے ذریعہ ہدایت کا پیغام پہنچاتے ہیں اور عمل نہ کرنے پر عذاب آتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰہٰ ۚ﴿۱﴾

طا۔ ھا۔

مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۙ﴿۲﴾

ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

اِلَّا تَذۡکِرَۃً لِّمَنۡ یَّخۡشٰی ۙ﴿۳﴾

یہ تو صرف ان کے لیے نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ؕ﴿۴﴾

اس ذات کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمان تخلیق کیے۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾

وہ رحمن ہے اور (اپنی شان کے مطابق) عرش پر جلوہ فرما ہے۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا وَ مَا تَحۡتَ الثَّرٰی ﴿۶﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو مٹی کے نیچے آخری تہ تک ہے۔

وَ اِنۡ تَجۡہَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّہٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی ﴿۷﴾

اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشک وہ ہر راز اور اس سے بھی پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے۔

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ﴿۸﴾

(وہی) اللہ ہے اس کے سوا کوئی الہ نہیں، سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

سورت کی ابتداء "ط۔ ہا" کے لفظ سے ہے۔ جو اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور نبی ﷺ کی عظمت پر بھی۔ "طٰہٰ اور یسین" آپ کے اسماء سے بھی ہیں۔ ایک تفسیر و تاویل ہے کہ اسم باری تعالیٰ ہے۔ طا سے طیب اور طاہر کی طرف اور ھا سے ھادی کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ آپ ﷺ، طویل نماز ادا فرماتے، طویل نماز کے لیے طویل قرات لازم ہوتی ہے۔ اس لیے آپ کے قدم مبارک پر سوجن آجاتی۔ کفار نے طعنہ بازی کی کہ اس دین میں آپ پر مشقت آگئی ہے۔ اس کی تردید فرمائی کہ قرآن پاک کا مقصد مشقت نہیں، بلکہ انسانیت کے لیے آرام اور راحت ہے۔ اس کے قوانین و احکام، انسانی ترقی و فلاح کے لیے ہیں۔ اسلامی قوانین میں انسانی سہولت، کو ترجیح دینا اہم اصول ہے۔ ساتھ ہی، یہ فرمایا: کہ اس کلام عظیم کی برکت انہی لوگوں کے نصیب ہو گی، جن کے دل خوف خدا سے معمور ہیں۔ وہ اپنے ہر عمل سے پہلے سوچتے ہیں، کہ اپنے خالق و مالک کے احکام کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہے۔ یہ ایک اعلان کفار مکہ کے لیے تھا، کہ وہ اس عظیم نعمت سے محروم ہیں۔

خوف کا سبب:۔

اللہ کا خوف جو رکھتے ہیں۔ اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ ان کا سبب اللہ کی ذات کی عظمت ہے۔ اور پھر قرآن مجید کے اندر آیات یعنی دلائل اور احکام، اس لیے ہیں، کہ یہ کتاب عظیم ذات کی طرف سے ہے۔ وہ ذات اس قدر عظیم ہے کہ اس نے زمین جو اس قدر وسیع اور مختلف فوائد سے معمور ہے۔ اور اوپر آسمان پر آسمان، جو بلند ترین ہیں، کو پیدا فرمایا۔ وہ ان سے بھی عظیم تر ہے۔ اس کی ذات، تمام کائنات پر کنٹرول کے ساتھ اپنے عرش پر جلوہ افروز ہے۔ اس کے جلوے، اس کی شان کے مطابق ہیں۔ جنہیں ہم کیفیات یا حالات یا اوصاف یا کمیات یا الفاظ کی حدود میں مقید یا بیان نہیں کر سکتے۔ عرش کا تعلق، خلاء سے ہے۔ اس کے بارے میں جدید سائنس کی معلومات بہت ابتدائی ہیں۔ اس کی اتنی وسعت حساب نہیں۔ حد یہ ہے کہ روشنی یا سگنل کی ایک لہر جاتی ہے، تو پھر واپس ہی نہیں آتی۔ احادیث مبارکہ میں وسعت عرش کے بارے میں جو پہلے بیان کی جا چکی ہے، ان سب سے مراد اللہ کی ذات کی عظمت ہے۔ آسمان کی وسعت نظر آتی ہے۔ اس لیے اس کو پہلے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی زمین کا ذکر کیا۔ آسمان میں آدمی، ہزاروں فٹ تک دیکھ سکتا ہے۔ لیکن زمین کی سطح مٹی سے چند انچ نیچے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اللہ کی ذات کو اس کی آخری حد (تحت الثری) تک کا علم ہے۔ اس سے مراد موجودہ انسانی معلومات کے مطابق زمین کے اندر مینٹول (Mentle) ایریا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے سورت البقرہ ۱۶۴)۔ انسان نے بیس سال کے طویل عرصے میں صرف بارہ میل تک ڈرلنگ کی ہے جبکہ زمین کی سطوح کا اندازہ اس طرح ہے۔

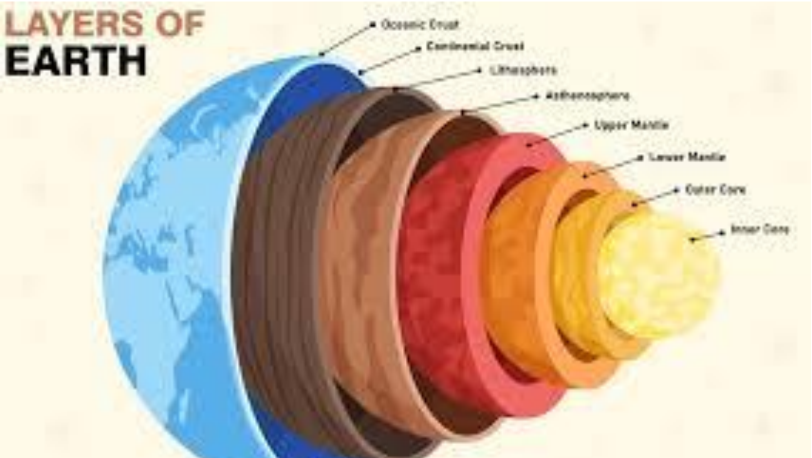

۱۔ اوپری سطح کرسٹ 5 سے 7 کلو میٹر موٹی تک موٹی ہے۔

۲۔ میٹول ۲۹۰۰ کلو میٹر موٹی۔

۳۔ بالائی کور ۲۲۰۰ کلو میٹر تک موٹی اس کے بعد

۴۔ اندرونی کور ۱۲۳۰ سے ۱۵۳۰ کلو میٹر تک موٹی ہے۔

ثری کا لفظی معنی گیلی مٹی ہے۔ اوپر والی گیلی مٹی کی حد سے اندرونی گیلی کو رتک شامل ہے۔ یہ صرف انسان کے علمی اندازے ہیں۔ لیکن اللہ تعالی کے پاس ان سب کا تفصیلی علم ہے۔

اللہ کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اسی طرح انسان کے ارادے اور عمل تو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اخفی کا لفظ فرما کر انتہائی مخفی چیز یعنی خیال تک کو شامل کر لیا گیا ہے۔ صوفیاء (اہل صفا) کے نزدیک اخفی کی اصطلاح مختلف ہے، جو کہ روحانی درجات پر مشتمل ہے۔ اس کے درجات قلب انسان، پھر روح انسانی، پھر سر انسانی، پھر اس سے بلند تر، خفی کی اصل، اور اسکے اوپر اخفی کی اصل ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی۔ جلد اول)۔ یہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز ہے، کہ ایسے الفاظ کا انتخاب ہے، جو متعدد معانی و تطبیق کے حامل ہیں۔ جس ذات کی اس قدر طاقت ہو، اس سے خوف کھانے اور اسکے احکام پر چلنے میں ہی کامیابی ہے۔ اس لیے اہل ایمان خوف زدہ رہتے ہیں۔ سب قوتوں کا مالک ہی اللہ ہے، جو معبود انسان ہے۔ اس کے نام انتہائی خوبصورت ہیں۔ جو اسکے اوصاف کو ظاہر کرتے ہیں۔ بہت سارے نام ہیں۔ جنکی تعداد ننانوے بتائی گئی ہے۔ احادیث و قرآن سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان کا مختصر ذکر سورت اعراف، آیت نمبر ۱۸۰، میں گذر چکا ہے۔

ایمان:۔

یہ عظیم کتاب (قرآن مجید) اس عظیم ذات، کی طرف سے تمام انسانیت کے لیے ہے، لیکن اس کا حقیقی فائدہ وہی اٹھاتے ہیں، جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لیے قوت ایمان کے درجات ہیں، ایک صرف زبانی اقرار ہے۔ جو اسلام میں داخل ہونے کی شرط ہے۔ اس کے بعد دل میں اللہ کی توحید کا اعتقاد ہے۔ جو اس سے بہتر درجہ ہے۔ اگر دل میں اعتقاد نہیں، تو انسان منافق ہے۔ یہ تقلیدی ایمان ہے۔ احادیث میں، جو کلمہ لا الہ، جنت کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ اعمال اور یقین کے ساتھ ہے۔

زباں نے کہہ دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

پھر اس اعتقاد کی بنیاد، اگر عقل اور دلائل سے مربوط ہے، تو اعتقاد کا درجہ مزید قوی تر ہے۔ جس کا سبب عظمت و خوف الہی ہے۔ ایمان کا اعلی درجہ یہ ہے، کہ اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی خیال ہی نہ آئے۔

ع جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝

کیا آپ کے پاس موسی کی خبر پہنچی ہے؟

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝

جب اس نے (طور پر) آگ دیکھی، تو اپنے گھر والوں سے کہا (یہاں) ٹھہرو۔ بے شک میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس سے تمہارے لیے کوئی انگارا لے آوں۔ یا آگ کے پاس کوئی راستہ کی کوئی مجھے راہ نمائی مل جائے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰىؕ

جب وہ (موسی) آگ کے پاس پہنچے تو آواز دی گئی۔ اے موسی"

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىؕ

بے شک میں ہی تیرا رب ہوں، لہذا آپ اپنے جوتے اتار دیں۔ بلاشبہ تو مقدس وادی طوی میں ہے۔

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى

اور میں نے تجھے چن لیا ہے لہذا جو وحی کی جاتی ہے اسے غور سے سنیں۔

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ

بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى

بے شک قیامت آنے والی ہے جس (وقت قیامت) کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ تا کہ ہر نفس کو اس کا بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے۔

فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى

لہذا، اس (فکر قیامت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی، ورنہ تو بھی ہلاک ہو جائے گا۔

مکہ شریف کے مصائب کے ضمن میں، حضرت موسی علیہ اسلام کے مشن کی تفصیل بیان فرمائی کہ تبلیغ میں کس قدر مشکلات پیش آتی ہیں۔ حضرت موسی علیہ السلام، مقررہ مدت گذارنے کے بعد، حضرت شعیب علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنی والدہ اور خاندان سے ملنے دوبارہ مصر کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت شعیب نے کچھ زاد سفر بھی ہمراہ کیا۔ بعض روایات کے مطابق ایک خادم ساتھ تھا اور چھوٹا بچہ بھی۔ لیکن اکثر روایات میں آپ کی زوجہ حاملہ تھیں اور ولادت متوقع تھی۔ شام کے علاقے کے لوگ، مسافروں پر ڈاکے ڈالتے تھے، اس لیے آپ نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ آپ طور پہاڑ سے گذر رہے تھے، جو جزیرہ نما سینا، کے جنوبی علاقہ میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ سردیوں کا موسم اور رات کا وقت تھا۔ حالات کے تحت آگ کی گرم رکھنے یا حفاظت کے لیے ضرورت تھی۔ آپ کے پاس موجود چقماق کے پتھر سے اگ نہیں پیدا ہو رہی تھی۔ آگ کی تلاش میں آپ نکلے، تو کوہ طور پر آگ نظر آئی۔ گھر والوں سے کہا، کہ میں وہاں جا کر آگ کا شعلہ لے آتا ہوں اور راستے کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں گا۔ جب آپ آگ کے پاس پہنچے، تو منظر انتہائی حیران کن تھا۔ بڑی آگ ہرے بھرے درخت سے نکل رہی تھی۔ ٹہنیاں اور پتے جل نہیں رہے تھے۔ بلکہ تر و تازہ لگ رہے تھے۔ آپ منظر دیکھ کر آگ یا پتے یا چنگاری کے گرنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ خشک، نرم لکڑی اور گھاس اکٹھی کی، اسے قریب کیا کہ آگ لگ جائے، لیکن جب اسے قریب

کیا، تو آگ دور ہو گئی۔ ادھر آگ میں شعلے بڑے تھے، لیکن جلا دینے والی حرارت یا گرمی نہیں تھی۔ آپ آگ کی طرف بڑھے تو وہ پیچھے ہٹ گئی، اور جب آپ گھبرا کر پیچھے ہٹے تو آگ قریب آگے آگئی۔ اسی حیرت و تعجب کے عالم میں آواز آئی، یہ واقعہ پہاڑ کے دامن میں دائیں جانب تھا۔ جس کا نام طوی تھا۔ مفسرین کی روایات کے مطابق جب حضرت موسی نے یہ آواز سنی، تو آواز ہر طرف سے تھی۔ ہر جانب سے یکساں سنائی دے رہی تھی۔ کوئی سمت متعین نہیں تھی اور آپ کے جسم کا ہر حصہ آواز کو سن رہا تھا۔ صرف کان ہی نہیں تھے۔ آواز کا سرور انتہائی مسحور کن تھا۔ جسے آپ آگ سمجھ رہے، وہ تجلی ربانی تھی۔ آپ اس غیر معمولی کیفیت و حالت سے سمجھ گئے کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ اور آپ کا دل مطمئن ہو گیا۔ اس سرور کے عالم میں آپ نے لبیک کہا اور عرض کی کہ میں آواز سن رہا ہوں۔ (روح المعانی، بحر محیط)۔

ادب:۔

آپ کو نبی کا اعزاز ملنے کی خوش خبری دی گئی۔ ساتھ ہی ادب کے تقاضا کے تحت حکم ہوا کہ جوتے اتار دیں، تا کہ جس مقام میں آپ ہیں وہ مقدس ہے۔ اور اس کا احترام مقصود ہے۔ اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے۔ کہ جوتے اتار دیں، تا کہ جس مقام پر آپ ہیں وہ مقدس ہے اور اس کا احترام مقصود ہے۔ اس کی دوسری تاویل یہ بھی ہے کہ جوتے اتارنے سے مراد دنیا کے مفادات سے مکمل اعراض کرنا ہے اور سراپا تسلیم و رضا بن جانا ہے۔ جو انبیاء کا خاصہ ہے۔ چونکہ جوتے زمین پر لگتے ہیں، اس لیے ان سے گندگی لگنا، قدرتی عمل ہے، اگرچہ چلنے سے رگڑ کی وجہ سے ان کی نچلی سطح صاف ہوتی رہی ہے، کیونکہ رگڑ اور ملنا بھی کسی چیز کو صاف کرنے کا ایک طریقہ ہے، اس لیے اسلامی فقہ میں جوتے کا نچلے حصہ جبکہ اس پر واضح نجاست لگی ہوئی نہ ہو، پاک ہوتا ہے۔ اور جوتا پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ در حقیقت، ایام حیات النبی، میں مسجد کا صحن اور مسجد کا اندر والا حصہ جہاں نماز پڑھی جاتی تھی، عام سطح زمین ہوتی تھی، جو برابر بھی نہ ہوتی اور گیلی و پتھریلی بھی ہو جاتی، اس لیے اکثر صحابہ کرام، جوتوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ مگر آب مساجد میں صاف فرش، اعلی قالین ہیں، اس لیے صفائی کے پیش نظر اور احترام کے سبب جوتے اتارنے ضروری ہیں۔ البتہ سطح زمین پر صاف جوتوں کے ساتھ نماز جائز ہے۔ اس کے ساتھ، مکان و مقام کے ادب کے اہتمام کا بھی اشارہ دیا گیا ہے۔ مثلاً مسجد الحرام، مسجد النبوی، مسجد اقصی، کوہ طور وغیرہ۔

اہتمام عمل:۔

جہاں نبوت سے سرفراز فرمایا، ساتھ ہی اس کے اہتمام کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو وحی کی جائے۔ اس کو غور سے سنا جائے۔ کلام کی اہمیت کی پیش نظر توجہ ضروری ہے۔ اس لیئے قرآن مجید کے پڑھتے وقت یا حدیث نبوی کے مطالعہ پر توجہ رکھنی چاہیے۔ اور کلام کو سمجھنا اور اس پر غور کرنا چاہیے۔ اس لیے معانی کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ صرف سن کر توجہ نہ کرنا، خلاف ادب ہے۔ سننے اور توجہ کرنے سے احکامات کے بارے علم اور پھر عمل ہو گا۔

پہلا اصول تمام انبیاء کے لیے توحید خداوندی ہے کہ وہی ذات عبادت کے لائق ہے۔ حکم دیا کہ میری ہی عبادت کی جائے۔ عبادت، اللہ کی یاد سے منسلک ہے اور پھر یاد کی اعلی صورت نماز ہے۔ مقصود یہ ہے کہ دن ورات میں مختلف اوقات پر اللہ تعالی سے تعلق کو مضبوط کیا جائے اور اس کے ہاں حاضری دی جائے۔ اور یہ صرف اس کی ذات (اللہ) کے لیے ہو۔ اگر کسی وجہ سے غفلت کا آدمی شکار ہو جائے۔ مثلاً نیند، بھوک یا اور مجبوری تو فورا، جو نہی یاد آئے یا مشکل ختم ہو، نماز کو ادا کیا جائے۔ اس لیے نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کا ستون قرار دیا ہے۔ اور بھولنے کی صورت میں یاد آنے پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہی ادا، قضا و کفارہ ہے۔

قیامت کیوں؟

دوسرا اہم عقیدہ آخرت ہے، یعنی وقوع قیامت۔ جس میں انسانوں کے اعمال کا حساب ہو گا۔ اچھے اور برے عمل کے مطابق انعام یا سزا ملے گی۔ عموما انسانی نفسیات کے مطابق اعمال کا بڑا محرک کوئی انعام یا پھر سزا کا خوف ہوتا ہے۔ اور اسکے فیصلہ کا آخری مرحلہ قیامت اور پھر یوم حساب وکتاب ہے۔ اسی وجہ سے اس کی بہت اہمیت ہے۔ قیامت، روز جزا اور فیصلے کی ابتداء یا اس کا اہتمام اور اس پر یقین یا ایمان بہت ضروری ہے۔ تاکہ اعمال صالح کی ترغیب ہو۔ اللہ تعالی نے حکمت کی بناء پر اس کو مخفی رکھا ہے۔ جس میں اہم نکتہ انسان کو جو عقل واختیار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کیا عمل کرتا ہے، کو دیکھنا ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ گھڑی کب آئے گی۔ اس لیے سامنے کچھ نہ ہونے کی وجہ سے آدمی بھول جاتا ہے۔ اور من مانی کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خوف لگا رہے۔ اس ناگہانی وقت کو یاد رکھے تاکہ نیک اعمال سرانجام پائیں۔ قیامت کا مقصود، اعمال کی جزا و سزا ہے۔ بہت سے افراد کو اس دنیا میں ان کے اعمال کی سزا و جزا نہیں ملتی۔ اللہ تعالی کے نظام کے مطابق وہ رخصت پاتے ہیں، اور پھر قیامت کے دن صحیح عدل کے مطابق سزا و جزا نافذ ہو گی۔ قیامت پر ایمان اس قدر اہم ہے کہ اس کو جو لوگ جھٹلاتے ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کرنے کا حکم ہے جس سے اس عقیدہ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

وَمَا تِلۡكَ بِيَمِيۡنِكَ يٰمُوۡسٰى ۝

اور اے موسی: یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

قَالَ هِىَ عَصَاىَ‌ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيۡهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىۡ وَلِىَ فِيۡهَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰى ۝

اس نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لیے اور بھی مقاصد ہیں۔

قَالَ اَلۡقِهَا يٰمُوۡسٰى ۝

فرمایا (اللہ نے) اسے پھینک دے۔

فَاَلۡقٰٮهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسۡعٰى ۝

پھر جب اس نے اسے پھینکا تب وہ دوڑتا ہوا سانپ تھا۔(بن گیا تھا)۔

قَالَ خُذۡهَا وَ لَا تَخَفۡ ٚ سَنُعِيۡدُهَا سِيۡرَتَهَا الۡاُوۡلٰى ﴿۲۱﴾

فرمایا اسے پکڑ لے اور مت ڈر ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔

وَ اضۡمُمۡ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخۡرُجۡ بَيۡضَآءَ مِنۡ غَيۡرِ سُوۡٓءٍ اٰيَةً اُخۡرٰى ﴿۲۲﴾

اور تو اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملا، وہ بغیر کسی مرض کے چمکتا ہوا سفید نکلے گا۔(یہ) دوسری نشانی ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنۡ اٰيٰتِنَا الۡكُبۡرٰى ﴿۲۳﴾

تاکہ ہم تجھے اپنی کچھ بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔

اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾

تو فرعون کی طرف جا: بے شک وہ سرکش ہو گیا۔

آیات مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں معجزات عطا فرمائے۔ آپ کے لیے آگ کی کیفیت، کلام کے سرور اور کلام یا احکام پر توجہ، اللہ کی یاد اور قیامت کی ہولناکی، اس کے علاوہ اعمال پر جزا و سزا، نے ایک ہیبت کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کرم نوازی کے طور پر آپ سے مشفقانہ کلام کرتے ہوئے، آپ کے ہاتھ میں عصا کے بارے میں پوچھا: حالانکہ عصا کا علم اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ کو بھی تھا۔ مقصود لطافت کلام اور پھر عصا کے بارے میں جو آنے والے معجزات تھے، ان کے لیے عصا کا دماغ میں بطور عصا رہنا ضروری تھا۔ حضرت موسیٰ نے موقع کلام کو غنیمت جانتے ہوئے کلام کو طویل کر دیا، کہ یہ عصا (لاٹھی) ہے۔ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس کے علاوہ بھی کئی فوائد ہیں۔ انسان نفسیاتی طور پر جن افراد کو دل سے چاہتا ہے۔ ان سے کلام کی طوالت کا خواہش مند ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے معجزہ دکھانے کے لیے حکم دیا کہ لاٹھی (عصا) کو زمین پر پھینکو۔ جب آپ نے پھینکا۔ تو وہ سانپ بن گیا۔ پہلے لاٹھی کے سائز (موٹائی و لمبائی) کی طرح ہو گا۔ پھر معجزہ میں مزید اضافہ ہوا، کہ وہ اژدھا بن گیا۔ چونکہ حضرت موسیٰ کو لاٹھی کا علم تھا۔ اس لیے آپ اس معجزاتی تبدیلی کی وجہ سے وقتی طور پر خوف و ششدر اور ممکن ہے کہ پیچھے ہٹے ہوں۔ جو کہ ایک انسانی فطرتی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دے کر فرمایا: کہ گھبرائیں نہیں، تاکہ آپ کو معجزہ کا یقین اور اس کے استعمال کے بارے میں عملی تجربہ ہو۔ ساتھ فرمایا کہ اسے پکڑ لیں۔ یہ دوبارہ اپنی پہلی حالت (لاٹھی) میں آ جائے گا۔ اور جب آپ نے پکڑا، تو ایسا ہی ہوا، اس سے نبوت کا مزید یقین ہوا۔ پھر فرمایا کہ ہاتھ کو بغل سے باہر نکالو۔ یہ دوسرا معجزہ دکھانا مطلوب تھا۔ جب آپ نے بغل سے ہاتھ باہر نکالا، تو چمکنے لگا۔ اتنی سفید روشنی تھی کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ ہاتھ جسم کا حصہ ہے اور جسم میں جلد کا رنگ برص کے مرض سے بھی سفید ہونے لگ جاتا ہے۔ اس لیے وضاحت فرمائی کہ کوئی بیماری یا خرابی کی وجہ سے ہاتھ کی جلد میں تبدیلی سفیدی

نہیں، بلکہ یہ چمک یا روشنی ہے، جو اللہ تعالی کی طرف سے رحمت اور معجزہ ہے۔ ساتھ فرمایا کہ تمہیں بڑی نشانیاں دکھاتا ہے۔ جس کا مقصود نبوت کی اہم ذمہ داری کی ادائیگی میں قوت میسر آنا تھا۔

بائبل میں ید بیضا (ہاتھ کا معجزہ) کا ذکر اس طرح ہے کہ ہاتھ جب نکالا تو سفید ہو گیا۔ جس طرح برص کے مرض سے جسم کا رنگ سفید ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ لکھا، کہ فرعون کو برص کا مرض تھا۔ برص کا مرض انتہائی برا سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے فرعون نے اس کو چھپا رکھا تھا۔ (تلمود، تورات)۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ یقین کر لے گا کہ کس طرح انافانا یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے اور ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یہ اسرائیلی روایات، ہمارے بھی تفسیر لٹریچر میں شامل ہو گئی ہیں۔ اس طرح کی تشریح یا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا معیار اعلی ہے، جو اللہ کا کلام ہے۔ دوسری الہامی کتب (تورات، انجیل اور زبور) میں انسانی عمل دخل نظر آتا ہے۔ فرعون نے چونکہ خدائی کا دعوی کر رکھا تھا۔ پھر انسانی معاشرہ میں بنی اسرائیل پر بھی ظلم کو قانونی حیثیت دے رکھی تھی۔ جس کے لیے اس کو ہدایت کو راستہ دکھانا ضروری تھا۔ جس کی ذمہ داری آپ کو دی گئی اور ساتھ معجزات کی قوت عطا کر دی گئی تھی۔ (معجزہ کی سائنسی توجیح کے بارے میں سورت یوسف 86 میں ذکر کیا گیا ہے۔)

قَالَ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ ۙ

اس (موسی علیہ اسلام) نے کہا میرے رب: میرے لیے میرا سینہ کھول دے (علم میں اضافہ فرما)

وَ یَسِّرۡ لِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۙ

اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔

وَ احۡلُلۡ عُقۡدَۃً مِّنۡ لِّسَانِیۡ ۙ

اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔

یَفۡقَہُوۡا قَوۡلِیۡ ۪

تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔

وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَہۡلِیۡ ۙ

میری لیے میرے کنبے سے وزیر بنا دے۔

ہٰرُوۡنَ اَخِی ۙ

یعنی میرے بھائی ہارون کو۔

اشۡدُدۡ بِہٖۤ اَزۡرِیۡ ۙ

اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کر دے۔

وَ اَشۡرِکۡہُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۙ

اور اسے میرے کام (نبوت) میں شریک کردے۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا

تاکہ ہم تیری بکثرت تسبیح کریں۔

وَّنَذْكُرَكَ كَثِيرًا

اور ہم تجھے بکثرت یاد کریں۔

اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا

بے شک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى

(اللہ) نے فرمایا، اے موسیٰ: جو کچھ تو نے مانگا تجھے دے دیا۔

معاون کی اہمیت:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب حکم تبلیغ ہوا، تو آپ نے جو دعا کی وہ انتہائی فصاحت وبلاغت اور مقاصد تبلیغ کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ا۔ سینہ کھولنے سے مراد علم میں اضافہ، دلائل کی اہمیت جو تبلیغ کے لیے اہم ہے۔ ۲۔ کام کا آسان ہونا۔ کسی بھی مقصد کے حصول میں انتہائی اہم ہے۔ مشکل کام بھی آسان لگتا ہے، جب اس کو کرنے کی لگن لگ جاتی ہے۔ پھر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ ۳۔ زبان کی گرہ بھی سمجھنے اور سمجھانے کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ سامع کو اس زبان، اسکی اہلیت کے مطابق مواد دینا زیادہ سود مند ہوتا ہے۔ انداز بیان بہت اہم اور موئثر ثابت ہوتا ہے۔ ۴۔ پھر مقصد بیان فرمایا، کہ وہ میرا مدعا اور مقصد سمجھ لیں۔ یہ کامیابی کا آخری زینہ ہے۔ اس کے ساتھ جب کبھی اہم کام زیر تکمیل ہو، تو معاون اور متبادل کا رول بہت اہم ہوتا ہے۔ اور اگر معاون ایسا شخص ہو جو اس کام کا اہل اور انتہائی اعتماد والا ہو، تو مزید مشن آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے بھی معاون اور اس کے لیے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون کے لیے درخواست کی۔

ان تمام گزارشات کا مقصد بیان فرمایا، کہ میرا ساتھی مجھے قوت دے گا اور اس طرح میں زیادہ شکر و حمد، اور اپنے فرائض میں منہمک ہوں گا۔ تیرے (اللہ کے) ذکر کو بلند کریں گے۔ حضرت ہارون کو فرائض میں ذمہ داری کے لیے شریک نبوت کی بھی گزارش کی۔ یہ دعا انتہائی اہم اور فصاحت وبلاغت کے علاوہ کمیونیکیشن یا رابطہ کی کامیابی کے لیے مینجمنٹ کے اصولوں کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ کا انداز بیان اتنا بلیغ نہ ہو جتنا حضرت ہارون کا تھا یا گفتگو میں وہ روانی وجوش نہ ہو جو ایک اعلیٰ خطیب میں ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اعلیٰ انسانی کردار اور خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ آپ نے بڑے خطاب فرمائے۔

تورات میں اسکے بارے میں مختلف قصے بیان ہیں۔ چونکہ تورات یہود کی مذہبی کتاب ہے۔ اس کے بارے مفسرین نے بھی انہیں واقعات کو درج کر دیا ہے۔ لیکن ان کے الفاظ اور واقع کا قرآن مجید سے تقابل کیا جائے، تو قرآن مجید، کلام الٰہی ثابت ہو

جاتا ہے۔ یہ واقعات بائبل میں تلمود اور خروج میں بیان کیے گئے ہیں۔ جس کے مطابق حضرت موسی نے بچپن میں جب وہ فرعون کے ہاں پل رہے تھے۔ ان کو ایک تھال میں انگارہ اور ایک میں جواہرات دکھائے گئے، تو آپ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈالا، زبان جلی۔ یہ واقعات عقلی اعتبار سے صحیح نہیں لگتے، کہ ایک چھوٹے معصوم لڑکے کو اس طرح کی چیزیں پیش کی جائیں تا کہ وہ اٹھائے۔ بعض علماء نے عقلی اعتبار کو اہمیت نہیں دی اور ان کو درج کر دیا، مگر قرآن مجید کا انداز بہت خوبصورت علمی و عملی ہے اور دعا ایک بہترین نمونہ عمل ہے۔

انداز دعا:۔

جہاں حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے مدد مانگی، اس کے ذکر اور حمد کا اقرار اور اس کو بلند کرنے کا عہد، پھر اس کی نگرانی و قوت کا اقرار کیا۔ کہ خوب دیکھنے والا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انداز محبت میں فرمایا کہ، اے موسی: جو تونے مانگا میں نے تجھے عطا کر دیا ہے۔ کلام کے شرف سے سرفراز فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۝

بے شک (اس سے پہلے بھی) ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا تھا۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۝

جب ہم نے آپ کی ماں کی طرف وحی (الہام) کی تھی جیسی (اب) وحی کی جاتی ہے۔

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ۝

یہ کہ تو اس (موسی) کو صندوق میں ڈال، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے، پھر اسے (دریا) ساحل پر لا ڈالے گا۔ جسے میرا، اور اس کا دشمن اٹھائے گا اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈال دی۔ اور یہ (اس لیے) کہ میری آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کی جائے۔

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ۝

جب تیری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کیا میں اس کا بتاوں جو اس (بچے) کی پرورش کرے؟ پھر ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس لوٹا دیا، تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کیا، تو ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہاری کئی طرح آزمائش کی۔ پھر تو اہل مدین میں کئی سال ٹھہرا رہا۔ پھر اے موسی: تو مقرر کردہ وقت کے مطابق (یہاں) آیا۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝

اور میں نے آپ کو خاص اپنے لیے چن لیا۔

نبوت کی ذمہ داری کے بعد اللہ تعالی نے اپنے احسانات کا ذکر کیا، جو حضرت موسی علیہ اسلام پر بچپن سے کیے گئے۔ سارے بنی اسرائیل ایک آزمائش وعذاب میں مبتلا تھے۔ روایات کے مطابق، فرعون اور قبطیوں کو اندیشہ تھا کہ بنی اسرائیل سے کوئی نبی آئے گا اور ان کی حکومت کو ختم کر دے گا۔ اس نظریہ کے تحت انہوں نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں خیال آیا کہ اگر مرد نہیں ہوں گے، تو خدمت کون کرے گا۔ فرعون کا نظام طبقاتی اور انسانی تفریق پر مبنی تھا، جو اللہ تعالی کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔ فرعون نے ایک سال لڑکوں کو مارنے اور ایک سال زندہ رہنے کا حکم دیا۔

الہام اور وحی:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر واپسی مصر تک زندگی مختلف مشکلات اور امتحانات سے گزری۔ جس کا ذکر اللہ تعالی نے آیت میں فرمایا۔ حضرت موسی کی والدہ کو الہام ہوا۔ قرآن مجید میں لفظ وحی مختلف مفہوموں میں استعمال ہوا ہے۔ جانوروں کے لیے بھی (شہد کی مکھی سورت النحل)۔ پھر حضرت مریم کا واقعہ، حضرت موسی کی والدہ کا واقعہ، بعض اوقات اللہ تعالی کسی فرد کے دماغ میں کوئی بات یا خیال القاء کر دیتے ہیں۔ اس کی صورت، خواب یا خود انسانی ارادہ بن جاتا ہے۔ اور اس پر عمل سے کامیابی ہوتی ہے۔ روایات کے مطابق حضرت موسی کی والدہ نے خواب دیکھا، کہ وہ حضرت موسی کو دریا میں ڈال رہی ہیں۔ اور وہ صحیح سلامت کنارے پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرت موسی کے قتل کے خوف سے انہوں نے یہی کیا۔ حضرت موسی کو صندوق میں ڈال کر دریا میں ڈال دیا۔ لہریں اس کو بہا کر لے گئیں۔ فرعون کے محل کے پاس یہ صندوق کنارے سے جا ٹکرایا اور رک گیا۔ فرعون کی بیوی، کی خادموں نے اسے پکڑا اور فرعون کی بیوی کے پاس لے گئیں۔ جب اس نے صندوق کھولا، تو چاند سا بچہ اس میں تھا۔ وہ اس پر فریفتہ ہو گئی اور فیصلہ کیا کہ اسے رکھے گی۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے حضرت موسی کی حفاظت کا اہتمام تھا۔ ادھر ان کی والدہ ان کی یاد میں پریشان تھیں۔ ان کی بہن کو صندوق کا سفر، جاننے کے لیے بھیجا۔ اس نے دیکھا کہ صندوق فرعون کے محل کے کنارے سے جا کر ٹکرایا اور رک گیا۔ وہاں موجود خادموں نے اسے اٹھالیا۔ جس سے حضرت موسی کی فرعون کے محل میں پہنچنے کی اطلاع ہو گئی۔ اس دوران فرعون کی بیوی نے حضرت موسی کی غذا کے لیے عورتوں کی تلاش شروع کر دی۔ کیونکہ حضرت موسی کسی کا بھی دودھ نہیں پی رہے تھے۔ آپ کی بہن نے تلاش کرنے والی عورتوں سے کہا، کہ وہ ایک خاتون کو جانتی ہیں، جس کی نومولود اولاد ہے۔ وہ اسے کہے گی کہ دودھ پلا دے۔ اس طرح اسے اجرت اور بچے کو دودھ مل جائے گا۔ جب آپ کی والدہ محل میں گئیں اور دودھ دیا، جسے حضرت موسی نے پی لیا اور خوب سیر ہو گئے۔ فرعون کی بیوی نے ان کو رہائش کے لیے کہا۔ جس کا انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ اگر وہ بچہ اس کے حوالے کریں گی تو وہ بالکل اچھی طرح، خیال کرے گی۔ اس کی یقین دہانی پر فرعون کی اہلیہ نے بچہ (حضرت موسی) کو انکے سپرد کر دیا۔ اس طرح حضرت موسی اپنی والدہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور ابتداء کے سال (ایام رضاعت) والدہ کے ساتھ گزارے۔ ان کی والدہ کو بھی تسکین رہی اور ان کی پرورش بھی اچھی رہی۔ اسی امتحان اور احسان کا ذکر آیت

مبارک میں ہے۔ حضرت موسی کی پرورش محل میں ہوتی رہی۔ حتی کہ آپ بڑے ہو گئے۔ مظلوموں کے ساتھ ہمیشہ آپ کی محبت اور طرف داری رہی۔ انصاف کے علم بردار رہے، جسمانی قوت کے ساتھ علم اور سمجھ بھی تھی۔ پھر آزمائش آگئی۔ ایک قبطی ایک اسرائیلی پر ظلم کر رہا تھا۔ آپ نے منع کیا اور وہ نہ رکا۔ آپ نے ایک گھونسہ مارا۔ مقصد صرف اس کو ڈرانا اور ظلم سے روکنا تھا۔ لیکن وہ تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔ آپ نے اس فعل کو برا محسوس کیا، اگرچہ غیر ارادی تھا اور اسے برا عمل قرار دیا۔ اس وقت صرف اسرائیلی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی خبر فرعون کو ہوئی اور قبطی کے قاتل کی تلاش شروع ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اس کا احساس اور خوف بھی تھا۔ پھر ایک دن وہی اسرائیلی ایک اور قبطی سے جھگڑنا شروع ہوا اور حضرت موسی کی مدد طلب کی۔ حضرت موسی اسے غصے ہوئے کہ وہ کیوں جھگڑتا ہے۔ اس نے کہا: کہ اس دن تم نے ایک قبطی کو گھونسا مار کر اسے مار دیا اور آج مجھے مارنا چاہتے ہو۔ یہ خبر قبطی نے فرعون کو پہنچا دی۔ فرعون حضرت موسی سے محبت نہیں کرتا تھا۔ وہ محض اپنی بیوی کی خوشی کے لیے ان کو محل میں رکھ رہا تھا۔ اسی طرح آپ (حضرت موسی) نے بچپن میں فرعون کی داڑھی کو نوچا، تو اس نے قتل کرنا چاہا، جس کو بڑی عقل مندی سے اسکی بیوی نے ٹالا۔ اس کے بارے میں بائیبل اور اسرائیلی روایات ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاق سے لوگ متاثر تھے۔ ان میں سے ایک قبطی کو پتا چلا، کہ فرعون آپ کو قبطی کے جرم میں سزا کے طور پر قتل کرنا چاہتا ہے، تو اس نے بھاگ کر حضرت موسی کو اطلاع دی۔ آپ کو اس کا پہلے ہی اندیشہ تھا۔ یہ ایک اور امتحان شروع ہوا۔ ناز و نعم میں پلنے والا جوان، اپنی جان کے خوف سے تن تنہا شہر سے نکلا، جس کو نہ اپنی منزل کا علم تھا، نہ ہی اسباب پاس تھے اور نہ ہی راہ نمائی تھی۔ مشقت بھرا سفر کر کے آپ مدین کے پاس پہنچے۔ جہاں کچھ لڑکے اور لڑکیاں اپنے ریوڑوں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپ نے پھر، انصاف پسندی، کمزوروں کی مدد کی عادت کے تحت، ان لڑکیوں کو ان کے ریوڑ کو پانی پلانے میں مدد کی اور درخت کے نیچے آرام کر کے، اللہ سے مدد اور معافی مانگنے لگے۔ یہ ایک اور انعام تھا کہ وہ لڑکیاں، حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں اور ان میں سے ایک آپ کو بلانے کے لیے آئی۔ اس طرح آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور اس آزمائش میں، اللہ تعالی نے آپ کو محفوظ رکھا۔ مدین میں لمبی مدت تقریباً دس سال گزارے۔ رشتہ ازواج میں منسلک ہونے کے چند سال بعد وہاں سے آپ دوبارہ والدہ اور بھائیوں کی ملاقات کے لیے مصر کا سفر اختیار کیا۔ جس کے دوران نبوت عطا ہوئی۔ روایات کے مطابق اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ یہ مدین سے مصر کا سفر اور راستے میں پہاڑ پر قیام، آگ کی تلاش اور کلام الٰہی کا شرف، نبوت کی ذمہ داری، سب اللہ تعالی کے نظام (تقدیر) کا حصہ تھی جس کا ذکر آیت میں ہے۔

اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰيٰتِىۡ وَلَا تَنِيَا فِىۡ ذِكۡرِىۡ‌ۚ

تو اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاو۔ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى‌ۖ‌ۚ

تم دونوں فرعون کی طرف جاو۔ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

تم دونوں اس سے نرم بات کہنا: شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝

ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب" بے شک ہم تو ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی کرے۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝

اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

نرم گفتگو اور تبلیغ:۔

انعام واکرام کے ساتھ نبوت کی ذمہ داری پوری کرنے کا حکم ہوا۔ جو معجزات عطا ہوئے۔ عصا اور ید بیضا کی اہمیت بہت تھی۔ گویا وہ کئی معجزوں کے برابر تھے۔ حکم دیا کہ میری یاد اور فکر خوب کرو۔ یہ حکم ہر طرح سے ہے کہ ہر وقت اللہ کی یاد ہو۔ بالخصوص تبلیغ اور دعوت حق کے وقت یاد ہو۔ معجزات کی قوت، ایک سائنس یا ٹیکنالوجی کی معمولی مثال کی طرح ہے۔ آج ٹیکنالوجی والی قوم زیادہ طاقتور ہے۔ اللہ کی یاد ایک روحانی یا نفسیاتی اور اعصابی قوت ہے، جو مقابلہ کے وقت بڑی اہم ہوتی ہے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا: کہ بات کا آغاز نرم طریقہ سے کیا جائے۔ نبوت کے اعزاز، معجزہ کی قوت اور اللہ کے یقین کی وجہ سے شدت پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیشہ نرم گفتگو زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور شدت کی گفتگو ایک ضد اور جھگڑے کا ماحول پیدا کر دیتی ہے۔ قرآن مجید کے یہ واقعات تمام انسانوں کی راہ نمائی کے لیے ہیں۔

فرعون چونکہ انتہائی گمراہ ہو چکا تھا۔ نہ صرف حکومت کی طاقت کا غرور تھا۔ بلکہ اس طاقت کے سبب، اپنے آپ کو خدا کے درجے تک منوا رہا تھا۔ اس لیے اس کو اللہ کے حکم یا اس کی طاقت کے بارے میں آگاہ کرنا اور ظلم سے روکنا مقصد تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عمومی انسانی خوف کا ذکر کیا۔ جس کی بنیاد آپ کا پرانا واقعہ، فرعون کی موجودہ طاقت تھی۔ ساتھ یہ بھی خدشہ تھا کہ وہ اپنی طاقت اور غرور کی وجہ سے سرکشی پر نہ اتر آئے۔ یہ صرف ان امکانات کا اظہار تھا، جو سامنے نظر آ رہے تھے۔ اللہ تعالی نے مزید اپنے فضل اور محبت کا اظہار فرمایا کہ تم دونوں تنہا نہیں ہو، بلکہ میرا فضل و کرم تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے ہر عمل کو جانتا ہوں۔ لہذا کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ یہ پیغام اور اعزاز ان انسانوں کے لیے بھی ہے، جو اللہ کی راہ میں اللہ کے احکام کو صحیح طریقہ، نرمی محبت، اخلاص بغیر کسی ذاتی منفعت یا تشدد کے لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ اگر تبلیغ میں فرعون جیسے خدائی دعوے دار کے ساتھ نرمی کا حکم ہے۔ تو عام انسانوں کے ساتھ اور زیادہ حکمت و نرمی ضروری ہے۔ جسے عام طور پر شیطان، انسان کو جذبہ محبت یا جوش کے دھوکہ میں گرفتار کر کے ثواب سے محروم کر دیتا ہے۔

عہد نامہ قدیم و جدید (بائبل) نے اس واقعہ کو اس طرح لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالی اور موسی علیہ اسلام کے درمیان سات دن تک اسی بات پر ردو کد ہوتی رہی۔ اللہ کہتا رہا کہ: نبی بن، مگر موسی کہتے رہے کہ میری زبان ہی نہیں کھلتی، تو میں کیسے نبی بن جاوں۔

آخر اللہ نے کہا: میری خوشی یہ ہے کہ تو ہی نبی بن۔ اس پر موسیٰ نے کہا کہ لوط کو بچانے کے لیے آپ نے فرشتے بھیجے۔ ہاجرہ جب سارہ کے گھر سے نکلی تو اس کے لیے پانچ فرشتے بھیجے اور اب اپنے خاص بچوں (بنی اسرائیل) کو مصر سے نکلوانے کے لیے آپ مجھے بھیج رہے ہیں۔ اس پر خدا، ناراض ہو گیا اور اس نے رسالت میں اس کے ساتھ ہارون کو شریک کر دیا اور موسیٰ کی اولاد کو محروم کر کے، کہانت کا منصب ہارون علیہ السلام کو دے دیا۔ (تلمود)۔

اس عبارت سے واضح پتہ چلتا ہے کہ ان قدیم کتب سماوی میں انسانی عمل دخل رہا ہے۔ اس کے مقابل قرآن مجید اسی حالت میں ہے جو وقت نزول تھی۔ کیوں کہ ساتھ ساتھ تحریر ہوتا رہا۔ اور ہر سال ماہ رمضان المبارک میں نازل شدہ دہرایا جاتا تھا۔

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَ لَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَ السَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝

تم دونوں ان کے پاس جاو اور کہو: بے شک ہم تیرے رب کے رسول ہیں، چنانچہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں عذاب نہ دے، بے شک ہم ترے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں۔ اور جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلامتی ہے۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۝

بلاشبہ ہماری طرف وحی کی گئی کہ یقیناً اس پر عذاب ہے، جو (حق کی) تکذیب کرے اور پھر جائے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝

اس (فرعون) نے کہا: اے موسیٰ: تم دونوں کا رب کون ہے؟

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شی کو اس کی شکل و صورت دی پھر ہدایت دی۔

جو احکام یا تعلیمات فرعون کو دینی تھیں، ان کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے تو پیغام یا تعلیمات کی اہمیت کے پیش نظر، احکام و تعلیم پہنچانے والے کی اہمیت بھی ضروری ہے۔ اسکے لیے اسے بتانا تھا، کہ ہم اللہ کی طرف سے رسول ہیں اور اس کا پیغام تجھے دے رہے ہیں۔ لہذا یہ پیغام ہمارا نہیں، بلکہ اللہ یا خالق کائنات کا ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل جو قبطی معاشرہ میں ظلم و استحصال کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ اقلیت یا دوسری نسل کے لوگ ہیں۔ ان کو ظلم و ستم سے نجاعت اور اس وطن کو چھوڑ کر کہیں جانے کی اجازت دو۔ جو بھی شخص یا حکمران، اللہ کے احکامات پر عمل کرے گا، وہ سلامتی پائے گا۔ یعنی دنیا و آخرت میں رسوائی و عذاب سے بچ جائے گا۔ ہمارا دعوی نبوت کا صرف دعوی ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے نشانیاں اور دلائل بھی ہیں۔ مثلاً، ید بیضا اور عصا کا اژدھا بننا۔ لہذا جو ہم احکام بتا رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہم پر پیغام آیا ہے۔ اور جو اس کو جھٹلائے گا وہ سزا پائے گا۔

خدا کی عظمت:۔

فرعون کے لیے یہ بات نئی تھی اور مشکل بھی، جو اس کے اقتدار کے لیے ایک خطرہ تھا۔ لیکن اس نے فوراً سزا دینے کے بجائے، کہ لوگوں میں اس کے خلاف کوئی مخالفت پیدا نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مزید ان کے مذہب یا دعویٰ کے بارے میں پوچھا، کہ جس خدا کا تم پیغام دے رہے ہو۔ وہ کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بڑا علمی تھا۔ چونکہ یہ سارا ماجرا فرعون کے دربار میں چل رہا تھا، آپ نے فرمایا: میرا خدا، یا رب وہ ہے، جس نے تمام کائنات میں اشیاء کو بڑے اکمل طریقہ سے بنایا، ان کا وجود نہیں تھا۔ ان کو وجود دیا اور شکل وصورت پیدا ہوئی، پھر اس وجود یا شکل وصورت کو مکمل یا اس کی زندگی یا اس کی موت کا سامان یا نظام مہیا کیا۔ جس کو لفظ ھدیٰ، ہدایت سے ظاہر کیا، کہ ہر چیز نہ صرف بہترین اپنی شکل وصورت میں ہے۔ جو اس کی ذات یا اس کے عمل، اس کے وجود کے لیے مناسب ترین ہے۔ اس کا اطلاق بڑے اجرام فلکی مثلاً سورج، زمین، چاند وستاروں سے لے کر زمین پر تمام جاندار درخت پرندوں اور جانوروں پر ہوتا ہے۔ پھر ان کو پیدا ہونے کے بعد وجود کو قائم رکھنے اور زندگی کے سفر کو رواں دواں رکھنے کا سارا بندوبست کیا ہے۔ اس میں انسان کے علاوہ سارے حیوانات بھی ہیں۔ سب کا ابتداء سے لے کر انتہا تک انتظام ہے۔ انسانوں میں وہ سارے انسان جو اس وقت مصر یا کسی زمین کے دوسرے حصوں پر موجود ہیں۔ ہمارا رب، اتنی عظیم طاقت وقدرت والا ہے۔ کسی اور کا دعویٰ ربوبیت، جھوٹ اور غلط ہے۔ تم بھی اسی کا حکم مانو۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝

اس (فرعون) نے کہا، اگلی امتوں کا کیا حال ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝

اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا، ان کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔ میرا (رب) نہ ہی بھٹکتا ہے نہ ہی بھولتا ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝

وہ ذات جس نے تمہارے زمین کو بچھونا بنایا اور تمہارے چلنے کے لیے اس میں راستے بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعے سے کئی اقسام کی مختلف نباتات نکالیں۔

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝

تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

ہم نے تمہیں اسی (زمین سے) سے پیدا کیا اور اس میں تمہیں لوٹائیں گے۔ اور اسی میں تمہیں ایک بار پھر نکالیں گے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝

اور بلاشبہ ہم نے اس (فرعون) کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔

اللہ کی عظمت و قوت کے دلائل کے بعد فرعون کا اس کے پاس کوئی صحیح جواب نہیں تھا، اس لیے اس نے موضوع کو دوسری طرف موڑا، تاکہ لوگوں کی ہمدردی حاصل کرے۔ اس نے کہا، اگر میرا یا ہمارا مذہب غلط ہے، تو یہی ہم سے پہلے لوگوں کا تھا اور اگر یہ سارا غلط ہے، تو ان کو کیا سزا ہو گی، جو ہم سے پہلے اس مذہب پر تھے۔ اس کا مقصد تھا، کہ اس طرح لوگ اس کے ساتھ رہیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے اباواجداد کی عزت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ گمراہی پر تھے کہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ اس لیے فرعون نے انکے جذبہ یا قبائلی عصبیت یا خاندانی الفت کو ابھارنے کی کوشش کر کے لوگوں کی ہمدردی اور موافقت کو ابھارا۔ اس کا جواب حضرت موسی نے نہایت عقلمندی سے دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ، وہی حکم سناتے اور الزامات و تنقید کرتے، جو کہ صحیح بھی تھی، لیکن مصلحت کے تحت آپ نے موضوع کو سنا اور نظر انداز کر دیا، کہ ان کا معاملہ میرے ساتھ یا میرے فیصلے پر نہیں، بلکہ اللہ کے ساتھ ہے۔ جو علیم ہے۔ جس کے پاس تمام انسانوں کے مذہب، زندگی، اعمال کا ریکارڈ موجود ہے، اور یہ اس قدر صحیح ہے کہ نہ اس میں کوئی بھول، نہ ہی کسی چوک کو دخل ہے۔ لہذا وہ خود اس کا فیصلہ فرمائے گا۔ اس وقت اہم موضوع موجودہ حالات ہیں۔ آپ نے فرعون کو غلط ثابت کرنے اور لوگوں (درباریوں) کو اللہ کی عظمت بتانے کی خاطر مزید دلائل دیے۔ مصر کا وہ علاقہ جو دریا کے ساتھ تھا۔ زراعت کے لیے بہت زرخیز تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے، جس نے زمین کو پیدا کیا۔ پھر اس کو پھیلایا۔ اس پر دریا اور پہاڑ اور جنگل پیدا کیے۔ راستے بنائے۔ آسمان سے بارش نازل کر کے زراعت اور پودوں۔ پھلوں، فصلوں کی نشوونما کا بندوبست کیا، جس سے انسان اور حیوان اپنی زندگی کی بقا حاصل کرتے ہیں۔ مویشیوں اور کھیتوں سے ہم اپنی زندگی کی غذا اور آرام حاصل کرتے ہیں۔ اگر ہم ان تمام امور پر غور کریں، تو میرے اللہ کی قدرت اور طاقت واضح ہے۔ پھر یہ انسان اور حیوان اپنی زندگی پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ پھر ان کو زندہ کرے گا۔ تاکہ ان کا حساب و کتاب ہو۔

یہ دلائل دینے کے باوجود بھی فرعون اپنی ضد اور اکڑ پر مخالفت کرتا رہا۔ اور اس نے جب دلائل میں ناکامی دیکھی تو دوسرا بہانہ استعمال کیا جو اسکی سلطنت کو محفوظ رکھ رہا تھا۔ اس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝

(فرعون) کہنے لگا اے موسی: تو ہمارے پاس اسی لیے آیا ہے کہ اپنے جادو سے ہمیں ہماری زمین (وطن) سے نکال دے۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝

چنانچہ ہم تیرے پاس (مقابلہ میں) اس جیسا ہی جادو لائیں گے۔ لہذا تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھہرا لو، نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تو کرے۔ ایک کھلے میدان میں (مقابلہ کے لیے)۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝

اس (موسی علیہ السلام) نے کہا: تمہارے ساتھ وعدہ جشن (زینت) کا دن ہے۔ اور یہ کہ لوگ دن چڑھے اکٹھے کیے جائیں۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى۝

چنانچہ فرعون (محل میں) واپس چلا گیا اور اپنی ساری چالیس (ہتھکنڈے) جمع کیں، پھر (میدان میں) آ گیا۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى۝

موسی نے ان سے کہا: تمہارے لیے ہلاکت ہو: تم اللہ پر جھوٹ نہ گھڑو، ورنہ وہ عذاب سے تمہیں تباہ کر دے گا۔ اور جس نے جھوٹ گھڑا یقیناوہ ناکام رہا۔

فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى۝

پھر انہوں نے آپس میں اپنے معاملہ میں باہم اختلاف کیا اور سرگوشیاں کرنے لگے۔

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۝

وہ بولے، وہ بلاشبہ دونوں جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری سرزمین (وطن) سے نکال دیں، اور تمہارے عمدہ نظام لے جائیں (تباہ برباد کر دیں)۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى۝

لہٰذا اپنی تدبیریں اکٹھی کر لو پھر صف باندھ کر آو۔ پھر جو آج غالب ہو گا، وہی کامیاب رہے گا۔

علمی دلائل کی ناکامی، پھر پرانے افراد کے مذہب کے بارے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بہت صحیح تھا۔ فرعون نے ایک اور سیاسی اور معاشی چال چلی کہ تم دونوں بھائی ہمارے ملک پر، ہماری معیشت و دولت پر جادو کے ذریعے قبضہ کرنا چاہتے ہو اور عبادت خدا کا بہانہ کرتے ہو۔ ہمارا مذہب صحیح ہے۔ اس لیے ہم تمہیں ناکام بنانے کے لیے تمہارے جادو کا مقابلہ تمہارے جادو سے کریں گے۔ فرعون نے درباریوں کو یہ بتایا کہ لاٹھی کا سانپ بن جاتا اور ہاتھ کا چمکنا، یہ سارا جادو سے ہے۔ اور مقصد ہم پر حکومت کرنا ہے۔ لہٰذا ہم بھی اسی طرح کا جادو کریں گے، اور جادوگروں کا انکار کریں گے۔ فرعون کو چونکہ آب تک معجزے کے سامنے ناکامی تھی۔ دلائل میں بھی ناکامی رہی، اس لیے عام پبلک کے سامنے مقابلہ کا اعلان کیا، کہ ہمارے جادوگر تمہارے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ اس نے اپنے کارندے ہر طرف بھیج دیے اور جو بھی جادوگر موجود تھا، ان کو بلا کر اکٹھا کیا گیا، تاکہ مقابلہ کریں۔ انہی دونوں میں ایک تہوار آنے والا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام بھی اپنی تبلیغ کے لیے ایک بڑا اجتماع چاہتے تھے کہ اللہ کا نام لوگوں کو بتا سکیں، اس طرح انہوں نے اس تہوار کے دن کو مناسب ترین سمجھا، کہ سارے لوگ تہوار منانے کے لیے اکٹھے ہوں گے۔ اور اسی موقع پر مقابلہ ہو گا۔ فرعون اپنے خیال میں خوش تھا کہ اس کی کامیابی سب کے سامنے ہو گی۔ تہوار کا دن مقابلہ کے متعین ہو گیا۔ وہ دن آ گیا۔ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ دونوں گروپ اپنی اپنی کامیابی کے لیے پر امید تھے اور دونوں کے لیے یہ دن ان کی ناکامی یا کامیابی کا ذریعہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ حق پر تھے، اس لیے مقابلہ سے پہلے لوگوں اور بلخصوص جادوگروں کو خطاب کیا۔ اللہ کی توحید بیان کی۔ اللہ کے علاوہ، دوسروں کو قابل عبادت جاننے کے گناہ اور پھر اس کے عذاب سے آگاہ کیا۔ آپ کے خطاب میں اخلاص اور اثر تھا۔ جس کی وجہ سے جادوگر، آپس میں سرگوشیاں کرنے لگ گئے۔ کچھ آپ کی تقریر سے متاثر ہوئے اور ان کا خیال تھا کہ آپ سچے نبی ہیں اور جادوگر نہیں۔ دوسرے اپنی ضد پر قائم تھے۔ اس حالت میں فرعون نے دوبارہ وہی دلیل استعمال کی کہ اس کی تقریر کی پرواہ نہ کرو، ان کا مقصد ہم پر غلبہ کرنا ہے، اور ہمارے اعلی معاشی نظام اور دولت، جو ملک میں ہے، اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ آپ قبطی نہیں تھے۔ اس لیے اس بات کو بھڑکایا گیا، کہ آپ (حضرت موسی، حضرت ہارون) غلبہ اور حکومت چاہتے ہیں۔ لہذا ان کا مقابلہ اور ان کو ناکام کرنا ضروری ہے۔ اس لیے پورے منظم، اکٹھے اور ڈٹ کر مقابلہ کرو تاکہ کامیابی ہماری ہو۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى۝

انہوں (جادوگروں) نے کہا موسی کیا تم پہلے ڈالو گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۝

اس (حضرت موسیٰ) نے کہا تم پہلے ڈالو، پھر اچانک موسیٰ کو خیال ہوا کہ جادو سے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى۝

پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل میں خوف پایا۔

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۝

ہم نے کہا: خوف نہ کر بے شک تو ہی غالب رہے گا۔

وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى۝

اور جو (لاٹھی) تیرے دائیں ہاتھ میں ہے، اسے ڈال دے۔ وہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اسے نگل جائے گی۔ بس انہوں نے تو جادو کا فریب بنایا ہے اور جادوگر جہاں سے بھی آئے کامیاب نہیں ہوتا۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۝

چنانچہ جادوگر سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے: ہم ہارون اور موسی کے رب پر ایمان لائے

آیات مبارکہ میں مقابلہ کا منظر بتایا جا رہا ہے۔ از راہ اخلاق (اپنی برتری کے یقین کے ساتھ) جادوگروں نے حضرت موسی سے کہا: کیا وہ پہلے اپنا عمل شروع کرنا چاہتے ہیں، تو کریں، ورنہ وہ کریں گے۔ حضرت موسی نے اپنی طرف سے رواداری کا مظاہرہ کیا، اور کہا کہ وہ پہلے شروع کریں۔ اسطرح ایک اور حکمت بھی تھی کہ مخالف اپنے سارے داو استعمال کرے گا۔ اس کا جواب اس طرح دیا جائے، جو اس کے پاس نہ ہو۔

جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں جو کہ ان کے پاس تھیں، زمین پر پھینک دیں۔ چونکہ حضرت موسی دربار میں لاٹھی کو ایک سانپ (اژدہا) بنا چکے تھے، اسی لیے انہوں نے یہ عمل کیا۔ جادوگروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بہر حال ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، کیونکہ تمام علاقوں سے اکٹھے کیے گئے تھے۔ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں حاضرین کو ان کے سامنے جادو کے اثر سے حرکت کرتے ہوئے سانپ لگ رہے تھے۔ تمام جادوگروں کی توجہ رسیوں اور لاٹھیوں پر تھی جو حرکت کرتی نظر آرہی تھیں۔ سارے لوگ ان کی حرکت سے حیران اور خوف زدہ بھی نظر آرہے تھے۔ اس منظر سے حضرت کے موسیٰ کے دل میں بھی مقابل کا خوف محسوس ہوا۔ یہ بھی ایک فطری عمل ہے، جو رد عمل کے طور پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ نبوت یا عصمت کے منافی نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ جادو اور معجزہ کا فرق لوگوں کو محسوس ہو اور معجزہ ہونے کا یقین ہو۔ فوراً اللہ تعالی نے تسلی دلائی اور حکم دیا کہ اب وہ اپنا عصا کا معجزہ استعمال کریں اور میدان میں ڈال دیں۔ جب آپ نے اپنا عصا ڈالا تو وہ ان چھوٹے سانپوں کے مقابلے میں اژدہا بن گیا اور ان کو نگلنا شروع کر دیا۔

جب جادوگروں نے دیکھا، کہ ان کی چھڑیوں اور رسیوں کو اژدھا نگل رہا ہے اور ان کا وجود ختم ہو رہا ہے، تو وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کسی قوت کے اثر سے اس عصا کا وجود قائم ہو گیا ہے۔ اور ہماری رسیوں یا سانپوں کو ختم کر رہا ہے۔ انہیں اپنے تجربہ اور علم کی بنا پر اللہ کے وجود کا، اس معجزہ اور عصا کی قوت سے یقین ہو گیا اور وہ فوراً خود بخود ایمان لے آئے۔ حضرت موسی کی تقریر کا کچھ اثر، تو پہلے بھی تھا اور معجزہ نے مزید یقین پیدا کر دیا۔ انہوں نے حضرت موسی کے نبی اور اللہ کی وحدانیت کا اعلان کر دیا۔ اور حضرت موسی علیہ السلام کے لیے فرعون کی بیوی کے دل میں، اللہ نے محبت ڈال دی تھی۔ جسکی وجہ سے اس نے آپ کی پرورش کی تھی اور آپ کے ساتھ اس کا الفت کا رشتہ قائم رہا۔ آپ کی واپسی اور فرعون کو دعوت اسلام کا بھی اسے پتہ چلا۔ مقابلہ کا بھی اسے علم تھا۔ اللہ تعالی نے اس کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ جب اسے پتہ چلا کہ فرعون ناکام ہو گیا ہے اور سارے جادوگروں نے حضرت موسی کی دعوت توحید قبول کر لی ہے تو اس نے بھی اسلام کا اعلان کر دیا۔ جب فرعون کو اس کا پتہ چلا تو اس نے اسے پتھر کے نیچے مارنے کا حکم دیا۔ وہ اس طرح قبول اسلام کے بعد مر گئی۔ روایات کے مطابق اسکی زندگی، اس پر پتھر گرنے سے پہلے ختم ہو گئی تھی۔

جادوگروں کے اعلان سے فرعون اور اس کے ساتھیوں اور درباریوں کے مفاد اور دعوی کو سخت دھچکا لگا۔ شدید ناکامی ہوئی اور جو کامیابی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ سب چکنا چور ہو گئے۔ فرعون نے ناکامی کو چھپانے کے لیے ایک اور چال چلی جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

جادو:۔

جادو کے ذریعہ، دماغ یا آنکھوں کی صلاحیت پر شدید اثر ڈالا جاتا ہے۔ اور سامنے والا فرد بالآخر وہ یقین کر لیتا ہے، جو جادوگر کہہ رہا ہوتا ہے۔ فرد کے علاوہ مجمع پر بھی یہی کیفیت طاری کی جا سکتی ہے۔ افراد پر اس کے تجربات مسمریزم کے ذریعے کیے

جا چکے ہیں، اور مجمع پر اس کے اثرات بھی ثابت ہو چکے ہیں۔ لیکن ایک حقیقت یہ ہے کہ چیز کی اصلی حالت یا ماہیت نہیں بدلتی، صرف موجود آدمی کی اسکے بارے سوچ یا یقین بدل جاتا ہے۔ اس لیے جادو کا اثر صرف وقتی ہوتا ہے۔ یہ جادو، وہ ہے جو نظری امور کے مشاہدے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے بھی "یخیل" خیال کرنا کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جادو کے بارے احادیث میں آیا ہے اور سزا کی حکمت یہ ہے کہ اس کا مقصد معاشرہ اور افراد میں فساد ہے، خواہ وہ کسی کی گھریلو زندگی ہو یا معاشی تباہی اور بیماری کی صورت ہو۔ یہ فتنہ کا سبب ہوتا اور اس کے استعمال میں جو خالصتاً مذہبی و اعتقادی طریقہ سے خیانت کے ذریعے اشکال یا الفاظ کے ذریعہ، مدد طلب کی جاتی ہے اور بعض اوقات کفریہ کلمات کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اس لیے جادو کا عمل کفر کے مترادف، گناہ ہے۔ اگرچہ سیکھنا اجازت ہے لیکن مکروہ ہے۔ اس قسم کے جادوگر کی سزا موت ہے۔ دوسری طرف جادو کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بجائے اور ذرائع پر یقین کر کے شرک کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے۔ جادو کا ایک اور عمل یا طریقہ کی سزا مذہبی یا اعتقادی طریقہ سے نہیں، بلکہ نفسیاتی طریقہ سے لوگوں کو متاثر کیا جاتا ہے۔ اور اس کا مقصد لوگوں کی تفریح ہے۔ اس سزا کی موت، نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس طریقہ میں ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا جاتا ہے اور لوگوں کو کچھ دیر تک ایک مفروضے پر یقین کی حد تک لے جایا جاتا ہے۔ یہ طریقے عصر نبوی و خلفاء راشدہ میں نہیں تھے، اس لیے اس کی سزا علیحدہ مذکور نہیں۔ اس کے بارے اجماع کی صورت میں فیصلہ کے لیے، ان علماء فقہ، جن کو ہپناٹزم کے بارے معلومات ہوں اور طریقہ استعمال کا بھی علم ہو، وہ مل کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ طریقہ کسی فرد کو تباہ کرنے یا نقصان دینے کے لیے نہیں، بلکہ ایک تفریحی عمل ہے اور اس کا تعلق مذہب سے نہیں یا خیانت سے مدد بھی نہیں لی جاتی۔ اس کا معاملہ، طریقہ عمل و نتائج کی بنیاد پر مختلف ہوگا۔ جادو کے بارے سورہ بقرہ آیت 102 میں تحریر کیا گیا ہے، فرعون کے جادوگروں کا ذکر سورہ اعراف میں بھی آیا ہے آیت نمبر (122)۔

ہمارے پرانے علماء علوم شرعیہ کے علاوہ اس وقت کے سائنسی علوم، کیمیا، طب، ادویات، فلکیات، الجبرا، ریاضی، تعمیرات اور جغرافیہ میں ماہر تھے۔ علامہ الوسی نے روح المعانی میں دو توجیہ بیان کی ہیں۔ کہ فرعون کے جادوگر، کیمیاء کا علم رکھتے تھے اور نفسیاتی علم ہپناٹزم نہیں تھا۔ وہ ایک کیمیائی مادہ، رسی کے ساتھ لگا دیتے، جو سورج کی گرمی میں ایک کیمیائی عمل کے سبب حرکت کرتی۔ ایک اور توجیہ یہ تھی، کہ جہاں مقابلہ تھا، اس جگہ کو نیچے سے انہوں نے گرم کر رکھا تھا، اوپر رسیاں، لاٹھیاں پھینکیں جن کے ساتھ کیمیائی مادہ لگا ہوا تھا۔ وہ حرارت کی وجہ سے کیمیائی عمل کی نتیجہ سے حرکت کرتی نظر آتی تھیں۔ علم کیمیا کے بارے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل مصر کی ممیاں آج تک کیمیائی لیپ کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ تعمیرات میں اہرام مصر بھی موجود ہیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝

اس (فرعون) نے کہا: تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لائے ہو؟ یقیناً یہ تمہارا بڑا ہی تو ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا۔ لہذا میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں ایک دوسرے کی مختلف سمتوں سے ضرور کٹوا دوں گا، اور تم کو میں کھجور کے تنوں پر ضرور سولی دوں گا۔ اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ

وہ (جادوگر) کہنے لگے: ہم تجھے کبھی ترجیح نہیں دیں گے۔ ان واضح دلائل کی وجہ، جو ہمارے پاس آچکے ہیں۔ اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ لہذا جو کر سکتا ہے کر۔ بس تو اس دنیاوی زندگی کا ہی فیصلہ کرے گا۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝

بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور وہ جادو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا، بخش (معاف کر) دے۔ اور اللہ تعالی بہت بہتر اور وہی باقی رہنے والا ہے۔

فرعون نے اپنی شرمندگی اور ناکامی کو چھپانے کے لیے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا، کہ جادوگر حضرت موسی سے مل گئے ہیں اور انہوں نے اس کو شکست دینے کے لیے حضرت موسی کے دین کو قبول کر لیا ہے۔ اس لئے اس نے کہا کہ جب میری طرف سے مقابلہ کر رہے تھے۔ تم نے کیسے میری اجازت کے بغیر موسی علیہ السلام کا دین اور اس کے خدا کو قبول کر لیا ہے۔ لہذا میں تمہاری سازش کی سزا بہت سخت دوں گا۔ یعنی تمہارے ایک طرف والا ہاتھ اور دوسری طرف والا پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکا دوں گا۔ تا کہ تم دوسروں کے لیے عبرت بن جاو۔

ایمان اور یقین:۔

اس سخت سزا کے اعلان سے مقصد ایک طرف اپنے جھوٹے خدائی کے دعوی اور مقابلہ میں ناکامی سے لوگوں کی توجہ ہٹانی تھی تو دوسری طرف اس کا خیال تھا کہ شاید جادوگر اپنے اعلان سے واپس ہو جائیں گے۔ جادوگر چونکہ اپنی ناکامی پر، حقیقیت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ حضرت موسیٰ کا عصا (ڈنڈا) نے ایک معجزہ کی بناء پر ان کی رسیوں اور چھڑیوں کو ختم کر دیا ہے۔ لہذا انہیں اللہ کی طاقت اور عظمت، حضرت موسی کے دعوی کی صداقت پر یقین آگیا۔ اور وہ فوراً دل سے اسلام لے آئے تھے، ان کا قبول اسلام، ان کے علم اور شواہد پر یقین کے ساتھ تھا اور اس طرح کا ایمان کامل ہوتا ہے، جسے مادی اور دنیاوی مشکلات کمزور نہیں کر سکتیں۔ انہوں نے اپنے اعمال بالخصوص حضرت موسی کا جادو کے ذریعہ سے مقابلہ پر بھی، اللہ سے توبہ کی۔ فرعون کی سزا اور دھمکی کو ٹھکرا دیا۔ اعلان کیا کہ یہ زندگی صرف تھوڑا عرصہ کے لیے ہے۔ لہذا اس کی ان کو پرواہ نہیں۔ فرعون جس قدر بھی ظلم و سزا دے انہیں قبول ہے۔ لیکن وہ اس حقیقیت اور صداقت جو موسی علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ میں ہے، اسکو یقین سے جان گئے

ہیں، اس لیے اس پر قائم ہیں اور موت کی پرواہ نہیں۔ انہوں نے خوشی سے موت کو گلے لگا لیا اور ایک مومن کامل کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ۝

بے شک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر حاضر ہو گا تو یقینا اس کے لیے جہنم ہے۔ جس میں نہ تو وہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝

اور جو اس (اللہ) کے حضور مومن (بن کر) حاضر ہو گا، جبکہ اس نے نیک عمل کیے ہوں، تو انہی لوگوں کے درجے بلند ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

سدا رہنے والے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی اس کی جزا ہے۔ جو گناہوں سے پاک ہوا۔

آیات مبارکہ، وہ افراد جو احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کا انجام بتا رہی ہیں کہ وہ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اس میں نہ مریں گے نہ جیئیں گے۔ اس کے مقابل جو ایمان اور اعمال صالحہ کرتے ہیں، ان کے درجات بلند ہوں گے۔ عالیشان محلات اور اس نعمت و ناز میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان آیات کی تفسیر یہ ہے کہ یا تو یہ احکام خداوندی ہیں یا ان ساحرین کے کلام کا حصہ ہے، جنھوں نے ایمان کو یقین سے قبول کیا اور لوگوں کو ان کے اعمال کے آنے والے نتائج سے آگاہ کیا۔

وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ۝

اور ہم نے موسی کی طرف وحی کی، کہ رات کو میرے بندے نکال لے جا، پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا۔ جبکہ تجھے نہ پکڑے جانے کا خوف اور نہ ہی (ڈوبنے کا) ڈر ہو گا۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ ۝

پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، پھر سمندر (کے پانی) نے انہیں (لشکر فرعون کو) ڈھانپ لیا، جیسے ڈھانپ لیا جاتا ہے۔

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ۝

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھی راہ نہ دکھائی۔

حضرت موسی نے توحید کے بعد جو مطالبہ کیا تھا، وہ بنی اسرائیل کی غلامی سے رہائی اور وہاں سے نکلنا تھا۔ فرعون نے کئی بار مجبوری کے عالم میں وعدے کیے لیکن پھر مکر جاتا۔ وہاں حضرت موسی پر ایمان لانے والوں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہو چکا تھا۔ علی الاعلان جہاد ممکن نہیں تھا۔ اسلیے یہ اجازت ملی کہ رات کے اندھیرے میں وہاں سے نکل جایا جائے۔ روایات کے مطابق بنی اسرائیل نے دوسرے قبطیوں سے کہا تھا کہ وہ ایک جشن (جو حضرت موسی کی کامیابی پر ہونا تھا) کے لیے باہر جائیں گے۔ اور اس

کے لیے انہوں زیورات وغیرہ بھی استعمال کے لیے مانگ لیے تھے۔ایک تاثر تھا کہ یہ سب لوگ شہر سے باہر جائیں گے۔ حضرت موسی نے احکام الہی کے تحت تمام بنی اسرائیل اور مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور رات کو سفر پر جانے کے لیے حکم دیا۔ آپ بحیرہ قلزم کی طرف چل دیے۔ کیونکہ وہ راستہ محفوظ تھا۔ عام راستے میں شام کے حکمرانوں کا خوف تھا۔ صبح جب فرعون کو اطلاع ہوئی، کہ بنی اسرائیل ااور حضرت موسیٰ غائب ہیں۔ اس کو ہجرت کا شک ہوا اور اسنے لشکر اکٹھا کیا تاکہ اس موقعہ پر شہر سے باہر حملہ کر کے ان کو ختم کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ سمندر کے کنارے پہنچے تو دیکھا فرعون اپنے لشکر کے ساتھ آرہا ہے۔

پانی کا پھٹ جانا:۔

بنی اسرائیل اس منظر کو دیکھ کر سخت خوف زدہ ہو گئے۔ انہیں کوئی راہ نجاعت نظر نہیں آرہی تھی۔ آگے دریا و سمندر کا حصہ اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا۔ حضرت موسی نے حکم الہی کے تحت اپنی چھڑی پانی پر ماری (پانی کو دھکیلا) تو سمندر یا دریا پھٹ گیا اور اس کے اندر راستہ بن گیا۔ اتنی تیز ہوا چلی کہ کیچڑ خشک ہو گیا۔ اور بنی اسرائیل نے وہاں سے گذرنا شروع کر دیا۔ جب یہ نصف سے آگے نکل گئے تو فرعون بھی لشکر کے ساتھ کنارے پر پہنچ گیا۔ جب وہاں راستہ دیکھا دونوں طرف پانی بھی تھا، تو وہ بھی بنی اسرائیل کی طرح ان کے پیچھے چل پڑے۔ جب بنی اسرائیل نے ان کو دیکھا کہ پیچھے آرہے ہیں اور خوف زدہ ہوئے۔ حضرت موسی نے ان کو تسلی دلائی۔ جب فرعون کا، لاؤ لشکر درمیان میں پہنچا، تو بنی اسرائیل نے پانی والا حصہ عبور کر لیا تھا اور وہ خشکی والے حصہ پر پہنچ چکے تھے۔ اسی وقت حکم الہی کے تحت پانی کے حصے مل گئے اور فرعون بمعہ لشکر غرق ہو گیا۔ (تورات میں اسکا ذکر یوں موجود ہے۔:" پھر موسی نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر اٹھایا اور خداوند نے رات بھر تند پوربی اندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنا دیا اور پانی دو حصے ہو گیا۔ 22۔ اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں خشک زمین پر چل کر کھل گئے اور ان کے دائیں اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔ 27۔ اور موسی نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوئے سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آ گیا اور مصری الٹے بھاگنے لگے اور خداوند نے سمندر کے بیچ میں مصریوں کو تہہ بالا کر دیا"۔ پرانا عہد نامہ: خروج باب ۱۱ سے ۱۴ تک ہے)۔

جب فرعون غرق ہو رہا تھا، تو اللہ کی قوت کا اقرار کرنا چاہا، لیکن بوقت موت توبہ قبول نہیں ہوتی اور اس کا بدن پانی نے باہر پھینک دیا تاکہ سب لوگوں کے لیے درس عبرت بن جائے۔ وہ شخص جو کچھ وقت پہلے دنیا کا طاقتور ترین شخص اور خدائی کا دعوی دار، لوگوں پر نسل پرستی کی بناء پر ظلم و ستم کرنے والا تھا، صرف ایک بے جان لاش تھی۔ جس کو اٹھانے سے بھی لوگ ڈرتے تھے۔

یہ ایک معجزہ تھا۔ لیکن سائنس جو صرف حساسی شواہد پر یقین کرتی ہے اس کو نہیں مانتی۔ لیکن اب جدید تحقیقات نے ثابت کیا ہے، کہ اندھی سے ہوا کے دباوسے اتنی شدید کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ پانی کے اگر دو حصے ہو جائیں تو پھر ان کو ملنے نہیں دیتی۔ سمندر میں تیز طوفان، جہاں لہروں کی بلندی چالیس فٹ تک ہو جاتی ہے۔ وہ بھی ہوا (جھکڑ) کے دباو سے پیدا ہوتی ہے۔ (اس کے بارے سورہ بقرہ میں تحریر کیا گیا ہے) اسی طرح (اٹلانٹک) بحر اوقیانوس اور بحرہ روم (میڈٹرنین) کے سنگھم (ملنے کے

مقام) پر پانی کے حصے ایک دوسرے سے جذب نہیں ہوتے بلکہ علیحدہ دھکیلتے ہیں۔ اس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔ لہٰذا آپ انکار کرنے والوں کے لیے ایک صحیح واقعہ ثابت ہو گیا ہے۔

حکمران کی گمراہی:۔

اس واقعہ کا اہم نکتہ ایک بادشاہ کی گمراہی کی وجہ سے ساری قوم کا گمراہ ہو جانا اور عذاب خداوندی کا مستحق ہو جانا ہے۔ اس لیے کہ راہنما یا حکمران کا عوام الناس کی فلاح و بہبود میں بڑا اہم رول ہوتا ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالی کسی قوم کو ان کے برے اعمال پر سزا دینا چاہتے ہیں، تو ان پر ظالم حکمران (خود ان سے یا باہر سے) مسلط کر دیتے ہیں۔ اسی لیے اگر حکمران کے انتخاب کا حق عوام کو ملے، جس طرح اسلام میں آزادی رائے ہے اور آپس میں مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ جس کا بہترین طریقہ افراد کو منتخب کرنا ہے، نظام وراثت نہیں اس لیے حق انتخاب کو بہت احتیاط سے استعمال کرنا چاہیے اور صاحب کردار و اہلیت کا انتخاب کرنا چاہیے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى۝

اے بنی اسرائیل: ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجاعت دی اور ہم نے تم سے طور کی دائیں جانب (تورات دینے) کا وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من وسلوی نازل کیا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۝

ہم نے تمہیں جن پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا ان سے کھاو اور تم ان میں سرکشی نہ کرو کہ تم پر میرا غضب پڑے، اور جس پر میرا غضب پڑا وہ یقینا تباہ ہو گیا۔

وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۝

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں۔ اس کے لیے خود توبہ کرے، ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر ہدایت پر رہے۔

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجاعت دلانے کے بعد ان پر انعامات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت موسی کو بنی اسرائیل (مسلمانوں) کے لیے ایک طریقہ زندگی کے لیے کتاب کا وعدہ فرمایا۔ اسی طرح اپنے دیدار کا بھی، جس کا حضرت موسی کو شدت سے انتظار تھا۔ اس کے علاوہ جب بنی اسرائیل شام کی طرف صحرا میں روانہ ہوئے، تو ان کی غذا کے لیے من (ایک طرح کی غذا جو ترنجبیں کے پتوں پر پیدا ہو جاتی) اور سلوی (ایک بیڑ نما پرندہ ان کے علاقے میں آکر گرتے) وہ انہیں پکڑ کر بطور غذا (گوشت) استعمال کرتے تھے۔ یہ صحرا میں اللہ کا انعام تھا۔ ساتھ ہی ایک واضح حکم فرمایا: پاک چیزوں کو کھاؤ، پاک سے مراد ظاہری اور معنوی طور پر ہیں۔ یعنی احکام کے مطابق ہوں اور ان سے انسان کراہت محسوس نہ کرے۔ یہ حکم اب مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ دیکھنے میں صاف ہو اور پاکیزہ (حلال) طریقہ سے اس کو حاصل کیا جائے۔ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کی جائے۔ جہاں انعام ہے، وہاں نافرمانی کی صورت میں، اس کا عذاب بھی بڑا شدید اور ہولناک ہے۔ غضب کی صورت میں انجام بہت برا ہے۔ جس سے کوئی بچا نہیں

سکتا۔ پرانی اقوام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ لیکن جو افراد اپنے کردار میں تبدیلی پیدا کر لیں، اپنے گناہ کا احساس اور اس پر ندامت کرتے ہوئے، آنے والے وقت میں ان سے پورا اجتناب اور دور رہیں، ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ لیکن شرط ہے کہ نیک عمل کرے اور اس کے بعد ہدایت اور صحیح احکام پر رہے۔ یہاں نیک اعمال سے مراد، ان کا معاشرتی اور معاملات میں کردار کی اہمیت ہے۔ اسلام میں عبادات کی اتنی اہمیت نہیں، جتنی معاملات کی ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے معاملات اور اخلاق نبی علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ۝

اور اے موسیٰ: کون سی چیز تجھے تیری قوم سے جلدی لے آئی۔

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: وہ لوگ (قوم) میرے پیچھے ہیں اور اے میرے رب: میں نے تیری طرف جلدی کی (آنے کی) تاکہ تو راضی ہو جائے۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ۝

اللہ نے فرمایا: چنانچہ بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو آزمائش میں ڈالا اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ۝

تو موسیٰ، اپنی قوم کی طرف غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے لوٹا اور کہنے لگا: اے میری قوم: کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا؟ پھر کیا تم پر عہد لمبا ہو گیا۔ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب اترے، لہٰذا تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی۔

قَالُوۡا مَاۤ اَخۡلَفۡنَا مَوۡعِدَكَ بِمَلۡكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلۡنَاۤ اَوۡزَارًا مِّنۡ زِيۡنَةِ الۡقَوۡمِ فَقَذَفۡنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلۡقَى السَّامِرِىُّ ۝

وہ کہنے لگے: ہم نے تیرے وعدہ کی اپنے اختیار سے خلاف ورزی نہیں کی، لیکن ہم پر قوم (فرعون) کے زیورات (زیب وزینت) کے بوجھ لاد دیے گئے تھے، تو ہم نے وہ (آگ میں) پھینک دیے اور اسی طرح سامری نے بھی پھینکے۔

فَاَخۡرَجَ لَهُمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوۡا هٰذَاۤ اِلٰهُكُمۡ وَاِلٰهُ مُوۡسٰى ۙ فَنَسِىَ ۝

پھر اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا (بنایا) جو محض جسم تھا۔ جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ پھر وہ (لوگ) کہنے لگے: یہی تمہارا الٰہ (خدا) اور موسیٰ کا خدا ہے۔ وہ (موسیٰ) تو بھول گیا۔

اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّلَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ۝

بھلا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ بلاشبہ وہ (بچھڑا) ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے کسی نفع و نقصان کا مالک ہے۔

وَلَقَدۡ قَالَ لَهُمۡ هٰرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلُ يٰقَوۡمِ اِنَّمَا فُتِنۡتُمۡ بِهٖ‌ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ وَاَطِيۡعُوۡۤا اَمۡرِىۡ۝

اور بلاشبہ اس سے پہلے ہارون نے ان سے کہا تھا: اے میری قوم: یقینا اس (بچھڑے) کے ساتھ تم آزمائے گئے ہو۔ اور یقینا تمہارا رب رحمن ہے لہذا تم میری اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

قَالُوۡا لَنۡ نَّبۡرَحَ عَلَيۡهِ عٰكِفِيۡنَ حَتّٰى يَرۡجِعَ اِلَيۡنَا مُوۡسٰى۝

وہ کہنے لگے ہم تو اس پر ہمیشہ بن کر بیٹھے رہیں گے۔ حتی کہ موسی ہمارے پاس لوٹ آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل، قلزم پار کرنے کے بعد شام کی طرف جارہے تھے اور صحرا سیناء میں سفر کر رہے تھے۔ کوہ طور آپ کی دائیں جانب تھا۔ اللہ تعالی نے اس سفر کے دوران کتاب تورات اور اپنے دیدار کا وعدہ فرمایا۔ آپ نے اس کے لیے تیس روزے اور پھر دس روزے مزید رکھنے تھے۔ اس کا ذکر دوسرے مقامات پر آچکا ہے۔ حضرت موسی شوق ملاقات میں آگے نکل گئے اور بنی اسرائیل کی نگرانی کے لیے حضرت ہارون کو مقرر فرمایا۔ اسی دوران بنی اسرائیل نے جو زیورات قبطیوں سے ادھار لیے تھے وہ ان کے پاس ہی تھے۔ پرانے احکام کے مطابق، دشمن کا مال استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ بلکہ اس کو جلا دیا جاتا۔ اسی طریقہ پر سارا سونا اکٹھا کیا گیا، اور اس کو جلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

دشمن کی املاک:۔

اسلام میں جنگ کے دوران اور جنگ کے نتیجہ میں، جو اموال حاصل ہوتے ہیں وہ ریاست کنٹرول کرتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ شہریوں کے جان و مال اور وہ افراد جو مخالف ہوں لیکن عملی جنگ کا حصہ نہ ہوں ان کے مال پر حق نہیں وہ صرف ان کی رضاو موافقت کے ساتھ ہی لیا جاسکتا ہے۔ (فقہ حنفی، کتاب السیر، لامام محمد، شرح للسرخسی)

سامری:۔

سامری کے نام اور ذات کے بارے میں اختلاف ہے۔ کچھ علماء نے اسے قبطی کہا ہے کہ وہ حضرت موسی علیہ السلام کا پڑوسی تھا. ایمان لے آیا اور ساتھ ہجرت کی۔ علم و عقل میں آگے تھا۔ بعض نے اسے بنی اسرائیل کا فرد کہا ہے کہ وہ حضرت موسی کے ساتھ تھا، لیکن دل میں حسد رکھتا تھا۔ بعض نے سامریہ قبیلہ کا فرد کہا ہے۔ اسے علم کیمیا کا ماہر اور اس سے پہلے اس نے مصر میں زیورات کی ڈھلائی کا کام جانتا تھا۔ جس کی بناء پر اس نے زیورات کو پگھلایا تو ضائع کرنے کے بجائے اس سے ایک بچھڑے کی مورت بنالی۔

بچھڑے کے بارے میں اس وقت لوگوں کے خیالات ایک مقدس جانور کے تھے۔ ایک روایت کے مطابق مصر میں گائے کو مقدس جانور سمجھا جاتا تھا۔ دوران سفر بنی اسرائیل، جب ایک گاؤں سے گذرے، تو وہاں لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا اور پھر حضرت موسی سے گزارش کی کہ وہ بھی ان کے لیے اللہ کی ذات کے لیے ایک بت بنادیں، تا کہ وہ اس کی عبادت

کر سکیں۔ کیونکہ وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتے۔ آپ نے شدت سے اس حماقت اور کفر سے منع کیا۔ فرمایا یہ بت پرست ہلاک ہوں گے۔ اور ایک رہنمائے زندگی کے لیے اللہ کی طرف سے کتاب ملنے کی خوشخبری سنائی۔

اور پھر سامری نے اس موقعہ پر جب حضرت موسی نہیں تھے۔ بنی اسرائیل نے ایک بت بنانے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔ مصر میں گائے کے بارے اعتقاد تھا۔ جو بچھڑا اس نے بنایا اسکے اندر پیچھے سے ہوا جاتی اور منہ کی طرف حرکت کے ساتھ بچھڑے کی آواز نکلتی۔ اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ کہیں صحرا اور پہاڑ میں بھول گئے ہیں اور خدا کے پاس نہیں گئے۔ یہ بچھڑے کی طرح جو آواز نکالتا ہے، بنی اسرائیل اور حضرت موسی کا خدا ہے۔ لہذا وہ، اس کی عبادت کریں۔ حضرت ہارون نے اس کی سخت مذمت اور مخالفت کی۔ بنی اسرائیل میں تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک وہ جو سامری پر پورا یقین رکھتے تھے۔ دوسرا گروہ حضرت موسی کی غیر موجودگی کی وجہ سے تذبذب میں تھا۔ جب مدت تیس دن سے اوپر ہوئی، تو وہ بھی شیطان کے بہکاوے میں آکر سامری کے ہم نوا ہو گئے۔ اور ایک گروہ ایسا تھا، جو حضرت ہارون کے ساتھ اور دوسروں سے بالکل علیحدہ رہا۔ سامری کا مخالف اور توحید پر قائم تھا۔ حضرت ہارون نے لوگوں کو بہت سمجھایا، کہ یہ خدا نہیں ہے، بلکہ ایک جھوٹ اور آزمائش ہے۔ اسکی عبادت نہ کی جائے۔ حضرت ہارون، ان لوگوں سے علیحدہ ہو گئے۔ لیکن رہنے سہنے کی جگہ وہی تھی اور تفرقہ کی وجہ سے قتال و جنگ سے پرہیز کی۔ حضرت موسی نے شوق ملاقات و عبادت میں چلہ کشی میں تھے۔ مزید دس دن تک مصروف رہے اور جب وقت ملاقات ہوا، تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ آپ جلدی میں علیحدہ کیوں آگئے ہیں۔ آپ کا جواب تھا کہ میری قوم پیچھے آرہی ہے۔ میں شوق ملاقات اور تیری رضا کے لیے جلدی آیا ہوں۔ اللہ تعالی نے سامری کے فتنہ سے آگاہ کیا کہ آپ کی قوم پیچھے نہیں آرہی بلکہ گمراہ ہو گئی ہے۔ اس خبر نے آپ کو غضبناک (غصہ میں) اور پریشان کر دیا۔ فوراً قوم کی طرف واپس لوٹے۔ قوم کو غصے ہوئے کہ اللہ کے انعامات کے مقابل وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور یہ بچھڑا جو کسی بات کا نہ جواب دے سکتا تھا اور نہ ہی نفع و نقصان کے قابل تھا، اسے خدا سمجھ لیا ہے۔ اللہ کے تمام انعامات (فرعون سے نجاعت) کو بھول گئے۔ حضرت موسیٰ کی طرف جانے کے بجائے سامری کی اتباع شروع کر دی اور بت پرستی میں مشغول ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب غضبناک دیکھا، تو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ زیورات کو پگلانے اور سامری کا اس سے بچھڑا بنانے، اس کی آواز نکالنے، سامری کے دعوی کے یہ حضرت موسی کا خدا ہے۔ اور حضرت موسی علیہ اسلام سے بھول جانے کا بہانہ کیا۔ اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضرت ہارون نے بھی اسکے بارے یہی کہا تھا کہ یہ بچھڑا ہے، لیکن انہوں نے کہا تھا، جب تک حضرت موسی یہاں نہیں آتے ہم اسے ہی خدا سمجھیں گے۔

سربراہ کی ذمہ داری:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکے جلدی آنے کے بارے سوال کر کے ایک سربراہ کی ذمہ داری کے بارے اشارہ فرمایا ہے، کہ سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی امت یا قوم کی حالت سے آگاہ رہے۔ اور ہر حال میں ان کی سلامتی اور

نقصان سے بچانے کی کوشش کرے۔ جس طرح حضرت لوط علیہ اسلام کو حکم دیا کہ وہ سب سے آخر میں چلیں اور سارے مومنین آگے چلے جائیں، تاکہ کوئی بھی پیچھے نہ رہ جائے۔ حضرت موسی کی موجودگی میں اسطرح کا واقع ممکن نہ ہوتا۔(روح المعانی) ۔

سامری کے بچھڑے میں آواز کی تکنیک کے بارے مختلف روایات ہیں۔ایک روایت ہے کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ اسلام کے گھوڑے کے قدموں کے نشان سے مٹی اٹھائی اور اس میں ڈالی تو آواز نکلنے لگی۔ دوسری توجہیہ یہ ہے کہ فن ڈھلائی کا ماہر تھا، اسطرح اس کا سانچہ بنایا کہ پیچھے سے ہوا جاتی اور آگے سے سر ملتا اور بچھڑے کی آواز نکلتی۔ یہ واقعات اسرائیلیات (اسرائیلی روایات) کا حصہ ہیں۔ ان کا مقصد واقعات سے درس عبرت لینا ہے۔

اگلی آیات میں حضرت موسی علیہ اسلام کی واپسی پر مزید واقعات کا ذکر ہے۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝

اس(موسی) نے کہا:اے ہارون: تجھے کس چیز نے روکے رکھاجب تونے انہیں دیکھا کہ وہ بھٹک گئے۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝

کہ تونے میری پیروی(اتباع) نہیں کی۔ کیاتونے میرے حکم کی نافرمانی کی۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝

اس(ہارون) نے کہا: اے میرے ماں جائے: میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑ، یقینا میں ڈرا کہ تو کہے گا۔ تونے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا۔اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

چونکہ حضرت موسی نے حضرت ہارون کو نائب مقرر کرکے، ان کے پیچھے آنے کے لیے کہا تھا،لہذا ان پر غصہ ہوئے کہ ان کی پیروی یا ان کے پیچھے کیوں نہیں آئے۔ بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے سختی کے کے کیوں نہ روکا گیا۔ یا ان سے جنگ اور بائیکاٹ نہیں کیا۔ یہ ان کے احکام کی خلاف ورزی تھی۔ آپ نے غصہ میں آکر ان کو گردن سے پکڑا۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام نے ماں کا محبت کا واسطہ دیا، حقیقت حال بتائی، کہ قوم نے ان کی کوئی بات نہیں سنی اور وہ ان کو چھوڑ کر سامری کے پیچھے چل پڑے، صرف ایک تہائی افراد ان کے ساتھ تھے۔ تفرقہ بازی اور لڑائی سے بچنے کے لیے آپ خاموش رہے اور یہ بھی خوف تھاکہ انہیں قوم کو متحد رکھتے ہیں ناکامی کا ذمہ دار نہ بنایا جائے اور مخالف گروہ سے جنگ کی وجہ سے اصلاح کے امکانات کو بھی ختم نہ کیا جائے۔ اس پر حضرت موسی کا غصہ کم ہوا اور آپ کا خطاب اصل مجرم سامری کی طرف ہوا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝

اس(موسی) نے کہا:اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝

اس (سامری) نے کہا: میں نے وہ چیز دیکھی۔ جو ان لوگوں نے نہ دیکھی چنانچہ میں نے (مٹی کی) ایک مٹھی رسول (جبرئیل کے گھوڑے) کے نقش قدم سے بھر لی۔ اور وہ اس میں ڈال دی اور اسی طرح میرے نفس نے (اسے) میرے لیے خوشنما بنا دیا۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: چلا جا: اب یقینا تیرے لیے زندگی بھر یہی ہے کہ تو کہتا رہے: (مجھے) نہ چھونا، اور بے شک تیرے لیے ایک وعدہ ہے، جس کی خلاف ورزی تجھ سے ہرگز نہیں کی جائے گی۔ اور تو اپنے معبود دیکھ جس پر تو مجاور بنا رہا۔ البتہ ہم ضرور اسے جلا دیں گے۔ پھر یقینا (اس کا راکھ) اڑا کر سمندر میں بکھیر دیں گے۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

بے شک تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون کی وضاحت کے بعد سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس سے اس کے اس گناہ کے عمل اور کفر کے بارے پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ سونے سے بچھڑا بنا کر بنی اسرائیل کے بت کی خواہش پوری کرے اور اسکے لیے اس نے رسول جس کی اکثر مفسرین نے تعبیر حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ہے اور امام ابو مسلم اصفہانی نے (بحوالہ امام رازی) اس سے مراد حضرت موسی اور مٹی اٹھانے سے مراد فائدہ حاصل کرنا اور اسے استعمال کرنا ہے اور بچھڑے کو بنا کر اس میں اپنے علم و ہنر سے آواز نکال دی۔ جو بچھڑے کی آواز طرح سنائی دیتی تھی۔ اس طرح اس نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا۔ لیکن اس کو، وہ صحیح سمجھتا تھا۔ حضرت موسی نے اسکے اس کفر پر سخت سزا دی۔ نکال دیا اور اسے بدعا بطور سزا دی کہ وہ ہمیشہ تنہا رہے گا۔ اور لوگوں سے ملاپ سے دور رہے گا۔ جس کی وجہ سے جو، اسے ملتا، وہ بیمار ہو جاتا اور وہ بھی بیمار ہو جاتا۔ اسطرح وہ ہر وقت تنہا رہتا اور چلاتا کہ مجھے مت چھوؤ یا ملو۔ اس طرح وہ ویرانوں اور جنگل میں مر گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ گمراہ افراد اس کی حقیقت کو دیکھ لیں۔ ساتھ یہ بھی انتباہ تھا کہ کفر کی سزا، آگ میں جلنا ہوگی۔ حضرت موسی نے بچھڑے کو جلا دیا، اسکی راکھ کو سمندر میں پھینک دیا۔ اس کا مقصد تھا کہ جس ڈھانچہ کو آواز کی بنا پر وہ اپنا معبود و خدا سمجھ رہے تھے، وہ کچھ بھی نہیں، بلکہ ایک شیطانی دھوکہ تھا۔ وہ ایک بہت بڑے گناہ یعنی کفر کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے پھر اللہ واحد لاشریک، کی صفات بیان کیں، کہ وہ سارے جہان کا علم رکھتا اور کنٹرول کرتا ہے۔ وہی ہمارا معبود ہے۔ مقصود تاکید ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝

اسی طرح ہم آپ کو وہ احوال سناتے ہیں جو (پہلے) گذر چکے ہیں اور یقینا ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) دیا۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝

جس نے اس سے اعراض کیا (منہ موڑا)، تو وہ یقینا یوم قیامت ایک بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَ سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۟ۙ

وہ اس (مصیبت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور قیامت کے دن ان کے لیے بوجھ اٹھانا برا ہو گا۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۟ۚۖ

جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرم اکٹھے کریں گے۔ اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔

يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۟

وہ باہم چپکے چپکے کہتے ہوں گے۔ تم (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر صرف دس دن۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۟ࣖ

ہم کو خوب معلوم ہے جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں بہترین رائے والا کہے گا، تم تو صرف ایک دن ٹھہرے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے بعد، مکہ میں اس وقت کے حالات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پرانے واقعات کے بارے میں ذکر فرمایا۔ اس بات کی تاکید کی کہ یہ کلام اللہ کا ہے اور جو کوئی اس سے منہ پھیرے گا، اس کا انجام برا ہو گا۔ یعنی روز قیامت گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا اور قیامت میں حساب وکتاب کے بعد جہنم میں جا کر ٹھکانہ لے گا جو سب سے برا ہے۔

قرآن مجید سے منہ موڑنا کے کئی درجے ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص مکمل جاہل ہے اور کوئی زبان لکھ پڑھ نہیں سکتا، اور قرآن مجید کا زبانی ترجمہ بھی اسکی زبان میں میسر نہیں تو وہ صرف ناظرہ پڑھے تاکہ معمولی سی نفسیاتی برکت ہو۔

۲۔ اس کے بعد، اس پر توجہ اور غور سے پڑھنا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے جو بھی مواد، ترجمے موجود ہیں۔ ان کا مطالعہ ہے۔ ان پر غور وخوض ہے تاکہ زندگی کو راہنمائی ملے۔

۳۔ اس کے احکام پر عمل کرنا، اصل کامیابی کا راز ہے۔ اگر عمل نہیں تو کچھ نہیں، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا صرف پڑھنا معمولی ثواب، اس کا سمجھنا اور غور کرنا باعث موجب خیر وبرکت اور اس پر عمل کرنا نجات اور کامیابی ہے۔

قرآن مجید کے احکام پر عمل نہ کرنے والے، قیامت کے دن انتہائی بری حالت میں ہوں گے۔ مختلف مقامات پر قرآن مجید نے ان انکار کرنے والوں کی اعصابی اور جسمانی کیفیت، جس کا سبب سزا کا خوف اور پریشانی ہو گی، کی بنا پر چہرے کالے، کبھی بالکل زرد، آنکھیں پھٹی ہوئی ہوں گی۔ عرض ہر وہ کیفیت جو پریشانی کا مظہر ہو، ان پر نظر آئے گی۔ اس وقت انہیں، اپنی اس نافرمانی کی وجہ سے دنیا کی طویل زندگی صرف چند دن کا عرصہ لگے گی اور پچھتا رہے ہوں گے۔ یہ کیفیت اس وقت، کفار مکہ اور آج بھی ہر اس انسان کے لیے ہے، جو اللہ تعالیٰ کے آخری کلام کا کسی بھی طرح کا منکر یا منہ پھیرنے والا ہے۔ صور سے مراد وہ، نرسنگا ہے، جو اونچی آواز یعنی سائرن بجانے کے لیے اس زمانے میں استعمال ہوتا تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ اسرافیل فرشتہ اس ڈیوٹی پر متعین ہے۔ وہ پہلا صور بجائے گا، تو سارے انسان ختم ہو جائیں گی۔ اس وقت کے سماجی وعلمی لحاظ سے اس سے

مراد ایک خوفناک سائرن ہے۔ جسے آج کل کی سائنسی زبان میں ساونڈ شاک ویوز کہا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان اور حیوانات کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب دوسری دفعہ یہ سائرن بجے گا، تو انسان زندہ ہو جائیں گے اور زمین جو چٹیل میدان بن چکی ہو گی، اس پر جمع ہو جائیں گے۔ یہاں دوسرا نفخہ (سائرن) مراد ہے۔

وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًاۙ

وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تو آپ کہہ دیجیے: میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔

فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًاۙ

پھر وہ اس زمین کو چٹیل میدان بنا دے گا۔

لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًاؕ

آپ اس میں نہ کوئی کجی اور نہ ابھری ہوئی جگہ دیکھیں گے۔

یَوْمَىٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝

اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے۔ اس کی اتباع سے کوئی کجی نہیں ہو گی۔ اور سب آوازیں رحمن کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ پھر آپ (مخاطب) آہٹ (ہلکی آواز) کے سوا کچھ نہیں سنیں گے۔

یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۝

اس دن کوئی سفارش نفع نہیں دے گی مگر صرف اس کی جسے رحمن اجازت دے گا، اور اس کی بات پسند کرے گا۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۝

اس کو وہ سب معلوم ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور لوگوں کے پیچھے ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

وَ عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ؕ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۝

اور سب چہرے حی قیوم (اللہ) کے آگے جھک جائیں گے اور یقیناً وہ ناکام ہوا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔ (ظلم کیے)

وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّ لَا هَضْمًا۝

اور جو شخص نیک عمل کرے جبکہ وہ مومن ہو تو اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہو گا اور نہ کسی نقصان کا۔

قیامت کا ذکر جاری ہے، جہاں مجرموں کی حالت انتہائی شرمناک اور پریشان کن ہو گی۔ تمام انسانی مخلوق، مکمل طور پر سراسیمہ ہو گی۔ اس قیامت سے جو ہولناکی زمین پر واقع ہو گی، اس کا ذکر ہے۔ قریش نے پہاڑوں کے بارے میں سوال کیا۔ جواب دیا کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ جب پہاڑ ختم ہوں گے، تو عمارتوں کی کیا حیثیت ہے۔ وادیاں اور سمندر بھر جائیں گے۔ زمین چٹیل میدان بن جائیں گی۔ خوف کی وجہ سے سارے لوگ جب حساب و کتاب کے لیے بلائے جائیں گے، تو سر جھکا کر چل پڑیں

گے۔ اس دوران خوف کی وجہ سے گفتگو نہیں، بلکہ سرگوشی کی طرح کھسر پھسر ہو گی۔ اس دوران کوئی شخصیت بھی کسی کی شفاعت کی طاقت نہیں رکھے گی۔ کیونکہ تمام مخلوق کے ازل سے ابد جتنے اعمال ہوئے ہیں ان سب کا علم اللہ علیم وخبیر کو ہی ہے۔

انسان اپنے اعمال کی بنا پر جزاو سزا پائے گا، اور اللہ تعالی کا فیصلہ آخری ہو گا۔ لیکن وہ اپنے فضل و کرم کی بناء پر اپنی چیدہ شخصیات کو شفاعت کا اعزاز دے گا۔ جو انبیاء رسل اور اس کے اولیاء میں سے ہوں گے۔ ہر ایک اپنے درجہ کے مطابق شفاعت کر سکے گا۔ ان سب کے سردار ہمارے نبی ﷺ سید المرسلین ہوں گے۔ اسکے بارے میں متعدد احادیث ہیں۔ شفاعت کا اصطلاحی معنی" جس شخص نے جرم کیا ہے، اس کے جرم کے معاف کرنے کا سوال کرنا شفاعت ہے۔ (التعریفات)۔

عدل:۔

اس روز حقیقی عدل قائم ہو گا۔ حدیث کے مطابق نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کو بھی عدل دیا جائے گا۔ ایک اور حدیث ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق قیامت کو دینا پڑے گا۔ (لتغوڈن الحقوق الی اھلھا بیوم القیامه۔ المسلم)۔ جنھوں نے، لوگوں کے حقوق غضب کیے۔ نقصان اور فساد کیے۔ جھوٹ شرک، دھوکہ دہی، ظلم کے اعمال کیے، ان کو سب اعمال کی سزا ملے گی۔ اسی طرح جس شخص کا اللہ پر صحیح ایمان ہو، اللہ کے احکام پر، معاملات اور اخلاق میں اعلی کردار پر عمل کیا، اس کو کوئی خوف اور پریشانی نہیں ہو گی۔ اور ان کو اس کا پورا بدلہ ملے گا۔ یہ تعلیمات اس لیے ہیں کہ دینا کی زندگی میں اپنے اعمال کا محاسبہ کیا جائے تاکہ ابدی سزا سے آدمی بچ سکے۔

اللہ تعالی کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ شخص دنیا میں ہے یا آئے گا یا تھا، اسکے سارے احوال ماضی، حال، مستقبل کا علم رکھتا ہے۔ اسکے علاوہ آخرت میں اسکے انجام سے بھی واقف ہے۔ لہذا انسانوں کو ان کے عمل کے مطابق سزا ملے گی۔ اللہ کے علم کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ سب لوگ اور ساری قوتیں، قیامت کو اللہ کے سامنے ذلیل اور خائف ہوں گی۔ چہرے کی مثال، انسان کی اندرونی کیفیت کا اظہار ہے۔ جسے ہم باڈی لیگوئج کہتے ہیں۔ جو انسانی پریشانی یا خوشی کو ظاہر کرتی ہے۔ اللہ تعالی کی عظمت و قوت کے اظہار کے لیے الحیی، القیوم، فرمایا۔ جس کے معانی بہت وسیع ہیں اور بعض نے اسے اسم اعظم قرار دیا ہے۔ اس کا پڑھنا اور اسکے ساتھ دعا کرنا بہت فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالی دعا قبول فرماتے ہیں۔ تمام کائنات اپنے قیام، اور وجود کے لیے، اللہ کی ذات کی محتاج ہے، اللہ تعالی کی ذات ازلی، ابدی، سرمدی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۝

اس طرح ہم نے اس قران کو عربی نازل کیا اور ہم نے ان میں پھیر پھیر کر کئی پہلوں سے (اپنی) وعید (ڈرانا) بیان کی تاکہ لوگ (ڈریں) تقوی اپنائیں یا یہ قرآن ان کے لیے نصیحت پیدا کرے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۝

پس بلند شان والا اللہ جو سچا بادشاہ ہے اور (اے نبی) آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں قبل اس کے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے۔ اور کہیے (دعا) اے میرے رب مجھے علم میں زیادہ کر۔

یہ تمام معلومات (اخبار) قرآن مجید سے ہیں۔ کفار مکہ قرآن مجید کو نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلام سمجھتے تھے۔ اسکے معجزہ ہونے کے بارے میں ذکر ہے، کہ نبی کا کلام نہیں، بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ کیونکہ جب آپ پر وحی نازل ہوئی، تو آپ اسکو یاد کرنے کی کوشش کرتے تاکہ پیغام لوگوں تک پہنچایا جاسکے۔ جلدی جلدی پڑھتے کہ کہیں کوئی حصہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالی نے اس سے منع فرمایا اور تاکید کی کہ غور سے سنیں اس کو یاد کرانا اور ذہن میں بٹھانا، ہمارا کام ہے۔ قرآن مجید کی خصوصیات میں عربی زبان میں نزول ہے، تاکہ اس وقت وہاں کے عوام اس کو سمجھ سکیں۔ اس کی فصاحت بلاغت، انداز بیان، واقعات کو جان کر اس کو معجزہ یعنی اللہ کا کلام ہونے کا یقین کرلیں۔ ایک اہم خصوصیات اس میں مختلف احکام، واقعات اور ان پر عمل کرنے پر انعام اور خلاف ورزی پر سخت سزا کا ذکر بار بار دہرایا گیا ہے تاکہ تمام انسان ان سے آگاہ ہوں، اور اپنی سلامتی کا اہتمام کریں۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ کلام اونچی شان اور عظمت والے بادشاہ (قوت و طاقت کے مالک) اللہ کی طرف سے ہے، جو حقیقی خدا ہے، لہذا پورے اہتمام سے پڑھا اور عمل کیا جائے۔

علم کی اہمیت:۔

ایک دعا کی تلقین فرمائی: کہ اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما۔ اس سے جہاں نبی ﷺ کے لیے حکم ہے، وہاں تمام انسانوں کو علم کی طرف رغبت اور سیکھنے کی اہمیت کا حکم ہے۔ جناب نبی ﷺ فرماتے تھے۔ اے اللہ تو مجھے جو سکھائے اس سے مجھے فائدہ پہنچا، اور مجھے وہ سکھا جو مجھے فائدہ دے اور مجھے ایسا علم دے، جس کے ذریعہ میں فائدہ اٹھا سکوں۔ (السلسلہ الصحیحہ)۔ ایک اور حدیث ہے کہ "ترجمہ: اے اللہ بے شک میں تجھ سے نفع بخش علم کا سوال کرتا ہوں اور میں ایسے علم سے تیری پناہ لیتا ہوں جو نفع نہ دے۔ (اللهم انى اسئلك علما نافعا و اعوذ بك من علم لا ينفع۔ ابن ماجہ)۔

ان احادیث میں تمام مسلمانوں بالخصوص علم اور مذاہب سے متعلق افراد، کے لیے حکم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے علم میں اضافہ کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ جس سے آجکل ایک علمی اصطلاحی میں جاری پروفیشنل ڈیویلپمنٹ "C.P.D" کہتے ہیں۔ آج ہمارے علماء، جدید علوم سے محروم ہونے کی وجہ سے تبلیغ کے عمل میں پیچھے ہیں اور غیر مسلموں کو صحیح طور پر اسلام کی دعوت دینے اور قائل کرنے سے قاصر ہیں۔ جو ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اسلیے مذہبی تشدد سے پرہیز کیا جائے۔ اور کوئی بھی فتوی یا رائے یا فیصلہ کرنے سے پہلے مکمل تحقیق کرلی جائے۔ جلد بازی سے بچا جائے۔ اور علم میں اضافہ کی صورتوں کے حصول میں کوتاہی نہ کی جائے۔

قرآن وحدیث، فقہ کے علاوہ، جدید علوم جس سے انسانی معاشرہ ہر لمحہ مستفید ہو رہا ہے۔ جس کی مثال سائنس اور انجینیرنگ میں ترقی ہے۔ وہ بھی اسی طرح ہیں اور علم نافع کا بنیادی حصہ ہیں۔ در اصل عوام کے لیے انکی ضرورت زیادہ ہے۔ فقہ (قانون) کے لیے چند (گروہ) علماء کافی ہیں۔ اللہ تعالی ہمیں اچھے اور مفید علم میں اضافہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا

البتہ ہم نے اس سے پہلے آدم (علیہ السلام) سے عہد لیا تھا، تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم صمیم پایا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس (شیطان) کے۔ اس نے انکار کیا۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى

پھر ہم نے کہا: اے آدم: بے شک یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے، کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تو مشقت میں پڑ جائے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى

بے شک تیرے لیے (یہاں بندوبست) ہے کہ تو اس (جنت) میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا (بغیر لباس) کے ہو گا۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى

اور بے شک نہ تجھے پیاس لگے گی نہ تجھے دھوپ لگے گی۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰي شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى

پھر شیطان نے اسکی طرف وسوسہ ڈالا۔ اس نے کہا: اے آدم: کیا میں تجھے سدا جینے کا درخت اور بادشاہی نہ بتاوں۔ جو پرانی نہ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ واقعہ سورہ بقرہ، اعراف، الحجر، بنی اسرائیل، کہف، میں بیان ہو چکا ہے۔ اس کا بار بار ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے، جس سے ساری انسانیت کی تقدیر وابستہ ہے۔ کردار سازی اور اعمال میں بہت اہم ہے۔ اور نفسیات کے مطابق جتنی بار کوئی چیز دہرائی جائے گی۔ اتنا ہی زیادہ اسے یاد رکھا جائے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے جو نسیان کی وجہ سے لغزش ہوئی، اس کا ذکر ہے۔ شیطان نے جنت، جیسے مقدس مقام پر جب اللہ کی قسم اٹھا کر، جس درخت کے پھل یا پتے سے منع کیا گیا تھا، اس کے بارے غلط معلومات دیں۔ سدا زندگی اور سدا قوت و بادشاہی کا جھانسا دیا۔ جس طرح آج بھی تمام انسانی نسل کو مختلف توہمات، جھوٹے پر فریب نظریات، خیالات کے سراب دکھاتا اور گمراہ کرتا ہے۔ شیطان کی قسم کھانے کی بناء پر، حضرت آدم، وہ حکم بھول گئے اور پھل کھالیا۔ یہ عمل اگرچہ ایک بھول اور دھوکہ کا نتیجہ تھا۔ اس لیے اسے عزم صمیم کے خلاف جانا گیا، اور حضرت جنید بغدادی کے بقول حسنات ابرار سیئات المقربین (ابرار کی عمومی نیکیاں، مقربین کے ادنی درجہ کی خطا تصور کی جاتی ہیں) تھی، جس کی وجہ اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب بنی اور جنت سے نکالے گئے۔ کچھ علماء کے نزدیک آپ کا یہ عمل نبوت کی ذمہ داری سے پہلے کا ہے۔ اس لیے ان کے نزدیک یہ خطا، اس نظریہ کے خلاف نہیں کہ انبیاء غلطیوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ دراصل انبیاء کے خطا سے معصوم ہونا، اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالی نے تمام انبیاء کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور اگر ان کا کوئی عمل خطا ہے تو وہ قابل پیروی کیسے ہو گا۔ کیونکہ کون فیصلہ کرے گا، یہ خطاء ہے یا صحیح

ہے۔اس لیے خطا سے معصوم ہونا بعد از اعلان نبوت ضروری ہے۔اور نبوت سے پہلے بھی اعلیٰ کردار اور اعمال صالحہ کا ہونا بہت اہم ہے،اور لیڈرشپ کی ضرورت ہے۔جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو عنایت کرتے ہیں اور گناہ سے حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں

جنت کی زندگی:۔

آیت مبارکہ میں جنت کی زندگی کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں، کہ وہاں نہ غذا کا مسئلہ، نہ لباس کی پریشانی، ہوگی اور نہ ہی سکونت کے مسائل ہوں گے۔اور یہی وجہ ہے کہ انسان کی اصل جنت کے ماحول میں ابتداء کی وجہ سے دنیا میں آنے کے بعد بدن کو ہر وقت آرام کی ضرورت پیش نظر رہتی ہے۔اس کی تفصیل ایک جدید سائنسی کتاب میں تحریر کی گئی ہے۔جو الہامی کتب کے نظریہ انسان جنت سے نکالا گیا ہے۔کو ثابت کرتی ہے۔ایک اور حدیث کے مطابق جنت کی زندگی میں انسان اپنی جوانی کی کیفیت میں ہوں گے۔(کتاب کا نام:انسان زمین سے نہیں۔ایک علمی تجزیہ)۔

HUMAN ARE NOT FROM EARTH: A Scientific Evaluation of Evidence , By Dr Silver Ellis.

آیت مبارکہ، انسانی زمین پر معاش و سکونت کے لیے جس جدوجہد کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔اس کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے۔جس سے ہم روزمرہ کی زندگی میں گزر رہے ہیں۔مشقت کے لیے واحد مذکر (مفرد) کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے فقہ میں یہ نکتہ لیا گیا ہے کہ نان نفقہ کی ذمہ داری مرد کی زیادہ ہے، خاتون کو طبعی امور، حمل، رضاعت کے لیے گھر میں زیادہ وقت گزارنا پڑتا ہے، اس لیے وہ اس کی کم ذمہ دار ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ٘ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۪ۖ۝

چنانچہ ان دونوں نے اس میں سے (پھل) کھایا۔ تو ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئیں۔اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور لغزش میں مبتلا ہوگیا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى۝

پھر اسے اس کے رب نے برگزیدہ کیا اس کی توبہ قبول کی اور (اسے) ہدایت دی۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ٘ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى٘ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى۝

اس (اللہ) نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے نکل جاو۔ تمہارے بعض بعض کے دشمن ہیں۔پھر جب تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

شیطانی خیالات:۔

شیطان نے اپنے غلط خیالات کو جس طرح تاکید اور قسم کے ساتھ پیش کیا، حضرت آدم نے اسے صحیح سمجھ کر درخت کا پھل کھالیا اور اس غلطی کے نتیجہ میں آپ کے جسم سے جنت کا لباس اتر گیا۔ جس کی وجہ سے جسم ڈھانپا ہوا تھا، ننگا ہو گیا۔ اور شرمگاہوں کو آپ نے پتوں سے ڈھانپنا چاہا۔ شیطان آج بھی ہمارے دماغ میں سرایت کر کے مختلف خیالات و نظریات، جو اللہ کے احکام کے خلاف ہیں، بڑی چالاکی اور ملمع سازی سے ڈالتا ہے۔ جس کی مثال انسانی آزادی کا نعرہ ہے۔ جس کا حق ہر کسی کو ہے لیکن اس کی وجہ سے میرا جسم میری مرضی کا نعرہ ہے۔ جس کا مقصد جسم کا جنسی یا غیر فطری استعمال ہے۔ اسی طرح مساوات کے نعرہ کی یہ تعبیر کہ مرد اور عورت ہر طرح سے برابر ہیں۔ یہ بھی فطرت کے خلاف ہے۔ مرد کی طبعی اور جسمانی ساخت و نوعیت مختلف ہے اور عورت کی مختلف۔ ہر ساخت یا نوعیت، اپنے اپنے اعمال کے لیے مناسب ترین ہے۔ مثلاً حمل، ولادت، رضاعت (دودھ پلانا) وغیرہ۔ اس لیے یہ نعرے بظاہر صحیح، لیکن درپردہ انسانیت کے لیے ناسور ہیں۔ اور آج بھی انسان شیطان کے ان نعروں سے متاثر ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں حضرت آدم اور شیطان کے بہکانے اور انسان دشمن کا ذکر بار بار کیا گیا ہے، تاکہ قاری اس کی اہمیت سے آگاہ ہو کر اپنے آپ کو بچالے۔ اسی اگلی آیت میں فرمایا کہ جس انسان نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی (بذریعہ انبیاء اور کتب الہامی) ہدایت کو پکڑا تو وہ نہ تو گمراہ ہو گا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

اگر غور کریں کہ اسلام کے احکام، نکاح، طلاق، وعدہ کی پابندی، سچ بولنا، عدل و انصاف کرنا، غریبوں اور محتاجوں کی مدد، پڑوسی، والدین، اولاد کے حقوق، تجارت و معاملات میں شفافیت، چوری قتل، زنا پر سزا، قوانین کی پابندی، زکوۃ، حج، نماز اور صفائی کا اہتمام تمام کا مقصد اس دنیا میں اچھا معاشرہ قائم کرنا ہے۔ ان پر صحیح طریقہ سے عمل کرنے سے آدمی یا معاشرہ گمراہی اور مصائب و مشقت سے بچ جاتا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان تعلیمات پر عمل کرنے والے معاشرے کامیاب معاشرے تھے اور آج بھی ہیں۔

انسان کا نزول ارضی:۔

اس خطاء پر حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو، جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا۔ زمین پر آنے کے بارے میں سائنس انکار کرتی ہے کہ وہ کیسے آئے۔ کیونکہ الہامی کتب میں اس کا ذکر نہیں۔ البتہ جدید سائنس نے جب خلاء میں سیارے بھیجے ہیں۔ ان کے ذریعے خلا یعنی فضا میں اڑنے والے مختلف شہاب ثاقب کے وجود کے بارے میں زیادہ معلومات ملی ہیں۔ شہاب ثاقب زمین پر بھی گرے ہیں اور ان حجم کئی منزلہ عمارتوں کے برابر ہوتا ہے۔ کئی ایسے یا اس سے بڑے زمین سے گزر جاتے ہیں اور یہ بھی خطرہ ہے کہ زمین پر تباہی کا سبب بن سکتے ہیں۔ جس طرح آج ہم انسان کو راکٹ کے ذریعے خلاء میں بھیج سکتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی ان کئی منزلہ بلند و عظیم (برج خلیفہ، ایفل ٹاور، مجسمہ ازادی) کے برابر، کے ذریعہ محفوظ طریقہ پر زمین پر گر سکتا ہے، یا آیا ہو گا۔ روایت کے مطابق حضرت آدم کو، گائے یا بیل کے ذریعے کھیتی باڑی کا علم سکھایا گیا اور زراعت کی ابتداء بھی ہوئی۔ جنت کے ماحول کی وجہ سے تمام پھلوں اور غذاوں کا علم تو تھا ہی۔

جنت سے نکالنے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ تم زمین پر آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف ہو گے۔ شیطان کے تابع ہو کر گمراہی کی طرف جاؤ گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ انسان سے انسان کو جتنی تکلیف پہنچی ہے، اس طرح کسی اور چیز سے نہیں پہنچی۔ عذاب الٰہی برے اعمال کی سزا ہوتی ہے۔ چونکہ انسان کے اندر شیطان سے متاثر ہونے، حالات کے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی قوت اور علم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔ اس لیے انسانی ہدایت کا بھی اہتمام فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ میری ہدایت تمہیں ملے گی۔ اور اگر اس پر عمل کیا تو اس پر کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ معاشرہ اور زندگی پر سکون ہو گی۔ حضرت آدم کو پیغمبر کا بھی اعزاز ملا۔

جنت کا لباس اترنے کی ایک توجیہ یا تاویل کی جا سکتی ہے کہ ممنوعہ پھل کھانے سے حضرت آدم کا نظام ہضم متاثر ہوا۔ فضلہ جسم سے باہر آنے کی ضرورت پیش آئی، جس کی وجہ سے جنت کا لباس، ضائع، پھٹ اور خراب ہو گیا یا اتر گیا۔ کیونکہ احادیث کے مطابق جنت میں غذا سے فضلہ جسم میں پیدا نہیں ہو گا اور اس طرح بدبو یا گندگی نہیں ہو گی۔ بلکہ پسینہ سے اخراج ہو گا۔ حضرت آدم اس غلطی سے شدید نادم اور پریشان ہوئے۔ زمین پر آنے کے بعد گڑگڑا کر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ لیا۔ معافی عطا ہوئی، لیکن زمین کے معمولات میں مشقت اور باہمی انسانی عداوت ساتھ رہ گیں۔

ابلیس نے تکبر کر کے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لیے دھتکارا ہوا کر دیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی انکساری اور توبہ یعنی اقرار جرم، آئندہ نہ کرنے کا عزم سے معافی ملی۔ اپنا کھویا ہوا مقام واپس حاصل کر لیا۔ اسی لیے زندگی کے مصائب میں غلطی کا احساس اور پھر اس کا تدارک ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ آیت مبارکہ کا پیغام بڑا اہم ہے کہ احکام الٰہی پر عمل ہی کامیابی اور سکون و آرام کی ضمانت ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝

اور جس نے میری یاد (احکام) سے اعراض کیا تو بلاشبہ اس کے لیے دنیاوی زندگی تنگ ہو گی۔ اور قیامت کے دن اسے ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝

وہ (انسان) کہے گا: اے میرے رب: تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ جبکہ میں تو دنیا میں دیکھنے والا تھا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝

ارشاد ہو گا: اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات (احکام) آئیں, تو, تو نے وہ بھلا دیں۔ اور اسی طرح آج تجھے بھی بھلا دیا جائے گا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝

اور جو حد سے بڑھ گیا اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لایا، ہم اس کو اسی طرح سزا دیں گے اور یقیناً آخرت کا عذاب شدید تر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى النُّهٰى ۝

کیا پھر (اس چیز نے) ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں؟ جن کے مساکن (بستیوں) میں یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

معاشرت و معاش کی اہمیت:۔

آیات مبارکہ میں قیامت کی منظر کشی فرمائی، کہ اللہ کے احکام سے منہ موڑنے اور نفس کی خواہشات پر چلنے والے، جن کا بڑا محرک شیطان اور نفس امارہ ہے، کا کیا حال ہو گا۔ دنیا میں ان کی معاشرت بہت مشکل ہو گی۔ جس کا پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا۔ اس سے دنیا کی زندگی کی اہمیت اور اس زندگی میں معاش و معاشرت کا آرام و سکون کس قدر اہم ہے، واضح ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: گناہ کی سزا کی قسمیں ہیں۔ ا۔ معیشت کا تنگ ہونا، بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہونا اور بغیر اللہ کی نافرمانی کے روزی کا حاصل نہ ہونا۔ اگر غور کریں تو ہر فرد حصول آرام و سکون کی تگ و دو میں لگا ہوا ہے۔ موجودہ دنیا کے سماجی حالات اور معاشروں پر اگر غور کریں بالخصوص ترقی پذیر یا غیر ترقی پذیر ممالک ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں اسلام کے معاشرتی احکام کا فقدان ہے۔ بلکہ اسلامی ممالک میں بھی فقدان ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ممالک، ان ممالک کے مقابلہ میں معیار زندگی کی سہولیات میں کم تر ہیں جہاں معاشرت میں اسلامی احکام اور عدل کے اصولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ دنیا میں حقوق اللہ میں جو کمی یا اس سے بے پرواہی ہے اسکی سزا کچھ یہاں اور زیادہ آخرت میں دی جائے گی۔

عقل کی ضرورت:۔

اللہ کے احکام کا انکار کرنے والے، اس کی ذات کو بھولنے والے، جب قیامت میں اٹھیں گے، تو ان کی کیفیت و حالت ایک اندھے انسانی کی ہو گی، جو سہارا کے بغیر ہر وقت خطرہ کا شکار ہوتا ہے۔ یہ سہارا انسان کا ہو یا چھڑی، اسے اس کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ یہ انسان جو دنیا میں علم اور تمام سہولیات سے آراستہ تھا، لیکن احکام خداوندی سے منہ پھیر چکا تھا۔ جب قیامت میں اٹھے گا تو اس کی کیفیت اندھے کی طرح ہو گی، کیونکہ اس کا اعمال نامہ اسکی حقیقت واضح کر دے گا۔ اور اسے اپنے بچاو کے لیے کچھ بھی دکھائی نہیں دے گا۔ اپنی اس پریشانی کی کیفیت کا جب اظہار کرے گا تو جواب بڑا واضح ہو گا، کہ یہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جس طرح تم ہدایت الہی کو دنیا کی زندگی میں بھول گئے تھے اسی طرح آج تم بھی بھلائے گئے ہو۔ اور یہ آخرت کا عذاب دائمی ہو گا۔ اس کے علاوہ موجودہ دنیا میں پرانی تاریخ اور تباہ شدہ آثار اس بات کے شواہد ہیں، کہ انسان نے جب بھی ظلم کا راستہ اختیار کیا، تو عذاب الہی میں گرفتار ہو کر درس عبرت بن گیا۔ اور اب سب انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس سے سبق سیکھیں اور بالخصوص کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے۔

ان تمام امور پر غور و فکر کے لیے علم اور عقل کی ضرورت ہے کہ انسانی جذبات و خیالات کا احکام الہی کی روشنی بالخصوص فرائض واجبات اور سیرت النبی کی روشنی و ہدایات میں دیکھا جائے پھر دائمی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔ اس کے لیے عقل کی استعمال کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔

وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی ﴿۱۲۹﴾ؕ

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی اور معیاد مقرر بھی نہ ہوتی تو انہیں عذاب اسی وقت آچمٹتا۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَ قَبۡلَ غُرُوۡبِہَا ۚ وَ مِنۡ اٰنَآیِٔ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ وَ اَطۡرَافَ النَّہَارِ لَعَلَّکَ تَرۡضٰی ﴿۱۳۰﴾

لہذا جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں اور طلوع شمس (سورج) سے پہلے اور اسکے غروب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور رات کے کچھ اوقات میں بھی تسبیح کیجیے اور دن کے (دونوں) حصوں میں بھی تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔

سزا میں مہلت:۔

دوران نزول سورت، قبل از ہجرت مدینہ، مسلمانوں کی مکہ میں ظلم و ستم کی وجہ سے حالت زبوں تھی۔ ادھر قریش مکہ میں اکثر، بت پرست، مال و دولت، اولاد و حشم، کے مزے لوٹ رہے تھے۔ یہ کیفیت بعض اوقات سوال پیدا کرتی ہے، کہ یہ قانون مکافات عمل، کے تحت کیوں نہیں لائے جارہے۔ اس کا جواب ہے کہ، اللہ تعالی اپنے نظام کے تحت جہاں انسان کو اختیار دیا، وہاں مہلت بھی دی ہے اور یہی مہلت اسے وہ موقع میسر کرتی ہے کہ وہ ظلم اور نافرمانی میں اپنی اخری حد کو چھو کر دائمی عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالی نے یہ مہلت کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو فوری طور پر عذاب مل جاتا، لیکن پھر اختیار کا استعمال محدود رہ جاتا ہے۔ نبی علیہ اسلام اور وہ تمام افراد جو ایک مقصد کے تحت تبلیغ کا کام سر انجام دے رہے ہیں، ان کے لیے راہنمائی ہے کہ پریشانی اور تکالیف میں صبر کریں اور اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

نماز کے اوقات:۔

اللہ کی عبادت کے اوقات کے بارے راہنمائی کی گئی۔ سورج کے نکلنے سے پہلے، جس طرح فجر کی نماز ہے اور غروب سے پہلے جس طرح عصر ہے۔ رات کے اوقات میں مغرب اور عشاء کے اوقات۔ اسی طرح دن کے دونوں حصوں میں ظہر ہے۔ جس کی ایک طرف زوال کا اختتام اور دوسری جانب بعد از زوال وقت کی ابتداء ہے یا۔ اس سے مراد رات اور دن کے اندر مختلف اوقات میں اللہ کا ذکر اور یاد ہے۔ اسکا مقصد کچھ وقفے (چند گھنٹوں) کے بعد اللہ کی یاد سے دل کو معمور کرنا، نفسیاتی اور دوسرے معاشرتی مسائل سے چٹکارا لے کر اپنے خالق سے رابطہ کرنا ہے۔ یہ عمل نہ صرف ایمان کی تازگی، اللہ سے تعلق میں استواری کے علاوہ نفسیاتی اور اعصابی طور پر انسان کی راحت و آرام کے لیے بڑا مفید ہے۔ اللہ کے ذکر سے انسان مطمئن ہوتا ہے۔ راضی ہونے سے مراد درجات میں بلندی مقصود ہے۔ جیسے مقام محمود پر فائز ہونا ہے۔ جو نبی ﷺ کا امتیاز ہے۔ ایک مراد اسلام کا غلبہ ہے۔ جو بعد میں ثابت ہو گیا۔

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیۡنَیۡکَ اِلٰی مَا مَتَّعۡنَا بِہٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡہُمۡ زَہۡرَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۬ۙ لِنَفۡتِنَہُمۡ فِیۡہِ ؕ وَ رِزۡقُ رَبِّکَ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ﴿۱۳۱﴾

اور (اے نبی) ان چیزوں کی طرف اپنی نگاہیں نہ اٹھائیں جو ہم نے زندگانی (دنیا) کی آرائش کے لیے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں تا کہ ہم انہیں ان کے ذریعہ سے آزمائیں۔ اور آپ کے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝

اور اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیجیے اور (خود بھی) اس پر قائم رہیے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے۔ ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں اور (بہترین) انجام تو (اہل) تقوی کے لیے ہے۔

قناعت:۔

اہل دنیا کو مہلت کی حکمت، اللہ کی یاد کی اہمیت کے بعد دوبارہ تسلی فرمائی کہ دنیا کی یہ رنگینی اگرچہ کچھ افراد کے لیے باعث فخر ہے۔ لیکن در حقیقت کچھ بھی نہیں۔ رنگینی کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ ذات خدا نے دنیا کے لیے انسان کے اندر ایک کشش رکھ دی ہے۔ اور یہی امتحان ہے کہ کیسے اسکو حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ اولاد، محلات، دولت، قوت کی حقیقت، بڑی کمزور ہے۔ یہ اس لیے دی جاتی ہے کہ انسان کے اختیار کو آزمایا جائے۔ اکثر لوگ اس امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں، اس لحاظ سے جس کو یہ دولت نہیں ملتی، وہ کم از کم اس امتحان میں ناکام ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور اللہ کا عطا کردہ رزق سب سے بہتر ہے۔ قناعت کا درس دیا جا رہا ہے کہ قناعت کتنی بڑی دولت ہے۔ اگر انسان اللہ کے عطا کردہ پر قناعت کرے اور اپنے اخلاق کو بلند اور اللہ کی محبت سے دل سرشار کرے، تو اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور یہ نعمت اس دنیا اور آخرت دونوں میں رہے گی۔ قناعت نفسیاتی طور پر ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جو انسان کو جسمانی اور اعصابی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ معاشرہ میں انسان مثبت انداز میں عمل کرتا ہے اور اس کی برکت سے دوسرے بھی مطمئن ہوتے ہیں۔

عظیم لیڈر:۔

آیت نمبر ۱۳۱، کا شان نزول کے بارے میں ابو رافع مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ نے مجھے بلایا، اور ایک یہودی کی طرف بھیجا، جو مواد غذائیہ بیچتا تھا۔ اور فرمایا: کہ اسے کہو: کہ رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں، کہ مجھے اتنی مقدار کا آٹا ادھار یا فروخت کر دو اور ماہ رجب تک ادھار پر دو۔ (ابو رافع) کہتے ہیں، کہ میں نے یہودی سے کہا، تو اس نے کہا: اللہ کی قسم کہ میں ادھار پر نہیں بیچوں گا۔ جب تک وہ کوئی رھن چیز نہ دیں۔ پھر میں رسول للہ ﷺ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ کی قسم، کہ اس نے مجھے بیچا یا ادھار دیا ہوتا، تو میں اسے پورا ادا کرتا۔ میں زمین و آسمان میں دیانت و امانت دار ہوں: فرمایا: جاو میری زرہ اس کی طرف لے جاو۔ یہ آیت دنیا کے بارے میں نازل ہوئی۔ (الطبری، زاد المسیر للجوزی) ۔ یہ اس ذات کے واقعات اور کردار ہیں جو نہ صرف سربراہ مملکت تھے، بلکہ قانون سازی اور روحانیت کے لحاظ سے نبی تھے۔ مال غنیمت میں ایک حصہ آپ کی ذات کے اخراجات کے لیے تھا۔ لیکن وہ بھی امت یعنی وہاں کے

فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔ جب آپ کے ہاں مہمان آیا، توگھر میں کھانا پکانے کے لیے آٹا یا مواد غذائیہ نہیں تھا۔ جو کہ ایک یہودی تاجر سے ادھار خرید کر مہمان اور گھر کھانے کا بندوبست ہوا۔ اگر مہمان نہ آتا تو رات کو بغیر کھائے سو جاتے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو آپ صرف چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ چٹائی کے سخت کھجور کے پتوں کی وجہ سے آپ کے جسم مبارک پر نشان پڑ گئے تھے۔ سربراہ مملکت اور روحانی لیڈر (نبی) کی یہ حالت دیکھ کر حضرت عمر کے آنسو نکل آئے۔ اور عرض کی کہ شاہان فارس و شام کے ہاں عیش و عشرت ہے۔ اور آپ ہمارے حکمران ہیں اور اس حالت میں گزار رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا دنیا سے کیا کام (مجھے کوئی رغبت و شوق نہیں)۔ میرا تو ایک مسافر کی طرح معاملہ ہے۔ جو درخت کے نیچے کچھ دیر ٹھہرا اور چل دیا۔ آپ کا یہ زہد اور دنیا کی زندگی سے بے پرواہی، لیڈروں کے لیے مثال تھی۔ دوسری طرف اپنی امت یعنی عوام کا احساس اور خیال تھا کہ جب بھی کوئی مال غنیمت آیا۔ آپ اپنے حصہ کو بھی امت، یعنی قوم کے فقراء و غرباء میں تقسیم کر دیتے، اور اپنی ذات کے لیے کچھ نہ رکھتے۔ یہ ایک سربراہ کے لیے مثال ہے، کہ اپنی ذات کے آرام کو اپنے عوام کے آرام سے زیادہ ترجیح نہ دے، بلکہ ان کی طرح رہے تا کہ اس کو ان کا احساس ہو۔ اور دوسری طرف یہ پیغام تھا کہ دنیا کی حرص کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس کے لیے کوئی غلط عمل اور کام نہیں کرنا چاہیے۔ غیر مسلموں کے ساتھ معاملات دیکھیں، یہ آپ سربراہ مملکت اور ہزاروں مسلمان آپ کے تابع اور اشارے پر جان دینے کے لیے تیار تھے۔ لیکن آپ نے وہاں کاروبار کے معاملات (ادھار لینے) کو ایک عام انسان کی طرح معاملہ کیا اور کسی طرح سربراہ مملکت کا، یا غیر اخلاقی رویہ ظاہر نہیں کیا۔ آج ہمارے علماء و لیڈر، غیر مسلموں کے ساتھ جس طرح سلوک کرتے ہیں۔ باعث شرمندگی ہے۔ اسلام نے ہر انسان کو اپنے دین کی آزادی دی ہے اور حقوق کے احترام کو لازم قرار دیا ہے۔

آپ کے کردار کا نمونہ آپ کے خلفاء راشدین نے اپنایا۔ حضرت ابو بکر ایک امیر تاجر تھے۔ مگر جب خلیفہ بنے تو سارا کاروبار چھوڑ دیا اور بہت معمولی وظیفہ (ماہانہ) پر کام کیا جب اس دنیا سے گئے تو آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ آپ کی کافی اولاد تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح زندگی گزاری۔ حضرت عثمان بہت مالدار تھے۔ جب اس دنیا سے گئے تو سب اللہ کی راہ میں دے چکے تھے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی انتہائی فقر و سادگی میں زندگی گزاری اور دنیا سے چلے گئے۔ آج تک انسانی تاریخ نے ایسے عظیم لیڈر نہیں دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شمار غیر مسلموں نے بھی دنیا کے عظیم ترین لیڈروں میں کیا ہے۔

دنیا کی حقیقت کے بعد اللہ کی یاد کی اہمیت کو واضح فرمایا کہ نماز کا حکم دیں۔ خود بھی پڑھیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی اسکا پابند بنائیں۔ نماز اللہ کی یاد اور ذکر کا بہترین ذریعہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ سجدہ میں انسان اللہ کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس آیت کی بنا پر اہل و عیال کو نماز کی ترغیب دینا اور یاد دہانی کرانا ضروری ہے۔ اکثر اوقات آدمی رزق کی تلاش

میں اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ واضح فرمایا کہ رزق کے اسباب اور دنیا اللہ کے ذمہ ہے۔ لہذا پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ رزق کے لیے محنت بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز پڑھ لی جائے۔ تو زمین میں پھیل جاو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (سورہ الجمعہ ۱۰) حدیث مبارک ہے " رسول للہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اہل عیال کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے، وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب سے نکلے، وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے، وہ شیطان کے راستے میں ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۵) جب انسان اللہ کی یاد رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالی اس کے لیے اسباب آسان کر دیتے ہیں اور آدمی پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝

اور انہوں نے کہا یہ اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔ کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آچکی جو پہلی کتابوں میں ہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ۝

اگر ہم انہیں (کفار کو) رسول بھیجنے سے پہلے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے رب: تونے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجے کہ ہم (عذاب میں) ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے تیری امتوں کا اتباع کرتے۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝

آپ کہیے سب انتظار کر رہے ہیں سو تم بھی انتظار کرو۔ عنقریب تم جان لوگے کہ سیدھے راستے والے اور ہدایت یافتہ لوگ کون ہیں۔

کفار مکہ کے غلط مطالبات، مختلف معجزوں کے لیے ہوتے اور وہ ہر وقت نشانی یا معجزہ طلب کرتے۔ اسکے جواب میں فرمایا، کہ تمام صحائف قدیم، حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ، علیھم السلام میں نبی آخر الزمان کی آمد کی نوید دی گئی تھی۔ تو انہیں آپ کی آمد کا یقین وعلم ہونا چاہیے اور یہ بڑی نشانی ہے۔

اصول حلال:۔

ایک اور اہم نکتہ جو اصول فقہ سے متعلق ہے کہ اتمام حجت کے لیے عذاب دینے سے پہلے، اللہ تعالی، مخلوق کے لیے ایک پیغمبر، رہنما بھیجتے ہیں۔ جو کہ تبلیغ اور تنبیہ کرتا ہے۔ اور جب اس پر افراد (کفار) عمل نہیں کرتے تو ان کو عذاب آلیتا ہے۔ رسول کا وجود، ان کی حجت عدل کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ اس سے علماء نے ایک اصول وضع کیا ہے، کہ جب کسی چیز کے ممنوع ہونے کی اطلاع نہیں، تو وہ اصولی طور ممنوع نہیں، بلکہ جائز ہے۔ جب ممنوع یا حرام ہونے کی اطلاع آجائے، تو پھر حرام بن جاتی

ہے۔ بعض اوقات کچھ اہل علم اپنی فقہی کم علمی کے غلط استعمال کی وجہ سے ہر چیز کو حرام تصور کرتے ہیں، جب تک ان کی پسند نہ ہو یا واضح حکم کرنے کا نہ ہو۔ یہ عمومی فقہ کے اصول سہولت، کہ شریعت آسانی کو ترجیح دیتی ہے، کے خلاف ہے۔

اگر کفار مکہ، ان دلائل کے باوجود معجزوں پر اصرار کرتے ہیں، جبکہ پچھلی امتوں نے جب معجزے دیکھے اور انکار کیا تو پھر ہلاک ہو گئے۔ وقت آنے پر دیکھ لیں گے کہ سچ پر کون ہے اور کون کامیاب ہوتا ہے اور کون ناکام۔ سیدھے راستے (احکام الٰہی) پر چلنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ چند سالوں کے بعد مسلمان نہ صرف مکہ، بلکہ حجاز اور یمن میں کامیاب وکامران ہو گئے۔ اور کفار مکہ جنہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، ذلیل وخوار ہوئے۔

الحمد اللہ سورہ طہ مکمل ہوئی اللہ تعالی اپنے اخری نبی سید المرسلین کے طفیل تمام قرآن مجید کی صحیح تفسیر و تاویل کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت کے لیے باعث نجاعت بنائے۔ امین۔

27 محرم الحرام 1428 ھجری بمطابق 28 اگست 2021

۲۱۔ سورت الانبیاء

تعارف:۔

سورت کا نام انبیا حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اس کا یہ نام ذکر کیا ہے۔ اس میں بہت سے انبیاء کا ذکر بھی ہے۔ اس کا ترتیب کے لحاظ سے 21 اور نزول کے اعتبار سے 71 نمبر ہے۔ اس میں 112 آیات اور سات رکوع ہیں۔ سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اور ان پانچ سورتوں، بنی اسرائیل، کہف، مریم، طہٰ، اور انبیاء کا زمانہ نزول مسلسل (ایک دوسرے کے بعد) آیا ہے۔ اس سورت میں متعدد انبیاء علیہم اسلام (18 عدد) کا ذکر ہے۔

سورت طٰہٰ اور سورت انبیاء میں اختتام اور ابتداء میں ہم آہنگی ہے۔ سورت طٰہٰ کا اختتام میں دنیا کی رنگینی کی حیثیت عارضی بیان کی گئی۔ انبیاء کے ابتداء میں قیامت کا ذکر ہے۔ اور لوگوں کی قیامت سے غفلت کا بیان ہے۔ قریش مکہ کے اس غلط نظریہ، کہ نبی کوئی مافوق الفطرت وجود ہو، انسان نہیں ہو سکتا، کی تردید کی گئی ہے، کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور یہ نبی بھی انسان ہیں۔ لہٰذا ان کا پیغام اللہ کا پیغام ہے۔ توحید اور آخرت پر شکوک وشبہات غلط ہیں۔

قرآن مجید ایک معجزہ ہے جو ان معجزوں کی طرح نہیں جو انبیاء کے ساتھ صرف وقتی طور پر ظاہر ہوئے اور ختم ہو گئے۔ اور اگر تم اسے انسانی کلام تصور کرتے ہو تو اس طرح کا، لے آو۔

عذاب کی وعید جو اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ صرف دھمکی نہیں اور یہ خیال کہ نبی کو جھٹلانے کے بعد بھی عذاب نہیں آرہا ہے، تو نبی صحیح نہیں، غلط ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے انبیاء کی سیرت کا ذکر فرمایا کہ اسطرح کی مخالفت ہمیشہ رہی اور جن لوگوں نے جھٹلایا اور معجزوں بعد انکار کیا وہ تباہ کر دیے گئے۔ تمام انبیاء کا ایک ہی دین ہے۔ جس میں توحید خدا، قیامت اور حساب وکتاب کا حکم ہے اور یہ دین نوع انسانی کے لیے اصل دین ہے۔

اللہ کے وجود کے سائنسی دلائل میں مظاہر کائنات کا ذکر ہے، پھر قیامت میں یہ سب ختم ہو جائے گا۔ انسان کی کامیابی کا انحصار، اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں ہے۔ اور انکار کرنے والے آخرت میں بدترین انجام کا شکار ہوں گے۔ یہ نبی زحمت نہیں ،بلکہ سراپا رحمت ہے۔ اور اللہ واحد لاشریک ہی مستحق عبادت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ‌ۚ

لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جبکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں۔

مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۙ

ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس جو بھی نئی نصیحت آتی ہے۔ اسے وہ ہنسی مذاق (کھیل کود) میں سنتے ہیں۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

ان کے دل غافل ہیں اور ظالموں نے چپکے چپکے مشورہ کیا کہ یہ (رسول) تم جیسا ایک انسان ہے۔ کیا تم پھر جانتے بوجھتے ہوئے اس کے جادو میں پھنستے (جاتے) ہو۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۫ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اس (رسول) نے کہا: میرا رب آسمان اور زمین میں ہر بات جانتا ہے اور خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝

بلکہ انہوں نے کہا: یہ پراگندہ خواب ہے بلکہ اس نے جھوٹ گھڑ لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے۔ لہذا اسے ہمارے پاس کوئی (ایسی) نشانی لانی چاہیے جیسے پہلے رسول لائے تھے۔

آیات میں حضور علیہ السلام کے پیغام کی اہمیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ کہ لوگ (قریش مکہ) غفلت میں پڑے ہیں۔ توحید سے جاہل ہیں۔ جو اللہ کے احکام بتائے جاتے ہیں ان کی پرواہ نہیں کرتے اور قرآن مجید کو ہنسی مذاق سے سنتے ہیں۔ یہی قریش مکہ کا رویہ تھا۔ دوسری طرف یہ اعلان فرمایا، کہ یہ پیغام الٰہی آخری پیغام ہے۔ اسکے بعد نہ کوئی نبی آئے گا۔ اس پر توجہ دی جائے۔ سنا جائے اور قبول کیا جائے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا اور قیامت کا وقت اس طرح ہے۔ جس طرح دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ۔ یعنی اللہ تعالی کے نظام کے تحت آپ آخری پیغمبر ہیں۔ لہذا اور نہ کوئی نیا پیغام، نہ ہی نبی آئے گا، اسکے بعد قیامت آئے گی۔

قریش مکہ نے قرآن مجید اور نبی علیہ السلام کے پیغام کے خلاف پورا پراپگنڈہ شروع کیا ہوا تھا، مکہ میں تو تھا ہی، لیکن حج کے موقع پر افراد کو متعین کر کے، آنے والوں کو پہلے ہی آگاہ کر دیا جاتا، تاکہ وہ آپ سے نہ مل سکیں اور اگر ملیں تو پہلے سے معلومات کی وجہ سے اثر نہ لیں۔ اس سے ایک یہ فائدہ ہوا کہ آپ کی ذات معروف ہو گئی اور کئی لوگوں میں خود بخود آپ کا پیغام جاننے کی جستجو پیدا ہو گئی۔ قریش اس پیغام کی تاثیر سے اتنے خوف زدہ تھے، کہ کبھی وہ جادو اور کبھی اسے شاعرانہ کلام سمجھتے۔ کلام کی تاثیر اور بعض موزوں جملوں اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اشعار سمجھتے۔ افکار و ہدایات جو قرآن مجید کے ہیں، مثلاً آخرت، قیامت، انسانی اعمال کی جوابدہی، کو خواب پریشان تصور کرتے تھے۔ اور اس پر تاثیر کلام سے خوف کی وجہ سے لوگوں کو سننے سے ہی منع کرتے اور اس کی تاثیر کو جادو کا اثر سمجھتے۔ کیونکہ عام افراد، جادوگر کی نفسیاتی تکنیک (نظر بندی) کی وجہ سے ایک خیال کو یقین کر لیتا ہے۔ جو بھی قرآن مجید کو سنتا تھا۔ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بتوں کے مقابل اللہ کی صفات بیان کیں۔ وہ اس کائنات کے ہر ذرہ کو جانتا، کنٹرول کرتا ہے۔ اس زمین پر زندگی جلد ختم ہو جائے گی۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا اور ہر سرگوشی اور چھپی ہوئی بات یا عمل کو جاننے والا ہے۔ لہذا کوئی بھی خفیہ ساز باز، اللہ کے پیغام کو روک نہیں سکتی۔

قریش مکہ کا نبی کے بارے تصور ایک تخیلاتی اور ماورا انسان کا تھا۔ کیونکہ اللہ کے پیغام کے لیے وہ انسان سے بڑی، مخلوق کا ہونا تصور کرتے تھے۔ اس لیے، وہ نبی ﷺ کی نبوت پر یقین نہیں کرتے تھے۔ اعتراض یہ کرتے کہ وہ عام انسان کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ کھانا، پینا، سونا، اولاد بیوی وغیرہ۔ قرآن مجید کے علاوہ کسی بڑے جسمانی ہیکل کے معجزہ کا مطالبہ کرتے تھے۔ اللہ تعالی نے اس کو رد فرمایا کہ تمام ابنیا، بشمول ہمارے نبی علیہ السلام، انسان تھے۔ اور انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ لیکن ان کی ذمہ داری، علم، کردار، اور لیڈرشپ بہت اعلی ہوتی ہے۔ کفار کے اس خیال کو کئی دفعہ رد فرمایا کیونکہ سننے، جاننے اور سیکھنے کے عمل کے لیے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ ان کا یہ نظریہ کہ نبی انسان کی طرح رہنا، کھانا، پینا اور معاملات نہیں کر سکتا، غلط ہے۔

مَآ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا‌ ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ۝

ان سے پہلے کوئی بستی بھی جسے ہم نے ہلاک کیا ایمان نہیں لائی تھی۔ کیا پھر یہ ایمان لائیں گے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ‌ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۝

(اے نبی) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے۔ ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم خود نہیں جانتے تو اہل علم (اہل کتاب) سے پوچھ لیں۔

وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا لَّا يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِيۡنَ۝

اور ہم نے ان نبیوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَيۡنٰهُمۡ وَمَنۡ نَّشَآءُ وَاَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِيۡنَ۝

پھر ہم نے ان (رسولوں) سے وعدہ (کیا ہوا) سچا کر دکھایا چنانچہ ہم نے ان کو اور جس کو ہم نے چاہا نجات دی اور ہم نے حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ كِتٰبًا فِيۡهِ ذِكۡرُكُمۡ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۝

بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے۔ اس میں تمہارا ہی ذکر (نصیحت) ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔ (عقل کرتے؟)

مرد ہی نبی کیوں:

اہل مکہ، اسلام اور نبی ﷺ کی مخالفت میں عجیب و غریب معجزات کا مطالبہ کرتے، لیکن ان سب کا محرک ضد تھی، اس لیے جواب میں بتایا گیا کہ اس سے پہلے قوموں نے معجزہ کا مطالبہ کیا، (قوم صالح)۔ لیکن مخالفت وضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور اس کے نتیجہ میں ہلاک کر دیے گئے اور، اگر وہ ایمان نہ لائے تو یہی حال قریش کا ہو گا۔ ساتھ ہی دوبارہ تاکیداً مطلع کیا، کہ تمام انبیاء، انسان اور مرد تھے۔ بحثیت انسان، مرد اور عورت برابر ہیں۔" وللرجال نصیب مما الکتسبو للنساء نصیب مما لکتسبن واسئلو اللہ من فضلا ان اللہ کان کل شئی علیما النسا آیت نمبر ۳۲ "مردوں کے لیے جو انہوں

نے کمایا، اور عورتوں کے لیے جو انہوں نے کمایا اور اللہ سے فضل طلب کرو، بے شک اللہ ہر شئی کو جاننے والا ہے" البتہ دونوں کی جسمانی ساخت، طبی عوارض و خواص مختلف ہیں۔ اور ان عوارض کے اختلاف کی بنا پر انسانی معاشرہ میں ان کے لیے مخصوص اعمال بھی مختلف ہیں مثلاً ولادت، ماہواری، بعد از ولادت کے مراحل، حمل کے مسائل، اسی طرح جنسی طبعی بیماریوں کے جسمانی ساخت کے مطابق اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ ان عوارض کی بنا پر خواتین کو نبوت کی ذمہ داریوں سے بچایا گیا۔ قرآن مجید نے کئی مقام پر واضح کیا ہے کہ ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور اسی کے مطابق، جزا و سزا کا مستحق ہو گا۔ دوسرے مذاہب اور علامہ قرطبی نے نبوت کے لیے عورت کو صحیح قرار دیا ہے۔ انبیا، معاشرہ کا حصہ ہیں۔ کھانا، پینا، شادی، اولاد بھی ان کی زندگی اور پھر موت، ان کا حصہ ہے۔ ان کے ایسے جسم نہیں بنائے جو کھاتے پیتے نہ ہوں، اس سے ایک اشارہ ہے کہ بعض غیر مادی قوت بالخصوص فرشتے اور جنات بھی وجودی شکل اختیار کر سکتے ہیں لیکن وہ عملی طور پر کھانا پینا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا وجود طبعی (مادی) نہیں بلکہ مثالی ہوتا ہے۔ ان کی اصل مادہ نہیں، بلکہ انرجی، آگ یا روشنی ہے۔ جس طرح فرشتے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں گئے تھے۔ اسی طرح حضرت مریم کے پاس بھی انسانی شکل میں حضرت جبرائیل نے حمل کی خبر سنائی۔ جب فرشتوں کے لیے کھانا لایا گیا، تو انہوں نے نہیں کھایا۔ جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم کو پریشانی لاحق ہوئی۔

غیر مادی اجسام (فرشتے):۔

سائنس غیر مادی وجود کو مادی شکل میں یعنی فرشتے سے انسانی شکل کو نہیں مانتی۔ اگرچہ بھوت کے واقعات مشہور ہیں۔ لیکن جب سے انسان نے ہوا میں اڑنا اور اوپر جانا شروع کیا ہے تو فضا میں پرواز کے دوران اس طرح کے وجود کا جن کا حجم زیادہ ہوتا ہے۔ نظر آئے اور جب ان کے قریب پہنچے تو وہ اور شکل بدل لیتے ہیں۔ (بادل کی طرح) یا آگے پیچھے فوری طور پر حرکت کرتے ہیں۔ ان کو ہوابازی کی اصطلاح میں (UFO نامعلوم ہوائی مخلوق) Unidentified Flying Object کہتے ہیں۔ ان کی بہت سی ویڈیو بنائی گئیں۔ کئی سالوں میں زیادہ تعداد اور مواد کی بناء پر جولائی 2021 کو ناسا NASA اور وزارت دفاع (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) USA نے ان کے وجود کو تسلیم کر لیا۔

جن معاشروں نے مطالبہ پر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی انکار کیا، ان کا انجام تباہی پر ہوا۔ کیونکہ وہ اپنی حد سے گذر گئے۔ تھے اور گمراہی میں ختم ہو گئے۔ ان کے وجود کو بھی ختم کر دیا گیا۔ احکام الٰہی اور اللہ کے وجود سے انکار کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی۔

حق کی تلاش:۔

قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے نصیحت کی کتاب ہے۔ پہلے کتابیں، تورات، زبور اور انجیل آئی ہیں۔ اس میں انسانوں کے لیے دستور زندگی ہے۔ اگر وہ غور و فکر کریں تو اس حقیقت کو پاسکتے ہیں۔ اور اگر غور و فکر نہیں کریں گے تو گمراہ ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔ اگر علم نہ ہو تو اہل علم سے معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور وہ افراد جن کے پاس تعلیم نہیں یا تعلیم کے باوجود مذہب کے بارے میں معلومات یا تحقیق کا وقت نہیں۔ تو وہ اپنے اعتماد والے اہل علم، سے معلومات حاصل کر کے اس پر عمل کر سکتے

ہیں۔ اور ایسے افراد کے لیے تقلید کا جواز ہے، اور مفید بھی ہے۔ اہل مکہ کو پرانی الہامی کتب اور پرانے انبیاء کے بارے ضد کے بجائے اہل کتاب سے معلومات لینے کے لیے بھی حکم دیا ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۝

اور ہم نے کتنی ہی بستیاں تہس نہس کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۝ؕ

پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب (کی آمد) کو محسوس کیا۔ تو وہ لوگ وہاں سے بھاگنے لگے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَ ارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ۝

(ان سے کہا گیا) مت بھاگو: اور اسی جگہ واپس جاو جہاں تمہیں سامان عیش و عشرت دیا گیا تھا۔ اور اپنے مکانات و محلات کی طرف تا کہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝

وہ کہنے لگے: ہائے ہماری کمبختی بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ۝

پھر یہی ان کی پکار رہی۔ حتی کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی فصل اور راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

قریش مکہ جو اللہ کے احکام، موت کے بعد زندگی، حساب و کتاب، کا انکار کرتے تھے اور پھر اس کے ساتھ معاشرہ میں کمزوروں پر ظلم ہوتا تھا۔ انصاف ناممکن تھا۔ اس ظلم (حقوق اللہ اور حقوق العباد) کے نتیجہ میں سابقہ اقوام، جن کے بارے میں انہیں علم تھا، کا ذکر کیا۔ ان کی وہ کیفیت بتائی کہ جب عذاب آتے دیکھا، تو کف افسوس ملتے رہ گئے اور بھاگنے کی جگہ نہ ملی۔ ان کے عالیشان مکانات اور حیوانات، سب ختم ہو گئے۔ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ ان سے عبرت لینا ضروری ہے۔ تا کہ انسان عذاب سے بچ جائے۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۝

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ کھیل تماشا کے طور پر نہیں بنایا۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۝

اگر ہم کوئی کھلونا بنانے چاہتے تو ہم اسے اپنے پاس سے ہی بنا لیتے۔ اگر ہم اس (اس کو واقعی) بنانے والے ہوتے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ۝

بلکہ ہم حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں۔ تو وہ حق اس (باطل) کا سر کچل دیتا ہے۔ اور وہ (باطل) اسی وقت ملیامیٹ ہو جاتا ہے۔ اور تمہارے لیے ان باتوں کی وجہ سے تباہی ہو۔ جو تم (اللہ کے بارے) بتاتے ہو۔

اگر ہم غور کریں، تو جس کائنات میں ہم بستے ہیں، انسان اس کا معمولی حصہ ہے۔ جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالی نے اسے عقل دی اور اس علم و عقل کی بناء پر، وہ، زمین میں تمام مخلوقات میں جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باوجود طاقتور ہے۔ کیا یہ کائنات ایسے ہی بن گئی؟ جس کے بارے الہامی مذہب پر یقین نہ کرنے والے سائنسدان یا فلاسفر مختلف تعبیریں یا نظریے پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریات پچھلے دو ہزار سال، سے اس قدر تبدیل ہوئے ہیں کہ آپس میں متضاد ہیں۔ مثلا سورج زمین کے گرد گھومتا ہے۔ پھر سورج نہیں بلکہ زمین گھومتی ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی، فضا آب و ہوا، زراعت و موسم سب کے بارے میں نظریات و خیالات بدلتے رہے ہیں۔ اور مختلف آراء پیش ہوتی رہی ہیں۔

قرآن مجید، اسلام، عیسائیت، یہودیت کے مطابق کائنات اللہ تعالی نے بنائی۔ اور یہ اس کی طاقت، عظمت اور کاریگری و علم کی مظہر ہے۔ زمین و آسمان اور اس کے درمیان والی بڑی اشیاء (اجسام) پر ایک مختصر جائزہ پیش ہے۔

آسمان: آسمان ایک فضاء ہے۔ جو کہ زمین سے اوپر ایک چھتری (شیلٹر) ہے۔ جس طرح قرآن مجید نے کہا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق سات آسمان یا سات طبقات ہیں۔ اور نچلے آسمان یا طبقہ (آسمان ارضی) پر ستارے ہیں۔ اور ہمارا نظام شمسی اس سے نیچے ہے۔ آسمان یا خلاء میں درجہ حرارت 270 درجے منفی سینٹی گریڈ ہے۔

<u>نظام شمسی:۔</u>

زمین کے اوپر سورج، چاند اور دوسرے سیارے جو بعض اوقات نظر آتے اور بعض اوقات نظر نہیں آتے۔ ہمارے نظام شمسی کا حصہ ہیں۔ اس کا مختصر ذکر اس طرح ہے کہ جدید ایجادات دوربین یا روشنی کی رفتار یا ریڈیائی دوربین یعنی برقی قوت کے استعمال اور کنٹرول سے پہلے، مسلمان سائنسدانوں نے بذریعہ جیومیٹری، سورج اور چاند اور آسمان کے فاصلوں کا فرسخ کے معیار میں تعین کیا تھا۔ (روح المعانی۔)۔ مغربی علماء یعنی سائنسدانوں نے روشنی کی رفتار جو سب سے زیادہ تھی۔ معلوم کی، جو کہ 186000 میل فی سیکنڈ یا 3 لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ اس کو منٹ، پھر گھنٹہ، پھر دن، مہینہ اور پھر سال کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اور اسے نوری سال کہا جاتا ہے۔ (لائٹ ائیر)۔ اب جدید کاسمولوجی (کائناتی فزکس) میں روشنی کے بجائے اس سے بڑھ کر ایک معیار پیمائش فاصلہ بنایا گیا ہے۔ جو کہ زمین اور سورج کا فاصلہ ہے۔ جسے (1 AU اے یو ون) کہا جاتا ہے۔ یہ 149،66000، کلومیٹر کے برابر ہے۔ ہمارے نظام شمسی کا اندازہ لگایئے کہ زمین کا فاصلہ معیار 1٫00 (ایک) ہے۔ مارس کا سیارہ 1٫52 ہے۔ جوپیٹر 5٫20، یورینس 19٫20 اور پلوٹو 39٫48 ہے۔ اب کئی چاند دریافت ہو رہے ہیں۔ جب سے ہبل (Hubble)، پھر سکائی آئی (Sky eye) ریڈیائی دوربین، نصب ہوئی ہیں۔ فضاء و خلاء میں ستاروں اور کہکشاہوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اور ان میں وقت کے ساتھ اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

<u>کائنات:۔</u>

اب ہمارا نظام شمسی انتہائی معمولی حجم اور مسافت کے لحاظ سے ہے۔ اسکی پہلی کہکشاں (GALAXY) اس سے تیس ہزار نوری سال دور ہے۔ اور اس کہکشاں سے آگے ایک اور کہکشاں اس سے 79 ہزار نوری سال دور ہے۔ اس طرح ایک اندازہ ایک طرف سے دوسری طرف کا 93 بلین (ارب) نوری سال کلو میٹر ہے۔ یہ انسانی اندازے ہیں۔ ان میں مزید اضافہ ہو گا۔

پہلی کہکشاں

دوسری کہکشاں

نظام شمسی

93000000000نوری سال www.forbees.com

ہمارا نظام شمسی، جو ہمارے سب سے قریب ہے۔ جس کا ہم حصہ ہیں، اس میں عام انسان کے لیے زمین کے علاوہ سورج اور چاند اور ستارے ہیں۔

<u>سورج:</u> سورج ایک ستارہ ہے۔ زمین کے لیے روشنی اور حرارت کا اصل (ذریعہ) ہے۔ یہ زندگی کی بنیادی ضرورت ہے۔ روشنی، گرمی، اور انفرا ریڈ شعاعوں کی وجہ سے وٹامن ڈی کا بڑا ذریعہ ہے۔ فصلوں کا پکنا، پودوں، درختوں، زراعت کا اگنا، بڑھنا اسی سے ہے۔ بجلی (سولر) انرجی کا ذریعہ ہے۔ آکسیجن اسی کی انرجی (حرارت) سے پیدا ہوتی ہے۔

<u>چاند:</u> چاند ایک اہم سیارہ ہے۔ جو کہ زمین کے گرد چکر لگاتا اور رات کو روشن کرتا ہے۔ وقت اور تاریخ کے تعین میں اہم کردار ہے۔ رات کو نکلنے والے جانور اور انکی پیدائش و افزائش میں بڑا اہم ہے۔ سمندر میں تلاطم پیدا کر کے صاف کرتا ہے۔ پرندوں کی نقل مکانی میں بڑا اہم ہے۔ پھلوں کے رس میں اہم رول ہے۔

ستارے: راستوں کی سمت میں بہت اہم ہیں۔ انسان نے سمندر اور رات کے سفر میں ستاروں سے راستے دریافت کیے۔ کائنات میں حرارت کا ذریعہ ہیں۔ سورج بھی ایک ستارہ ہے۔

بادل: فضا میں بادل بخارات کی صورت میں ہر وقت رہتے ہیں۔ زمین کی فضا کا 3/2 حصہ بادلوں سے بھرا رہتا ہے۔ ان کے بڑے اہم اثرات ہیں۔ ا۔ پانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، ان کے ذریعے بارش اور برفباری ہوتی ہے۔ ۲۔ زمین پر درجہ حرارت کے بڑھانے اور گھٹانے میں اہم کردار ہے۔ زمین کو ڈھانپا ہوا ہے۔ ۳۔ اونچے بادل رات کو حرارت پہنچاتے ہیں جو دن سورج کی گرمی سے جذب کرتے ہیں۔ ۴۔ سورج کی نقصان دہ انفراریڈ شعاعوں کو جذب کرکے زمین پر آنے سے روکتے ہیں۔ (تفصیل سورہ ھود میں ہے)

سمندر: زمین کے تقریباً تین چوتھائی حصہ پر پانی ہے۔ زندگی کا وجود پانی سے ہے۔ انسانی تجارت (بین الاقوامی) کا 80 فیصد حصہ بذریعہ حجم اور 70 فیصد، بقدر مالیت سمندر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سمندر کا پانی 72 (فیصد) ہے۔ آکسیجن جو انسانی زندگی کے لیے بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی مقدار زمینی جنگلات سے 28 فیصد اور سمندر کے ذریعہ 70 فیصد ہے۔ (بذریعہ فیٹو پلانکٹن) (Phytoplankton)۔ سمندروں کی لہروں کے ذریعہ گرم اور ٹھنڈے پانی حرکت کرتے ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کرتے ہیں۔ مچھلی انسانی غذا کا اہم حصہ ہے اور وہ سمندر اور پانی سے حاصل ہوتی ہے۔ بہت سارے جانور اپنی زندگی کا انحصار پانی پر کرتے ہیں۔ سمندر کے نزدیک انسانی آبادی ہوتی ہے۔ بہت سارے سمندری پودوں سے کینسر کی ادویات بنتی ہیں۔

زمین: زمین پر پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں کے ذریعہ زمین کی اندرونی (پلیٹوں) حرکت اوپر سطح تک نہیں پہنچتی۔ پہاڑ اسے روکتے ہیں۔ (پلاتک ایتھوسیفر) معدنیات کی بڑی تعداد جس میں تمام زندگی کی معدنیات شامل ہیں۔ پہاڑوں سے ملتی ہیں۔ زمین کے اندر گیس اور تیل کے ذخائر ہیں۔ سمندر، دریا، جھیلیں ہیں جو مختلف فوائد کے حامل ہیں۔ زمین کی سطح میدانی، یا پہاڑی ہر قسم کے پودوں درختوں کے لیے بڑی اہم ہے۔ اوپر والی سطح پر نمو اور جاندار اشیاء کے نشوونما کے لیے بہت اہم ہے۔ زمین کی اس صلاحیت کی وجہ سے زندگی کے بہت سارے جاندار اس پر قائم ہیں، جن میں سب سے اہم انسان ہے۔ زمین پر پودوں کی تعداد تین لاکھ نوے ہزار (3,90,000) ہے۔ (برطانوی شاہی پودوں کا گارڈن)۔ اسی طرح جانوروں کی تعداد 87 لاکھ ہے۔ اور سنگل سیل۔ یونی سیلر جرثومے (آرگنزم) جن کی ابتداء آج سے 3ء8 سے 4 بلین سال پہلے ہوئی کی تعداد تقریباً بیس ہزار کے قریب اقسام ہیں (حوالہ جرمن یونیورسٹی)(Potsdam 2012)۔

کائنات کا وجود اور بالخصوص زمین اور فضا میں سیارے اور ستارے۔ انسانی وجود اس کی زندگی اور معاشی و سماجی نمو کے لیے بہت اہم ہیں۔

کیا یہ ساری کائنات جس کے چند نکات بیان کیے گئے ہیں اور ہزاروں سال سے ہزاروں انسان اس کی جستجو میں لگے ہیں اور ہر دفعہ تحقیق کے لیے ایک نیا افق نکل آتا ہے۔ محض کھیل تماشہ ہے۔ اسکا وجود بلین سال سے چل رہا ہے۔ اور کئی ہزاروں سال سے انسان کا اہم وجود بھی اس زمین پر موجود ہے۔

باطل پر ضرب:۔

یہ سارا نظام کھیل نہیں، بلکہ اشرف المخلوقات انسان، کو سہولت پہنچانے کے لیے ہے۔ زمین کے تمام جاندار اس کے تابع ہیں۔ اور انسان کو عقل و شعور کے ذریعہ برے اور اچھے کی تمیز عطا کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں کچھ افراد کے ذمہ تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے خصوصی ذمہ واری دی ہے۔ یہ زمین اور اس پر اس کی زندگی انسان کی ایک امتحان گاہ ہے، کہ وہ کس طرح احکام خداوندی کو بجالاتا ہے۔ اور اگر نہیں لاتا تو سزا کا مستحق ہے۔

اگر یہ نظام محض کھیل ہوتا، تو اس قدر پیچیدہ، مربوط اور جس کے اندر اتنے بڑے سیاروں کو قائم رکھنے اور اصلاح کی قوت موجود ہے۔ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، جو کہ لاکھوں سالوں سے چل رہا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد انسان کا امتحان ہے اور یہ امتحان انسان کے حق و باطل، سچ، جھوٹ، ظلم اور عدل میں کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی جدوجہد زندگی، میں حق، سچ، عدل کو کامیابی ہو اور باطل، جھوٹ اور ظلم کا خاتمہ ہو۔ اگر انسان اللہ کے احکام پر عمل کرے گا، تو اس جدوجہد میں اللہ کی مدد سے وہ کامیاب ہو گا۔ یعنی سچ، عدل اور حق (اللہ کے وجود کا اقرار اور اسکی عبادت) کو قائم کرنا اور اسکے خلاف اللہ کے احکام سے منہ موڑنے والے ناکام ہوں گے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ

اور اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو (فرشتے) اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور نہ تھکتے (اکتاتے) ہیں۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝

وہ رات دن اسکی تسبیح کرتے ہوئے سست نہیں پڑتے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝

کیا انہوں (مشرکین) نے زمین میں جن کو معبود (خدا) بنالیا ہے وہ (مردہ کو) زندہ کرسکتے ہیں؟

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

اگر زمین و آسمان (ان دونوں) میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو وہ ضرور (دونوں) تباہ ہو جاتے۔ چنانچہ اللہ، عرش کا رب، ان باتوں سے پاک ہے جو وہ مشرک بیان کرتے ہیں۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝

وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ ان (لوگوں) سے باز پرس کی جائے گی۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

کیا انہوں نے اس (اللہ) کے سوا معبود بنا رکھے ہیں۔ کہہ دیجیے: تم اپنی دلیل لاؤ۔ یہ کتاب (قرآن) بھی موجود ہے۔ جس میں میرے دور کے لوگوں کے لیے نصیحت (ذکر) ہے اور وہ کتابیں (ذکر) بھی موجود ہیں جن میں مجھ سے پہلے لوگوں کے لیے نصیحت تھی۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ حقیقت (حق) سے بے خبر ہیں۔ اسلیے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

کائنات کی تخلیق اور اسکے نظام کے بعد، اللہ کی قدرت کا اظہار ہے، کہ کائنات کی ساری اشیاء، اسکے قبضہ قدرت میں ہیں۔ انسان دنیا میں اگر اللہ کی تسبیح یا عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں، لیکن آسمانوں میں اس کی مخلوق، فرشتے ہیں۔ فرشتے روشنی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک انرجی کی صورت ہے۔ جو مثالی صورت اختیار کر سکتے ہیں، اس کے بارے پہلے کئی دفعہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ (آیت نمبر 8)، یہ فرشتے ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ یہ چونکہ نوری (روشنی) کی مخلوق ہیں، اس لیے ان پر تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسکی ادنی مثال انسان کے ایجاد کردہ کمپیوٹر ہیں اور ان کے پروسسنگ کے کام ہیں، جن کو سافٹ ویئر کہتے ہیں۔ یہ انسان کے حکم کو مانتے اور عمل کرتے ہیں، کوئی غلطی نہیں کرتے۔۔ اللہ تعالی کا نظام انسانی تصورات اور تخیلات سے بہت اعلی اور پیچیدہ ہے۔ اسی طرح یہ (فرشتے) عقل رکھنے والی مخلوق ہے۔ لیکن عبادت یا اللہ تعالی کے قرب کی وجہ سے کوئی تکبر ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ تمام احکام کو سرانجام دیتے ہیں۔ نہ غذا کے محتاج ہیں اور نہ تھکاوٹ کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ کی عظمت، اس کے عرش سے ثابت ہے۔ عرش کا مقام آسمانوں میں بلند ترین ہے۔ یہ اس کی رفعت اور اس کی قوت کا اظہار ہے کہ ساری کائنات میں زمین کی تہہ در تہہ اور سمندروں کی تہہ سے لے کر سطح تک، پہاڑوں کے اندر اور اوپر آسمانوں پر اور ستاروں، کہکشاؤں، جن کے اندر ہماری نظام شمسی کی طرح کے کئی ہزاروں نظام ہیں۔ سب اسکی قدرت کے تحت ہیں۔ اور یہ سارے نظام لاکھوں (بلکہ بلین) سالوں سے ایک منظم اور مربوط طریقے سے چل رہے ہیں۔ اگر ان کے نظام میں ذرا بھی خلل آجائے تو تباہی آجائے۔ یہ سارا، اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو کنٹرول کرنے والی ذات یا قوت بہت ہی عظیم اور بہت علیم و خبیر ہے کہ اس سارے نظام کے ہر ذرہ کو جانتی اور کنٹرول کرتی ہے اور صرف تن تنہا ہے، اگر کوئی شریک ہوتا تو شراکت و قوت، علم اور جبر کے مسائل کی وجہ سے یہ سب نظام کب کے ختم ہو چکے ہوتے۔ علم کلام میں اسکی تفصیل موجو ہے۔

اگر دو خدا ہوتے تو یہ نظام کب کا تباہ ہو چکا ہوتا۔ یہ دلیل بڑی مختصر ہے۔ بڑی سادہ اور بہت گہری ہے۔ اسکی گہرائی کو مختصر طور پر بیان کرنے کے لیے پچھلے صفحات میں زمین فضا، سمندر، بادل، چاند، سورج، ستاروں بلکہ کائنات کا بہت مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اسے ایک سائنسدان یا فلاسفر سے لے کر ایک معمولی دیہاتی بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ بے شمار مختلف قوتوں، بے حساب چیزوں کے درمیان تناسب و توازن، ہم آہنگی، تعاون موجود ہے۔ ورنہ یہ نظام کب کا ختم ہو چکا ہوتا اور کسی بڑی قوت نے اس کو اس

تعاون، ہم آہنگی کا پابند بنا رکھا ہے۔ اس سارے نظام میں ہم آہنگی و تناسب نظام کی وحدت کا ثبوت ہے اور نظام کی وحدت اسکے منتظم کی وحدت کی دلیل ہے۔ اختیارات، طاقت، اور حاکمیت ایک ذات میں مرکوز ہیں۔ اگر مشترک یا بٹی ہوئی ہوتی تو کب کا انتشار ہو چکا ہوتا۔ یہ کنٹرول کرنے والی ذات، اپنے اعمال و احکام میں آزاد اور مختار ہے، اس کے سامنے کسی کی کوئی سوال کرنے کی مجال نہیں، کیونکہ کسی کی کوئی بھی طاقت نہیں۔ لیکن یہ ذات و طاقت ہر ایک سے سوال کر سکتی ہے اور جواب مانگ سکتی ہے۔ اسکے سامنے سب سرنگوں ہیں۔ خدا اپنے فیصلوں کی حکمتیں خود جانتا ہے۔ خیر و شر کا وجود اسی نے پیدا کیے۔ ان دونوں کے اختیار کرنے (اعمال کرنے) میں بھلائی یا نقصان ہے۔ خدا تعالی اچھائی کو پسند فرماتا ہے۔ انسان کی اتنی بد قسمتی ہے کہ اس ذات کے مقابل اتنے دلائل کے باوجود، اس نے زمین پر موجود، مجبور اور محکوم اشیاء کو اپنا معبود اور خدا بنالیا ہے۔ جو کچھ بھی نہیں کر سکتے اور نہ پیدا کرتے، نہ مارتے ہیں نہ سنتے، نہ دیکھتے، نہ بول سکتے ہیں۔ ان بے جان اور مخلوق اشیاء کو خدا یا معبود بنانا کہاں کی عقل ہے۔

اللہ کے وجود کے بارے تعلیمات اسلام نے یا نبی ﷺ نے پہلی دفعہ نہیں بتائیں، بلکہ اس ذات نے اس سے پہلے، انبیاء اور الہامی تعلیمات (توریت و انجیل) کے ذریعہ لوگوں کو حق کا پیغام اور نصیحت پہنچائی ہے اور نبی علیہ السلام کا پیغام بھی اسی کا تسلسل ہے، لیکن انسان شیطان کے نرغے میں آنے کی وجہ سے اس سے غافل رہا تھا اور اب بھی رہ رہا ہے۔ نصیحت کے باوجود اسکو نہ سننا اور نہ عمل کرنا، جاہلیت ہے۔ اگلی آیات میں توحید کا ذکر ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ۝

اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسکی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا تم میری ہی عبادت کرو۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ۝

اور انہوں نے کہا: رحمان نے اولاد بنائی ہے۔ وہ (اس سے) پاک ہے۔ بلکہ وہ (فرشتے) تو (اللہ کے) معزز و مکرم بندے ہیں۔

لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ۝

وہ بات کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ۝

وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے ہے اور وہ صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا۔ وہ اسکی ہیبت سے لرزہ بر اندام ہیں۔

وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ۝

اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک اللہ کے سوا میں بھی عبادت کا مستحق ہوں تو اسے ہم اس (بات) کی سزا جہنم دیں گے، ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

توحید کے دلائل کا ذکر جاری ہے، کہ یہ پیغام نیا نہیں، بلکہ تمام انبیاء نے اپنے اپنے علاقوں میں اسکی پرچار کی، کہ اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسی کی عبادت کا حکم سنایا۔ انسانوں نے اپنے تخلیات، جن کی بنیاد شیطانی وہم تھا، اللہ کی ذات سے مختلف رشتے نکال لیے۔ عرب کے ہاں، فرشتوں کا علم تھا اور انہیں اعلی مخلوق کی بناء پر اللہ کی بیٹیاں تصور کیا جاتا۔ اسکے بعد یہود کے کچھ فرقوں میں حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا، اسی طرح عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ان کے والد نہ ہونے اور روح اللہ کی بنا پر اللہ کا بیٹا بنالیا۔ اور اہل عرب، فرشتوں یا بتوں کو اللہ کی قربت کا وسیلہ تصور (یقین) کرتے تھے۔

اللہ تعالی نے فرشتوں کے بارے میں ذکر فرمایا کہ وہ اسکی مخلوق ہیں۔ اسکے حکم کے پابند ہیں۔ ان کی کوئی مجال نہیں کہ حکم کی خلاف ورزی یا بے ادبی کریں بلکہ ہر وقت اللہ کی قوت اور جلال کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ اللہ کی ذات علیم وخبیر ہے اور فرشتوں کی ہر حرکت اور اعمال اگلے (گزشتہ) یا پچھلے یعنی آئندہ مستقبل میں ہونے والے کو جانتا ہے۔ اس کی اس قوت کی بناء پر وہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ چونکہ ایک تابعدار اور فرمانبردار مخلوق ہے۔ جن سے حکم عدولی ممکن نہیں۔ اس لیے ان کا ایک مقام ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شفاعت سنی جائے گی۔ اور وہ شفاعت بھی اسی کی کریں گے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالی نے تعلیمات فرمائی ہیں۔ انسان نے جہالت کی بنا پر بتوں کو خدا یا خدا کا وسیلہ بنا رکھا ہے۔ لیکن جو بھی مخلوق، انسان ہو یا جن۔ یا فرشتہ جو بھی عبادت کے مستحق ہونے کا دعوی کرتا ہے، یا کرے گا، اس کا ٹھکانہ اور سزا جہنم کی بھڑکتی آگ ہے۔ شرک کو اللہ تعالی نے ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۝

کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا (غور کیا) کہ بے شک زمین و آسمان باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا۔ اور ہم نے پانی سے ہر زندہ شے بنائی۔ کیا وہ پھر ایمان نہیں لاتے۔

وَ جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَ جَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ۝

اور ہم نے زمین پر پہاڑ بنا دیے تاکہ وہ ان کے ساتھ ڈھلکنے نہ پائے۔ اور ہم نے اس میں کھلی راہیں بنائیں۔ تاکہ لوگ راستے معلوم کریں۔

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّ هُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۝

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اور وہ (لوگ) اس (آسمان) کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۝

اور وہی (اللہ) ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیرے پھرتے ہیں۔

تخلیق کائنات وحیات:۔

آیات مبارکہ میں کائنات کی ابتداء کا ذکر ہے۔ پہلے یہ ذکر تھا کہ یہ عظیم کائنات کا ایک مقصد ہے۔ تماشہ کے طور پر نہیں بنی۔ اللہ کی عظمت اور فرشتوں کا ذکر تھا جو احکام کے پابند رہتے ہیں۔

کائنات کا وجود ہمیشہ انسان کے لیے مسحور کن اور باعث جستجو رہا ہے۔ اہل علم شروع سے اس کی مختلف تعبیریں کرتے رہے ہیں۔ اور معلومات کی بناء پر، آراء بدلتی رہی ہیں۔ ابتدائی طور پر زمین ہی کائنات کا محور تھی۔ پھر تبدیلی آئی اور زمین کے بجائے سورج محور بن گیا۔ اور نظام شمسی کے بارے میں معلومات ملیں۔ دوربین کی ایجاد کے بعد نظریات بدلنے شروع ہوئے۔ ہیوبل دوربین کے بعد مزید نظریات بدلے۔ اور پھر کئی نظام شمسی اور کہکشائیں دریافت ہوئیں اور مختلف نظریے مشہور ہوئے۔ جس کے مطابق کائنات 13ء7 بلین سال پہلے یکلخت وجود میں آگئی۔ اس میں توسیع ہو رہی ہے۔ کئی کہکشائیں دریافت ہو رہی ہیں۔ اور ایسے ہول (شگاف / کنواں) دریافت ہوئے۔ جو ان کو کھینچ کر ختم کر رہا ہے۔ جسے بلیک ہول (کالا کنواں) کا نام دیا گیا ہے۔ لگتا ہے کہ اب سکائی آئی دوربین، جو دنیا کی اس وقت سب سے بڑی دوربین، چین میں نصب ہونے کی وجہ سے مزید انکشافات ہوں گے۔ لیکن قرآن مجید کی اطلاعات کے اندر ہی رہیں گے۔

قرآن مجید ایک الہامی کتاب ہے۔ جس کی اطلاعات قابل یقین ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن مجید نے کائنات، زمین، آسمان، سورج، چاند اور ستاروں کے بارے میں تعلیمات بتائی ہیں۔ اور یہ تعلیمات سائنس کی تمام امکانی توجیہات کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اسلامی (قرآن) نظریہ کے مطابق ہماری زمین اور آسمان (کائنات میں ستارے اور سیارے) آپس میں ایک وجود تھے۔ یعنی ملے ہوئے تھے۔ جن کے اجزاء باہم جڑے ہوئے (رتقاً) بند تھے۔ اور ان کو پھر کھول دیا گیا۔ (فتق) یہ کس طرح کھلے؟ اس کی توضیح قرآن مجید، نے انسان کے علم پر چھوڑ دی۔ کہ وہ جستجو کرے کیونکہ اللہ تعالی کی طرف سے اسے استعداد علم و تجزیہ عنایت کی گئی ہے۔ اور اس کی جستجو میں سائنس سرگرداں ہے۔ ہمارے علماء سلف نے اس کی تشریح اس وقت کے حالات وعلوم کی بنا پر کی۔ جس کی روایت حضرت عباس سے یہ ہے کہ بند، ہونے سے مراد زندگی اور نمو نہیں تھی۔ یعنی آسمان سے بارش نازل نہیں ہوتی تھی۔ اور زمین بند، یوں تھی کہ اس سے بالیدگی (پیدائش اجسام) نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ پانی کا وجود نہیں تھا۔ جدید سائنس کے نظریات، قرآن مجید کی خبر کے مطابق ساری کائنات ایک وجود تھا۔ (رتق) پھر اس میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی جو کہ فتق ہے۔ جدید فزکس اس کو مانتی ہے۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا۔ اس میں جو قوت استعمال کی گئی۔ اسکی تلاش انسان کی جستجو پر چھوڑ دی گئی ہے۔ حرارت تھی، مقناطیسیت تھی یا کوئی اور قوت، جو بھی توضیحات و تشریحات ہوں گی، قرآن مجید کے متعین کردہ، رتق اور فتق کے اندر ہوں گی۔ یہ قرآن مجید کا ایک سائنسی اعجاز ہے۔ مسلمانوں کو علوم سائنس میں اللہ کی عظمت کو جاننے کا ذریعہ، بنانے کی ترغیب ہے۔ تاکہ اس کے نظام سے فائدہ اٹھا کر انسانیت کو بھلائی اور آرام مہیا کریں اور نام بلند کریں۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان پچھلے چار سو سال سے اس ذمہ داری سے غافل ہیں۔

دوسرا اہم اعلان یہ ہے کہ پانی سے زندگی کو وجود دیا۔ سنگل سیل بیکٹریا، پانی سے پیدا ہوا اور پھر اس سے آگے متعدد سیل پر مبنی زندگی کو وجود قائم ہوا۔

سائنس کی معلومات کے مطابق جو کہ بیالوجی کے شعبہ (ABVOGENSIS) کے مطابق زندگی غیر زندہ مادہ سے پیدا ہوئی۔ جسے ہم نامیاتی (آرگینک) مرکب کہتے ہیں۔ زمین پر ایسا مرکب جس میں کاربن، نائیٹروجن، ھائیڈروجن، اور آکسیجن ہو اس سے زندگی بنی اور یہ پانی کے زمین پر ہونے کے تقریبا200 ملین سال بعد ہوئی۔ اور پہلی زندگی کا وجود سنگل سیل (آبی فنگس) 2ء4 ملین سال پرانا ہے۔

یہ سارے نظریات و آراء اس قرآنی معلومات (نظریہ) کے اندر آتے ہیں کہ پانی سے جاندار اشیاء پیدا ہوئیں، یعنی ان کے وجود کا بنیادی مرکب پانی تھا۔ اگرچہ پانی کے ساتھ اور بھی اجزاء ہوں گے۔ اس موضوع پر تفصیل ڈاکٹر طاہر القادری کی کتاب "تخلیق و توسیع کائنات کا قرآنی نظریہ" میں موجود ہے۔ اس کا انگلش ترجمہ (CREATION OF UNIVERSE) ہے۔ اسکے علاوہ کتاب "قرآن اور سائنسی حقائق" (مطبوعہ کراچی) گوگل سرچ انجن میں بھی جدید تفصیل موجود ہے۔ یہ تمام آیات سائنسی علوم سے تعلق رکھتی ہیں۔ زمین پر پہاڑوں کے وجود کی حکمت بتائی جس کو جدید سائنس نے تسلیم کر لیا ہے۔ اسکا ذکر پچھلی آیات نمبر 16 میں زمین کے ساتھ موجود ہے اور سابقہ سورتوں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پہاڑوں کے سلسلوں نے دنیا کو تقسیم کر رکھا ہے۔ پہاڑوں کو انسانوں کا کراس کرنا مشکل ہے۔ اس لئے اللہ تعالی نے اس میں راستے بنا دیے جو کہ دریاوں / نالوں کی روانی کے ساتھ ہیں۔ اور ان کے درمیان ایک راستہ بن جاتا ہے۔ جن کے ذریعے افراد ایک طرف سے دوسری طرف جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں یہی ایک ملک سے دوسرے ملک خشکی کے ذریعے جانے کا طریقہ تھا۔ جسے درّہ کہتے ہیں۔

آسمان کا ذکر فرمایا، سائنسی اطلاع کے مطابق زمین سے اوپر والی فضا اور خلاء سارا آسمان ہے۔ یہ ایک غیر طبعی وجود ہے۔ جس نے زمین کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اور اس میں مختلف سیارے اپنے اپنے محور میں گھوم رہے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کو چھت کی مثال دی ہے۔ کیونکہ دیکھنے میں زمین پر ایک قبہ نما نظر آتا ہے۔ جس نے ڈھانپا ہوا ہے۔ اس کے نچلے حصے میں ہوا اور بخارات ہوتے ہیں۔ جن میں بادل تیرتے ہیں۔ اوپر والا حصہ خلاء ہے۔ جس میں مختلف ستارے اور کہکشاں نظر آتی ہے۔ سورج، چاند، اور دوسرے سیارے بھی جو بعض اوقات چمکتے اور نظر آتے ہیں۔ سارے اپنے محور میں تیر رہے اور مقام پر موجود ہیں۔ جو باہمی کشش خاص بلندی (particular hights) اور خاص رفتار (orbital velocity) کی وجہ سے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اس کی تفصیل مختلف آیات میں بیان کی جا چکی ہے۔ قطبی ستارہ سے شمال کی سمت کا تعین کیا گیا ہے۔ جو اپنے مقام پر زمین کے محور پر گردش کے باوجود رہتا ہے۔ یہ خلاء (فضا) جو مختلف سیاروں کے درمیان ہے خالی نہیں بلکہ مقناطیسی ریڈیائی لہریں، کم کثافت والے ذرات جو کہ ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس پر مشتمل ہیں۔ موجود ہیں اور خلاء کا درجہ حرارت کا اندازہ 270.45 سینٹی گریڈ، منفی یا

454.8 فارن ہیٹ منفی ہے۔ (یہ معلومات کے ساتھ بدلتے رہیں گے)۔ ہم سے قریب ترین ستارہ سورج ہے۔ جو ہمارے نظام شمسی کو حرارت و روشنی پہنچا رہا ہے۔

سورج:۔

ہماری زمین پر زندگی، حرارت، روشنی کا منبع سورج ہے، یہ ایک معمولی ستارہ ہے۔ جو کہ کہکشاں کے مرکز سے 30 ہزار نوری سال سے دور ہے۔ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے اور اسکے گرد 9 بڑے سیارے ان کے چاند اور ان کے درمیان مختلف چھوٹے اجسام سیارچے، شہابیئے اور دم دار ستارے شامل ہیں۔ سورج ایک بڑا نیوکلیائی ری ایکٹر ہے جس کا درجہ حرارت تقریبا ایک کروڑ چالیس لاکھ سینٹی گریڈ ہے۔ جس سے ہائیڈروجن گیس ہیلیم میں تبدیل ہوتی ہے۔ اور توانائی کا اخراج ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل کسی سائنسی میگزین سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے نظام میں نو سیارے ہیں۔ ا۔ عطارد ۲۔ زہرہ ۳۔ زمین ۴۔ مریخ ۵۔ مشتری ۶۔ زحل ۷۔ یورینس ۸۔ نیپچون ۹۔ پلوٹو

دن کی پیمائش زمین کے اپنے محور پر گردش سے ہوتی ہے جو کہ ۲۳ گھنٹے ۵۶ منٹ اور ۴ سیکنڈ میں پورا ہوتا ہے۔ لیکن فرضی دن کو ۲۴ گھنٹے پر معیار مقرر کیا گیا ہے۔ اسی طرح سال وہ اکائی ہے جو زمین سورج کے گرد اپنے مدار میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ اور حقیقی طور پر یہ چکر ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے ۹۲ منٹ اور دس سیکنڈ میں پورا کرتی ہے۔ اور تقویم کا سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۴۵ سیکنڈ کا ہوتا ہے جو کہ خط استوا کے مماثل ہے۔

چاند:۔

چاند کا فاصلہ زمین سے تقریبا 384 ہزار چار سو کلو میٹر ہے۔ کم سے کم فاصلہ 363 ہزار اور زیادہ فاصلہ 405 ہزار کلو میٹر ہے۔ جو جھکاؤ کی وجہ سے مختلف ہے۔ زمین کا ماتحتی سیارہ ہے۔ اسکا قطر 3475 کلو میٹر ہے۔ زمین گرد اس کا چکر 27.3 دن میں پورا ہوتا ہے۔ اور اس کا ہمیشہ ایک رخ زمین کی طرف رہتا ہے۔ اب چاند کی دوسری طرف کی بھی تصویریں موصول ہوئی ہیں۔ اللہ تعالٰی نے چاند کو تاریخوں کے جاننے کا ذریعہ فرمایا، اس کی وجہ اس کی شکل میں تبدیلیاں ہیں جو تاریخ کو واضح کرتی ہیں۔ یہ شکل چاند کی سورج کی طرف رخ سے بنتی ہے۔ اور جب چاند زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے تو نظر نہیں آتا، اسکو حالت قرآن کہتے ہیں۔ پہلے چوتھائی مہینہ (ہفتہ) میں دائیں طرف روشن ہوتی ہے۔ پھر درمیان میں، جب زمین کی دوسری طرف جانکلتا ہے تو پورا چاند ہو جاتا ہے۔ پھر اخری چوتھائی حصے میں بائیں طرف روشن ہوتی ہے۔ اس طرح تاریخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دائیں طرف ابتدائی پھر آگے بڑھتی ہے۔ جب مکمل ہو تو وسط مہینہ ہوتا ہے اور پھر گھٹنا، بائیں طرف جانا شروع کرتا ہے، تو تاریخیں اخری ہوتی ہیں۔ پھر بہت کم ہو جاتا اور آخر میں پوری رات غائب رہتا ہے۔ زمین کی اپنی قطبین (ایکسز) پر حرکت سے رات اور دن، سورج کے گرد محور پر چکر سے موسم اور چاند کی زمین کے گرد چکر لگانے سے رات کی روشنی میسر آتی ہے۔ رات اور دن اللہ نے انسانوں کے آرام اور

کام کے لیے بنائے ہیں اور یہ تینوں اپنے اپنے محور میں چکر لگا رہے ہیں۔ ان معلومات کو سائنس نے سترہویں صدی میں دریافت کیا۔

یہ تمام دلائل بظاہر بڑے عام فہم ہیں اس لیے ہر ایک ان کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے۔ اور اگر تحقیق کی جائے تو بہت دقیق ہیں۔ اس لیے ان کے بارے اب بھی معلومات ناکافی ہیں۔ اور مستقبل میں مزید انکشافات ہوں گے۔ ان دلائل کے باوجود بھی لوگ اس کائنات کے خالق کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ غور نہیں کرتے۔ اتنے شوائد کے باوجود ایمان نہیں لاتے انکار کی سزا بھگتیں گے۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝

اور (اے نبی) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی۔ پھر اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۝

ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔ ہم تمہیں آزمانے کے لیے برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں اور تمہیں ہماری طرف ہی پلٹنا ہے۔

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝

اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہی ہے جو تمہارے (کفار کے) معبود کا ذکر (اہانت سے) کرتا ہے اور وہ خود اللہ کے ذکر سے انکار کرنے والے ہیں۔

موقع (شان) نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی تبلیغ کی ضد میں یہ کہتے کہ آپ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو یہ آپ کی تبلیغ و دین ختم ہو جائے گا۔ پھر آپ کا مذاق بھی اڑاتے کہ ہمارے خداؤں کا یہ شخص انکار اور برا بھلا کہنے والا ہے۔

یہ حقیقت ان پر واضح کی گئی کہ نبی ﷺ سے جو بھی پہلے نبی آئے۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام، سب اس دنیا میں اپنی عمر گذارنے کے بعد چلے گئے اسی طرح کفار اور مشرکین بھی اپنی زندگی گذارنے کے بعد مر جائیں گے۔ کوئی یہاں ہمیشہ رہنے والا نہیں۔ انبیاء کے جانے کے بعد ان کے دین قائم رہے ہیں۔ یہ کفار اپنے بتوں کو برا بھلا کہنے پر غصہ کرتے ہیں جبکہ وہ خود خدائے حقیقی کا انکار کر رہے ہیں جو کہ بڑا جرم ہے۔

موت:۔

موت کیا ہے اس کی طبی سائنس میں تعریف یوں ہے کہ کسی فرد کے تنفس اور دوران خون کا نظام ختم ہو جانا اور دوبارہ نہ چل سکے۔ اسی طرح دماغ کے تمام فنکشن (کاموں) بشمول دماغ کی بنیاد کا ختم ہو جانا (بحوالہ یونیفارم ڈیتھ ایکٹ یو۔ایس۔اے)۔ موت کیوں ہوتی ہے۔ طبی معلومات کے مطابق جب نظام جسم (عوامل جسم) کام کرنا ختم کر دیتے ہیں۔ تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسلامی (مذہبی) تعلیمات کے مطابق یہ اللہ کے نظام کا حصہ ہے۔ موت احادیث کے مطابق مخلوق ہے۔ جسے اللہ

نے پیدا کیا۔ اور تمام جانداروں کو جب یہ لگتی ہے تو ان کی جان (زندگی) ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے عمل کے نفاذ اور کنٹرول کے لیے ایک فرشتہ (قوت) متعین ہے، جس کا نام عزرائیل بتایا گیا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جنت و دوزخ میں ابدی زندگی اس لیے ہو گی کہ اللہ تعالی حساب و کتاب کے بعد موت کو ختم کر دیں گے۔ اس طرح لوگوں کی موت سے جان چھوٹ جائے گی۔ حدیث میں اس کے جسم کی صورت، ایک مینڈھے کی بتائی گئی ہے۔ یہ خبر ہماری طبی سائنس جو مادی اور جسمانی مشاہدات کے تجزیہ پر منحصر ہے سے بلند ہے۔ اس لیے اس کے بارے طبی سائنس میں ان معلومات کا ذکر نہیں ہے۔ (جو افراد موت کے بعد زندگی اور خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ اس کو نہیں مانتے، صرف طبی تعریف پر یقین رکھتے ہیں)۔

موت کے وقت مریض پر کیا گزرتی ہے، اس کا صحیح علم تو مرنے والے کو ہوتا ہے لیکن بظاہر کیفیت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عموما جب نظام دوران خون، نظام تنفس، نظام دماغ (اعصاب)، ختم ہو رہے ہوتے ہیں۔ تو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات انافانا واقع ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے انسانی اعمال جو اس نے اپنی زندگی میں کیے ہیں اس کا تعلق جوڑا ہے۔

زندگی کا امتحان:۔

موت سے پہلے زندگی انسان کے لیے جہاں نعمت ہے۔ وہاں امتحان بھی ہے۔ کائنات میں اللہ تعالی نے جس طرح موت اور زندگی پیدا کی ہے۔ اسی طرح شر اور خیر کا اعلان فرمایا کہ یہ امور خیر کے ہیں اور یہ شر کے ہیں۔ انسان کو خیر کی تلقین کی اور شر سے بچنے کی ہدایت کی۔ ان امور کے اختیار کرنے میں انسان کو اختیار دیا ہے۔ جس طرح، وہ چاہے کرے۔ یہی اختیار کا استعمال آزمائش ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلا دولت کی فراوانی، معاشی، تنگ دستی، صحت، بیماری، امن اور خوف۔ ان صورتوں میں وہ احکام الہی پر عمل کرنے میں کس قدر مستعد ہے، سے پتہ چلتا ہے کہ شکر کون کرتا ہے اور بے شکری کون، صبر کون اور بے صبری کون کرتا ہے۔ اور پھر موت کے بعد اللہ کے ہاں اس انسان کو، اس کے اعمال کے مطابق انعام و سزا دی جائے گی۔ ہر ایک (مسلم و غیر مسلم) نے اللہ کی طرف لوٹنا ہے۔ یعنی پھر زندہ ہو کر حساب دینا ہے۔

خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ۝

انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ میں تمھیں اپنی نشانیاں جلد دکھاوں گا۔ لہذا تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔

وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝

اور وہ (کافر) کہتے ہیں (مسلمانوں سے) اگر تم سچے ہو تو یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا) ہو گا۔

لَوۡ يَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا حِيۡنَ لَا يَكُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۝

کاش کافر اس وقت کو جان لیں جب وہ اپنے چہروں سے آگ نہیں ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

بَلۡ تَاۡتِيۡهِمۡ بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنۡظَرُوۡنَ ۝

بلکہ وہ (قیامت / عذاب) اچانک انہیں آ لے گی۔ وہ ان کے ہوش کھو دے گی پھر نہ وہ اسے ٹال نہ سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۠

اور (اے نبی) بے شک آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا پھر جن لوگوں نے ان رسولوں سے تمسخر کیا انہیں اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ، مذاق اڑاتے تھے۔ ع 3

جلد بازی:۔

کفار مکہ بالخصوص سرداران قریش، نضر بن حارث وغیرہ، اسلام دشمنی اور قرآن مجید کی آیات کی مخالفت میں، جہاں عذاب کا ذکر ہوتا، تو بار بار عذاب آنے کا مطالبہ کرتے، جو ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا اور اس میں تاخیر یا نہ آنے کی وجہ کو اسلام یا قرآن مجید کی سچائی پر اعتراض اور انکار کرتے، حالانکہ عذاب کی تاخیر میں ان کی اپنی سلامتی تھی۔ ان کے اس رویہ کی بناء پر فرمایا، کہ انسان عجلت پسندی، کی طرف مائل رہتا ہے۔ ایک اور توجیہہ جو مفسرین نے کی ہے، وہ انسانی طبیعت کا رجحان ہے۔ عجلت یا جلدی کی تعریف یہ ہے کہ "کسی کام کے کرنے میں ذہن پر اسے جلدی کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جائے اور عموماً اس جلدی کرنے کے عمل کی وجہ سے جسم کے اعضاء، ذہن کی جلدی کے ساتھ عمل نہیں کر سکتے، تو اس کی وجہ سے عمل میں کمی یا کوتاہی پیدا ہو جاتی ہے"۔ اس لیے اردو میں ضرب المثل ہے۔ "جلدی کا کام شیطان کا" یا جلد بازی برباد کرتی ہے۔ اگر صرف ذہن کا ہی سوال و جواب ہو تو دباؤ سے استعداد بڑھ سکتی ہے۔

انسانی نفسیات میں انسان اپنی حفاظت یا ضرورت کی وجہ سے امور کو جلدی کرنا چاہتا ہے۔ اس جلدی کا اثر عمومی طور پر منفی ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ کسی بھی کام کو اس کے کام کے مطلوبہ معیار کے مطابق کرنا چاہیے۔ انسان عموما مفادات کی دوڑ میں حریص ہو کر جلد بازی کرتا ہے۔ اور اس عادت کا قرآن مجید میں بطور بری عادت ذکر کیا گیا ہے۔ کفار مکہ بھی اسلام کی تردید اور جھٹلانے کے موقع کی تلاش میں رہتے، اس طرح عذاب نہ آنے کا طعنہ دیتے۔ حالانکہ اگر عذاب دیکھتے تو خوف سے ان کے دم نکل جاتے۔ آیت مبارکہ میں یہ تنبیہ کی گئی ہے۔ کہ جب عذاب آئے گا تو ان کے ہوش گم ہو جائیں گے۔ اور اپنے آپ کو عذاب سے بچا نہیں سکیں گے۔ کیونکہ ان کو مہلت ہی نہیں ملے گی۔ لہذا مسلمانوں کو طعنہ دینا بے وقوفی ہے۔

نبی ﷺ کو تسلی دلائی گئی کہ اس طرح کی طعنہ بازی اور تمسخر پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی اٹھانا پڑتا رہا ہے۔ اور پھر وہی لوگ عذاب میں تباہ ہوئے، جس کی مثال حضرت نوح، لوط، شعیب، صالح علیہم السلام کی قومیں ہیں۔ عمل، تبلیغ اور اصلاح میں ایسی مشکلات پیش آتی ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ

کہہ دیجیے؛رات اور دن میں کون تمہارا بچاؤ کرے گا رحمان (خدا) کے عذاب سے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے (پھیرے) ہوئے ہیں۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۝

کیا ہمارے سوا ان کے کوئی اور معبود ہیں۔ جو انہیں ہمارے عذاب سے چھڑا لیں گے۔ وہ تو خود اپنی مدد (حفاظت) کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ وہ ہمارے عذاب سے ہی محفوظ ہیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو، دنیا کی زندگی میں بہت نفع پہنچایا، حتی کہ ان کی زندگی بہت لمبی ہو گئی۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖؗ وَ لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۝

آپ کہیے؛ میں تم کو صرف وحی سے ڈرا رہا ہوں اور بہروں کو جب ڈرایا جائے تو وہ کسی پکار کو نہیں سنتے۔

بت پرستوں کے رویہ کا ذکر ہے کہ وہ بتوں سے منتیں، حفاظت اور مرادیں مانگتے تھے اور اللہ کی ذات کے وجود یا اس کی قوت کے منکر تھے۔ ان کی یہ زندگی اور ساری آسائشیں، اللہ کے نظام کائنات سے تھیں۔ ان کی نافرمانی کے باوجود وہ عذاب الٰہی سے بچے ہوئے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے۔ دوسری طرف بت تو خود حرکت بھی نہیں کر سکتے، وہ کیا کسی کو نفع یا نقصان دے سکتے ہیں۔ نبی علیہ السلام، انہیں وحی کے ذریعے، جو جزا اور سزا کے احکام ملتے ان کو بتاتے۔ لیکن وہ ضد کی وجہ سے تمام تعلیمات کی پرواہ نہیں کرتے گویا بہرے ہیں اور سن نہیں رہے ہیں۔

دنیا کی زندگی میں کفار اور سرداران مکہ، آرام و عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے اپنے نبی کو بھیجا۔ لیکن وہ اس کی، تعلیمات پر عمل کرنے سے گریزاں ہیں۔ جس کے نتیجے میں زمین ان پر کم ہو رہی۔ یعنی ان کی طاقت کم ہو رہی ہے۔ جس کا ثبوت یہ تھا کہ مسلمان دن بدن بڑھ رہے تھے۔ پھر مسلمانوں کی طاقت نے مکہ کو فتح کر لیا پھر حجاز، یمن اور سارا عرب اسلام کے تحت ہو گیا۔ اور کفر مغلوب ہو گیا۔

زمین کا گھٹنا۔

ہم ان پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آ رہے ہیں تو کیا یہ اب بھی غالب ہو سکتے ہیں۔ اس کی سماجی، سیاسی تفسیر یہ ہے، کہ کفار پر زمین اس طرح کم ہوئی کہ مسلمان نہ صرف مکہ، بلکہ حجاز، یمن، نجد پھر شام، ایران، مصر مغرب اقصیٰ (لیبیا، مراکش) سوڈان، افریقہ پھر اندلس اور سپین، وسطی ایشیاء، ازبکستان، ترکمانستان، سندھ، افغانستان، ہندوستان، انڈونیشیا، فلپائن تک پھیل گئے۔ اس کے بعد ان سے سپین نکل گیا۔ اور خلافت عثمانیہ میں مشرقی یورپ کے علاقے مسلمانوں کے قبضے میں

آئے۔جب مسلمانوں نے اسلام کے نظام حکومت جس کا نمونہ خلافت راشدہ تھی، کو چھوڑ دیا، حکمران ذاتی اغرض کی بناء پر حکومت کرنے لگے، تو مغلوب ہو گئے۔ پہلی پھر، دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کی قوت بالکل ختم ہو گئی۔ آیت کی سائنسی توجیہ، جو کہ آجکل سامنے آ رہی ہے کہ زمین پر خشکی کم ہو رہی ہے۔ اسکے کچھ اسباب ہیں۔

۱۔ زمین کے اندرونی تہوں کی ٹھنڈک اور سکڑنے کی وجہ سے سطح کم ہو رہی ہے۔(بہت ہی معمولی)۔

۲۔ زمین کی اندرونی پلیٹوں کی حرکت کی وجہ سے پہاڑ اور اوپر ہو رہے ہیں۔ اور زمین اسطرح کم ہو رہی ہے۔

۳۔ موسمیاتی تبدیلی کے باعث برف پہاڑوں پر پگھل رہی ہے۔ اور پانی کی سطح سمندروں میں بلند ہو رہی ہے۔ جس سے خشکی کا ایریا کم ہو گا۔(جرنل آف جیالوجیکل سوسائٹی)، خلا یا فضا سے جو گرد و غبار بذریعہ شہاب ثاقب آتا ہے وہ دوسری طرف حرارت کے ساتھ خلا میں پھیل بھی جاتا ہے۔ لہذا اسکا کوئی خاص پھیلاو یا سکڑاو پر اثر نہیں۔ ممکن ہے کہ آنے والے زمانے میں مزید تحقیق سے مزید انکشاف ہوں۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝

اور اگر انہیں آپ کے رب کے عذاب کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی چھو جائے تو وہ ضرور کہیں گے، ہائے ہماری کم بختی: بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ ہو گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہو گا تو ہم اسے (حساب و کتاب) میں لے آئیں گے۔ اور ہم پورا پورا حساب کرنے والے ہیں۔

ترازو برائے حساب و کتاب:۔

پچھلی آیات میں کفار / مشرکین کے رویہ اور انکار کا ذکر ہے۔ جس کا نتیجہ دوزخ اور عذاب ہو گا۔ عذاب کی شدت بہت شدید ہو گی۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا میں اللہ تعالی نے عذاب دینے میں مہلت دی ہے، لیکن قیامت کے دن پورا پورا انصاف اور حساب و کتاب ہو گا۔ عدل کی تشبیہ میزان سے دی ہے۔ جہاں ہر شخص پلڑوں کا وزن دیکھ سکتا ہے۔ کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اور قدیم ترین زمانہ سے برابر تولنے کا طریقہ ہے۔ برابری سے مراد انصاف و عدل ہے۔ احادیث مبارکہ میں میزان کی تشریحات میں مثالیں آئیں ہیں۔ جو اس وقت کی مناسبت اور آج تک کے لیے صحیح ہیں۔ مثلاً نیکیوں کو اجسام کی صورت میں ظاہر اور برائیوں کو اجسام کی صورت میں ظاہر کیا جائے گا۔ ایک حدیث کے مطابق نیکی کے اعمال، بادل کی طرح آئیں گے۔ جو بظاہر معمولی کیفیت ہے۔ لیکن میزان کا پلڑا، برابر یا جھک جائے گا۔ یعنی اللہ تعالی کے نظام انتہائی اعلی ہیں۔ جسے ہم جان نہیں سکتے۔ کوئی بھی عمل خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ جتنا کہ رائی کا دانہ (قدیم زمانے کی مثال) یا ایٹم وہ بھی میزان (حساب و کتاب) میں آئے گا۔ انسان نے

اشیاء کو تولنے اور ان کی مالیت و قدر میں برابری کے لیے پہلے، وزن کے لیے ترازو کا استعمال کیا۔ یہ ٹھوس اشیاء کے استعمال کے لیے مناسب تھا۔ مائع کے لیے بعد میں علیحدہ معیار، لیٹر پھر گیلن بنایا گیا۔ حرارت کے لیے معیار بنائے گئے۔ (تھرمل)، کام کے لیے جیول، ہارس پاور، بجلی کے لیے وولٹ، روشنی کے لیے واٹ، کمپیوٹر کے مواد کے لیے بائیٹ ہے۔ اسکی رفتار کے لیے علیحدہ یونٹ مقرر ہوا۔ فوٹو کے لیے، پکسل، حرارت کے لیے سنٹی گریڈ، اب اوصاف، معیارات، اوزان اور مقدار کو ناپنے میں کیفیت و حالت سب کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالی کے ہاں فرشتوں کے ذریعے اس سے اعلی و اکمل، ناپ تول، معیار و اوصاف کے تعین کا نظام ہو گا، جس کے بارے ہمارے تخلیات میں اتنی وسعت نہیں ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت:۔

میزان میں، انسان کی نیکی کا مقابلہ بدی اور برائی سے ہو گا اور ان کا تعلق، حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔ اہم معاملہ یہ ہے کہ حقوق میں اسلام کے نقطہ نظر سے حقوق العباد، بہت اہم ہیں، کیوں کہ معاشرہ اور اخرت کی کامیابی ان پر منحصر ہے۔ ان کی بخشش متاثرہ فریق کی معافی پر منحصر ہے۔ قیامت کے دن حدیث کے مطابق، جن مجرم افراد کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی، وہ متاثرہ فرد کے گناہوں کو اٹھالیں گے۔ اس طرح ان کے گناہ مزید بڑھ جائیں گے۔ اسی لیے ضروری ہے، کہ قبل از موت ان سے معافی یا جان چھڑالی جائے۔ اس ضمن میں بہت زیادہ احادیث آچکی ہیں۔ حقوق اللہ بھی اہم ہیں۔ لیکن اللہ تعالی اپنی کمال مہربانی سے شرک کے علاوہ خطائیں بخش دیں گے۔ لیکن انسانی حقوق کے بارے فیصلہ فرمایا کہ مظلوم یا متاثرہ شخص، جب تک معاف نہیں کرے گا۔ اس وقت تک زیادتی کرنے والا فرد مجرم ٹھہرا رہے گا۔ اور جب متاثرہ شخص معاف کر دے گا، تو اس کو معافی ملے گی۔ مقصد یہ ہے کہ ہم انسانی حقوق کا اس دنیا کی زندگی میں پورا پورا اہتمام کریں۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ مسلمانوں نے کہا: ہمارے نزدیک، مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ کوئی درہم ہو گا نہ کوئی متاع ہو۔ آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس، وہ شخص ہے جو قیامت کے دن روزے، نمازیں اور زکوۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی شخص کو گالی دی ہو گی اور اس شخص کو تہمت لگائی ہو گی اور اس کا مال کھایا ہو گا اور اس کا خون بہایا ہو گا اور اس کو مارا ہو گا۔ پس ان کو (مظلوم) اس کی نیکیاں دی جائیں گی۔ اور جب ان کے حقوق ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی۔ تو ان کے گناہوں کو اس (مجرم) پر ڈال دیا جائے گا۔ اور پھر اس (مجرم) شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، مسند احمد)۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن حقوق والوں کو ان کے حقوق ادا کیے جائیں گے۔ حتی کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری کا بدلہ لیا جائے گا۔۔ (صحیح مسلم / مسند احمد)۔ اللہ تعالی جن افراد کو معاف کرنا چاہیں گے، تو ان کے متاثرہ افراد کو معاف کرنے کے بدلے اس قدر خوبصورت اور اعلی پیش کش کی جائی گی کہ وہ برضا خوشی معاف کر دے گا اور انعام وصول کرلے گا۔ (یہ رعایت خاص افراد کو ملے گی)۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ۝

اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (تورات) روشنی اور نصیحت متقین کے لیے دی۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۝

جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرنے والے ہیں۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝

اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے بھیجا ہے کیا پھر تم اس کے منکر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمائے، ہر مقابلہ میں کامیابی دی۔ اور تورات کی کتاب عنایت کی، جس میں اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور متقین کی یہ شان ہے کہ قیامت کے دن حساب و کتاب کے خوف سے سہمے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا غیب سے یقین کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی ذات، جسامت، کمیت، جہت، زمان و مکان کے تمام عوارض یا کیفیات سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ اس لیے ان کا یقین ایمان بالغیب کا ہے۔ اہل علم اپنے علم و عقل اور تخلیق کے وجود سے، خالق کو معلوم کر لیتے ہیں۔ ان کا پھر ایمان یا یقین غیب سے بڑھ کر وجود تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ قرآن مجید بھی انسانیت کی راہنمائی ہے۔ بابرکت ذکر (نصیحت) ہے لیکن مشرکین مکہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کی برکت سے محروم ہیں اور اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۝

بلاشبہ اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی دانائی دی تھی اور ہم اسے خوب جاننے والے تھے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۝

جب اس نے اپنے (عرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے لیے تم مجاور بنے بیٹھے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ۝

وہ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝

اس (ابراہیم) نے کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۝

انہوں نے کہا: کیا تم واقعی حق بات کہہ رہے ہو یا یونہی مذاق کر رہے ہو۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ڮ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۝

اس (ابراہیم) نے کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے، جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اس پر (تمہارے سامنے) گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ

اور اللہ کی قسم: تمہارے پیٹھ پھیر کر چلے جانے کے بعد میں ضرور بالضرور تمہارے بتوں کے ساتھ ایک تدبیر کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا جارہا ہے جو کہ عربوں کے لیے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ ایک بڑے محترم پیغمبر تھے۔ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، سے بہت پہلے گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بت پرستی سے نفرت بچپن میں نصیب فرمائی۔ آپ نے اپنے چچا آزر سے بتوں کو پوجنے کے بارے میں سوال کیا کہ یہ بت، جو کچھ نہیں کرسکتے، ان کی کیوں پوجا کی جارہی ہے۔ اور ان پر مجاور بن کر بیٹھ رہے ہو۔ ان کو وہی جواب ملا، جو مشرکین مکہ کہہ رہے تھے۔ کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ لہذا ہم ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا، یہ تو سراسر گمراہی ہے۔ چونکہ یہ ایک نیا نظریہ تھا۔ اس لیے انہوں نے کہا: کیا تم مذاق کر رہے ہو، کہ ہماری روایت یا رواج کے خلاف بات کر رہے ہو۔ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہہ رہے ہو۔ حضرت ابراہیم کا جواب ایمان و یقین سے بھرپور تھا، کہ میں اس خدا کی عبادت کے لیے کہہ رہا ہوں جو زمین اور آسمان کو پیدا اور کنٹرول کرنے والا ہے۔ میں اس کی ربوبیت اور ملکیت کا گواہ ہوں۔ یعنی اس پر یقین رکھتا ہوں اور تمہاری یہ اندھی پیروی غلط ہے۔ چونکہ تبلیغ آپ کی ذمہ داری تھی اس لیے آپ نے دل میں عہد کیا کہ اس موقعہ پر انکے عقیدہ بت پرستی کی غلطی اور گمراہی کو دلائل سے آشکارا کریں گے۔ یہ وقت کسی بڑے تہوار کا تھا۔ اس کی مزید تفصیل اگلی آیات میں دی گئی ہے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ

چنانچہ اس (ابراہیم) نے ان کے بڑے بت کے سوا ان سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ

وہ کہنے لگے: کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حال کیا ہے۔ بے شک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ

(بعض) کہنے لگے: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ

انہوں نے کہا: پھر تم اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ دیکھیں۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ

انہوں نے کہا: اے ابراہیم: کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝

اس (ابراہیم) نے کہا نہیں بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے (بت) نے کیا ہے لہذا تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

پھر وہ اپنے دلوں میں سوچتے ہوئے لوٹے اور آپس میں کہنے لگے تم ہی ظالم ہو۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝

پھر انہوں نے اپنے سر جھکائے (اور شرمندگی سے) کہا تم کو معلوم ہے یہ (بت) بول نہیں سکتے۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝

اس (ابراہیم) نے کہا: کیا تم اللہ کے سوا ان کے عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

انہوں نے کہا: اگر تم کچھ کرنے والے ہو تو اس (ابراہیم) کو جلادو اور اپنے کی مدد کرو۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

ہم نے کہا: اے آگ تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والا ہو جا۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

انہوں نے اس (ابراہیم) کے ساتھ فریب کا ارادہ کیا تو ہم نے انہیں ناکام (خسارہ والا) بنادیا۔

تبلیغ اور دلیل:۔

حضرت ابراہیم کو اللہ تعالی نے نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہوں نے اپنے معاشرہ میں اسلام (اللہ کی عبادت اور زکوۃ) کی تبلیغ شروع کردی تھی۔ لیکن سارے مخالف تھے اور آپ کا ارادہ تھا کہ کوئی ایسا موقع میسر آئے، کہ ان کے عقیدہ بت پرستی کا، ایک علمی و عقلی تجزیہ کرکے انہیں اس گمراہی کا دلائل سے احساس دلایا جائے۔ لوگ آپ کے عقیدے اور رائے کو جانتے تھے۔ آپ کی اس وقت کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے اٹھارہ اور کسی نے تیس تحریر کی ہے۔ ایک تہوار کا موقعہ تھا۔ آپ نے اس میں شرکت نہیں کی اور اپنی طبیعت کی خرابی کو ظاہر کیا۔ اس موقع پر جب مندر (عبادت گاہ) بالکل خالی تھی۔ آپ نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور ہتھوڑا سب سے بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس نے یہ عمل کیا ہے۔ اور اس کا اعلان کر رہا ہے۔ جب لوگ تہوار سے واپس آکر مندر (عبادت گاہ) میں داخل ہوئے، تو پریشان ہوگئے۔ ان کے معبود ٹوٹے پڑے ہیں اور بڑے بت کے کندھے پر ہتھوڑا ہے۔ اس سے بتوں کی بے حرمتی اور ان کے عقیدہ کی تضحیک یا تذلیل تھی، جسے انہوں نے بہت بڑا

ظلم تصور کیا۔ جب غور و فکر ہوئی کہ ایسا شدید عمل کون کر سکتا ہے، تو حضرت ابراہیم کی ان کے دین اور بتوں کی مخالفت کی خبر تو لوگوں کو تھی۔ چند بوڑھوں نے مشورہ دیا کہ ان پر شک ہے، ان سے پوچھا جائے۔ یہی وہ موقعہ تھا حضرت ابراہیم جس کی تلاش میں تھے۔ عبادت گاہ میں لوگ جمع تھے۔ ان کے بت پاش پاش پڑے تھے۔ حضرت ابراہیم کو بلایا گیا۔ اور ان سے پوچھا گیا۔ حضرت ابراہیم کا بڑا علمی اور مدلل جواب تھا، کہ مجرم کا ثبوت جب موجود ہے، تو وہ ان سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟ مجرم بظاہر آلہ جرم کے ساتھ بڑا بت نظر آرہا تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا، کہ بظاہر لگتا ہے کہ اس نے کیا ہے۔ اس سے پوچھو؟ حضرت ابراہیم کے اس جواب پر اہل عقل سمجھ گئے، کہ یہ پتھر کی مورتیاں تو بات نہیں کر سکتیں۔ ہل نہیں سکتیں۔ محض ہمارے فرضی خدا ہیں۔ انہیں احساس ہوا کہ ہم نے غلطی اور ظلم کیا۔ ۱۔ کہ عبادت گاہ کو خالی چھوڑ دیا۔ بتوں کی حفاظت نہیں کی۔ ۲۔ یہ بت ہیں نہ بول سکتے نہ ہلتے ہیں۔ ان کی عبادت اور خدائی کیسی ہے؟ انہوں نے شرمندگی سے کہا کہ یہ بت تو بولتے نہیں، یہ ان کا اقبال جہالت اور گمراہی تھا۔ حضرت ابراہیم اس موقع کی تلاش میں تھے۔ فوراً بتوں کی کمزوری اور ان کی عبادت کی گمراہی پر لعن طعن کی اور خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی۔

شیطان نے فوراً حرکت کی اور ان کو ترغیب دی کہ ان کے باپ دادا کی عزت کا معاملہ ہے۔ ان کی روایات داؤ پر ہیں۔ حضرت ابراہیم کی بات کی پرواہ نہ کرو۔ اور ان بتوں، رواج اور اپنے عقیدہ کے تحفظ کے لیے حضرت ابراہیم کو مجرم قرار دے ان کو سزا دو۔ اور سزا یہ کہ ان کو زندہ جلا دو۔ تاکہ دوسروں کے لیے باعث عبرت بن جائیں۔

نمرود بادشاہ تھا۔ اس نے اہل دربار سے مشورہ کر کے اس کا فیصلہ کیا۔ جلانے کے لیے لکڑیاں اکٹھی کی گئیں۔ ایک بہت بڑا علاقہ بھر دیا۔ تاکہ بچ نکلنے کا کوئی امکان نہ رہے۔ لکڑیاں جلا دی گئیں۔ الاؤ خوب بھڑکا۔ حضرت ابراہیم کو اس میں پھینکنا ناممکن کام تھا۔ کیونکہ آگ کی حرارت سے آدمی قریب ہی نہیں جا سکتے تھے۔ ایک منجنیق (جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے) کے ذریعے حضرت ابراہیم کو آگ میں پھینک دیا۔ آپ کو اللہ کے حکم سے، آگ نے نہیں جلایا، بلکہ حرارت معتدل موسم میں بدل گئی۔ صحیح و سالم رہے۔ آگ کی شدت، مدت آگ اور آپ آگ کے اندر کتنا وقت رہے۔ مختلف روایات ہیں۔ اہم نتیجہ آپ کی سلامتی اور اس کا ایک معجزہ ہونا ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے، کہ اللہ تعالی اپنے انبیاء اور اپنے نیک بندوں کو جو اس کے احکام کی اتباع اور تبلیغ میں اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی نچھاور کرتے ہیں، ان پر کرم فرماتا ہے۔ قوم نمرود اپنی سازش، قوت، اقتدار اور اسباب کے باوجود ناکام ہو گئی اور حضرت ابراہیم کے دین اور تبلیغ کی صداقت سارے شہر پر ظاہر ہو گئی۔ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں پھینکا جا رہا تھا، تو آپ نے قطعاً کوئی معافی کی درخواست نہیں کی بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ آگ میں جانے کو برضا و رغبت قبول کیا۔ روایات کے مطابق، آپ کہہ رہے تھے۔ "حسبی اللہ نعم الوکیل" اور اللہ پر مکمل بھروسہ رکھا۔ ایک مستند حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم نے دوران زندگی تین باتیں ایسی باتیں کہیں، جو کہ ذو معنی تھیں۔ انکو ابتدائی طور پر خلاف واقعہ (کذب) اور کنایہ کے طور پر صحیح تھیں۔ روایات کے مطابق بروز قیامت آپ سے جب شفاعت کی استدعا کی جائے گی، تو ان کو عذر بنا کر آپ معذرت کریں گے۔ اور

اس طرح آخر کار شفاعت کا عمل ہمارے نبی ﷺ پر آکر رک جائے گا۔ آپ ﷺ سجدہ میں گر کر شفاعت کی استدعا کریں گے۔ حدیث مستند ہے، لیکن لفظ کذب کی وجہ سے، علماء نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں، جبکہ فقہ میں واضح طور پر کنایہ یا تعریض کے لیے استعمال کی اجازت دی ہے، لیکن نبی ﷺ نے چونکہ بقول "حسنات الابرار، سیات المقربین" کے تحت کذب کا لفظ استعمال فرمایا، جو کہ یوم قیامت، شفاعت سے عذر کے طور پر استعمال ہو گا۔ جس سے توضیحی مشکل پیدا ہو گئی، کہ نبی کے مرتبہ کے لحاظ سے یہ لفظ کیسا ہے۔ لہذا دونوں امور (اسناد حدیث اور نبی کا اعزاز) اپنی جگہ صحیح ہیں۔ غیر ضروری توضیحات کا نتیجہ اہم پیغام (حق کے لیے جان دینا) سے توجہ کا ہٹا دینا بن جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کے لیے اس طرح کے اعمال کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت یونس کا نکلنا، حضرت موسیٰ کا جلدی جبل طور پر جانا۔ حضرت ابراہیم کے بارے یہ بیان مقام واعزاز نبوت کے خلاف نہیں۔ (روح المعانی / قرطبی / تفسیر کبیر۔)۔

عہد نامہ قدیم (تورات) میں حضرت ابراہیم کا واقعہ درج ہے۔ جو کہ کتاب پیدائش کے باب 11 اور باب 12 میں مختلف آیات میں ذکر کیا گیا۔ اس کا انداز بیان سے صاف پتا چلتا ہے کہ راوی نے آراء شامل کی ہیں۔ اور اس کا قرآن مجید کے مقابل انداز کمتر ہے۔ مستشرقین کا یہ الزام کہ یہ واقعات تورات سے لیے گئے ہیں، بالکل غلط لگتا ہے۔ چونکہ واقعات ایک حقیقت ہیں اس لیے قرآن مجید میں اس کا ذکر واقعہ کے مطابق مختصر طور پر ہے۔ جو تورات سے مختلف ہے۔

آگ:۔

عمومی طور پر آگ کے شعلہ میں کاربن ڈائی آکسائیڈ، پانی کے بخارات اور آکسیجن ونائٹروجن گیس پائی جاتی ہے۔ آگ کا ایندھن لکڑی یا کاربن سے پیدا کردہ اشیاء، کوئلہ اور معدنی تیل (پیٹرول) ہیں جن سے پیدا ہوتی ہے۔ آگ سے حرارت پیدا کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایٹم کے ٹوٹنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آگ کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو حضرت ابراہیم کو جلانے کے لیے لکڑیوں سے جلائی گئی۔ یہ وہ آگ ہے جس سے ہمیں واسطہ پڑتا ہے۔ دوسری قسم کی آگ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر دیکھی، جس میں سخت گرمی نہیں تھی اور روشنی تھی۔ درخت سے نکل رہی تھی۔ جہنم کی آگ کا اکثر ذکر ہے، جس کا ایندھن انسان کا جسم اور پتھر ہوں گے۔ انسانی جسم میں ہڈی نہیں جلتی۔ ابھی تک صرف ٹینٹیم کاربائیڈ (TANTAWM CARBIDE) اور ہافنیم کاربائیڈ (HAFNIUM CARBDIE)، ایسا مواد ہے جو کہ 4000 ڈگری (CELSIUS) ایف تک درجہ حرارت برداشت کر سکتا ہے۔ ایمپیریل نیوز (22 دسمبر 2016ء)۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ○

اور ہم نے اسے (ابراہیم) اور لوط کو اس زمین کی طرف نجات دی، جس میں ہم نے اہل زمین کے لیے برکت رکھی ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ○

اور ہم نے اسے اسحاق بخشا اور یعقوب (مزید) دیا۔ اور ہم نے ہر ایک کو صالح (نیک) بنایا۔

وَ جَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیۡتَآءَ الزَّکٰوةِ ۚ وَ کَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ ﴿ۚۙ۷۳﴾

اور ہم نے انہیں امام بنایا وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہ ہدایت بتاتے ہیں۔ اور ہم نے ان پر نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کی وحی کی۔ اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

وَ لُوۡطًا اٰتَیۡنٰهُ حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا وَّ نَجَّیۡنٰهُ مِنَ الۡقَرۡیَةِ الَّتِیۡ کَانَتۡ تَّعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فٰسِقِیۡنَ ﴿ۙ۷۴﴾

اور لوط کو حکم (نبوت) اور علم دیا اور ہم نے اسے اس بستی سے نجات دی وہ (باشندے) بدکاریاں کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ بہت برے اور نافرمان لوگ تھے۔

وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم نے اس (لوط) کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بے شک وہ صالحین میں تھا۔

حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے (برادر زادہ) تھے۔ حضرت ابراہیم کی نبوت اور اللہ کی توحید پر ایمان والے تھے۔ آپ نے حضرت ابراہیم کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف ہجرت کی۔ اللہ تعالی نے آپ کو علم و حکمت یعنی نبوت سے سرفراز فرمایا۔ جس علاقے میں آپ تشریف لے گئے، اسے عمورہ اور سدوم کہا جاتا ہے۔ یہ بحیرہ مردار کے قریب اردن کا شاداب علاقہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے اولاد سے نوازا۔ حضرت اسحاق، عطا ہوئے اس وقت آپ کی عمر کافی بڑی تھی۔ پھر مزید اللہ نے انعام فرمایا کہ حضرت اسحاق کو بھی اولاد یعنی حضرت یعقوب عطا فرمائے اور دونوں (باپ، بیٹا) کو نبوت سے سرفراز کیا۔ شام کی سرزمین کے بابرکت ہونے کے بارے احادیث میں آیا ہے۔ یہ شام کی زمین، اس وقت فلسطین کا حصہ تھی۔ جسے اب استعمار نے علیحدہ کر دیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابراہیم، کنعان میں رک گئے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام، تبلیغ کے لیے علاقہ سدوم کی طرف چلے گئے۔ سدوم کے لوگ کردار کے لحاظ سے انتہائی مکروہ تھے۔ ان کے ہاں لواطت (مرد سے مرد کا جنسی فعل) جیسا بدترین گناہ، اس کے علاوہ گذرگاہوں پر لوگوں کو تنگ کرنا، آوازیں کسنا، پتھر پھینکنا، ایذا دینا، عام تھا۔ جس کو قرآن مجید نے خبائث اور ان عادات والے لوگوں کو برے اور فاسق (نافرمان) قرار دیا ہے۔ اسلام میں اس لیے یہ امور انتہائی برے جرم ہیں اور ان سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔ قوم لوط تباہ ہوئی اور اللہ تعالی نے مومنین اور آپ علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ اس کا ذکر پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے۔

فلاح انسانیت:۔

حضرت ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام، جو کہ اکثر مذاہب عالم کے بانی ہیں، جس میں یہود، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ انسانیت کے فلاح و بہبود کا مذہب اسلام ہے۔ جو کہ تمام انبیاء کا مذہب رہا ہے۔ فلاح اس لیے کہ اس میں نماز اور زکوٰۃ (ایک معاشی اور سماجی فلاح) کا نظام دیا گیا ہے تاکہ انسانیت کی فلاح ہو۔ اس کا ذکر حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد سے بلکہ حضرت الیاس کے ساتھ بھی کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم، یوسف، موسیٰ، عیسیٰ، علیہم السلام، سب مذہب اسلام کے داعی تھے اور نبی آخر الزمان بھی اسلام کے داعی ہیں۔ صرف آخری کتاب قرآن مجید اس لیے عطا ہوئی کہ انسان کے سماجی حالات اور طبعی وجود، زمانے کے ساتھ بدلتا رہا۔ اس لیے ہر دفعہ نئی شریعت میں ترامیم ہوتی رہیں۔ حدیث کے مطابق اسلام اس لیے نازل ہوا کہ انسانیت پر جو احکام مشکل تھے، ان کو آسان بنایا جائے۔ اگر نماز، زکوٰۃ، اور دوسرے احکام کو دیکھیں تو اسلام کے احکام، یہودیت، اور عیسائیت سے آسان ہیں۔ اور سارے احکام، انسانی فلاح کے اردگرد گھومتے ہیں۔ نکاح، طلاق، نماز، زکوٰۃ، نظام عدل، تجارت، معاملات، لباس، سب انسانوں کے معاشرے میں نیکی، عدل، مساوات، اور بھلائی کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ بدقسمتی ہے کہ کسی ملک میں مثالی اسلامی نظام آج کل موجود نہیں۔ کہ اس کی برکت اور فوائد سے موجودہ دنیا متعارف ہو سکے۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ۟

اور نوح کو بھی (یاد کریں) جب اس سے پہلے اس نے (ہمیں) پکارا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے اہل (مومنوں) کو بہت بڑے غم سے نجات دی۔

وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۟

اور ہم نے ان کی مدد کی۔ اس قوم کے خلاف جس نے ہماری آیات (نشانیوں) کو جھٹلایا تھا۔ بے شک وہ برے لوگ تھے۔ لہٰذا ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ آپ (نوح علیہ السلام) نے تمام انبیاء سے طویل مدت تک تبلیغ کی جو کہ کئی صدیوں تک محیط تھی۔ لیکن لوگ اپنے انکار پر بضد رہے۔ آپ اور دوسرے مومنین ان کے ستم سہتے رہے۔ جب آپ کو تمام اطراف سے مایوسی نظر آ رہی تھی۔ بالآخر آپ نے بددعا کی۔ لوگ اسی طرح ظلم اور گناہوں سے ڈوبے ہوئے تھے۔ آخر دعا قبول ہوئی اور ایک طوفان کے ذریعے تمام ظالم و کفار ختم ہو گئے۔ صرف مومنین اور حضرت نوح سلامت بچے۔ حضرت نوح کا ذکر سورہ اعراف اور سورہ ھود میں بھی آ چکا ہے۔

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۟ۙ

اور (یاد کریں) داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں کھیتی کے بابت فیصلہ کر رہے تھے۔ جسے رات کو (ایک) قوم کی بکریاں چر گئیں تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے شاہد تھے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۟

چنانچہ ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکم (نبوت) اور علم دیا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرندے مسخر کیے تھے۔ وہ تسبیح کرتے تھے۔ اور ہم ہی ہر کام کرنے والے ہیں۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

اور ہم نے اسے (داؤد کو) تمہارے لیے زرہ بنانا سکھایا تھا۔ تاکہ تمہاری لڑائی (تکلیف) سے تمہیں بچائے پھر کیا تم شکر کرنے والے ہو؟

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝

اور (ہم نے) سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا مسخر کر دی۔ اور وہ اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی۔ اور ہم ہی ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝

اور کئی جنات (شیطان) بھی تابع کیے تھے۔ جو اس کے لیے (سمندر میں) غوطہ لگاتے اور اس کے علاوہ بھی کئی کام کرتے تھے۔ اور ہم ہی ان کے نگران تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام:۔

حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ نے طالوت کے لشکر میں شامل ہو کر جالوت کو قتل کیا۔ اور بعد میں سربراہ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت آپ کو عطا کی۔ آپ کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ اور مزامیر کے ساتھ زبور کی تلاوت کرتے، تو آواز کی دلکشی سے پرندے ٹھہر جاتے۔ اور سر کے ساتھ اواز ملا کر تسبیح کرتے۔ اسی طرح پہاڑوں کے پتھر بھی تسبیح کرتے۔ آپ تنہائی کے لیے وادیوں میں چلے جاتے اور وہاں ذکر کرتے۔ آپ کی آواز کو ایسی دلکشی عطا کی گئی کہ کسی اور کو نہیں ملی۔ ساز (مزامیر) کے ساتھ مزید آواز دلکش ہو جاتی۔ ساز اور آواز آج بھی سامعین کو مسحور کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر قوت دی تھی، کہ آپ لوہے سے مختلف لباس بناتے اور بیچ کر اپنا گزارا کرتے۔ آپ سے پہلے لوہے کا استعمال بطور حفاظت کیا جاتا۔ لوہے کے پتروں کو لوگ بطور ڈھال استعمال کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو مزید اعلیٰ درجہ تک پہنچایا۔ لوہے کو گرم کرنے اور اسکو چھلے، تاریں اور لباس کی شکل دینے کی صلاحیت، آپ کو اللہ نے عطا کی۔ جدید آثار قدیمہ کی تحقیق نے بھی ثابت کی ہے کہ شام اور فلسطین کے علاقہ ادوم میں خام لوہے کے ذخائر ہیں۔ عقبہ اور علیہ سے متصل علاقوں میں آثار قدیمہ کی تلاش میں بھٹیوں کے آثار ملے ہیں جو لوہے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ حضرت داؤد نے اس کو مزید جنگی اور دوسری ضرورتوں کے استعمال میں لا کر عمومی فوائد کے لیے عام کر دیا۔ آپ نے ارد گرد کے علاقوں کو فتح کر کے سلطنت کو توسیع دی۔

پیشہ کی اہمیت / رزق حلال:۔

حضرت داؤد علیہ السلام زرہ کو فروخت کر کے اپنا گزارہ کرتے اگرچہ آپ سربراہ مملکت تھے۔ علامہ قرطبی کے مطابق حضرت آدم علیہ اسلام، کاشت کاری، حضرت نوح، بڑھئی، حضرت لقمان درزی، حضرت طالوت رنگریز (کپڑے رنگنا) کا کام کرتے تھے۔ (الجامع الاحکام القرآن)۔ ہمارے نبی ﷺ نے بکریاں چرائیں۔ تجارت کی، دودھ دوہا، کپڑے سئیے، زمین کھودی، گھر کے کام کیے۔ اسی طرح پرانے عظیم علماء و فقہاء، مثلاً امام احمد بن عمر الخصاف موچی کا کام (الخصاف / موچی)، امام احمد بن محمد بن احمد القدوری (کمہار، قدوری ہنڈیا)، علامہ محمود بن احمد الحیری، (چٹائی کا کام) امام ابو بکر ابن علی الحدادی (لوہار، حداد)، لوہار کے پیشوں سے منسلک تھے اور خدمات دین بغیر معاوضہ کے ادا کرتے تھے۔ بدقسمتی سے آج کل امام و خطباء، نے دین کو ذریعہ روزگار بنالیا ہے، جس کی وجہ سے آدمی معاشی قیدی بن جاتا ہے۔ اسی لیے کسی بھی پیشہ کو حقیر سمجھنا گناہ ہے۔ ہاں اگر عمل گناہ کا ہے تو وہ قابل نفرت ہے۔ رزق حلال کے لیے جو بھی جائز اور حلال کام کا پیشہ اپنایا جائے وہ قابل تعریف و تحسین ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر پشت پر لاد کر لائے، وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔ کوئی اسکو دے اور کوئی اسکو منع کردے۔ (البخاری / ترمذی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جو شخص شام تک اپنے ہاتھوں سے کام کرتے تھک گیا، اس کی مغفرت کردی جائے گی۔ اس سے مقصود محنت کا عمل ہے، خواہ ہاتھ سے ہو یا ذہنی طور پر بھی ہو۔

اختلافی فیصلے:۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس ایک شخص شکایت لے کر حاضر ہوا کہ اس کے کھیت میں فصل تیار تھی اور دوسرے شخص نے اس کے کھیت میں بکریاں چھوڑ دیں۔ جنہوں نے اس کی ساری فصل خراب کر دی اور کھا گئیں۔ وہ اس کا معاوضہ چاہتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اس کے نقصان کی تلافی کے لیے وہ، بکریاں لے لے۔

بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا اور متبادل فیصلہ پیش کیا کہ بکریاں کچھ عرصہ کے لیے کھیتی کے مالک کو دے دی جائیں تاکہ وہ ان کا دودھ اور اون سے فائدہ اٹھائے اور کھیتی کو بکریوں والے کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ اس میں محنت کرے اور فصل اگائے۔ جب فصل اس حالت میں آجائے اس طرح دونوں افراد (طرفین) دونوں اپنی چیزوں سے محروم نہیں ہوں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی تھی کیونکہ آپ نے نبوت کی ذمہ داری سنبھالنا تھی۔ دونوں (حضرت داود اور حضرت سلیمان) کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کو علم و حکمت سے نوازا تھا۔ ججز (منصف) کے فیصلوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، جس کی وجہ تجربہ، انفرادی فراست اور علم ہو سکتا ہے۔ لیکن ایک اہل جج کا فیصلہ صحیح ہے، اگرچہ قبولیت میں بہتر فیصلہ اختیار کیا جائے گا۔ ایک حدیث کے مطابق جو کہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا" اگر

حاکم اپنی حد (فیصلہ) کرنے کی پوری کوشش کرے تو صحیح فیصلہ کرنے کی صورت میں اسکے لیے دہرا اجر ہے۔ اور غلط فیصلہ کرنے کی صورت میں ایک درجہ اجر ہے۔ (بخاری)۔ حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ قاضی تین قسم کے ہیں۔ ایک ان میں سے جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ جنتی وہ قاضی ہے جو حق کو پہچان جائے تو اس کے مطابق فیصلہ دے۔ مگر جو شخص حق پہچاننے کے باوجود خلاف حق فیصلہ دے، تو وہ جہنمی ہے۔ اور اسی طرح وہ بھی جہنمی ہے جو علم کے بغیر لوگوں کے فیصلے کرنے کے لیے بیٹھ جائے۔ اس واقعہ سے فقہ یا فیصلوں میں اجتہاد کی اہمیت وضرورت واضح ہوگئی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ علم و فراست بچپن سے نظر آرہی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد تخت نشین ہوئے، نبوت بھی ملی اور بادشاہت بھی۔ اللہ نے آپ کو ایسی بادشاہت دی جو کسی کے نصیب میں نہ آئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالی نے ٹھوس جسم، پہاڑوں کی زبان و نغمہ جاننے کی صلاحیت عطا فرمائی، تو اللہ تعالی نے حضرت سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ آپ کے حکم سے ہوا آہستہ اور تیز و تند ہو جاتی۔ حیوانات کی زبان کا علم اللہ تعالی نے عطا فرمایا۔ جنات تابع کر دیے۔ آپ نے مسجد اقصی کو مکمل کیا اور سلطنت بنی اسرائیل کی حدود کی توسیع کی۔ عدل، غریبوں کی مدد، امن و سلامتی کا مثالی دور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اللہ تعالی نے "جن" بھی آپ کے تابع کر دیئے۔ جس کی وجہ سے بڑے بڑے کام آپ کے لیے آسان تھے۔ اللہ تعالی حضرت داؤد اور سلیمان کی شان میں حکماً و علماً کے الفاظ فرمائے۔ جن کی ایک تفسیر حکم سے مراد حکام الہی کی حکمت اور علم سے احکام عبودیت (عدل، نظام حکومت) کی معرفت ہے۔

تخت سلیمانی:۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ، ان کا ہوا پر کنٹرول تھا۔ آپ کا تخت بڑا وسیع تھا۔ جس میں درباری، فوج اور دوسرے افراد ہوتے۔ اس معجزہ کے لیے اللہ تعالی نے اسباب آپ کے کنٹرول میں کر دیے۔ آج کل، دیو ہیکل ہوائی جہازوں کو اڑانے کے لیے ہوا کو تیز کیا جاتا ہے۔ جیٹ انجن کے ذریعے پوری قوت سے تیز ہوا پیدا کی جاتی ہے۔ جو جہاز کو اٹھا لیتی ہے۔ اسی طرح پھر جب جہاز اٹھ جاتا ہے، تو پیچھے سے ہوا کی وجہ سے تیز سفر طے کرتا ہے۔ اسی طرح اترتے وقت ہوا کے دباؤ کو آہستہ کر کے اتارا جاتا ہے۔ ہوا، آپ علیہ السلام کے حکم کے تابع تھی، یعنی فرشتے آپ کے حکم کے مطابق ہوا کا دباؤ کم یا زیادہ کر دیتے تھے۔ جو جھکڑ یا آہستہ ہوا کا سبب بنتا۔ روایات کے مطابق آپ کا تخت یا جہاز جس میں آپ کے درباری فوج وغیرہ شامل ہوتی، تقریبا ایک فرسخ کی وسعت پر تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ ایک چٹان پر رہتا۔ جب آپ حکم دیتے، تو تیز ہوا چل کر، اس کو اٹھا لیتی اور اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ ایک روایت کے مطابق، یہ کئی ہزار عمودی لکڑی کے ستونوں پر قائم تھا۔ جن کی بلندی بیس تیس فٹ کے قریب تھی اور ہوا، اسے تیز چل کر اٹھا لیتی۔ اور اسی طرح تھم کر زمین پر اتار دیتی۔ ہوا کی وجہ سے آپ کی مسافت بہت زیادہ طے ہو جاتی۔ آپ کی سلطنت،

فلسطین، شام، حجاز، یمن، کے علاقوں پر پھیلنے کی وجہ سے بحیرہ روم (اٹلانٹک / اوقیانوس) اور بحیرہ احمر (بحر ہند) تک پھیلی ہوئی تھی۔ تجارتی جہاز دونوں جانب سفر کرتے تھے۔

جنات:۔

قرآن مجید اور احادیث کے مطابق آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسلئے غذا اور مادی اجسام کی خصوصیات سے عاری ہیں۔ ایک انرجی کی صورت ہیں۔ جو زمان و مکان میں کافی قوت رکھتے ہیں۔ ان کی عمریں طویل اور انرجی کی وجہ سے اشکال کی تبدیلی، مسافت کاطے کرنا، انسانی جسم کی صورت بننا اور انسان کے اندر بھی داخل ہوسکتے ہیں۔ چونکہ عقل اور اختیار اللہ نے دیا ہے، اس وجہ سے مسلمان اور غیر مسلم ہیں۔ اکثریت غیر مسلم ہیں اور شیطان کے احکام پر زیادہ عمل کرتے ہیں۔ ان کا بھی اختیار کی وجہ سے حساب و کتاب ہو گا اور اکثریت جہنم رسید ہو گی۔ کیونکہ شیطانی اعمال میں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے خوف کھاتے تھے۔ اور ان کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ مشکل اور دور مسافت کے اعمال شاقہ ان سے لیے جاتے تھے۔ جن انسانی تخیلات میں موجود ہیں۔ لوگوں نے دیکھا ہے۔ لیکن مادی وجود اور انسانی تجربات اور مشاہدہ میں نہ ہونے کی وجہ سے سائنس میں ان کا ذکر نہیں۔ جنوں میں جن تبلیغ دین کرتے ہیں اور بسا اوقات انسانوں کی تعلیمات (وعظ و تلقین) سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ عقل کی وجہ سے مختلف مذاہب (ہندو / عیسائی، یہودی اور مسلمان) کے پیروکار بھی ہوتے ہیں۔ سمجھنے کے لیے، اس کی مثال، انسان کے بنے ہوئے، سافٹ ویر (کمپیوٹر پروگرام) ہیں، جو مادی وجود نہیں رکھتے لیکن ان کے ذریعے، ڈرون حملے، چاند گاڑی، مارس روور (گاڑی) کنٹرول کی جاتی ہے۔ ہمارے کمپیوٹر اور موبائیل فون کنٹرول ہوتے ہیں۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

اور (یاد کریں) ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ بے شک مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝

چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور جو بھی اسے تکلیف تھی اس کو ہم نے دور کر دیا۔ اور ہم نے اس کو اہل و عیال بھی دیے۔ اور اپنی طرف سے مہربانی کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کیے اور عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام:۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے نسبت کے بارے اکثر علما کی رائے کہ آپ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ علماء تاریخ نے لکھا ہے، کہ حضرت ایوب نبی تھے۔ اور اللہ تعالی نے آپ کو دولت و مال سے نوازا تھا۔ اولاد کی کثرت تھی۔ غلام لاتعداد تھے۔ کھیتوں اور باغات کے مالک، ہر نعمت دنیا، آپ کو میسر تھی اور یہ زندگی کا سفر، دولت و امارت کے ساتھ کافی عمر تک چلتا رہا، جس کا اندازہ تقریباً پچاس سال سے زیادہ ہے، پھر اللہ تعالی نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا۔ ساری دنیا کی رعنائیاں چلی گئیں۔ غلام، دولت،

کھیت، مال مویشی سب ختم ہو گئے۔ حتی کہ اپنی جان بھی عذاب بن گئی۔ بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ روایت کے مطابق جسم کیڑوں سے بھر گیا۔ سارے لوگ چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ صرف آپ کی عیادت و تیمارداری کے لیے ساتھ رہیں۔ صبر کا دامن ہمیشہ پکڑے رکھا۔ اتنی تکلیف میں کبھی شکایت اور رنج کا اظہار نہیں کیا، بلکہ شکر کا اظہار کیا۔ پھر جب شدت حد سے بڑھ گئی، تو التجا کی کہ میں تکلیف میں ہوں اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ کرم کرنے والا اور کرم فرما ہے۔ اللہ تعالی کی رحمت جوش میں آئی اور زمین سے چشمہ نکلا، جس کے پانی نے آپ کے جسم سے تمام کیڑے ختم کر دیے اور آپ کی صحت اور جوانی لوٹ آئی۔ اولاد اور مال سب کثرت سے آ گئے۔ یہ امتحان، دولت، شہرت، عزت پھر بیماری، تنہائی، معذوری کا طویل عرصہ پھر صحت اور دولت و امارت یہ سارا مرحلہ اہل ذکر و عقل کے لیے ایک نصیحت ہے۔ کہ وہ خالق حقیقی کی عبادت کریں اور شکر گزاری اور صبر کو زندگی کا وتیرہ بنائیں۔

وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِدۡرِيۡسَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۚۖ

اور اسماعیل اور ادریس اور ذولکفل (کو یاد کریں) یہ سب صابر تھے۔

وَ اَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝

اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کیا، بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے۔ بچپن میں تنہا، مکہ شریف رہ گئے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قربانی کا ذکر کیا، تو سراپا تابعداری بن گئے۔ صبر ہمیشہ آپ کا وطیرہ رہا۔ آپ کا ذکر سورہ ابراہیم میں گذر چکا ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر سورہ مریم میں گذر چکا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کی قوم کو نافرمانی و ظلم پر عذاب دیا اور آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔

حضرت ذوالکفل کا ذکر بھی، انبیاء کے ساتھ ہے۔ اکثر مفسرین نے نبی قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ نبی نہیں تھے۔ لیکن نیک، عادل حکمران تھے۔ کفل کا معنی ضامن ہے۔ یہودی ان کو حزقیال (حزقی ایل) نبی کہتے ہیں۔ (روح المعانی،۔) تورات میں صحیفہ حزقی ایل ہے۔ جو آپ کے بارے معلومات کا اہم ذریعہ ہے۔ جب نبوت ملی تو عمر تیس سال تھی۔ اور بائیس سال تک تبلیغ کرتے رہے۔ دولت اور امارت کی وجہ سے غریبوں کی کفالت کرتے اس لیے لقب ذوالکفل تھا۔ عبادت گزار اور عادل سردار تھے۔

صبر اور نیکی:۔

حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام، کے ذکر کے ساتھ جو خصوصیات اور امتیاز ذکر کیا گیا ہے، وہ ان حضرات کا صابر اور صالح ہونا ہے۔ اس سے انسانی کردار میں صبر، نیکی، اور بھلائی کی اہمیت، اسلام اور قرآن مجید میں واضح ہوتی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے بھی اپنے اقوال اور اعمال مبارک میں، مخلوق کی بھلائی کے عمل کو انتہائی اہم فرمایا۔ ایک حدیث کے مطابق جنت میں جانے والوں کی نشانی، دنیا میں ان کے اچھے اخلاق ہیں۔ صبر بھی اسی طرح بڑا اہم ہے۔ معاشرے کی

زیادتیوں کو درگزر کرنا، اپنی مشکلات پر شکوہ نہ کرنا، صبر ہے۔ نفس کی خواہشات کو کنٹرول کرنا بھی صبر ہے۔ یہ تمام امور بہت مشکل ہیں۔ اسی لیے ان کا اجر بغیر حساب کے ہے۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ

اور (یاد کریں) مچھلی والے (یونس) کو جب وہ (اپنی قوم سے) ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ اور اس نے سمجھا تھا کہ ہم اس پر ہرگز تنگی نہیں کریں گے۔ پھر اس نے (ہمیں) اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے۔ بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

پس ہم نے اس کی دعا قبول اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ آپ کا ذکر اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے۔ جب آپ اپنی قوم کی نافرمانی کی وجہ سے، ان سے ناراض ہو کر اللہ کے حکم کے بغیر وہاں سے چل دیے۔ جس پر اللہ تعالی نے آپ کے اس عمل کو پسند نہیں فرمایا، اور دریا کے سفر کے دوران آپ کو چھلانگ لگانا پڑی اور مچھلی نے نگل لیا۔ آپ کا خیال تھا کہ قوم کو چھوڑ کر نکلنے پر گرفت نہیں ہو گی۔ لیکن معاملہ اسکے برعکس نکلا۔ آپ اندھیروں میں پھنس گئے۔ پانی کا اندھیرا، رات کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ آپ نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ سے دعا کی۔ تو مچھلی نے آپ کو نکال (اگل) دیا۔ آپ کا استغفار "لاالہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" تھا۔ ترجمہ: اللہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں ظلم یا گناہ کرنے والوں میں سے ہوں۔ ایک حدیث کے مطابق، جس مسلمان نے بھی ان الفاظ کے ساتھ کسی معاملہ کے لیے (خلوص دل کے ساتھ) دعا مانگی ہو تو اللہ تعالی اسے قبول فرماتا ہے۔ (ترمذی شریف۔)۔

وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۚ

اور (یاد کریں) زکریا کو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا تھا: اے میرے رب: تو مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

پس ہم نے اس کی دعا قبول کی۔ اور ہم نے اسے یحیٰی عطا کیا، اور ہم نے اس کے لیے اس کی بیوی کو تندرست کر دیا۔ بے شک وہ (انبیاء) نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمیں شوق اور ڈر سے پکارتے تھے۔ اور وہ ہم سے عاجزی انکساری کرنے والے تھے۔

وَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور اس عورت کو (یاد کریں) جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اور اسے اور اسکے بیٹے (عیسی) کو اہل عالم (زمانہ) کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا دیا۔

حضرت ذکریا علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ان کی زوجہ بانجھ تھیں۔ اولاد (لڑکے) کے متمنی تھے۔ تاکہ تبلیغ دین اور مسجد اقصی کا خیال رکھ سکے۔ اللہ سے التجا کی کہ تو ہی میرا کارساز، وارث ہے۔ میرا ایک وارث عطا فرما، تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ اللہ تعالی سے عاجزی، اس سے امید اور بھروسہ کی بناء پر دعا کی جو قبول ہوئی۔ ہر دعا کی قبولیت کے لیے ان خواص، عاجزی، امید اور بھروسہ، کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت یحیی عطا فرمائے۔ نام بھی دیا۔ اسکا ذکر سورہ مریم میں گذر چکا ہے۔ یہ انبیاء کرام، اللہ تعالی کی عبادت، اس کی محبت و شوق اور عظمت و جلال کے خوف سے، کرتے تھے۔ نیکی اور بھلائی میں جلدی یعنی کثرت سے کرتے اور کوئی موقعہ نہ چھوڑتے۔ ہمارے لیے تاکید ہے، کہ ہم بھی ان نیکیوں میں سبقت حاصل کریں جس طرح ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں کئی بار اسکی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت مریم کا بھی ذکر ہے۔ آپ، انتہائی پاکدامن اور عبادت گزار تھیں۔ اللہ تعالی نے حضرت جبرئیل کے ذریعے آپ کو لڑکے کی بشارت دی اور ان کی پھونک سے حمل واقع ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے پیدائش، پنگھوڑے میں بات کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، برص اور کوڑھ کے مریضوں کو شفا دینا۔ لوگوں کو ان کے گھروں کی خبر دینا، کے معجزات تھے۔ اس طرح آپ، اللہ کے وجود و قدرت کی نشانی تھے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝

بلاشبہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہذا تم میری ہی عبادت کرو۔

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ۧ

اور انہوں نے اپنے دین کو باہم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (آخر کار) سب ہماری ہی طرف لوٹیں گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝

(چنانچہ) پس جو بھی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اسکی کوشش (عمل) کی ناقدری نہیں ہو گی اور بے شک ہم اسکے لیے اسکے اعمال لکھنے والے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝

اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر ڈالا، ممکن نہیں کہ اسکے لوگ پھر پلٹ سکیں۔

ایک انسانیت، ایک پیغام:۔

مختلف انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد اور انکے مشترکہ مقاصد کا ذکر ہے، کہ تمام انبیاء، اللہ کی طرف سے ہیں۔ جس طرح حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تمام نبی باپ شریک، بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور یہ دین واحد ہے۔ (بخاری)۔ یعنی تمام انبیاء نے توحید الہی، قیامت، جزا و سزا، جنت و دوزخ کا ایک پیغام دیا، حقوق العباد میں زکوۃ اور عدل

اوراسکے ساتھ حالات کے مطابق احکام بتائے۔اس کے بعد آنے والے افراد بالخصوص اصحاب علم نے اس میں فرقے بنائے اور اختلاف کیے۔ حدیث مبارک (روایت حضرت ابو ہریرہ) کے مطابق اکہتر یا بہتر عیسائیوں کے فرقے تھے۔اور مسلمانوں کے بھی تہتر 73 فرقے ہوں گے۔ (ترمذی ابو داؤد)۔ قیامت میں، اللہ تعالیٰ ان کے درمیان حق کا فیصلہ کریں گے۔ دین میں اختلاف پر تشدد انتہائی برا ہے۔ جس کو قرآن مجید اور احادیث میں سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔اس کے باوجود لوگوں (اصحاب علم وطاقت) نے، اپنی خواہشات، کی بناء پر ترجیحات میں اختلاف کیا۔ جو لوگ نیک عمل کریں گے۔ان کو ان کے اچھے اعمال کی جزاعطا ہو گی۔ جو صاحب ایمان ہوں گے اور نیک اعمال کریں گے ان کو جنت اور اللہ کی رضا حاصل ہو گی۔ان کے اعمال کی تفصیل ایک حدیث کے مطابق دو فرشتے (کراما کاتبین) ریکارڈ کر رہے ہیں۔اور یوم قیامت ان کا حساب وکتاب ظاہر کیا جائے گا۔اور جو لوگ دنیا میں کفر اور ظلم کرتے ہیں۔ان کا انجام عذاب الٰہی کی صورت میں تباہی ہے۔ وہ دوبارہ دنیا میں پھر نہیں آسکتے۔اس کی تشریح یوں ہو سکتی ہے۔ کہ بحیثیت قوم دوبارہ، انہیں عزت و وقار نہیں مل سکے گا۔ا:۔ گناہوں میں ڈوب جائیں گے۔ استغفار کر کے معافی نہ حاصل کر سکیں گے۔:۲۔ ان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا اور تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔ ہر صورت میں انجام برا ہے۔

نئی شریعت کیوں؟

شریعتیں مختلف آتی رہیں۔ حضرت آدم، نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام، اس سے مقصود حالات کے مطابق انسانوں کو سہولت مہیا کرنی تھی۔ مثلا حضرت موسی (یہودیت) میں مال غنیمت حرام ہے۔اسلام میں جائز ہے۔یہودیت میں قربانی کے قبول ہونے کی علامت، اس کو آگ لگنا ہے۔عبادت کے لیے صرف وضو ہے، تیمم نہیں ہے۔عبادت گاہ کے سوا نماز کی اجازت نہیں۔ غیر اللہ کے لیے تعظیمی سجدہ جائز تھا۔اب اسلام میں قربانی کی قبولیت یا عدم قبولیت کی کوئی علامت نہیں، وضو کے علاوہ تیمم جائز ہے۔ ساری زمین پاک ہے اور نماز ہو سکتی ہے یہ سب سہولتیں ہیں۔ تعظیمی سجدہ حرام ہے۔ انسانی مساوات کا درس ہے۔ قصاص لازم تھا۔ اسلام میں قصاص کے ساتھ دیت بھی ہے۔ ہفتہ کو کاروبار کے عمل کی اجازت نہیں تھی۔ جمعہ کو اجازت ہے۔ روزے کا دورانیہ رات دن تھا اور اسلام میں صرف دن کا وقت ہے۔ نکاح وطلاق کے اسلامی احکام میں بہت سہولت ہے۔ سو ہر نبی کو اپنے دین میں کچھ نئے احکام دیے گئے۔ اسلام کے احکام میں انسانی آسانی کو اہم حیثیت حاصل ہے۔

حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ۝

حتی کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیے جائیں گے۔اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

وَ اقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا ہِیَ شَاخِصَۃٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ یٰوَیۡلَنَا قَدۡ کُنَّا فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا بَلۡ کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ۝

اور سچا وعدہ (قیامت) قریب آپہنچے گا، تب انکار کرنے والوں کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ جائیں گی۔ (وہ کہیں گے) ہائے ہماری بد بختی: ہم اس (وعدہ قیامت) سے غفلت میں رہے۔ بلکہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے۔

قیامت کا ذکر ہے کہ یاجوج ماجوج اپنے مقام سے باہر نکل کر علاقوں میں پھیل جائیں گے۔ اور ہر طرف ان کی یورش پھیل جائے گی۔ اس کے بعد جلد قیامت واقع ہو جائے گی۔ حضرت حذیفہ بن السید الغفاری، بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس آئے ہم اس وقت آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا، تو ہم نے عرض کی کہ قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا قیامت اس دن تک قائم نہ ہو گی جب تک اس سے دس علامتیں (نشانیاں) نمودار نہ ہو جائیں گے۔ پھر آپ نے بتائیں۔ ۱:۔ دھوئیں (آگ کا پھیلنا جس طرح آج کل ماحولیاتی گندگی ہے۔) ۲:۔ دجال۔ ۳:۔ دابتہ الارض۔ ۴:۔ سورج کے مغرب سے طلوع ہونا۔ ۵:۔ حضرت عیسی کا نازل ہونا۔ ۶:۔ یاجوج ماجوج کے نکلنے، ۷۔ ایک بار مشرق میں زمین دھنسے، ۸:۔ ایک بار مغرب دھنسے۔ ۹:۔ ایک جزیرۃ العرب میں۔ ۱۰۔ یمن سے آگ نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گی۔ (مسلم / ابو داود / ترمذی / ابن ماجہ)۔ امام رازی نے یاجوج وماجوج کو انسانوں کے دو قبیلے لکھا ہے۔ (تفسیر کبیر۔) ان کا ذکر سورہ الکھف، میں بھی کیا گیا ہے۔ علامات قیامت کی مختلف تعبیریں ہیں۔

قیامت کی ہولناکی بیان کی گئی ہے کہ لوگ حیران و پریشان ہو جائیں گے۔ کہیں چھپنے یا بچنے کی جگہ نہیں ملے گی۔ جو اس کا انکار کرتے تھے۔ جب حقیقت اور ہولناکی دیکھیں گے تو کف افسوس ملیں گے اور اپنی غلطی اور گناہ کا اقرار کریں گے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝

بے شک تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔

لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اگر یہ (واقعی) معبود (الہ) ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور وہ ہمیشہ اس جہنم میں رہیں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

اس میں ان کے لئے چیخنا اور چلانا ہو گا اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے اچھی جزا مقرر ہو چکی ہے۔ وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

وہ دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور انہوں نے جن نعمتوں کو چاہا تھا۔ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

بڑی گھبراہٹ بھی ان کو غمگین نہ کر سکے گی، فرشتے (یہ کہتے ہوئے) ان کا استقبال کریں گے۔ یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

قیامت کا ذکر جاری ہے۔ کفار مکہ کے جہنم میں جانے کی بڑی وجہ بتوں کی عبادت تھی۔ یہ کئی مقامات پر آیا ہے۔ کہ جن افراد یا اجسام کو، انسان بطور خدا پوجتے ہیں، وہ قیامت کے دن، اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ قرار دیں گے۔ اسی طرح یہ بت، جو بے جان ہیں، وہ بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے، تاکہ کفار یا شرک کرنے والوں کے سامنے دلیل ہو۔ کفار اس ہولناک سزا پر چیخ و پکار کریں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ جب معبودوں کا ذکر ہوا کہ وہ بھی جہنم میں جائیں گے، تو کفار مکہ کو اپنے بتوں کے احترام میں، اس کا دکھ ہوا۔ انہوں نے اس کا ذکر یہود سے کیا، تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ سے کہو کہ حضرت عزیر اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو یہود اور نصاریٰ خدا کا بیٹا بنا کر عبادت کرتے ہیں۔ تو ان کا کیا ہو گا، وہ بھی ان کے ایک طرح معبود ہیں، کیا وہ نبی ہونے کے ناتے جہنم میں جائیں گے۔ کیونکہ اسلام ان کی نبوت کو مانتا ہے۔ اس کا جواب ہے کہ، انبیاء کرام، جن کی ساری زندگی، اللہ کی تابعداری اور اسکے احکام کی تبلیغ میں گذری۔ ان کا فیصلہ ان کے اعمال حسنہ کی بناء، پر دوزخ سے دوری کا ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کو دوزخ میں جانا تو درکنار، اسکی آگ کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے۔ اور ان کو جنت کی نعمتیں ملیں گی۔ قیامت کی ہولناکی، خوف، جسے، فزع الاکبر، کہا گیا ہے۔ اس سے وہ لوگ جن کی نیکیاں لکھی ہوئی ہیں بھی محفوظ ہوں گے۔ فزع اکبر یعنی عظیم خوفناک حالت سے مراد قیامت یا یوم حساب و کتاب یا دوزخ میں پھینکے جانے کا وقت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سارے اوقات افراد کے لیے انتہائی خوفناک ہیں۔

محفوظ لوگ:۔

حدیث مبارک ہے، بر روایت حضرت ابو الدرداء کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ اللہ کی ذات کے لیے محبت کرنے والے، قیامت کے دن، اللہ کے سائے میں ہوں گے۔ جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا۔ وہ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ لوگ گھبرائیں گے اور وہ نہیں گھبرائیں گے۔ ایک اور حدیث، براویت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے، کہ رسول اللہ نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخص، مشک (خوشبو) کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ وہ فزع الاکبر سے خوف زدہ اور دہشت، زدہ نہیں ہوں گے۔ ایک وہ شخص جو لوگوں کا امام (حکمران) ہو گا، اور لوگ اس سے راضی ہوں۔ دوسرا وہ شخص جو، ہر دن اور رات اذان دے (تنخواہ دار نہ ہو) اور تیسرا وہ شخص، جو اللہ کا حق ادا کرے اور اپنے مالکوں کا بھی (رزق حلال)۔ (بحوالہ مسند احمد / ترمذی)۔ اگر آپ خیال کریں جو خصوصیات نبی ﷺ نے بتائی ہیں ان میں اکثریت حقوق العباد کی ہے اور پھر حقوق اللہ کی ہے۔ اسلام حقوق العباد کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے حقوق العباد کو چھوڑ دیا دنیا میں ناکام ہو گئے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۗ وَعْدًا عَلَيْنَا ۗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

جس دن ہم آسمانوں (کائنات) کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ دیں گے جس طرح ہم نے پہلی تخلیق (ابتداء) کی تھی ہم اسی طرح پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝

بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ۝

بلاشبہ اس میں (ہمارے) عبادت گزار بندوں کے لیے اہم پیغام ہے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

اور (اے نبی) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

کائنات کا اختتام / لپٹنا:۔

قیامت کا ذکر ہے کہ جس طرح کسی کتاب کو کھول کر بند کر دیا جائے۔ یا کوئی وثیقہ لکھنے والا لکھنے کے بعد اسے بند کر دے اس کے لیے ایک معمولی کام ہے۔ اسی طرح یہ کائنات زمین و آسمان بھی ختم ہو جائیں گے۔ اور انسانوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ حدیث کے مطابق انسان جب قبروں سے نکلیں گے۔ تو ننگے پیر، ننگے بدن، اور غیر مختون اٹھائے جائے گئیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ اس وقت پریشانی کی یہ حالت ہو گی کہ کسی دوسرے کی کوئی خبر تک نہیں ہو گی۔

آیت مبارکہ میں آسمان کا لپٹنا سے مراد ہماری زمینی کائنات بھی ہو سکتی ہے۔ جس میں مرکزی کردار، انسان کا عمل ہے۔ اور دوسرے اجسام کائنات بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح دوبارہ تخلیق سے مراد، انسانی تخلیق ہے تاکہ حساب و کتاب ہو کر جزا و سزا ملے اور دوسرے اجسام کائنات بھی ہو سکتے ہیں۔ سائنس اس معاملے میں ابھی ابتدائی درجہ پر ہے۔ اگرچہ خلاء میں انسان کی تسخیر سے معلومات میں بیش بہا اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن کائنات کی وسعت اتنی عظیم ہے کہ یہ معلومات کچھ بھی نہیں۔ قرآن مجید نے جو حدود و قیود بیان کی ہیں۔ سائنس ان کے اندر گھوم رہی ہے۔

ایک نظریہ کے مطابق توسیعی نظام، مرکز گریز قوت سے (Big Bang) کائنات پھیل رہی ہے اور آپس میں کھچاو، (attraction) کی وجہ سے ایک مدار میں رواں دواں ہے۔ دوسری طرف مرکز پلٹ (انجذاب) کی قوت سے سکڑ رہی ہے۔ اور سکڑتی کائنات (Big Crunch) کی صورت میں لپیٹ لی جائے گی۔ یہ سب انسانی آراء مختلف اندازوں اور معلومات پر مبنی ہیں۔ جدید سائنسی معلومات میں ہمارے نظام شمسی کا ختم ہونا اٹل ہے۔

زبور کے معنی کتاب ہیں۔ یہاں زبور سے مراد آسمانی کتب ہو سکتی ہیں، جن میں پیغام مشترک ہے۔ جس طرح انبیاء کا پیغام، توحید، جزا و سزا، مشترک ہے۔ اس میں تمام صحائف قبل از تورات شامل ہیں۔ دوسرا معنی حضرت داؤد علیہ اسلام کی زبور ہے، جو توریت کے بعد نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے لیے مخصوص ہے۔ ذکر سے مراد قرآن مجید یا اللہ کے پیغام ہیں اور اس فیصلہ کی اطلاع انسانیت کو دی گئی ہے کہ زمین پر طاقت ان افراد کی ہو گی جو انسانوں کے لیے بہتر عمل و اصلاح یعنی بھلائی کرنے والے ہونگے۔ اس لیے تاریخ میں عادل بادشاہ ہمیشہ کامیاب رہے ہیں اور وہ قومیں جن میں انسانوں کی بھلائی کا عنصر زیادہ رہا، وہی زمین اور دوسری قوموں پر کامیاب اور بہتر مقام پر فائز ہوئے۔ زمین کی وراثت، دائمی کے لفظ کی وجہ سے اکثر علماء نے جنت مراد لی

ہے کہ صالحین کو ملے گی، جہاں زندگی کو دوام ہو گا اور بعض نے اس سے مراد یہی دنیا کی زندگی لی ہے، جس کے لیے احکام اور ہدایت آئی ہیں۔ ان تمام کتب آسمانی میں، اللہ کے ماننے والوں، اس کی عبادت کرنے والوں کے لیے راہنمائی ہے۔

رحمت اللعالمین:۔

راہنمائی میں سب سے عظیم راہنمائی کا ذکر فرمایا: کہ اے نبی مکرم، ہم نے آپ کی ذات اور وجود کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اپنی رحمت و اکرام کی تکمیل آپ کے وجود مسعور کے ساتھ اپنی مخلوقات پر کر دی ہے۔ اسلام کو انسانیت کے لیے پسندیدہ دین قرار دیا۔ قرآن کو آخری ہدایت کی کتاب اور آپ کو آخری نبی و رسول کا اعزاز دیا۔ اس طرح قرآن مجید کی راہ نمائی اور اسلام کے احکام و ہدایات سراپا انسانیت کے لیے رحمت ہیں اور انسان (مسلم و کافر) کے علاوہ، جِنّ بھی اس نعمت سے مستفید ہیں۔ اسلام کے احکام میں انسانی استطاعت اہم اصول ہے۔ تکلیف مالا یطاق (جو انسان / فرد کی طاقت سے باہر ہو) کی معذوری کے سب رخصت دی جاتی ہے۔

آپ ﷺ کی ذات قانون کی پاسداری کے لیے ہمیشہ سخت تھی تا کہ عدل پورا ہو سکے۔ جنہوں نے اسلام کی سختی سے دشمنی کی اور مسلمانوں کو سخت زک پہنچایا صرف ان چند افراد کے لیے، ابو جہل، عتبہ، شیبہ، ولید بن عقبہ، امیہ، عقبہ، دعا کی، اے اللہ ان کو پکڑ لے اور وہ غزوہ بدر میں مقتول ہوئے۔

طائف کے سفر میں آپ کو لہولہان کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے عذاب کی دعا نہیں کی۔ غزوہ احد میں آپ کو پتھر مار کر آپ کا چہرہ مبارک زخمی کر دیا گیا اور آپ کا دانت مبارک ٹوٹ گیا تو آپ نے بد دعا نہیں کی۔ وحشی جس نے سیدنا حمزہ کو قتل کیا۔ ہندہ جس نے ان کا کلیجہ چبایا۔ ابو سفیان جس نے سخت مخالفت کی۔ سراقہ بن مالک جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ صفوان بن امیہ نے ایک دفعہ تلوار لے کر آپ کو مدینہ شریف میں قتل کرنا چاہا، آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ ہجار بن اسود نے حضرت زینب بنت رسول ﷺ کو اونٹ سے گرا دیا۔ جس کی وجہ سے ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ سب خائف تھے۔ آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ عبداللہ بن اُبی، جو کہ منافقوں کا سردار تھا۔ اس کو آپ نے قمیض عطا فرمائی اور ان کے بیٹے کی درخواست پر نماز جنازہ پڑھائی۔ عرض آپ اپنی ذات میں ہر ایک کے لیے رحمت تھے۔ مگر قوانین کے نفاذ میں عدل کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور کہا کہ میری لخت جگر فاطمہ بھی اگر چوری کرے گی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا۔

آپ کی حیوانات اور جمادات سے کلام و احترام کے متعدد واقعات بھی سیرت النبی کی کتابوں میں منقول ہیں۔ آپ نے ہمیشہ عبادات و معاملات میں آسان طریقہ اور راستہ کا انتخاب کیا تا کہ آنے والے افراد کو آسانی ہو۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشرکین کے خلاف دعا کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ (مسلم شریف)۔ امام ابن جریر حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا، اس کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت لکھ دی جاتی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر

ایمان نہیں لایا، اس کو دنیا میں، زمین میں دھنسنے اور اس پر پتھر برسانے کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جس طرح کے عذاب میں پہلی امتیں مبتلا ہوتی رہیں۔ یہ رحمت اللعالمین کی برکت ہے۔ (جامع البیان، الدرالمنثور لسیوطی۔)۔ جناب رحمت اللعالمین کی ذات سے وہی فائدہ اٹھائے گا، جو آپ کی تعلیمات پر عمل کرے گا اور جو روگردانی کرے گا محروم رہے گا۔

تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود — فقر جنید و بایزید، ترا جمال بے نقاب

وہ، دانائے سبل ختم الرسل مولائی کل جس نے — غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآن، وہی فرقان، وہی یاسین، وہی طٰہٰ

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

کہہ دیجیے میری طرف تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے۔ پھر کیا تم اسلام لانے والے ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۝

پھر اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو کہہ دیجیے: میں تمہیں واضح طور پر خبردار کر چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے۔ یا دور ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ۝

بے شک وہ (اللہ) بلند آواز سے کہی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور ان کو بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۝

اور میں نہیں جانتا شاید یہ (تاخیر عذاب) تمہارے لیے آزمائش ہے اور ایک وقت تک فائدہ ہے۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۝

(رسول نے کہا:) اے میرے رب، حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب نہایت مہربان ہے۔ اسی سے ان باتوں (امور) پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

پھر دوبارہ منکرین حق و اسلام کو دعوت دی جارہی ہے۔ کہ میں وحی کے مطابق تمہیں توحید کی تاکید کرتا ہوں اور یہی وحی کا اہم حصہ ہے۔ لیکن اگر کفار مکہ دعوت سے انکاری ہیں، تو وہ اس کی مخالفت کی سزا بھگتیں گے۔ یہ سزا قریب ہے یا دور اللہ بہتر جانتا ہے، کیونکہ سب اسی کے حکم سے ہے۔ وہ ہر چھپی اور ظاہر عمل کو جانتا ہے۔ اس مہلت میں کفار کے لیے آزمائش ہے۔ کہ اگر گمراہی سے توبہ نہیں کریں گے تو مزید بڑے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس دعوت کے انکار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم، نے اللہ سے مدد طلب کی کہ وہ حق کی کامیابی اور باطل کی ناکامی کے لیے مدد فرمائے، کیونکہ اسی کی ذات سے بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالی نے اسلام کو نصرت دی۔ بدر و خندق میں مشر کین ناکام ہوئے اور مکہ فتح ہو گیا۔ اختتامی کلمات اس بات کا مظہر ہیں کہ ہر مشکل میں اللہ تعالٰی سے ہی اعانت طلب کی جائے جو قدیر و علیم ہے۔

الحمد اللہ، سورہ الانبیاء ختم ہوئی۔ اللہ تعالی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہماری کوششوں کو قبول فرمائے آمین۔

۲۲۔ سورہ الحج

تعارف:

اس سورت میں دس رکوع اور اٹھہتر آیات ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے بائیسویں سورت ہے۔ اس کی ابتداء مکہ شریف سے ہوئی، پھر اس کی آیات مدینہ شریف میں نازل ہوئیں۔ اسطرح اسکو مکی اور مدنی دونوں طرح سے شمار کیا جاتا ہے۔ سورت کا ابتدائی حصہ مکہ کے آخری دور اور آخری حصہ مدینہ کے ابتدائی دور کا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح لوگوں دعوت حج دی۔ اس ذکر کی وجہ سے اس کا نام سورہ الحج ہے۔ لیکن حج کی فرضیت، مدینہ شریف میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی آیات سے ہوئی۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سورہ حج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے ان سجدوں کو ادا نہیں کیا۔ اس نے ان آیات کی (کامل) تلاوت نہیں کی۔ (ترمذی / ابو داؤد)۔ اللہ تعالی سے ڈرنے اور یوم حساب کو پیش نظر رکھنے کا حکم ہے۔ مشرکین کو کہا گیا کہ وہ شیطان کے خیالات کی اتباع نہ کریں۔ اللہ تعالی کو واحد مانیں۔ اللہ تعالی کے وجود کے دلائل کو انسانی ولادت کی تفصیل، پھر زمین پر بالیدگی اور کائنات کے نظام، سے ثابت کیا ہے۔

نطفہ سے انسان کی پیدائش کے بعد زندگی کا دورانیہ، بنجر زمین سے پودوں کا نکلنا ممکن ہے۔ تو انسان کے وجود کا دوبارہ نکلنا کیسے ممکن نہیں۔ مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر اللہ تعالی قادر ہے۔ مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں، لیکن ان کے طریقہ پر زندگی نہیں گزارتے تھے۔ اہل مکہ کو ان کے مطابق عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔ پچھلی امتوں کی گمراہی اور جنھوں نے اللہ کے احکام کو قبول نہیں کیا، ان کی تباہی کا ذکر ہے۔ وہ انتشار اور فرقوں میں بٹ گئے۔ قیامت کو گمراہوں اور ہدایت یافتہ کے درمیان فیصلہ ہو گا۔ قرآن مجید کی عظمت اور مسلمانوں کو تسلی دی کہ وہ اصل دین حنیف پر قائم ہیں۔ ان کا نام مسلمان ہے۔ کفار کے خلاف قتال کی اجازت دی اور مدد کا وعدہ فرمایا ساتھ زمین پر غلبہ کی بھی بشارت دی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝

اے لوگوں: اپنے رب (اللہ) سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی ہولناک چیز ہے۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝

جس دن تم اسے دیکھو گے (یہ حال ہو گا) کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی۔ اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی۔ اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہو گا۔

پچھلی سورت (الانبیاء) کی ابتداء بھی لوگوں کو قیامت کے بارے میں احساس دلانے اور اس کے اہتمام کرنے کے بارے میں تھی۔ اور سورہ الحج کی ابتداء بھی قیامت کے ہولناک منظر سے کی گئی ہے۔

قیامت:۔

قیامت کا ذکر کئی آیات میں آچکا ہے۔ (سورت طہٰ / الانبیاء۔) اس کی شدت کے بارے بھی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ میں تفصیل موجود ہے۔ قیامت کا عقیدہ، اس کی ہولناکی کا مقصد، انسان کو احساس دلانا ہے۔ اللہ کے احکام پر عمل کرے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرے۔ قیامت کا وقوع ایک زلزلہ کی صورت میں ہو گا۔ جس کی ابتداء صور سے ہو گی۔ ایک حدیث کے مطابق لوگ کاروبار میں مصروف ہوں گے کہ اچانک خوفناک آواز آئے گی۔ اور اسکی کیفیت انتہائی ہولناک ہو گی۔ قرب قیامت کے بارے جو حالات ہوں گے۔ احادیث میں ان کا ذکر آیا ہے۔ قیامت کا وقوع، زلزلہ کی صورت میں اس قدر خوفناک ہو گا کہ جس طرح کشتی طوفان میں موجوں کے تھپیڑوں سے ڈگمگاتی ہے۔ (ابن جریر و طبرانی بروایت حضرت ابو ہریرہ)۔ ہر آدمی خوف و ہراس کی وجہ سے مدہوش نظر آئے گا۔ کسی فرد کو دوسرے کا خیال تک نہ آئے گا۔ حتی کہ دودھ پلاتی ہوئی ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورتوں کے خوف کی وجہ سے حمل گر جائیں گے۔

کچھ مفسرین کے مطابق اس کیفیت کا وقوع، قیامت کے بعد حساب و کتاب کے اعلان کے وقت ہو گا۔ جبکہ انسانوں کی اکثریت کو دوزخ میں جانے کا حکم ہو گا۔ ایک حدیث کے مطابق ہزار میں سے نو سو ننانوے افراد دوزخی ہوں گے۔ اس میں تمام کفار (انکار کرنے والے) قبل از اسلام اور بعد از اسلام شامل ہوں گے۔ اور اسی طرح مومنوں کی تعداد میں قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے مومن شامل ہوں گے۔ اس صورت میں حمل گرنے یا دودھ پلانے سے علیحدگی کی مثال بطور شدت خوف و ہراس کے لیے ہے۔ قیامت کے وقوع کے بارے میں تمام الہامی مذاہب میں ذکر ہے۔

سائنس میں بھی ہمارے نظام شمسی کے ختم ہونے کے یقین ہے، لیکن اسکی کیفیت کی تشریح مختلف ہے۔ جس میں ہولناکی اور زلزلہ کا یقین ہے، کیونکہ سورج کے ختم ہونے کے ساتھ سیاروں کی باہمی کشش کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ چاندوں یا ذیلی سیاروں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے۔ اسکی توضیحات، معلومات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں لیکن وقوع قرآن و حدیث کی بیان کردہ حدود کے اندر ہی ہے۔

How our Solar System Ends? By Tom Meycalf. (Journal Nature NBC 18Oct 2021 USA).

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيۡطٰنٍ مَّرِيۡدٍ ۙ‏

اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے بارے علم کے بغیر بحث کرتے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهۡدِيۡهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ‏

اس کے بارے لکھ دیا گیا ہے۔ (لوح محفوظ میں) کہ بے شک جو کوئی اس سے دوستی کرے گا تو وہ اسے یقیناً گمراہ کرے گا۔ اور اسے دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔

آیت مبارکہ میں مشرکین (کفار) مکہ کے رویہ کا ذکر ہے۔ روایت کے مطابق یہ مکہ کے اسلام دشمن سردار نضر بن حارث سے متعلق ہے، جو قران کے مقابل لوگوں کو قصے سناتا تھا۔ لوگوں کو اللہ کی ذات اور قرآن مجید سے دور رکھتا، حالانکہ اس کے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ علماء نے اس سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ بغیر علم یا معلومات کے کوئی بحث واختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ اگر علم ہے تو پھر تحقیق کے لیے بحث کی جاسکتی ہے۔ دراصل اللہ اور دین اسلام کے احکام، کے خلاف شیطان، انسانوں کو ابھارتا ہے۔ اللہ کی ذات سے انکار یعنی اسکے احکام کے انکار کرنے والے اللہ کے بجائے شیطان کے تابع وفرنبردار ہیں۔ اور شیطان کی دوستی، انسان کو گمراہی اور جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ لہذا ایسے انسانوں سے دوستی گویا شیطان کی دوستی اور جہنم کا ٹھکانا ہے جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ اَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۝

اے لوگو: اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہو تو غور کرو کہ بلاشبہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے، جو واضح شکل وصورت اور غیر واضح شکل وصورت والا ہوتا ہے تا کہ ہم تمہارے لیے (اپنی قدرت وحکمت) واضح کریں، اور ہم جس (نطفے) کے متعلق چاہیں، اسے مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہراتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی فوت کر دیا جاتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ناکارہ ترین عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ سب کچھ جاننے اور پھر کچھ بھی نہ جانے اور تم زمین کو خشک حالت میں پڑی دیکھتے ہو، پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں (بارش) تو وہ تروتازہ اور لہلہا اٹھتی ہے۔ اور وہ ہر قسم کا خوشنما نباتات اگاتی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝

یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

وَّ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۝

اور بے شک قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ ان کو اٹھائے گا، جو قبروں میں پڑے ہیں۔

اسلام میں توحید و رسالت کے بعد جزا و سزا کا عقیدہ بہت اہم ہے۔ دنیا میں معاشرہ کی اصلاح اور انسانیت کا سکون و بھلائی اسی میں مضمر ہے۔ جزا و سزا کے لیے قیامت یعنی دنیا کا ختم ہو جانا اور پھر دوبارہ انسانوں کا زندہ ہونا یا اٹھنا، تا کہ دنیا میں اعمال کا بدلہ لے سکیں ضروری ہے اور اسی دعوی کے لیے عقلی اور سائنسی دلائل آیات مبارکہ 7/6 میں ذکر کیے ہیں۔ قیامت، جزا و سزا کا ذکر کئی بار آیا ہے۔ مقصد انسانی ذہن کے اندر اس کو صحیح طور پر بٹھانا ہے۔ تا کہ انسان کا کردار اسکی روشنی میں بنے۔ انسان کے لیے قریب ترین اسکا اپنا وجود ہے۔ اسکی کہانی بیان کی، کہ عدم سے کس طرح وجود میں آیا۔ منی یا پانی کے چند قطرے جو انسان زمین سے غذا حاصل کرنے کے بعد اپنے جسم میں پیدا کرتا ہے اور مخرج نجاست (اعضاء) کے ذریعے خارج کرتا ہے۔ وہ کس طرح ایک وجود کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہ معلومات اس وقت بیان فرمائیں، جب میڈیکل سائنس اور آلات تصویر و تحقیق کا وجود تک نہ تھا۔ (پندرہ سو سال پہلے)۔ یہ آج تک صحیح ہیں۔ پانی، خون، پھر لوتھڑا، گوشت کا ٹکڑا، شکل نما اور پھر شکل اور پھر روح اور حرکت پیدا کی اور دنیا میں باہر آیا، پھر جوانی و توانائی، بڑھاپا اور پھر وہی ناتوانی کی زندگی بھی بوجھ بن جاتی ہے۔ انسانی کہانی ہے۔

<u>انسانی پیدائش اور سفر:۔</u>

مختصر کہانی، جدید میڈیکل کی زبانی یوں ہے کہ زندگی کا نطفہ سیل ایک نو مکس میں بند ہے۔ جو سائٹو پلازم (سلالہ طین، قرآن) نامی جھلی میں محفوظ ہوتا ہے۔ جھلی ایک اور چھلکے (ممبرین) میں محفوظ ہوتی ہے۔ خول میں چھپے ہوئے سیل اربوں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اس میں نر و مادہ میں انجذاب ہوتا ہے۔ (ایکس) اور (وائی) کروموسوم، 28 کروڑ سیل منی کے ذریعے عورت کی بیضہ دانی میں۔ نر کا وائی سیل اور مادہ کا ایکس سیل سے ملتا ہے۔ ان سے نیا سیل بنتا ہے۔ پھر ایکس ایکس یا وائی وائی وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہفتہ (کچھ مدت) کے بعد سینکڑوں سیل کا کلسٹر بن کر رحم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس شگوفے کا حجم ایک ریت کے ذرے کی طرح ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اسے نطفہ اور سائنس نے زائیگوٹ کہا ہے۔ آٹھ ہفتے کے بعد سیلز تقسیم ہو کر کئی ملین بڑھ جاتے ہیں۔ ریت کے ذرے سے دس ہزار گنا بڑھ جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 1/4 انچ یا کم ہوتی ہے۔ قرآن نے اسے مضغہ سائنس ایمبریو، کہتی ہے۔ پھر بڑھتا ہے۔ اس کے بعض حصے گوشت رگیں پٹھے، شریانیں، ہڈیاں، بناتے ہیں۔ تین ماہ میں دو سو ملین سے زیادہ سیلز کا بنا ہوا، نیا انسان تیار ہوتا ہے۔ جسے قرآن مجید نیم شکل (غیر واضح شکل) پھر واضح شکل، اٹھارہ انچ کے قریب، کا نیا انسان تیار ہوتا ہے۔ عمومی طور پر نو ماہ بعد باہر نکل آتا ہے۔ دنیا میں قدم رکھ کر پھر اپنی استعداد، بصارت، سماعت آواز، حرکت حساسیت (محسوس کرنا) میں ترقی شروع کر دیتا ہے۔ اور بچہ سے نوجوان اور پختہ عقل، کا انسان بن کر آزمائش کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ پھر یہ قوی انسان بڑھاپے کا شکار ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ بصارت، سماعت، یادداشت سب ختم ہو جاتی ہے۔ زندگی بوجھ بن جاتی ہے۔ اور موت کا شدت سے انتظار کرنے لگ جاتا ہے۔ اس انسانی زندگی کے مرحلوں کی کیفیت ایک حدیث مبارکہ میں بڑی خوبصورتی سے بیان کی گئی ہے۔ مسند امام احمد اور مسند ابو یعلی میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا، اسکے نیک عمل اسکے والدین (والد) کے حساب میں لکھے جاتے ہیں۔ اور جو

کوئی برا عمل کرے تو وہ نہ اس کے حساب میں لکھا جاتا ہے، نہ والدین کے۔ پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو قلم، حساب، اس کے لیے جاری ہو جاتا ہے۔ اور دو فرشتے جو اسکے ساتھ رہنے والے ہیں، ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ اسکی حفاظت کریں اور قوت بہم پہنچائیں۔ جب حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کو تین قسم کی بیماریوں سے محفوظ کر دیتے ہیں یعنی جنون اور جزام اور برص سے۔ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچتا ہے۔ تو اللہ تعالی اسکا حساب ہلکا کر دیتے ہیں۔ جب ساٹھ سال کو پہنچتا ہے۔ تو اللہ اسکو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق دیتے ہیں۔ جب ستر سال کو پہنچتا ہے، تو سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے، تو اللہ تعالی اسکے حسنات کو لکھتے اور اسکے گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے معاملے میں شفاعت کو حق دیتے ہیں۔ اسکی شفاعت قبول فرماتے ہیں۔ اسکا لقب امین اللہ اور اسیر اللہ فی الارض (یعنی زمین پر اللہ کی امانت یا کا قیدی) ہو جاتا ہے۔

کس قدر حقیقت کا اظہار ہے۔ انسانی سفر کی داستان ہے۔ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر انسان قیدی کی زندگی گزارتا ہے، کسی چیز کی لذت نہیں رہتی۔ اسکی اہل بیت کے حق میں دعا قبول ہوتی ہے۔ اسطرح ان کو اسکی خدمت کی ترغیب دی ہے۔ جوانی کے نیک اعمال کا بدلہ ملتا ہے۔ جدید طبی سائنس بھی کہتی ہے کہ کچھ بیماریاں بچپن اور کچھ بڑھاپے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مثلاً چیچک، خسرہ، پھر جوانی میں 40 سال کے بعد نہیں ہوتا۔ بھول جانا، وغیرہ دل کی کمزوری، 70 سال کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ کس قدر حدیث میں حکمت و علم موجود ہے۔ بلآخر موت کے ذریعہ اس کو اس پریشان زندگی سے خلاصی ملتی ہے۔ اتنا بڑا جسم زمین میں چلا جاتا ہے اور وہاں تحلیل ہو کر دوبارہ پھر کیوں نہیں نکل سکتا۔ اسی نکتہ کو قرآن مجید ثابت کر رہا ہے۔ کہ پہلے تو وجود بھی نہ تھا، اب تو سارا مکمل ڈھانچہ ہے، پھر اس کا دوبارہ زندہ ہونا، ایک منی کے قطرہ کے مقابل بہت زیادہ آسان ہے۔ لہذا انسان کو اس دوبارہ زندگی کا یقین کرنا چاہیے۔

دوسری مثال بڑی واضح ہے جس کے لیے تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں، جس طرح انسان کے وجود کے لیے تھی۔ زمین بنجر پڑی تھی۔ بظاہر کسی انسان نے، زراعت کے لیے اس میں کوئی تیاری نہیں کی، نہ ہل چلایا، نہ کھاد ڈالی، نہ پانی دیا، نہ بیج ڈالا۔ اللہ تعالی کے نظام کائنات سے بارش ہوئی۔ ہواوں نے مختلف پودوں کے پولن (بیج) اڑا کر یا پرندوں اور مکھیوں کے ذریعے وہاں پہنچا دیے تھے۔ کچھ وہاں پہلے سے پڑے تھے، جو مردہ تھے، بنجر زمین سے بارش کے بعد پودے نکل آئے۔ سبزہ آگیا۔ جن پر پھول اور پھل لگ گئے۔ حیوانات اور پرندوں کو غذا ملی۔ انسان نے بھی خوبصورت منظر دیکھا۔ اس واقعہ کو ہر سال انسان، سال میں ایک دو مرتبہ سے زیادہ دیکھتا ہے اور اس سے سبق حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ عقل و سمجھ، تجزیہ کی استعداد و قوت، اللہ نے انسان کو دی ہے۔ یہ ایک دوبارہ زندگی ملنے کی دلیل ہے۔ جس طرح نباتات کو زندگی کو ملتی ہے۔ اسطرح حیوانات بالخصوص انسان کو بھی ملے گی تاکہ دنیا میں، اس نے جو عقل و سمجھ اور اختیار کی وجہ سے اعمال کیے ہیں، ان کی جزا (انعام) یا سزا، اسے ملے۔ ہماری زمین، کائنات میں ایک ذرہ کی مثال ہے اور انسان وجود کے لحاظ سے کمزور مخلوق ہے۔ جو اتنی بڑی زمین کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اسکے لیے انسان کو

دوبارہ زندہ کرنا بہت آسان ہے۔ پھر اس دوبارہ زندگی سے پہلے قیامت آئے گی۔ تاکہ موجود تمام انسان ختم ہو جائیں۔ اور پھر دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیں۔ جس طرح کائنات کا وجود ثابت و حق ہے۔ ستارے، سورج، انسان، نباتات، سارے موجود اور حق ہیں۔ اسی طرح ان کو پیدا کرنے اور مارنے والا بھی حق ہے۔ اور ہر چیز پر اسکا کنٹرول ہے، لہذا ہر انسان کو قیامت اور جزا و سزا کا یقین کرنا ضروری ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّ لَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم و بغیر ہدایت اور روشنی والی کتاب کے بغیر بحث کرتے ہیں۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ نُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

گردن اکڑائے ہوئے (بحث کرتے ہیں) تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں۔ اس کے لیے دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن اس کو جلانے والا عذاب (آگ) چکھائیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

(کہا جائے گا) یہ تیرے ان کاموں کی سزا ہے جنہیں تیرے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

موت کے بعد زندگی اور قیامت کا ذکر تھا۔ مکہ میں ابو جہل اور دوسرے اسلام دشمن سردار، مسلمانوں کو تنگ کرتے، ان کی غربت کی وجہ سے نفرت، تکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قیامت اور موت کے بعد زندگی کا انکار کرتے تھے۔ لوگوں کو بھی قرآن مجید اور اسلام سے گمراہ کرتے تھے۔ آج بھی جو لوگ اللہ پر یقین نہیں رکھتے اور دوبارہ زندگی، حساب و کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کے لیے قیامت کے بعد جہنم کا عذاب اور سزا ان اعمال کے بدلے میں ہو گی۔ جو وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پورا نہیں کرتے تھے۔ ان کو کہا جائے گا کہ یہ عدل ہے، ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے لیے ظلم پسند نہیں فرماتا۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اگر فائدہ ہو گیا، تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی مصیبت آ گئی تو الٹا پھر گیا۔ اس نے دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھایا، یہ بہت بڑا واضح خسارہ ہے۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

وہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتا ہے جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ نہ نفع دے سکتا ہے۔ یہ انتہائی دور کی گمراہی ہے۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

وہ اسے پکارتا ہے جس کا نقصان اسکے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ بلاشبہ وہ بدترین مددگار اور بدترین ساتھی ہے۔

نظریہ اور اس سے تعلق:۔

گمراہ لوگوں اور گمراہ کرنے والوں کے ذکر کے بعد، ایسے افراد کا ذکر ہے کہ وہ گمراہ تو نہیں ہوتے بلکہ اقرار کرتے ہیں، لیکن اپنی خواہشات اور نفسانی کمزوریوں کی وجہ سے مخلص نہیں، بلکہ مفاد پرست ہیں۔ جس طرح کہ کوئی کسی لشکر میں لڑائی کے دوران آخری صف میں کھڑا ہو کہ اگر لشکر ہارا تو وہ فوراً پلٹ کر بھاگ جائے گا۔ اور اگر جیت گیا تو بڑھ کر فتح میں شامل ہو کر خوشی اور مال سمیٹے گا۔ یہ ان کے ذاتی لالچ، اصول یا عقیدہ پر ایمان کی کمی اور کردار کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنا آرام ہی چاہتے ہیں۔ کسی مشکل سے گزرنا پسند نہیں کرتے۔ اور ہر اس قوت کے ساتھ ملنے اور جھکنے کو تیار ہوتے ہیں جہاں ان کو ذاتی آرام اور ان کی خواہش پوری ہو۔

یہ انسانی و سماجی حقیقت ہے، جو ہم ہر وقت اور ہر زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ اسطرح واقعہ نبی ﷺ کے مدینہ شریف آنے کے بعد بھی پیش آیا۔ بالخصوص مسلمان جو اپنے عقیدہ میں کمزور تھے۔ متذبذب رہتے تھے جنکی یہ کیفیت رہتی تھی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم — نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

ایک قوی، ارادہ والا، غیر مسلم تمام دوسرے امور سے بے نیاز ہو کر مادی فوائد کے پیچھے لگ جاتا ہے اور ان کو حاصل کر لیتا ہے۔ جو اسکی کوشش کا نتیجہ ہے، لیکن آخرت میں محروم ہو کر دوزخ کا عذاب اٹھائے گا۔ دوسری طرف ایک پکا مومن اپنے آپ کو اللہ کے احکام کے تابع ہو کر، ساری قوت کے ساتھ عمل پیرا رہتا ہے۔ بلآخر کامیابی اسکے قدم چومتی ہے اور اگر ناکامی حصہ میں آجائے تو صبر کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ لیکن آخرت میں کامیابی و کامرانی یقینی ہے۔

تیسرا، ایک متذبذب مسلمان یا انسان، اپنی نہ ہی دنیا اچھی بنا سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں یقینی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اس لیے اسکو منافق کہا گیا ہے۔ دنیا کی طرف لپکتا ہے تو کچھ نہ کچھ ایمان کی وجہ سے اسے احکام الٰہی یاد آتے ہیں، لیکن پوری کوشش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب آخرت کا خیال کرتا ہے، تو نفس کی ہوس اور پابندیوں کا خوف اسے روک لیتا ہے۔ اسی وجہ سے دونوں میں ناکام رہتا ہے۔ دنیا کے اسباب اور خواہشات جنکی ایک متذبذب انسان پیروی کرتا اور اللہ کے احکام کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اسکے وہی معبود ہیں جو بدترین ساتھی ہیں جنکی وجہ سے وہ جہنم کی سزا بھگتے گا۔ (اللہ ہم کو محفوظ فرمائیں)۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۞

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ایسے باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ بے شک اللہ جو چاہے وہی کرتا ہے۔

اعمال صالحہ کا بدلہ:۔

احکام الٰہی کا انکار لوگوں کو گمراہ کرنے والے اور متذبذب افراد کی کیفیت اور اعمال کے نتیجہ کے بعد ان افراد کا ذکر ہے جو ارادہ میں مصمم اور اللہ پر ایمان کامل رکھتے ہیں اور اس ایمان کی دلیل میں نیکی، بھلائی اور لوگوں کے فائدہ کے اعمال کرتے

ہیں۔ جن کو اعمال صالحہ کہا گیا ہے۔ ان کا بدلہ ان کو اس دنیا میں بھی کامیابی کی صورت ملے گا، اور آخرت میں بھی کامیابی ہو گی۔ ایسے محلات میں رہائش ہو گی جن میں چشمے بہتے ہوں گی۔ اللہ کی قوت و عظمت کے آگے یہ معمولی ہیں وہ جو چاہے کر تا ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۝

جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ دنیا اور آخرت میں ہر گز اس (رسول) کی مدد نہیں کرے گا، تو چاہیے کہ وہ آسمان تک رسی لے جا کر اسے کاٹ ڈالے اور دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے غصے کو لے جاتی ہے۔ (ختم کرتی ہے)۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۝

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔

انکار کرنے والوں (کفار مکہ) کی دشمنی جو ضد، تکبر اور جہالت کی وجہ سے تھی، اسکا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ یہ تصور کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کامیابی نہیں ہو گی۔ لیکن حقیقت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، جس کی وجہ سے پریشان تھے۔ ان کے غصہ و غضب کے بارے فرمایا، کہ وہ رسی لے کر آسمان پر چڑھ کر نبی ﷺ کی کامیابی کو روکیں، پھر اگر اوپر سے رسی کو کوئی کاٹ دے تو انجام کس قدر خوفناک ہو گا، یہی ان کی مثال ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے۔ اس میں احکام و معلومات بڑی واضح ہیں۔ اس کلام پر غور کرنے اور عمل کرنے والوں کو اللہ تعالی ہدایت دیتا ہے۔ اور جو غور اور عمل نہیں کرتا محروم رہتا ہے۔ تمام امور، اللہ کے کنٹرول میں ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۝

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی، صابی اور نصاری اور مجوسی ہوئے اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ بے شک اللہ ان کے مابین یوم قیامت فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر کسی کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

صابی:۔

مختلف عقیدوں والے افراد کا ذکر ہے کہ جو مسلمان ہیں۔ اور نبی آخر الزمان پر یقین کرتے ہیں۔ اسی طرح یہودی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نصاری، حضرت عیسی علیہ اسلام کو نبی مانتے ہیں۔ صابی نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے۔ جو عراق کے بالائی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ستارہ پرست ہیں۔ حضرت شیث یا ادریس علیہم السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ زمینی عناصر پر، ستاروں / سیاروں اور ان پر فرشتوں کی حکمرانی کے قائل ہیں۔

مجوس:۔

مجوس ایران کے علاقہ کے آتش پرست ہیں۔ جو روشنی (نیکی) اور اندھیرے (ظلم) کے دو خدا مانتے ہیں۔ نیکی کے خدا کو یزداں اور ظلم کو "اہرمن" کہتے ہیں اور اپنے آپ کو زرتشت کا پیروکار کہتے ہیں۔ ان سب مختلف عقیدوں کے پیروکاروں میں، جو اللہ کی ذات کے بارے جھگڑا ہے۔ اسکا حاکمانہ فیصلہ قیامت کو ذات خداوندی کرے گی، اگرچہ کتب سماوی اور انبیاء نے دلائل سے واضح کیا ہے، لیکن یہ آخری فیصلہ ہو گا۔ یہ فیصلہ طاقت کی بنیاد پر نہیں ہو گا۔ بلکہ اللہ کی ذات تمام امور سے باخبر اور علیم ہے۔ اسلیے عدل وانصاف کے مطابق ہو گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں اور جو کوئی زمین پر ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ بھی۔ اور بہت سوں (لوگوں) پر اس کا عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ جو چاہے کرتا ہے۔

اجرام سماوی واجسام کا سجدہ:۔

آیت مبارکہ اللہ کی حاکمیت اور قدرت کی تفصیل بتا رہی ہے۔ تمام موجودات جو کائنات میں ہیں، جس کی نشاندہی آسمان وزمین کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ اللہ کے تابع فرمان ہیں۔ سجدہ سے مراد انتہائی تابعداری ہے۔ جس طرح انسان اپنا سر زمین پر رکھ کر اللہ تعالی کی عظمت کا اقرار کرتا ہے۔ تمام موجودات، جس میں نباتات (زندگی والے) اور دوسرے جمادات، حیوانات سب اپنے وجود، بقاء اور پھر انتہا کے لیے، اللہ کے احکام کے تابع ہیں۔ اور اس کے احکام سے سرمو بھی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ یہ ساری کیفیت سجدہ کا اظہار ہے۔ کچھ خارجی مظاہر سے سجدہ کی کیفیت کا ہمیں ذہنی طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور کچھ کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہر مخلوق کا اپنی تابعداری وعبادت کا اپنا انداز ہے۔ جو اس مخلوق کے وجود، حیات، نمو اور انتہا کے مطابق ہے۔ اور انسان، صرف انسان کی ہی کی ادا کو سمجھ سکتا ہے۔ سورج، چاند، ستاروں، جو بڑے اجرام فلکی ہیں۔ ان کی مثال انکے طلوع کا مطلب قیام کے لیے کھڑا ہونا، اور عین درمیان کے بعد میں ہونا، رکوع اور غروب (غائب ہونا) سجدہ کی مثال ہے۔ دوسرے حیوانات اپنے حساب سے تسبیح (اللہ کی حمد) بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ سارا نظام شمسی، جس طرح اپنے مدار میں ہزاروں سالوں سے چل رہا ہے۔ یہ سب اسکی تابعداری کی واضح دلیل ہے۔ جو سجدہ کی مثال ہے۔ زمین اور فضا میں جو ماحولیات کا تناسب ہے۔ اس میں درخت، سمندر، بادلوں، ہوا، سورج، چاند، سب اپنا اپنا کردار ادا کر رہے۔ جو کہ ہزاروں سالوں (بلکہ ملین سالوں) سے ہے۔ یہ سارا اللہ کی تابعداری اور اسی کو سجدہ کرنا ہے۔ (سورت النمل ۴۹)۔

انسان کے لیے مقام غور و فکر ہے کہ وہ کیوں اپنے خالق کی قدرت و طاقت کا احساس و اقرار نہیں کرتا اور اسکے احکام کی تابعداری سے گریزاں (دور) رہتا ہے۔ جو اس کے احکام نہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں ان پر عذاب آچکا ہے۔ جس کے آج بھی اثار موجود ہیں۔ زندگی اور موت، قوت و عزت، کمزوری اور ذلت، دینا اس کی قدرت میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسکے احکام کی تابعداری میں ہی سلامتی اور کامیابی ہے۔

هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا فِىۡ رَبِّهِمۡ‌ ۚ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا قُطِّعَتۡ لَهُمۡ ثِيَابٌ مِّنۡ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ‌ۚ ۝

یہ دو جھگڑنے والے (گروہ) ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے جھگڑا کیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے (تیار کیے) جائیں گے۔ ان کے سروں پر کھولتا پانی انڈیلا جائے گا۔

يُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَالۡجُلُوۡدُ ؕ ۝

اس سے وہ سب کچھ جل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں بھی۔

وَلَهُمۡ مَّقَامِعُ مِنۡ حَدِيۡدٍ ۝

اور ان کے مارنے کے لیے لوہے کے گرز ہیں۔

كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَا مِنۡ غَمٍّ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا ۗ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ ۝

جب بھی وہ شدت تکلیف سے اس آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو پھر اسی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ (ان سے کہا جائے گا) اور جلانے والے عذاب کو چکھو۔

دو گروہ، وہ افراد ہیں جو مختلف نظریے کو مانتے ہیں اور جھگڑتے ہیں۔ یہ سلسلہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک چلتا رہا ہے۔ روایت کے مطابق صحابہ کرام نے یوم بدر کے موقعہ کفار مکہ کے سرداروں کو للکارا اور ہر فریق اپنے اپنے معبود کو یاد کرتا رہا۔ صحابہ کرام غازی ہوئے اور کفار مقتول ہوئے۔

اسی طرح، یہود مدینہ، یہ کہتے کہ ان کا مذہب اسلام سے پہلے ہے اور ان کا نبی بھی پہلے ہے، لہذا وہ صحیح ہیں۔ ان دو نظریات کا تصادم حق اور باطل کا مقابلہ ہے، جہاں حق کے لیے ساری معلومات و ہدایات موجود ہیں۔ اسلام کے بعد تمام مذاہب قدیم، جو اپنے وقت میں مسلمان تھے، ان کے لیے ضروری ہے، کہ اللہ کے آخری احکام اور کلام پر ایمان لے آئیں۔ نہ لانے کی صورت میں نافرمانی کی سزا جہنم ہے۔ جس کی سزا بڑی خوفناک اور دردناک ہے۔ آگ کے لباس یعنی ہر طرف سے آگ نے لپیٹا ہو گا۔ جسم جل رہا ہو گا۔ ابلتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ بھاگنے یا جان بچانے کی صورت میں لوہے کے گرزوں سے پٹائی اور دوبارہ پھر ڈال دیا جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ‌ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ‏

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، یقیناً اللہ ان کو ایسے باغوں سے داخل کرے گا جن کے نیچے (اندر) نہریں جاری ہیں، وہاں انہیں سونے کے کنگن (کڑے) اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہو گا۔

وَهُدُوۡۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الۡقَوۡلِ ۖۚ وَهُدُوۡۤا اِلٰى صِرَاطِ الۡحَمِيۡدِ‏

اور انہیں پاکیزہ بات کی ہدایت دی گئی اور قابل تعریف راہ دکھائی گئی۔

باطل پر عمل کرنے والے جہاں سخت دردناک سزا پائیں گے، اسکے مقابل حق پر عمل کرنے والے، یعنی اللہ تعالی پر ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اعمال کی اہمیت کی وجہ سے، ایمان کے علاوہ نیک اعمال کا علحیدہ ذکر کیا ہے۔ ان کا مرتبہ اور اجر بہت بڑا، وہ آگ کے بجائے عظیم الشان محلات میں رہیں گے۔ جن میں باغات ہوں گے اور باغوں میں نہریں جاری ہوں گی۔ ان کے زیور سونے اور موتی کے کنگن ہوں گے اور ان کا لباس نہایت عمدہ ریشم کا ہو گا یعنی جو امور اہل دنیا کی نظر میں رفعت و عزت کے تھے۔ وہی ان کو جنت میں حاصل ہوں گے۔

اسلام میں معاشی و سماجی تفریق کم کرنے، مساوات کو بڑھانے، تکبر کو کم کرنے کے لیے، مردوں کے لیے ریشم اور سونے کے زیورات کو حرام قرار دیا ہے۔ اور جو افراد ان اشیاء سے پرہیز کرتے رہے۔ اللہ تعالی انہیں ان کا بدلہ جنت میں عالیشان لباس اور زیورات و زینت سے دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں اسے نہیں پہنے گا۔ (بخاری و مسلم)۔ جنت کی زندگی میں اللہ کی حمد و ثنا کریں گے اور دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں، ان کی زندگی میں ہدایت عطا کی۔ پاکیزہ بات سے ان کے نیک اعمال، قابل تعریف راہ سے مراد، راہ حق پر چلنا ہے۔ جہاں جنت کا حصول یقینی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ الَّذِىۡ جَعَلۡنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالۡعَاكِفُ فِيۡهِ وَالۡبَادِ‌ ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَـادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ‏

بے شک جن لوگوں نے کفر (انکار) کیا اور وہ لوگوں کا اللہ کی راہ اور مسجد حرام سے روکتے ہیں۔ جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا ہے۔ اس میں وہاں کے رہنے اور باہر سے آنے والے برابر ہیں۔ اور جو اس میں ظلم کے ساتھ کج روی کا ارادہ کرے۔ ہم اسے نہایت دردناک عذاب چکھائیں گے۔

آیت مبارکہ میں اشارہ مسلمانوں کے چھ ہجری میں مکہ شریف کے عمرہ کا سفر اور صلح حدیبیہ کا موقع ہے۔ جب کفار مکہ نے ابوسفیان کی سربراہی میں مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک لیا تھا۔ مسلمانوں کو واپس آنا پڑا۔ مسجد حرام سب لوگوں کی عبادت کی جگہ ہے۔ (اس وقت کے کفار اور مسلمان شامل تھے۔ مگر آب صرف مسلمانوں کے لیے ہے غیر مسلم کا داخلہ ممنوع ہے)۔ اس

عبادت گاہ میں مسافر (باہر سے آنے والے) اور مقیم (وہاں رہنے والے) برابر ہیں جسطرح آیت سے ظاہر ہے۔ اس بنا پر علماء نے مختلف تفاسیر کی ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک تمام مکہ شہر سب کے لیے برابر ہے۔ اور وہاں زائر کو سہولت دینی چاہیے۔ کچھ علماء نے اسکی تفسیر یہ کی ہے کہ صرف مسجد الحرام (خانہ کعبہ) اور مقامات حج کسی کی ملکیت نہیں۔ تمام مسلمانوں کے مساوی داخلے عبادت کے حقوق ہیں۔ باقی املاک شخصی ہیں۔ ان میں کنٹرول بیع و شرائط کی اجازت ہے۔ اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں، ہر فقہ کی رائے درج ہے۔ موجودہ رائج الوقت یہی قانون ہے، کہ انفرادی ملکیت بھی ہے اور حرم اور مقامات حج، وقف عام (کسی کی ملکیت نہیں) ہے۔ جس میں سب مسلمان برابر ہیں اور عبادت اور ارکان کی ادائیگی کی مکمل مساوی آزادی و حق ہے۔ مسجد حرام میں رہنے والوں یا زائرین کے اس مقدس مقام پر گناہ یا ظلم، اخلاق کج روی یعنی بدنیتی، اخلاقی گناہ، ہے۔ جس کی سزا سخت ہے، کیونکہ مقدس ترین مقام ہے۔ کچھ علماء کے نزدیک برائی کا پکا خیال بھی قابل مواخذہ ہے۔ لیکن اکثر اس بات کے قائل ہیں کہ عمل پر بھی سزا ہوگی۔ جسے عذاب علیم (دردناک) عذاب کہا گیا ہے۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْقَآىِٕمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝

اور (یاد کریں) جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ مقرر کردی۔ (اور اسے حکم دیا) کہ تم میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرنا اور طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع سجدے کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک رکھ۔

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۝

اور لوگوں میں حج کا اعلان کریں وہ تیرے پاس پیدل اور ہر لاغر سواری (اونٹ) پر سوار ہو کر آئیں گے۔ جو دور دراز راستوں سے آئیں گے۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِيْرَ۝

تاکہ وہ اپنے فوائد کے مقامات پر حاضر ہوں اور مقررہ ایام میں ان بے زبان مویشیوں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیں جو اس (اللہ) نے ان کو دیے ہیں، پس تم ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ فقیر کو بھی کھلاؤ۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۝

پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں۔ اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں

بیت اللہ (کعبہ شریف) عمارت کی تفصیل سورہ البقرہ کی آیت 145 (قبلہ) میں دی گئی ہے۔ روایات کے مطابق کعبہ شریف، فرشتوں نے حضرت آدم سے پہلے بنایا اور حضرت آدم نے اسے احکام کے مطابق ڈھونڈا اور آباد کیا۔ وقت گذرنے کے ساتھ یہ عمارت طوفان نوح کے وقت پانی و سیلاب سے تباہ ہو گئی۔ دوسری دفعہ حضرت ابراہیم نے اسے اسی بنیاد پر بنایا، پھر یہ

عمارت گر گئی اور قریش نے اسے تیسری مرتبہ بنایا، جس میں نبی صلی اللہ علیہ و آلہ سلم شریک تھے اور آپ نے حجر اسود کو اسکے مقام پر رکھا۔ چوتھی مرتبہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے بنایا اور پانچویں مرتبہ پرانی بنیاد پر حجاج بن یوسف ثقفی نے بنایا۔ یہی عمارت اب تک قائم ہے۔ (روح المعانی۔)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے، تو اللہ تعالی نے آپ کو حج کرنے کے اعلان کا حکم دیا۔ ساتھ ہی خوشخبری دی کہ لوگ دور دراز سے حج کرنے کے لیے آئیں گے اور سفر کی تھکان اور مشقت سے ان کی سواریاں کمزور ہو جائیں گی۔ پھر حضرت ابراہیم نے اعلان کیا: اے لوگو: تم پر اس قدیم گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کی دعوت تمام لوگوں تک پہنچادی اور آج تک دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ حج کے لیے آتے ہیں۔ قبل از اسلام بھی سارے عرب کے لوگ حج کے لیے آتے تھے۔ اللہ کی وحدانیت کی تاکید کی کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ ان کا کوئی شریک نہ بنایا جائے۔ عبادت کے اہتمام کا ذکر کیا، کہ اسکو صاف ستھرا رکھا جائے۔ یعنی ظاہری صفائی اور پاکیزگی اور حقیقی پاکیزگی ہو، کہ سوائے اللہ، واحد لاشریک کے، کسی اور شے کو معبود نہ بنایا جائے۔

قربانی:۔

حج اور قربانی کے مسائل کے لیے، فقہ کی کتاب کی طرف رجوع ضروری ہے۔ یہاں صرف آیات کی تشریح کے لیے مختصر تحریر ہے۔ حج کا عمل جہاں عبادت اور روحانی برکت ہے، وہاں سماجی اور معاشی فوائد کا بھی حامل ہے۔ معاشی طور پر حیوانات کی افزائش، حمل و نقل اور غذا، گوشت بطور غذا کی فروانی، دنیا میں غریب افراد کو غذا پہچانا ہے۔ امت مسلمہ میں اتحاد و یگانت پیدا کرنا۔ اہل مکہ کی معاشی تجارت و ترقی، بین الریاستی تجارت و تبادلہ معلومات، سب شامل ہیں۔ یہ سارے فوائد کئی بلین ڈالرز تک شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اور سماجی فوائد کا شمار ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ حج پر جانے والے افراد کی علمی اور روحانی تربیت بھی بڑی مفید ہوتی ہے، تجارتی اور سماجی تعلقات بھی بہتر ہوتے ہیں۔

کفار مکہ اپنے قربانی کے جانور، بتوں کے نام پر ذبح کرتے، اس لیے حکم ہوا کہ جانور اللہ کا انعام ہیں۔ ان کی قربانی اللہ کے نام سے ہونی چاہیے۔ اور انسان کو اللہ کے انعام و اکرام کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ قربانی کے ایام، حج کے بعد، دسویں، گیارہویں، اور بارہویں، تین دن ہے۔ بعض فقہانے دسویں کے بعد تین دن کو ایام تشریق میں شمار کیا ہے۔ (فقہ شافعی)۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جانور کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور ذبح کے لیے تیز دھار آلہ استعمال کیا جائے تاکہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔ ایک جانور کو دوسرے جانور کے سامنے ذبح کرنے سے گریز کیا جائے۔ ذبح سے پہلے پانی پلایا جائے تاکہ جانور پیاسا نہ ہو۔ جب اس کی ساری جان نکل جائے، مکمل طور پر حرکت بند ہو جائے، تب گوشت کاٹا جائے۔ اسلام نے حیوانات کے حقوق بتائے ہیں اور ان کی تاکید کی ہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام پکارا جائے۔ جس کے لیے بسم اللہ و اللہ اکبر، اللھم منک والیک۔ "اللہ کے نام کے ساتھ جو سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ یہ قربانی تیری عطا سے ہے، تیری ذات کے لیے پیش ہے۔ یہ اللہ تعالی کی معبودیت کا اقرار اور اظہار ہے۔

فقہ حنفی کے مطابق صرف حج کرنے والے کے لیے قربانی نہیں، البتہ حج وعمرہ (قران) والوں کے لیے اضافی عبادت کی قبولیت کے لیے قربانی ہے۔ حرم کے افراد کے لیے حج کی بھی قربانی ہے۔ دوسری قربانیاں، منتیں / نذر بھی وہاں کی جائیں۔ اسلام نے انسانی مساوات کی تعلیم اور معاشرتی تفریق کو کم سے کم کرنے کے لیے، حکومت کی سطح پر زکوٰۃ، انفرادی سطح پر صدقات و خیرات کا اہتمام کیا ہے۔ مختلف عبادتوں یا ان میں کفارہ، کے لیے طعام ولباس، غلاموں کو آزاد کرنا، کے احکام دیے ہیں۔ اس لیے غلامی، اسلام کی پہلی دو صدیوں کے اندر ہی ختم ہو گئی۔ اور غلام بادشاہ بنے۔ آخری عباسی بادشاہ، مملوک مصر و افریقہ میں، خاندان غلامان ہند میں، سب کئی سو سال حکمرانی کرتے رہے۔ قربانی کے گوشت اور تقسیم میں بھی یہی طریقہ رکھا گیا ہے کہ ایک حصہ قربانی کرنے والے کے لیے، دوسرا حصہ اسکے رشتہ دار و اقرباء اور تیسرا حصہ فقراء اور غرباء کے لیے ہے۔ حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا (تم تین دن تک قربانی کا گوشت رکھو، جو بچ جائے اسکو صدقہ کر دو) اس میں فقراء اور غربا وغیرہ کی مدد مقصود ہے۔ اگر گھر میں ضرورت ہو تو ذخیرہ کر سکتا ہے۔ عرب قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے اس لیے خود کو کھانے کا بھی حکم ہوا۔

نذر یا منت:۔

نذر یا منت کو پورا کرنا اسلامی فقہ کے اندر ضروری ہے، کیونکہ منت یا نذر اپنی رضا اور رغبت سے مانی جاتی ہے۔ نذر، اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے۔ اور انسان کی استطاعت کے مطابق ہو۔ استطاعت سے باہر نذر کو پورا کرنے کے بجائے کفارہ دینا چاہیے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) میں نذر پوری کرنا جائز نہیں۔ اور نہ اس چیز کی نذر ماننا جائز ہے۔ جس کا ابن آدم مالک نہیں ہے۔ (مسلم / ابوداؤد۔)۔ میل کچیل سے مراد دوران احرام جو پابندیاں تھیں ان کو ختم کرنا ہے۔ طواف سے مراد دوران حج طواف ہیں۔ جس میں طواف قدوم پھر طواف زیارت، جو فرض ہے۔ طواف وداع، جو لوگ سفر پر واپس جائیں گے۔ ان کے لیے ضروری ہے۔ تفصیل مختلف فقہ کی کتب میں موجود ہے۔ اکثر فقہا کے نزدیک یہاں طواف زیارت مراد ہے۔ اور پھر قربانی کے بعد صاف ہو کر، اسکو کرنے کا حکم ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَـكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝

یہی (حکم) ہے اور جو شخص اللہ کی حرمتوں (حرمت والی چیزوں) کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اسکے لیے بہتر ہے۔ اور تمہارے لیے چوپائے حلال کیے ہیں سوائے ان کے جو تم پر (قرآن میں) پڑھے (بتائے) جا چکے ہیں۔ لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔

جھوٹ اور شرک:۔

حج کے احکام اور مناسک کا اہتمام اور احترام کا حکم دیا ہے تا کہ ان کی ادائیگی صحیح طریقہ سے ہو سکے۔ اسکے ساتھ بتوں کی عبادت سے سختی سے منع کیا گیا۔ شرک کے بارے متعدد مرتبہ تنبیہ و سزا کے بارے کہا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنے کو شرک کے برابر قرار دیا گیا۔

حضرت فاتک اسدی، رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک جگہ کھڑے ہو کر تین بار فرمایا: جھوٹی گواہی کو اللہ کے شریک بنانے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: (واجتنبوا قول الزور حنفاً اللہ) جس کا ترجمہ ہے کہ "اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو اور ہر باطل سے الگ صرف اللہ کے ہو کر رہو"۔ (ابو داوٗد / ابن ماجہ)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین بار فرمایا: کہ کیا میں تم کو سب سے بڑا (کبیرہ) گناہ نہ بتاوں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، یارسول اللہ: آپ نے فرمایا: اللہ کا شریک بنانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، آپ پہلے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا سنو اور قول الزور (جھوٹی بات)۔ آپ بار بار فرماتے رہے، حتی کہ ہم نے سوچا کہ آپ سکوت فرمائیں۔ (بخاری / مسلم / ترمذی)۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ "(جھوٹی گواہی اللہ کے شرک کے برابر رکھی گئی ہے)۔ اسلامی قانون میں یہ جرم، قابل تعزیر (سزا) ہے۔ فقہ حنفیہ کے مطابق جھوٹے گواہ کی تشہیر عام کی جائے اور لمبی قید کی سزا دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی قول اور طریقہ کار رہا ہے۔ مکحول کی روایت ہے، کہ حضرت عمر نے فرمایا "اسکی پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں۔ اسکا سر مونڈا جائے اور منہ کالا کیا جائے اور لمبی قید کی سزا دی جائے"۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی عدالت میں ایک شخص کی گواہی جھوٹی ثابت ہوئی، تو انہوں نے اس کو ایک دن بر سر عام کھڑا رکھ کر اعلان کرایا کہ فلاں بن فلاں جھوٹا گواہ ہے۔ اسے پہچان لو، پھر اسکو قید کر دیا۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے یورپی قانون کی وجہ سے بہت ساری اخلاقی خرابیوں کا گڑھ بن گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان بھی رحمت خداوندی سے محروم ہیں اور سماجی، معاشرتی اور عالمی سطح پر سزا بھگت رہے ہیں۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ‌ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ‏ ۝

اللہ کے لیے یکسو ہو جاو: نہ کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گویا، وہ آسمان سے گر پڑا، پھر اسے (مردار خور) پرندے اچک لے جائیں یا تیز ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے (اور ریزہ ریزہ کر دے)۔

ذٰ لِكَ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ‏ ۝

یہی حکم ہے اور جو شخص اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں کی تعظیم کرے، تو بلاشبہ یہ دلوں کا تقوی (خوف خدا) ہے۔

لَـكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ۝

تمہارے لیے ان چوپاوں میں مقررہ مدت تک منافع ہے۔ پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام (محل) قدیم گھر (بیت اللہ) کے پاس ہے۔

سفر حج:۔

قربانی کے جانور، حج کے ارکان یعنی اعمال، بیت اللہ کا سفر وزیارت وعبادت، کا مقصد اعلی، اللہ تعالی کی وحدانیت۔ اس کی معبودیت کا دل سے اقرار اور یقین ہے۔ ایک مثال سے واضح کیا کہ جو لوگ اللہ کی ذات کو معبود حقیقی نہیں جانتے۔ کیونکہ ان کو نظر نہیں آتا یا اسکے مظاہر قدرت کے بارے غور وفکر کرنے سے محروم ہوتے ہیں۔ شیطان کے وسوسوں میں گم رہتے ہیں، ان کا انجام بہت خوفناک ہو گا۔ مثال یوں ہے کہ فضا میں کوئی پرندہ اڑ رہا ہے۔ محو پرواز اور عروج پر جا رہا ہو۔ یکایک اس کی ساری قوت ختم ہو جائے اور زمین کی کشش اسے اپنی طرف شدت سے کھینچے، ادھر جب گر رہا ہو، تو گوشت خور پرندے، عقاب، چیلیں اور گدھ، اس پر جھپٹ پڑیں اور اگر ان سے بچ جائے تو تیز ہوا، اسے اس شدت سے سخت پتھریلی زمین پر پٹخ دے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے (سحیق کا لفظ اسی کو ظاہر کرتا ہے)، یہ کس قدر خوفناک انجام ہے۔ شرک کرنے والے انسان کا بھی یہی انجام ہو گا۔ جب تک اللہ کو حقیقی معبود مانے گا، اسکی پرواز جاری رہے گی، جونہی توحید اسکے دل سے گم ہوئی اس کا انجام تباہی ہو گا۔

قربانی کے جانور جو ساتھ لیے جاتے ہیں یا ویسے لوگ خریدتے ہیں ان کے بارے یہ حکم ہے کہ جانور صحیح وصحت مند ہو۔ دوران سفر حج، جب وہ قربانی کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو اسکا احترام کیا جائے، کیونکہ وہ اللہ کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ اس لیے کچھ فقہانے اسے استعمال سے منع کیا ہے لیکن احادیث میں ضرورت پر استعمال کا حکم ہے۔ اسلیے فقہ حنفی میں ضرورت پر فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ ان جانوروں کی قربانی سے غرباء اور معاشرہ میں سماجی طور پر بھی فائدہ ہے۔ کچھ فقہانے تمہارے لیے چوپاوں میں مقررہ مدت تک منافع ہے" کی وجہ سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے۔

شعائر کیا ہیں؟ طواف، صفا ومروہ، رمی، منٰی، عرفات، سب اس میں شامل ہیں۔ ایک توضیح یہ ہے کہ جو چیزیں عبادت کی جگہ (صفا / مروہ / بیت اللہ) یا عبادت کا زمانہ (زمانہ حج) یا عبادت کے کام ہوں۔ (طواف، سعی، رمی) سب شعائر میں سے ہیں۔ اور ان کی تعظیم تقوی کی نشانی / دلیل ہے۔ علامہ محمود الوسی (مصنف روح المعانی) نے لکھا ہے کہ اسی بناء پر شیعہ اور کچھ دوسرے افراد نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے آئمہ کرام اور باقی صالحین (اولیاء) کی قبروں کی تعظیم کو جائز کہا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنے فتاوی رضویہ جلد 4 میں مختلف مقامات پر قبور کے بارے یہ تحریر کیا ہے۔ مزارات کا طواف، تعظیم کی نیت سے کیا جائے، ناجائز ہے، کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہیے۔ (ص 4- جلد 4)۔ 2- قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہیے۔ (جلد 4 ص 163)۔ 3- خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے۔ (جلد 4 ص 722)۔ 4۔ روضہ انور کا نہ طواف کرو، نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔ (بحوالہ بتیاں القرآن)۔ تعظیم کا اعلی مقصد صرف علامات نہیں، بلکہ ان کو اکمل اور احسن طریقہ سے ادا کرنا ہے۔ یہ سب سے اہم، یہی تقوی قلوب ہے۔ قربانی کے جانوروں کو حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ حرم کی حدود مکہ کی حدود ہے۔ حدیث کے مطابق مکہ کے تمام راستے منحر (مذبح) اور منی کے تمام راستے منحر (مذبح) ہیں۔ (روح المعانی)۔ اللہ تعالی کے گھر کی تعریف بیت

العتیق آئی ہے۔ جو مکرم و محترم، پھر آزاد کسی کی ملکیت نہ ہو اور قدیم ہے، جو کہ خانہ کعبہ کی صحیح تعریف ہے۔ اسکا وجود حضرت آدم کے ساتھ ہی ہوا۔ اللہ کی ملکیت ہے۔ تمام مسلمانوں کا حق ہے اور تکریم کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر ہے۔

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝

اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی تا کہ وہ ذبح کے وقت ان چوپاوں (مویشیوں) پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دیے پھر (سمجھ لو) تمہارا معبود (خدا) ایک ہی معبود ہے لہذا تم اسی کی فرمانبرداری کرو اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت دیجیے۔

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل تھرتھرا جاتے ہیں اور وہ صابر ہیں، مصائب پر جو انہیں پہنچے اور جو نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں جو رزق دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تمام انبیاء کرام نے، اللہ کی بلاشرکت غیرے معبودیت اور اسکے ساتھ اسکی عبادات (نماز)، زکوٰۃ، غرباء کی بھلائی و خیال، اسی طرح قربانی کی بھی تعلیم دی ہے۔ قربانی کا مقصد، اللہ تعالی کے انعامات کا اقرار اور شکریہ ادا کرنا ہے۔ قربانی کے طریقے مختلف رہے۔ جس طرح شریعتں اور احکام مختلف ہوتے تھے۔

خوش نصیب افراد:۔

قربانی حضرت نوح، حضرت ابراہیم، اور حضرت موسی میں رہی، اور مکہ میں حضرت ابراہیم کے زمانہ سے شروع ہوئی، لیکن بت پرستی کی وجہ سے بتوں کے نام پر ہونے لگی۔ اسلام نے ہر قسم کے شرک سے سختی سے منع کیا اور حکم دیا کہ قربانی صرف اللہ کی ذات کے لیے ہو۔ جو لوگ اللہ کی فرمانبرداری کریں گے، وہی کامیاب ہوں گے۔ منسک کا لفظ، عبادت، قربانی کے جانور، (ذبیحہ) اور اعمال حج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فرمانبرداری کرنے والوں کے ساتھ عاجزی کرنے والے، اللہ سے ڈرنے والوں کا ذکر ہے۔ کہ جب اللہ کے احکام کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل خوف سے تھرتھرا جاتے ہیں۔ محبین کے اوصاف، مفسرین کرام نے مختلف بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا۔ عاجزی اور تواضع کرنے والے، مقاتل نے فرمایا مخلصین ہیں۔ مجاہد سے ایک قول صالحین ہیں۔ عمر بن اوس نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ظلم نہیں کرتے بلکہ جب ان ظلم کیا جائے تو اس کا بدلہ نہیں لیتے۔ ان افراد، جن کو کامیابی کی بشارت دی گئی ہے، ان کے اوصاف میں خوف خدا، مصائب پر صبر کرنا (صبر کے فضائل کئی دفعہ ذکر کیے جاچکے ہیں) اور پھر رزق جو ان کے پاس ہے، اس میں سے لوگوں کی بھلائی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ وہ دوسروں کا احساس اور ان سے مل کر ان کی تکالیف دور کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ وہ اعمال ہیں جو امت محمدیہ کا خاصہ تھے مگر طویل زمانہ سے یہ کردار ختم ہو گیا اور امت محمدی دنیا میں اپنے اعمال کی وجہ سے ناکامی کا سامنا چند صدیوں سے کر رہی ہے۔

وَ الۡبُدۡنَ جَعَلۡنٰهَا لَکُمۡ مِّنۡ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمۡ فِیۡهَا خَیۡرٌ ٭ۖ فَاذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ عَلَیۡهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتۡ جُنُوۡبُهَا فَکُلُوۡا مِنۡهَا وَ اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرۡنٰهَا لَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۳۶﴾

اور قربانی کے اونٹ میں جنہیں ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں سے بنایا ہے۔ ان میں تمہارے لیے بہت بھلائی ہے۔ لہذا (ذبح کرتے وقت) جب وہ (پاوں بندھے ہوئے) قطار (صف) میں کھڑے ہوں۔ تو تم ان پر اللہ کا نام ذکر کرو (تکبیر کہو) پھر جب ان کے پہلو (زمین پر) گر جائیں تو تم ان کا گوشت کھاو اور قناعت پسند اور سائل (محتاج) کو بھی کھلاو۔ اسی طرح ہم نے چوپاوں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰکِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرَهَا لَکُمۡ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۷﴾

اللہ تک قربانی کے جانوروں کا گوشت اور ان کا خون ہر گز نہیں پہنچتا۔ لیکن تمہارا تقوی اس تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس نے ان چوپاوں (مویشیوں) کو تمہارے تابع کر دیا۔ تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو۔ کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۸﴾

یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے۔ بے شک اللہ ہر خائن ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

ھدی کے جانور اور قربانی کرنے کے احکام ہیں۔ جن اونٹوں کو قربانی کے لیے مخصوص کر دیا جائے وہ شعائر بن جاتے ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ (بھلائی ہے) یعنی ان کی اولاد، اون، دودھ وغیرہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ قربانی کا مقصد اظہار تشکر ہے۔ قربانی کا مسنون طریقہ (اونٹوں) کا یہ ہے۔ کہ ان کا الگ ایک پاوں باندھ کر کھڑا کر کے سینے کے اگلے حصہ پر نیزا مارا جائے اور مارتے وقت تکبیر پڑھی جائے۔ (آیت نمبر ۲۸) اور جب زمین پر گر جائے اور جسم میں حرکت مکمل طور پر بند ہو جائے۔ تو ان کا گوشت کاٹا جائے۔ بدن (قربانی کا جانور) میں گائے شامل ہے یا نہیں اختلاف ہے۔ گوشت کے حصص کے لحاظ سے گائے / بیل کے سات حصے ہوتے ہیں اور اونٹ میں بھی سات حصے، مگر ذبح کا انداز مختلف ہے، اونٹ کی جسامت کی وجہ سے اسے کھڑا کر کے (حالت میں) ذبح (نیزہ مار کر) کیا جاتا ہے جبکہ گائے کو لٹا کر ذبح کرتے ہیں اس لیے فقہا کی مختلف رائے ہیں۔

اسلام میں معاشی اور سماجی تفریق کے خلاف، مل جل کر اور ایک دوسرے کے احساس اور ضرورت کا خیال رکھنا، ایک اہم طریقہ زندگی ہے۔ اسی وجہ سے پہلے بھی اور پھر دوبارہ تاکید کی ہے کہ مانگنے والے فقیر یا ضرورت مند، جو وہاں ہوں اور ان کو جو افراد وضع داری کی وجہ سے مانگتے نہیں، انہیں بھی گوشت دیا جائے، تاکہ سارے لوگ خوشی میں شریک ہوں اور اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکیں۔ معاشرے میں اتحاد، مساوات اور ایک دوسرے سے لگاؤ، کی فضا پروان چڑھے۔ کفار مکہ، قربانی کے گوشت کو بیت اللہ کے سامنے رکھ دیتے اور خون کو دیواروں پر لگا کر قربانی کی تخصیص کا اظہار کرتے۔ مسلمانوں کے دل میں بھی خیال آیا کہ

وہ کیا کریں۔ اس وہم کی وضاحت کر دی گئی کہ گوشت رکھ دینا یا خون دیواروں پر لگا دینا، قربانی کی قبولیت یا تخصیص نہیں، بلکہ اللہ تو دل کی نیتوں اور اس سے محبت کی بنا پر، شرف قبولیت دیتا ہے۔(زاد المسیر)۔اس سے اعمال میں اخلاص کی اہمیت واضح فرمائی ہے اور اظہار کرنے کو اہمیت نہیں دی۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم کا شکر ہر وقت کرنا چاہیے۔ جو افراد اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسکے احکامات کو پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ وہ اگر ناکام بھی ہوں، تو بلآخر کامیابی انہی کی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ شکر گزار نہیں ہوتے، وہ رحمت سے محروم رہتے ہیں۔ خیانت، دھوکا، بہت بڑا گناہ ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مکہ میں جب مسلمانوں پر ظلم ہوتا تھا، تو کچھ مسلمانوں نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی کہ چھپ کر دھوکہ سے کافروں کو قتل کر دیں، تو آپ نے منع فرمایا اور آیت نازل ہوئی کہ مسلمان فکر نہ کریں۔ اللہ تعالی ان کا دفاع کریں گے، بے شک اللہ خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔ خفیہ طریقہ سے قتل دھوکا اور خیانت ہے۔ یہ مسلمانوں کی کامیابی کی خوشخبری بھی تھی۔ جو چند سال بعد واقع ہو گئی۔ صوفیاء کے نزدیک خوان کفور، شیطان اور نفس امارہ ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ سلم نے ہمشہ مدینہ شریف میں قربانی کی۔ قربانی واجب ہے یا سنت موکدہ ہے، اس میں فقہا کا اختلاف ہے، لیکن حدیث مبارک، ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جو شخص استطاعت رکھتا ہو۔ پھر قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔(مسند احمد)۔اس قربانی سے نہ صرف سماجی و معاشی برکت حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت ابراہیم اور حج کرنے والوں کے ساتھ یگانگت کا درس بھی ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ

جن لوگوں سے (ناحق) قتال کیا جاتا ہے۔ ان کو جہاد (دفاع) کی اجازت دے دی گئی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ۝

جن لوگوں کو، ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا محض اتنی بات پر، کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ بعض لوگوں (ظالموں) کو دوسرے بعض لوگوں (مظلوموں) سے دور نہ کرتا رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں اور کلیسائیں اور یہودیوں کے معبد اور جن مسجدوں میں اللہ کا بہت ذکر کیا جاتا ہے۔ ان سب کو ضرور منہدم کر دیا جاتا۔(ظالم منہدم کر دیتے)، جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ بے شک اللہ بڑی قوت، بہت غلبہ والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوتہ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے ہی اختیار میں ہے۔

دفاع یا جہاد کیوں؟

نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، نے جب دعوت اسلام دی تو مکہ کی زمین میں ایک انقلاب تھا، جہاں ظلم، تعصب، بت پرستی، عورتوں اور غلاموں سے ظلم روا رکھا جاتا۔ طاقتور اپنے آپ کو سب سے اوپر رکھتے۔ قریش اور مکہ کے سرداروں نے سخت مخالفت کی اور بہت کم لوگ مسلمان ہوئے، جو مسلمان ہوتے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ دیے جاتے تاکہ اسلام کو چھوڑ کر پرانے دین پر آ جائیں۔ کئی دفعہ صحابہ کرام نے مقابلہ کی اجازت چاہی، مگر نبی ﷺ نے اجازت نہیں دی کہ اللہ کی طرف سے حکم نہیں ملا۔ یہ مدت تقریباً گیارہ سال تک رہی اور اس دوران کمزور مسلمانوں کو مکہ چھوڑ کر دو دفعہ ہجرت حبشہ کرنی پڑی۔ اس مدت میں تقریباً، ستر آیات نازل ہوئیں جن میں صبر کی تلقین کی گئی۔ کئی دفعہ صحابہ نے چھپ کر دھوکہ سے کفار کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو آپ نے منع کیا کہ اسلام میں دھوکہ نہیں۔ مظلوم کو حق، دھوکہ سے نہیں بلکہ کھلا لینا چاہیے اور صبر کی تلقین کی۔ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ سلم کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔ مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔ اور نبی نے بھی مدینہ ہجرت کی۔ مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے ایک نظام قائم کیا۔ مدینہ کے مختلف قبائل و مذاہب کو ملا کر میثاق مدینہ کا معاہدہ کیا۔ دفاع کا حق قرار پایا اور قرآن مجید نے اس آیت 40 کے ذریعے دفاع کی بزور قوت اجازت دی۔ اس اجازت میں واضح فرمایا کہ جب مذہب اور بھلائی کی بناء پر زندگی کو مشکل کر دیا جائے، تو متاثرہ شخص کو حق ہے کہ اپنا دفاع کرے اور ظالم کو روکے تاکہ مزید ظلم آگے نہ بڑھے۔ اللہ تعالی حق پر چلنے والوں اور مظلوموں کی مدد کرے گا اور ان کو کامیابی ہو گی۔

اگر انسانی تاریخ دیکھی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ معاشروں میں ظلم وستم ہو جاتا ہے۔ لوگ احکام خداوندی کو بھول جاتے ہیں، اگرچہ ماضی قدیم میں ہر معاشرے کے لیے اللہ نے اپنا پیغمبر بھیجا، لیکن لوگوں نے اسکی مخالفت کی یا پھر وقت گزرنے کے ساتھ احکام کو بھول کر اپنی نفسانی اغراض اور مفادات کی وجہ سے بھول گئے اور معاشرے ظلم وستم سے بھر گئے۔ کمزور مرنے لگے تو اللہ تعالی دوسرے انسانی گروہوں کے اندر مخالف قوت پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ مخالف قوت، انسانوں کا دوسرا خارجی گروہ ہوتا ہے۔ جو اس ظالم حکمران کو روک دیتا ہے۔ شکست دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے مزید ظلم رک جاتا ہے۔ اور اگر انسانوں میں ایسا نہ ہو سکے تو اللہ تعالی ظلم کے بدلے اس معاشرے کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس سارے نظام کائنات کا مقصد، انسانوں کے معاشرے میں امن و سلامتی، کمزوروں کی حفاظت ہے۔ اسلام میں اسی وجہ سے دفاع کی اجازت ملی کہ وہ اپنے آپ کو ظلم سے محفوظ کر سکیں، اور اس وقت اجازت ملی جب وہ ایک علیحدہ، مضبوط گروہ اور ایک معاشرہ بن گئے۔

حکومت کیسی ہو؟

اگلی آیت میں صالح گروہ کے اقتدار کا مقصد، معاشرہ کی اصلاح، عدل، سچ، انسانی حفاظت اور کمزوروں کی مدد ہے۔ جس کے لیے الصلوٰۃ، جو اللہ کی توحید کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور زکوٰۃ، جو کمزوروں کی مدد کی بنیاد پر ہے۔ پھر عمل معروف، بھلائیوں کا معاشرہ میں نفاذ، اور نہی عن المنکر کے ذریعے برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنا ہے۔ یہ عملی مظاہرہ، ریاست مدینہ نے نبی ﷺ کی سربراہی میں دس سال کے عرصہ میں نافذ کیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین (حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) نے اپنے کرداروں کے ذریعے اگلے تیس سال کے اندر نافذ کر کے اسلام کو دنیا کی ایک عظیم قوت بنا دیا۔ جو قرآن مجید اور نبی کی تعلیمات کی بنا پر قائم ہوئی اور کئی سو سال ایک مکمل تہذیب بن کر دنیا پر چمکتی رہی۔ جب مسلمان حکمرانوں نے ان اصولوں کو اپنے اور معاشروں میں نافذ کرنا چھوڑ دیا، وہ کمزور اور محکوم ہو گئے۔ ان کے معاشرے بھی ظلم، بدامنی، دھوکہ دہی سے بھر گئے۔ اور وہ مظلوم ہو کر رہ گئے اور وہ قومیں جو ان سے علم و اعمال میں بہتر اور اخلاق و عدل میں اعلی تھیں ان پر قابض ہو گئیں۔

دفاع کی اجازت کا مقصد، صالح معاشرہ کو ظلم سے بچانا ہے اور اس قدر استعداد پیدا کرنا ہے، کہ کوئی ظالم آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ دوسری طرف مظلوموں کی مدد بھی ہے ان کے لیے دروازے کھلے ہوں اور اگر ان کو نقل مکانی کی اجازت نہ ہو تو ان کو یہ حق دلانا بھی ہے۔ دراصل دفاع کا مقصد ہی ظلم کو روکنا ہے اور لوگوں کو ان کے مذہب کی آزادی دینا ہے۔ اس لیے آیت میں تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کا ذکر ہے۔ خواہ وہ صابی، یہودی، یا عیسائی ہوں۔ جب عبادت گاہ کی حفاظت مقصود ہے تو عبادت کرنے کی اجازت بھی اس میں شامل ہے۔ صرف ظلم کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر اہل مکہ نے جو ظلم کیے ان میں چند صرف تحریر ہیں۔

ا۔ حضرت صہیب رومی جب ہجرت کرنے لگے تو اہل مکہ نے ان سے کہا تم صرف خالی ہاتھ جا سکتے ہو لہذا وہ صرف خالی ہاتھ مدینہ گئے سارا مال و متاع مکہ چھوڑ دیا۔

۲۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر ابو سلمہ، جب ہجرت کرنے لگے تو ان کے خاندان والوں نے کہا کہ تم ہماری لڑکی (اپنی بیوی) کو ساتھ نہیں لے جا سکتے اور ان کو روک لیا۔ پھر ابو سلمہ کے خاندان والوں نے کہا کہ ماں بچہ بھی نہیں لے جا سکتی۔ اور ان سے لے لیا گیا اور ایک سال تک تگ و دو کے بعد مشکل سے وہ بچہ کو لے کر تن تنہا اونٹ پر خطرناک راستوں سے گزر کر مدینہ پہنچی۔ اس طرح کے واقعات ہر اس شخص کے ساتھ پیش آئے جس نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو پہلے سال کے بعد دفاع کی اجازت ملی، تو مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم تھی۔ (ایک روایت کے مطابق سات سو تھی)، لیکن ایک اسلامی معاشرہ مہاجرین و انصار کی مواخات (بھائی چارہ) سے قائم ہو چکا تھا۔ حق و باطل کی کشمکش جب تک دنیا موجود ہے اور شیطان بھی موجود ہے جاری رہے گی۔ اور اس میں نصرت ربانی کی حق کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ اگرچہ اس میں کئی مرحلے آسکتے ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کو مدینہ شریف میں حضور

کے زمانہ اور حضرت ابو بکر کے زمانہ میں پیش آئے۔ دنیا کی ساری طاقتیں اللہ تعالی کے سامنے ہیچ ہیں اور جس کے ساتھ اسکی نصرت ہو وہی قائم رہ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے کہ اس کی نصرت حق پر چلنے والوں، بھلائی، عدل اور غریبوں کی مدد کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔

وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوۡدُ ۙ

اور (اے نبی) اگر وہ آپ کو جھٹلائیں (تو)، پریشان نہ ہوں، بلاشبہ ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے بھی (اپنے انبیاء کو) جھٹلایا۔

وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ ۙ

قوم ابراہیم اور قوم لوط نے بھی (جھٹلایا)۔

وَّاَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ‌ ۚ وَكُذِّبَ مُوۡسٰى فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ‌ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ۝

اور مدین والوں نے بھی، اور موسی کو بھی جھٹلایا گیا۔ پس میں نے کافروں کو (پہلے) ڈھیل دی۔ پھر میں نے انہی کو پکڑ لیا۔ چنانچہ میرا عذاب کیسا تھا۔ (بڑا سخت تھا)۔

فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ۝

چنانچہ کتنی ہی بستیاں ہیں ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ جبکہ وہ ظالم تھیں۔ تو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں۔ اور کتنے ہی کنویں بے کار اور کتنے ہی مضبوط محل ویران پڑے ہیں۔ (تباہی کی وجہ سے)۔

اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَتَكُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ يَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ يَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا‌ ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصَارُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝

کیا پھر انہوں نے زمین پر سفر نہیں کیا۔ ان کے دل (دماغ) ایسے ہوتے، جن سے یہ سمجھتے یا کان ایسے ہوتے، جن سے وہ سنتے، پس حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی، لیکن سینوں میں جو دل و دماغ ہیں، اندھے ہو جاتے ہیں۔

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ وَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ‌ ؕ وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۝

وہ آپ سے جلد عذاب مانگتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ بلاشبہ آپ کے رب کے ہاں ایک دن تمہاری گنتی کے ایک ہزار سال کی طرح ہے۔

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَمۡلَيۡتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذۡتُهَا‌ ۚ وَاِلَىَّ الۡمَصِيۡرُ ۝

اور کتنے ہی بستیاں (شہر) جو ظالم تھیں ان کو میں نے مہلت (ڈھیل) دی تھی۔ پھر میں نے انہیں پکڑ لیا۔ اور سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

فتح مکہ سے پہلے قریش مکہ نے مسلمانوں کی دشمنی میں کسی قسم کی تکلیف دینے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی تھی۔ بالخصوص ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں پر شدید مظالم ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کی تسلی کے لیئے آیات مبارکہ میں پچھلی امتوں کا ذکر کیا۔ کہ کس طرح حضرت نوح کئی سو سال تبلیغ کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ کتنا ظلم کیا گیا۔ قوم عاد اور ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ کے مصائب کا ذکر کیا۔ اس لیے مسلمانوں کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر ان قوموں پر عذاب آیا اور ان کی تباہی کے آثار، حجاز، شام، لبنان، یمن کے راستوں میں نظر آتے ہیں، اور درس عبرت ہیں۔ بدقسمتی ہے کہ لوگ ان شواہد کے باوجود تاریخ سے کوئی سبق نہیں لیتے ہیں اور اس ہٹ دھرمی اور ضد پر قائم ہیں۔ اللہ کی معبودیت کے بجائے شیطان کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اس رویہ کو عقل کا اندھا کہا ہے۔ قرآن مجید چونکہ ایک ادبی معجزہ بھی ہے۔ اس لیے اس وقت کے ادب کے مطابق تشبیہات اور استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ ادب میں جذبات، سوچ وبچار اور فیصلہ کی قوت کو دل کے عمل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس وقت دماغ کے بارے میں زیادہ تحقیق نہیں تھی۔ اس لیئے یہی استعارے اور تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔ بعض جگہ اولی الباب، یعقلون، کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ عوام الناس کی تعلیمات اور فہم کے لیے سادہ اور مستقل الفاظ استعمال ہوئے۔ قرآن مجید تمام مخلوق (انسانوں) کے لیے ہدایت کی کتاب ہے۔ اس لیے غیر مانوس الفاظ کی بجائے مانوس الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

حدیث مبارکہ میں دل کو اخلاق وعبادات کا مرکز قرار دیا ہے۔ دل میں اچھے خیالات، اچھے افعال، ظاہر کرتے ہیں۔ اخلاق کا اچھا یا برا ہونا، انسانی فکر پر منحصر ہے۔ اس لیے دل سے حقیقی مراد، مرکز فکر ہے اور یہی ادب، گفتگو میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ مرکز دماغ میں ہے۔ اس لیے اکثر اوقات، اعمال کے موازنہ میں، یہ دماغ کے مترادف ہے۔ عقل کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ "عقل وہ قوت ہے جس میں علوم وادراکات کی صلاحیت ہے۔ ایک اور قول ہے، کہ عقل ایک جوہر ہے جس میں غائبات کا بالواسطہ اور محسوسات کا بالمشاہدہ ادراک ہوتا۔ (شرح، عقاید النسفی)۔ اس کا مرکز دماغ ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے مطابق عقل کا مرکز دماغ ہے۔ اس لئے اگر کسی کو سر پر ضرب لگائی گئی اور چوٹ سے دماغ ضایع ہو گیا، تو اسے دیت دینا لازم ہو گی، (المبسوط للسرخسی)۔ انسان جب درس عبرت حاصل کرنے کے بجائے گناہوں میں ملوث رہتے ہیں، تو ان کو مہلت دی جاتی ہے۔ اگر عبرت حاصل نہ کریں، تو پھر مزید سخت سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔ جہاں عذاب سخت ہو گا، وہاں مہلت بھی طویل ملتی ہے جو صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔ اسی لیے قوموں کو سزا اور ترقی کا سفر کئی سو سالوں پر محیط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں، دنوں کا تصور، ہمارے نظام شمسی سے مختلف ہے۔ اس کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اس لئے ہمارے اندازے میں ملین سال۔ دراصل قدرت کے چند ہزار سال ہوتے ہیں۔ کئی علماء نے اس سے مراد قیامت کے دن کی لی ہے۔ جب تمام مخلوق کا حساب ہو گا۔ بلا خر انسان نے مجبور ہو کر، اللہ کے ہاں حاضر ہو کر حساب دنیا ہے۔

صوفیاء کرام کے نزدیک ظالم بستی سے مراد غافل دل ہے اور بے کار کنویں سے مراد ایسا ذہن ہے جس میں پاک وصاف خیالات نہ نکلیں یا ظاہر ہوں اور مضبوط محل سے مراد مضبوط جسم تھے۔ جو نیک کام نہ کر سکے۔ اللہ تعالی ہمیں ایسی صفات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ اندھی آنکھ سے مراد، ایسے دل و دماغ، جو انوار الہی سے محروم ہیں، کیونکہ دل و دماغ کی آنکھ سے ہی حقائق کائنات اور اسرار ملکوت کو پہچانا جاتا ہے۔ اسلیے حدیث مبارک ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کیونکہ اللہ کے نور سے وہ دیکھتا ہے۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَآ أَنَا۠ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

کہہ دیجیے: (اے نبی) اے لوگو: میں تو بس تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے مغفرت و عزت کا رزق ہے۔

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِيٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ الْجَحِيمِ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کی، وہی دوزخ والے ہیں۔

پچھلی اقوام سے سبق حاصل کرنے اور گمراہوں کے عذاب کے بارے تفصیل بتائی گئی جو قوم نوح، عاد، ثمود، ابراہیم، لوط، اصحاب الرس اور فرعون، کے انجام کے بارے تھی۔ آپ نے قریش / کفار مکہ کو پیغام دیا، کہ آپ (نبی) اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو، اس (اللہ) کے عذاب سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ جو لوگ، اللہ کے احکام مانتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں، اللہ تعالی ان کو دنیا میں بھی کامیابی اور آخرت میں بھی بلند درجے (جنت الفردوس) عطا فرماتا ہے۔ مغفرت سے مراد صوفیاء نے غیر اللہ سے مکمل طور پر لاتعلق ہو جانا ہے۔ جس طرح حدیث قدسی ہے کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم الی غیری "میرے اولیاء، میرے نیچے ہیں ان کو اور کوئی نہیں جانتا" اور رزق کریم سے مراد، رزق قلوب، حلاوت (مٹھاس)، عرفان، مشاہدہ جمال الہی، اور مکاشفہ، جلال خداوندی ہے۔ اور جو لوگ شیطان کے راستہ (گمراہی) پر چلتے ہیں اور اپنے اعمال سے اہل ایمان اور حق، سلامتی اور نیک اعمال کرنے والوں کے خلاف سرگرم رہتے ہیں، وہ کامیاب نہیں ہوتے اور وہی دوزخ میں جائیں گے۔ جہاں ہمیشہ کے لیے سزا بھگتیں گے۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنَّىٰٓ أَلْقَى الشَّيْطَٰنُ فِيٓ أُمْنِيَّتِهِۦ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ ءَايَٰتِهِۦ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول اور نبی بھیجا۔ جب وہ تلاوت کرتا، تو شیطان اسکی تلاوت میں (لوگوں پر اپنی طرف سے کچھ) ڈال دیتا۔ پھر اللہ اسے زائل کر دیتا ہے جو شیطان نے (وسوسہ) ڈالا ہوتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیات کو محکم (پکا) کر دیتا ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ

تا کہ جو (وسوسہ) شیطان نے ڈالا ہے اللہ (اس کو) ان لوگوں کے لیے آزمائش (فتنہ) بنادے، جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سخت ہیں، بے شک ظالم کو دور تک کی مخالفت میں پڑے ہیں۔

وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

تا کہ وہ لوگ جان لیں جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، چنانچہ وہ اس پر ایمان لائیں، پھر ان کے دل اس حق کے لیے جھک جائیں اور بے شک اللہ ایمان لانے والوں کا ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝

اور کافر، اس (قرآن) کے بارے ہمیشہ شک میں رہیں گے حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یا ان پر نہایت منحوس (تباہی والا) دن کا عذاب آجائے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝

اس دن بادشاہی (حکومت) اللہ ہی کی ہو گی۔ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ وہ نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

افکار اور سماعت کی الیوزن:۔

آیت نمبر 52 کا شان (موقع) نزول کے بارے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ جب رسول اللہ نے سورہ النجم پڑھی، تو آپ نے سجدہ کیا اور سب مسلمانوں اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا (صحیح بخاری)۔ مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے یہ آیت تلاوت کی (افرایتم اللات والعزیٰ۔ والمنواۃ الثالثۃ اللاخریٰ۔ النجم ۱۹۔ ۲۰)۔ مشرکین اس بات سے خوش ہوئے کہ ان کے بتوں کا ذکر قرآن مجید میں آگیا، تو انہوں نے سجدہ کیا۔ اس سلسلہ میں مسند بزار اور ابن مردویہ میں ایک شدید ضعیف روایت کی گئی ہے جس میں چند الفاظ کا اضافہ ہے۔ وہ ہیں: تلک الغرانیق العلیٰ کان شفاعتھن ترتجیٰ۔ جب حضور کو اسکا علم ہوا، تو آپ کو رنج پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حدیث (بزار) میں حضرت ابن عباس کا نام شامل ہے۔ جبکہ روایت وورایت کے اعتبار سے اس میں بہت سقم اور اعتراض ہے۔ یہ روایت منقطع اور مرسل ہے۔ اس لیئے تمام مفسرین اور محدثین نے

اس کو رد کیا ہے۔ کیونکہ یہ روایت اور ورایت دونوں اعتبار سے ساقط ہے۔ (ابن کثیر / روح المعانی)۔ جس طرح آیت مبارکہ بیان کی گئی ہے، اس میں ایک نفسیاتی وہم کی وضاحت ہے۔ علم نفسیات سے بھی، انسان کے توہمات اور الیوژن کے بارے میں معلوم ہوا ہے، کہ انسان کے دماغ میں جو خیالات و اثرات موجود ہوتے ہیں، انسان کا کسی چیز کا تصور اس کے مطابق ہوتا ہے اور وہ اس کے مطابق اس کو فوری طور پر قبول کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو خیالات و واقعات ہمارے دماغ میں ہوتے ہیں، ان کے مطابق کسی خارجی آواز یا عمل کو ان سے جوڑ دیا جاتا ہے، اور بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہماری غلطی یا وہم تھا۔ (پری کنسیوڈ Preconceived.)۔ یہی معاملہ مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا۔ وہ اپنے بتوں کا تصور ہر وقت اپنے ذہن میں رکھتے تھے۔ شیطان کو چونکہ انسان کے جسم اور بالخصوص انسان، کے ذہن تک رسائی ہے، لہذا وہ اس کو ذہن میں ڈالتا ہے۔ اس لئے اس سے ملتے جلتے الفاظ کو انہوں نے اپنے بتوں کی تعریف سمجھا اور سجدہ کر دیا، اور اس کی توضیح یہ کی کہ یہ الفاظ پڑھے گئے ہیں، جو کہ ان کے ذہنی توہم اور خیالات کا نتیجہ تھا۔ جب ان سے ان کے سجدے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے ان الفاظ کا ذکر کیا، جو کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان مبارک سے نہیں تھے، مگر ان کے توہم کی وجہ سے ان کے کانوں میں سنائی دیے۔ اور ان کو حضور کے سجدے کے ساتھ شامل کر دیا۔ اسطرح انہوں نے مشہور کر دیا کہ ہمارے بتوں کا ذکر اور قبولیت آئی ہے۔ ذکر تو بتوں کا کئی مرتبہ آیا ہے۔ لیکن قبولیت، تو ان کے ذہن میں توہم یا الیوژن کا اختراع تھا، جو انہوں نے اسکو کہہ دیا۔ چونکہ اکثریت ان کی تھی۔ اسلیے یہ بات چل نکلی۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو یہ حقیقت واضح کرنے کے لیے آیت مبارک میں یہ ذکر کیا کہ شیطان کیسے اعمال کرتا ہے، اور اللہ تعالی شیطان کے توہم اور وسوسے کو زائل کر دیتے ہیں، جس طرح اس وسوسہ اور پروپیگنڈہ کو زائل کر دیا۔ شیطان چونکہ انسان کا دشمن ہے۔ اس کا اصل مقصد انسان کو اللہ تعالی کے احکام اور اس پر ایمان کامل سے محروم کرنا ہے۔ اس لیئے اس کا یہ عمل اور حربہ، تمام انبیاء سابقہ کے ساتھ بھی رہا ہے۔ جہاں اس نے ان کے کلام کو سمجھنے میں توہمات کو استعمال کر کے، لوگوں کو گمراہ کیا۔ انسان کے اندر ضد اور تکبر کے وجود کی وجہ سے شیطان ان توہمات کو یقین تک لے جا کر، ایک مخالفت کی کیفیت و حالت پیدا کر دیتا ہے۔ جو کہ شمنی کی حد تک پہنچ جاتی ہے، جہاں مخالف، انسانی وجود کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ جس طرح سابقہ انبیاء کے ساتھ ہوا۔ اور خود نبی کریم کے ساتھ مشرکین مکہ نے کیا۔

ادھر اللہ تعالی، اہل حق کو حق کی معرفت سے آگائی اور یقین نصیب فرماتا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام نے قرآن مجید پر یقین کیا اور کفار کی بات کی پرواہ نہیں کی۔ وہ اللہ کی طرف جھکے رہے۔ تابعداری میں ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔ کفار اپنی ضد پر شیطان کی پیروی میں اڑے رہے اور اڑے رہیں گے۔ قیامت اور موت کے بعد، دوبارہ زندگی سے انکار کرتے رہیں گے۔ جسطرح آج بھی خدا پر یقین نہ کرنے والے نہیں مانتے اور پھر وہ وقت آجائے گا، جب قیامت آجائے گی۔ وہ دن بہت سخت ہو گا اور عذاب سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔ اللہ کی ذات فیصلہ کرے گی۔ اہل ایمان اور اعمال صالحہ کرنے والے اپنے اعمال کے بدلے جنت الفردوس میں

مقام و مکان پائیں گے اور نافرمانی کرنے والے جہنم کی آگ میں جلیں گیں۔ اللہ تعالی ہمیں عذاب سے محفوظ فرمائیں اور اپنے انعام سے نوازیں۔ آمین

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ قتل کیے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھا رزق دے گا۔ اور بلاشبہ اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ

وہ انہیں اس مقام میں ضرور داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بے شک اللہ بڑا جاننے والا خوب بردبار ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ

بات یہی ہے اور جو شخص بدلہ لے، ویسا بدلہ لے (مثل)، جیسا اس کے ساتھ کیا گیا ہے۔ پھر اگر اس پر زیادتی کی گئی ہو، تو اللہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت درگذر کرنے والا ہے۔

ان مسلمانوں کا ذکر ہے، جو مکہ کے ظلم و ستم سے نکل کر ہجرت کر گئے یا اس دوران وفات پا گئے۔ اللہ تعالی انہیں ان کے اخلاص اور عمل کے بدلے جنت الفردوس میں اعلی مقام عنایت کرے گا۔ ہجرت کرنے والے اور جہاد میں شہید ہونے اور غازی بننے والوں کے مرتبے کا ذکر ہے۔ ان کے اخلاص جدوجہد کی وجہ سے ان کو اعلی مقام عنایت ہو گا۔

مظلوموں کو بدلہ کا بھی حق ہے۔ عدل اسلام کا سب سے اہم اصول ہے۔ بدلہ لینے کے لیے معیار ہے کہ اسی قدر بدلہ لیا جائے۔ جتنی زیادتی یا ظلم ہوا ہے۔ بدلہ لیتے وقت بھی انصاف کیا جائے۔ اگر مظلوم پر بدلہ لینے کی وجہ سے زیادتی کی گئی، تو اللہ تعالی اسکی مدد کریں گے۔ اللہ تعالی کی صفات میں معاف اور درگذر کرنے والا بیان کرنے کا مقصد، انسانی کردار میں اسکو نافذ کرنا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی معاف کرنے والے کا بڑا مرتبہ بیان فرمایا گیا ہے۔ بدلہ لینا مظلوم کا حق ہے۔ اور معاف کرنا اسکا احسان ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ نہ طبعا بے ہودہ باتیں کرتے، نہ ہی تکلفا کرتے۔ اور نہ بازار میں چلاتے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے اور درگذر کرتے تھے۔ (ترمذی، مسند احمد / بیہیقی)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے، اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ خوب سننے والا اور بہت دیکھنے والا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور بلاشبہ جسے وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔ بلاشبہ اللہ ہی بلند تر بہت بڑا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ

کیا آپ نے نہیں دیکھا اللہ نے آسمان سے بنجر (زمین پر) پانی نازل کیا۔ پھر اس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ لطیف اور خبیر ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

اسی (اللہ) کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ ہی غنی اور حمید ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے تمہارے تابع کر دیا جو کچھ زمین میں ہے۔ اور کشتیاں جو اسکے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں اور وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے حکم کے بغیر وہ، زمین پر نہ گرے۔ بے شک اللہ بہت زیادہ شفقت کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمہیں مارے گا، پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

آیت نمبر 61 سے لے کر 66 تک اللہ تعالی نے اپنے وجود اور زندگی بعد از موت، کے سائنسی دلائل دیے ہیں جو غور طلب ہیں۔ ان کا ذکر پہلے کئی مرتبہ آچکا ہے اور ان کی تفصیل بھی پچھلی سورتوں البقرہ، اعراف، ھود، النحل میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ تکرار کا مقصد یاددہانی اور ایمان میں اضافہ ہے۔ جو ابھی ایمان میں نامکمل ہیں ان کو مزید ترقی اور مضبوطی ہو۔

۱۔ ہمارے نظام شمسی میں دن۔ زمین کی سورج کے گرد گردش۔ زمین اور سورج کا فاصلہ، زمین کا مدار، زمین کی اپنے محور (ایکسز) پر گھومنا۔ چاند کی زمین کے گرد گردش، جس سے رات اور دن پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام اجرام فلکی میں ایک دوسرے کی کشش، فاصلوں کا تعین، مدار کا تعین، رفتار کا تعین، سب ایک عظیم خالق کی دلیل ہیں۔ اس ہستی کو جو نام بھی کوئی دے، لیکن اسکی طاقت اور ذات سے انکار نہیں۔ اس کو چھوڑ کر جس کو معبود بنایا گیا ہے۔ سراسر باطل ہے۔

۲۔ زمین کی حالت، صحرا، ریت اور بنجر زمین، جہاں پتھریلی تھی، وہاں بھی بارش سے مختلف نباتات نکل آئے۔ ان کے بیج وہاں بھیجنا۔ بارش کے پانی کے اندر پیداواری قوت، ہواوں کے ذریعہ بیج کا پہنچنا، پھر ان پودوں کی زندگی کا دورانیہ، سب ایک خالق کی دلیل ہیں۔ جو نہایت باریک بین اور ہر چیز کا خیال و علم رکھتا ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔

۳۔ غور کریں، ہماری زمین کی سطح۔ پہاڑ، صحرا، میدان، دریا، پتھریلی، سب کے اپنے اپنے خواص ہیں۔ پھر زمین کے اندر معدنیات کوئلہ، لوہا، تیل، گیس، جپسم، یورینیم، سینکڑوں دھاتیں ہیں۔ پانی کے ذخائر ہیں اور ہر چیز انسان کے لیے مفید ہے۔ جنگلات، حیوانات، سب انسان کے تابع ہیں۔ آسمان پر ستارے، سورج کی گرمی، ستاروں کی گرمی و حرارت کائنات کا حصہ ہے جو انسان کو اپنے خالق پر راہنمائی کر رہی ہے۔

۴۔ سمندر کا وجود۔ دریاوں کا وجود، پانی کی اچھال، ہوا کا دباو، کشتیوں اور جہازوں کا سمندر میں سفر اور ان کے ذریعے تجارت، سمندر سے مچھلی اور دوسری مخلوق، سمندر میں آکسیجن کی پیداوار، ابھی انسان معلومات حاصل کر رہا ہے۔ نظام کائنات میں ستاروں سے آنے والی مختلف شعاعیں ہیں لیکن زمین ان سے محفوظ ہے۔ یہ سب کائنات اپنے خالق کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

۵ انسان کا وجود، کسے معلوم کہاں؟ کس کے گھر، کس طرح اور کیسا دنیا میں کردار ادا کرنا ہے۔ کوئی مجرم ہے تو کوئی راہنما، یہ سارے امور، اس ذات علیم وخبیر کے علم میں ہیں۔ انسان کو وجود محض پانی (انسانی نطفہ) بے جان، سے مادر رحم میں قرار لے کر بڑھا۔ نینو سائز کا جرثومہ ایک فٹ کا انسان بنکر نکلا، پھر زمین پر آنے کے بعد ہوش و حواس بڑھے اور ایک فٹ سے آٹھ فٹ تک چلا گیا۔ پھر سب کچھ بھول گیا۔ زندگی بوجھ بن گئی، اتنا بڑا ڈھانچہ (جسم) موت کے، ہاتھوں ختم ہو گیا۔ ایک بے جان نطفہ سے انسان بن سکتا ہے، جس میں کئی نظام بتدریج ترقی کرتے ہیں۔ حواس خمسہ مکمل ہوتے ہیں۔ بیماری کا لگنا اور اسکا خود بخود دفاع پیدا ہوتا ہے۔ انسانی ڈھانچہ دوبارہ اجزاء اکٹھے ہو کر کیوں انسان نہیں بن سکتا۔ جو طاقت وقوت، یہ ساری کائنات اور اوپر دیے ہوئے نظاموں کو کنڑول کر رہی ہے، اسکے لیے دوبارہ انسان کو زمین پر زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لہذا یہ عقیدہ آخرت، حساب و کتاب بہت اہم ہے۔ انسان، اللہ کے تمام انعامات جو زمین پر اسے حاصل ہیں ان کا پورا شکر ادا نہیں کرتا۔ اس لیے ناشکری مخلوق ہے، سوائے ان افراد کے جو اللہ کے شکر گزار اور تابع دار ہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝

ہر امت کے لیے ہم نے ایک راہ بندگی مقرر کیا ہے وہ اس پر عمل پیرا ہیں لہذا وہ اس کام (عمل) میں آپ سے ہرگز جھگڑا نہ کریں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔ یقینا آپ سیدھے راستہ پر ہیں۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہہ دیجیے جو تم عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اللہ ہی یوم قیامت تمہارے مابین ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

قریش ایک طرف اپنے کو حضرت ابراہیم کے پیروکار کہتے ادھر بتوں کی عبادت کرتے۔ یہود، حضرت موسی اور عیسائی، حضرت عیسی کی۔ اسلام سب کا مذہب تھا، جس میں توحید (نماز) اور زکوتہ (فلاح و بہبود غرباء اور کمزور افراد) سب میں تھی۔ ہر رسول ایک نئے انداز سے شریعت لائے، جس میں عبادات اور معاملات کی ادائیگی کے انداز میں اختلاف تھا اور اس وقت کے انسانوں کی مصلحت کے مطابق تھا۔ اسی لیے ہر نئے رسول کی شریعت سے پہلی شریعت منسوخ ہو گئی اور نئے رسول کی اتباع

ضروری تھی، جس طرح حضرت نوح، ابراہیم، یوسف، موسی اور عیسی علیہم السلام کی تھیں۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی شریعت نے ان سے قبل کو منسوخ کر دیا اور اسکی اتباع سب پر لازم ہے۔

انسان، اپنی ضد، تکبر، شیطان کے گمراہ کرنے اور عدم علم (جہالت) کی وجہ سے سابقہ عمل پر اصرار کرتا ہے۔ جسے وہ اپنے بزرگوں (اجداد) کی پیروی کہتا ہے۔ اس بناء پر اسلام کی مخالفت کی گئی۔ اللہ تعالی نے تبلیغ کے لیے کوشش کا حکم دیا اور جھگڑا کی صورت میں فساد کے بجائے اصلاح وسلامتی کو ترجیح دی۔ اگر گمراہ، عقلی دلائل کے باوجود نہیں مانتے، تو بتادیں کہ قیامت کے دن حق وسچ کا فیصلہ ہو گا۔ اس دن کوئی بھی بحث وانکار نہیں کر سکے گا۔ انفرادی طور پر تشدد حرام ہے۔ حکومت وقت غیر اسلامی کاموں کو روک سکتی ہے۔ جس سے امن بھی قائم رہتا ہے اور اصلاح بھی ہوتی ہے۔ اگر ہر فرد اپنا فیصلہ کر کے لڑائی شروع کر دے اور اسے جہاد کہے، تو یہ فساد ہے۔ انفرادی طور پر زبانی اور رویہ یا معاملات سے علیحدگی کے ذریعے اظہار نفرت کرنے کا حکم ہے۔ تا کہ دوسرے انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔ اور یہی جہاد (کوشش) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام کی تنفیذ ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝

کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ (سب کچھ) کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ بے شک یہ سب اللہ پر احسان ہے۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۝

اور وہ (مشرکین) اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ انہیں کچھ علم نہیں۔ اور (ان) ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ۝

اور جب ہماری ان پر کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری پہچانتے ہیں۔ لگتا ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے۔ جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا پھر میں تمہیں اس کے زیادہ بدتر کی خبر دوں؟ وہ آگ ہے۔ جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

قیامت کے دن آخری فیصلہ اللہ تعالی کا ہو گا۔ اس سے قبل اس کی عظمت اور قوت کا اظہار، مظاہر کائنات، زمین و آسمان اور زندگی کے مراحل کی صورت میں عقلی اور علمی انداز سے بتائے گئے۔ آیت مبارکہ اس سارے نظام کے بارے میں معلومات اور مواد کی اطلاع دے رہی ہے، کہ کائنات میں جو چیز بھی ہے، اس کی ساری تفصیل لوح محفوظ (ڈیٹا سٹور یج)، جو اللہ تعالی نے کائنات کے لیے پیدا فرمایا، رکھی ہوئی ہے۔ موجودہ سائنسی تحقیقات میں ڈیٹا سٹور یج میں ترقی نے ہمارے اس غائبانہ ایمان کو ایک

علمی ثبوت بھی فراہم کر دیا ہے۔ انسان کے اعمال، اجرام فلکی، زمینی اجسام وحیوانات سب کی معلومات ابتداء اور انتہا تک درج ہیں۔ اس وجہ سے یہ نظام، نہایت عمدہ انداز میں ہزاروں لاکھوں سالوں سے کام کر رہا ہے۔

حدیث مبارکہ کے مطابق اللہ تعالی نے زمین و آسمان (کائنات) کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔ مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں۔ (مسلم شریف)۔ ایک اور حدیث کے مطابق اللہ تعالی نے سب سے پہلے قلم پیدا کی، اس کو کہا کہ لکھ، اس نے کہا: کہ کیا لکھوں؟ اللہ تعالی نے فرمایا کہ جو کچھ ہونے والا ہے، سب لکھ دے۔ چنانچہ اس نے اللہ کے حکم سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا۔ سب لکھ دیا۔ (سنن ابی داود / ترمذی)۔ قلم سے مراد علماء نے عقل کی ہے۔ اور یہ عقل جس کو ریکارڈ اور علم دونوں کی قوت میسر تھی۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: یہ تمام نظام کائنات اور اس کے انتظام وانجام تک معلومات، سب اللہ تعالی کی ذات کے لیے ایک معمولی حیثیت ہے۔ (آسان ہے)۔

ان تمام علمی و عقلی معلومات دلائل کے باوجود، جو لوگ اللہ کی ذات کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ بت ہوں یا ستارے و سورج یا کوئی معجزاتی عمل کے انسان (جیسے عیسائی / یہودی حضرت عیسی، عزیر کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں) کے مجسمے ہیں، یہ ساری عبادت غلط ہے۔ ادھر کافر، و مشرکین کی اسلام اور قرآن مجید سے اس قدر دشمنی ہے کہ وہ تلاوت کو سننے اور اس سے متاثر ہونے کے بجائے ضد اور مخالفت میں جھگڑے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ قرآن کی آیات سے نفرت کے مقابل، ان کی جہنم کی سزا زیادہ سخت اور خوفناک ہو گی۔ ان کو اس کی فکر کرنی چاہیے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ۝

اے لوگو: ایک مثال بیان کی جاتی ہے تم اسے غور سے سنو۔ بے شک جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سارے اس کے لیے جمع ہو جائیں، اور اگر ان سے مکھی کچھ چھین لے۔ تو وہ اسے ہر گز اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب (عابد اور معبود) کمزور ہیں۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝

انہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جس طرح اسکی قدر کرنے کا حق ہے۔ بے شک اللہ بہت قوت والا ہے۔ نہایت غالب ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ۝

اللہ فرشتوں میں سے ہے کچھ پیغام رساں چن لیتا ہے اور لوگوں میں سے بھی۔ بے شک اللہ سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝

وہ جانتا ہے جو کچھ اس کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے۔

اللہ کی عظمت و قوت کے دلائل کے بعد، ان اشیاء کی صفات کا بیان ہے، جن کو لوگ اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ اللہ کی قوت جو کہ تمام کائنات پر قبضہ، کنٹرول، انتظام، انسان کی پیدائش، موت، زمین اور آسمان، سورج، چاند، ستاروں، کا نظام ہے۔ اسکے مقابل انسان اگر بتوں کی پرستش کرے یا کسی انسان کی پرستش کرے یا اجرام فلکی (سورج، ستارے) یہ بت / مجسمے سوائے ایک بے جان کے کچھ نہیں۔ (جس طرح حضرت عیسی اور حضرت عزیرؑ کے مجسمے بناتے ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے یا ان پر بیٹھ جائے تو ہٹا سکتے۔ اگر اڑ رہی ہو تو پکڑ نہیں سکتے ہیں۔ لیکن انسان اپنی لاعلمی، جاہلانہ پیروی کی وجہ سے یہ کام کر رہا ہے۔ جو قابل افسوس ہے۔

مکھی کی مثال:، مکھی کی خاصیت ہے کہ وہ جس چیز کو پکڑتی ہے اسے نظام ہضم کا حصہ بنا دیتی ہے اور اسے اس کے اعضاء سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جدید تحقیق ہے۔ یہ مثال قابل غور ہے۔ مکھی انتہائی حقیر جاندار ہے اور وافر مقدار میں کوڑے کرکٹ پر پلتی ہے اور اس کے جراثیم کو انسانی خوراک پر منتقل کر کے بیماری کا سبب بنتی ہے۔ اس وجہ سے انسان، مکھی کو تباہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مکمل ختم نہیں کر سکے۔ انسان آج تک اس حقیر چیز کو پیدا نہیں کر سکا۔ مکھی جو کھانا، انسانی خوراک یا کسی گندگی سے اٹھاتی ہے، اسے انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود نہیں لے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکھی کھانا ٹھوس حالت میں نہیں کھاتی بلکہ اپنی ٹیوب نما چونچ سے اس پر تھوکتی ہے، جس سے وہ ٹھوس سے مائع بن جاتا ہے اور مائع اس کے اندر چلا جاتا اور نظام ہضم کا حصہ بن جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے منہ سے نکالا نہیں جا سکتا۔ قران مجید نے یہ حقیقت آج سے کئی سو سال پہلے مختصر طور پر بتا دی ہے۔

ان حالات میں، اللہ کی عظمت و شان کے مقابلے میں انکی عبادت دراصل اللہ کی عظمت اور شان سے منکر ہونا ہے۔
عرب حضرت ابراہیم کی وجہ سے، اللہ کے نام سے واقف تھے۔ لیکن عبادت میں بتوں کے نام لیتے تھے۔ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو پیغام رسانی کے لیے رسولوں اور انبیاء کو منتخب کیا۔ اور پھر رسولوں سے ہم کلامی یا پیغام رسانی کے لیے چند فرشتوں کو منتخب فرمایا۔ فرشتوں میں مرتبہ کے لحاظ سے مختلف درجات و مقام ہیں۔ کائنات کے انتظام و انصرام میں فرشتے ہر وقت خدمت گار ہیں جو انرجی کی صورت میں ہیں۔ اللہ تعالی کی ذات ہر چیز کو جاننے والی ہے۔ اور قیامت کو سارے معاملات کے فیصلے اللہ تعالی عدل سے فرمائیں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱرْكَعُواْ وَٱسْجُدُواْ وَٱعْبُدُواْ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُواْ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩

اے ایمان والو: رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور بھلائی کے کام کرو۔ تاکہ تم فلاح (کامیاب) ہو جاؤ۔

وَجَٰهِدُواْ فِي ٱللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِۦ ۚ هُوَ ٱجْتَبَىٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ ۚ
هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُواْ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ
فَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱعْتَصِمُواْ بِٱللَّهِ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ ۖ فَنِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ ٱلنَّصِيرُ ۝

اور تم اللہ کی راہ میں (اس طرح جہاد) کوشش کرو کہ جیسا کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے دین کے لیے) چن لیا ہے اور اس نے دین میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی۔ اپنے باپ ابراہیم کے دین کی (اتباع کرو), اسی اللہ نے پہلے بھی، تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا نام یہی ہے) تاکہ رسول تم پر شہادت (گواہی) دینے والا اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے ہو، لہٰذا تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامو۔ وہی تمہاری کارساز ہے۔ اور (وہ) اچھا کارساز اور اچھا مددگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قوت اور اسکی عبادت کے احکام کا ذکر ہے۔ کہ اے ایمان والو: اسکی عبادت میں رکوع اور سجود کرو۔ کچھ آئمہ کرام (امام شافعی / احمد بن حنبل) کے نزدیک یہ مقام سجدہ ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک چونکہ رکوع کا ذکر ہے۔ اس لیے اس سے مراد نماز ہے۔

اہل ایمان کے فرائض:۔

یہ اختتامی آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔ اور ایک مومن کے لیے مکمل چارٹر ہے۔ جس کے درجہ ذیل نکات اہم ہیں۔

ا۔ رکوع و سجود اور عبادت کا حکم ہے۔ رکوع و سجود سے مراد نماز ہے۔ اور نماز میں سجدہ اعلیٰ مقام ہے۔ اور حقوق اللہ میں نماز بہت اہم ہے۔ لیکن اسکے ساتھ عبادت کا حکم ہے۔ عبادت نیکی کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ نماز بھی عبادت کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ نیکی کے کام عموماً دو حصوں میں ہیں۔ ایک خالق کی تعظیم کرنا بھی عبادت ہے۔ دوسرا مخلوق پر شفقت کرنا، مکارم اخلاق، فقراء پر صدقہ، لوگوں سے حسن اخلاق بھی، داخل عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ مزید تحقیق کرتے ہوئے امور خیر کا علیحدہ حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلائی کے کام کس قدر اسلامی حکومت اور اسلامی معاشرہ (مسلمانوں کا معاشرہ) میں اہم ہیں۔ اور ان کا ذکر دو مرتبہ کیا ہے۔ عبادت، اللہ اور امور خیر کے الفاظ کے ذریعے اس کا ذکر دو مرتبہ کیا ہے، لیکن یہ بدقسمتی سے مسلم معاشرے صرف نماز کا اہتمام تو کر رہے ہیں، کیونکہ جب سے مسجدوں کی امامت ایک روزگار کا سبب بن گیا ہے، اس وقت سے نماز کی اہمیت کو ہی صرف بیان کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے فرائض کو کم بیان کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر اسلامی ممالک کے معاشرے اخلاقی برائیوں، امانت، دیانت اور انصاف میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ جرائم میں آگے بڑھ گئے ہیں۔ بھلائی کے کاموں کے ساتھ پوری دل لگی کے ساتھ کوشش کا حکم ہے۔ جہاد سے مراد، جدوجہد اور کوشش ہے جو کہ حقوق العباد کو پورا کرنے کی جدوجہد ہے۔ علماء نے اس کی تشریح نفس کی خواہشات کے خلاف انسانی جدوجہد بیان کی ہے (حضرت عبد اللہ بن مبارک)۔ ایک حدیث بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت جو کفار مکہ کے مقابلہ کے لیے گئی تھی واپس آئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا "کہ تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو اور جہاد اکبر اپنے نفس کی بے جا خواہشات کا مقابلہ ہے۔ (سنن بیہقی / کنز العمال)۔ حدیث کی سند میں ضعف ہے لیکن فرائض و حرام کی نہیں، اسلیے صحیح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے اس سے خواہشات کے خلاف کوشش مراد لی ہے۔ کچھ علماء (ضحاک) نے

اسلامی قوانین کی تنفیذ مراد لی ہے،(روح المعانی)۔کیونکہ جنگ کی اجازت مدینہ شریف میں ملی تھی۔ یہ سورت مکی ہے۔ جہاد اگر قتال یا جنگ ہو، تو وہ بھی اس وقت تک رضا کارانہ نہیں ہو سکتا، جب تک اندر سے جذبہ پیدا ہو کر خواہش زندگی کو ختم نہ کر دے۔ اور کفار سے جہاد یا قتال کا مقصد، صرف کسی گروہ کو شکست دینا یا زمین پر قبضہ کرنا نہیں، بلکہ خود بھی اللہ کے احکام پر عمل کرنا اور دوسروں کو بھی اسکے سمجھنے اور عمل کرنے کا موقع میسر کرنا ہے۔ جہاد اکبر کی جدوجہد کا ہدف آدمی کا اپنا نفس امارہ ہے، جو ہر وقت شیطان کے ساتھ اور اللہ تعالی کے احکام کی بغاوت پر زور لگاتا ہے۔ اطاعت کی راہ سے ہٹاتا ہے۔ جب تک اسکو مسخر نہ کر لیا جائے تو باہر کا مجاہدہ کافی نہیں۔ جب اس میں کنٹرول حاصل ہو جائے تو فلاح اور کامیابی ہے۔ اس دنیا میں بھی ایک مثالی معاشرہ قائم ہو جاتا ہے۔ جس طرح اسلام کے ابتدائی چند سو سالوں میں تھا اور آخرت میں بھی کامیابی ہے۔

مومنین کا اعزاز، ان کا انسانیت کی فلاح و قیادت کے لیے انتخاب ہے۔ انسانیت کی خدمت کے لیے مسلمانوں کو منتخب کیا گیا۔ اور کئی آیات مبارکہ میں اس کا ذکر فرمایا۔ کبھی امت وسطیٰ اور کبھی خیر الامم کے الفاظ سے اہمیت دلائی۔ ایک اور اعزاز، جو امت کا ہے، وہ ان کی دوسری امتوں کے ان کے انبیاء کے دعوت و تبلیغ پر انکار کے خلاف شہادت ہو گی۔ قیامت کو جب امتوں سے ان کے ابنیاء کے احکام الہی کے پہنچانے کے بارے میں سوال ہو گا۔ تو لوگ انکار کریں گے۔ امت محمدی، ان کے خلاف اور انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے، کہ انہوں نے پہنچایا۔ جب ان سے سوال کیا جائے گا۔ کہ تم کس طرح گواہی دے رہے ہو۔ تمہارا وجود بھی نہیں تھا۔ مسلم امت کی طرف سے یہ جواب ہو گا، ہمارے نبی کے صدق میں کوئی شک نہیں ان سے ہم نے سنا ہے اور پھر ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ (بحوالہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ، الصحیح البخاری)۔ حضرت ابو ذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے۔ نیک اور بد۔ میں نے نیک اعمال میں یہ عمل پایا کہ راستہ سے کوئی تکلیف دہ چیز، ہٹا دی جائے، تو برے اعمال میں یہ پایا کہ مسجد میں ناک کی رنیٹھ، (لعاب) ڈال دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔ (یعنی ننگا / کھلا چھوڑ دیا جائے اور دفن نہ کیا جائے)۔ اس سے صفائی مراد ہے۔ ایک اور حدیث کے مطابق مسکرا کر بات کرنا، راستہ سے پتھر یا کانٹا اٹھانا، بھی صدقہ اور نیکی کا عمل ہے۔ یہ اس وقت کے مسلمان (صحابہ کرام) کی عظمت و فضیلت پر شاہد ہیں۔ حضرت عثمان کا قول مبارک ہے، کہ ثنا، قبل بلاء، یعنی وقوع خلافت راشدہ سے پہلے اس کی تعریف فرمائی گئی (روح المعانی)۔ اس کے بعد آنے والے مسلمانوں یا مومنین کے لیے بھی اس کا استعمال ہے۔ اس لیے صحابہ کرام کا احترام نہایت ضروری ہے۔

انسانیت کا مذہب:۔

اس مذہب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ، انسانی استطاعت کے مطابق ہے۔ پرانی امتوں کی شرطوں اور پابندیوں کی بجائے، انسانیت کی آسانی کے لیے، اللہ تعالی نے خصوصی کرم کر کے رعایت اور سہولیات دی ہیں۔ ہر مشکل مرحلہ پر انسان کو اس کی استطاعت کے لحاظ سے متبادل دیا ہے۔ نماز میں قضاء، وضو میں تیمم، سفر کے احکام میں رعایت، بیماری میں رعایت رکھی گئی، جان کی امان کے لیے اجازت دے دی گئی۔ زندگی کی حفاظت کو فرض قرار دیا گیا۔ عزیمت اپنا مقام ہے۔ مگر عوام الناس کے لیے

رخصت کو ترجیح دی گئی۔ قصاص کے ساتھ دیت رکھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے مختلف فقہا اور معلمین کو واضح ہدایت دی، کہ دین میں آسانی ہے۔ تنگی نہیں۔ لہذا رخصت سے فائدہ اٹھانا، اللہ کا شکر ادا کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ اللہ تعالی اپنی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنے کو اس طرح عمل پسند فرماتا ہے، جس طرح اپنی نافرمانی کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند احمد)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: کہ تمہارے لیے اللہ کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنا واجب ہے۔ جو اس نے تم کو دی ہیں۔ (صحیح مسلم)۔ قضاء، کفارہ، فدیہ، سب نرمی، اور آسانی کے لیے دیے گئے ہیں۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسان احکام بیان کرو۔ اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالو۔ پر سکون رکھو اور لوگوں کو متنفر نہ کرو۔ (بخاری / مسلم / نسائی)۔

عرب، حضرت ابراہیم علیہ اسلام سے خصوصی تعلق کا اظہار کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم، قریش، بھی حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ مشرق وسطی کی تمام اقوام ابراہیم کا احترام کرتی تھیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں یا یہودی، سب ان کا احترام کرتے ہیں۔ عربوں میں بھی بت پرستی کی بنیاد بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن لحی نے کی۔ جو کہ ہبل نامی ایک بت لے آیا۔ حضرت ابراہیم کی اولاد کے لیے بھی مسلم کا لفظ آیا ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی امت محمدیہ کے لیے مسلم کا لفظ آیا ہے۔ امت کا امتیاز، امور خیر کی وجہ سے ہے۔ دوبارہ پھر تاکید آئی کہ، نماز قائم کریں اور زکوتہ دیں۔ اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑیں یعنی اللہ کے احکام (احکام شریعہ) کو نافذ کریں اور اسی پر بھروسہ کریں وہی بہترین مالک اور مددگار ہے۔ احکام کے نفاذ میں احکام کی اصل روح کے مطابق، نافذ کرنا بہت ضروری ہے اور اس کا معیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم اور آپ کے صحابہ کرام نے مکمل طور پر واضح کر دیا ہے۔ اس کے مطابق اگر اعمال کیے جائیں گے تو معاشرہ برکت سے بھر جائے گا۔ احکام کی تقسیم بڑی واضح اور متعین ہے۔ جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے۔ انکی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ فرض ۲۔ واجب ۳۔ سنت مئوکدہ ۴۔ سنت غیر موکدہ ۵۔ مستحب اور جن احکام سے منع کیا گیا ہے ان کی ترتیب یوں ہے۔ ۱۔ حرام ۲۔ مکروہ تحریمی ۳۔ برائی ۴۔ خلاف اولیٰ / مکروہ تنزیہ ۵۔ مباح۔ ان کی تعین کے لیے فقہا نے قواعد و ضوابط بنائے ہیں۔ کچھ امور جو کہ اہم نہیں، ان میں فقہا کے اپنے ترجیحات کی بنا پر اختلاف ہے۔ یہ امور فرائض یا حرام سے نہیں بلکہ مستحب اور خلاف اولی کے ایریا میں ہوتے ہیں۔ بدقسمتی سے کچھ علماء اور مقررین، اپنی ذات اور مختلف ترجیحات کی بناء پر غیر ضروری امور کو انتہائی اہم امور کے درجہ تک لے جاتے ہیں۔ اور اس طرح تشدد کی طرف راستہ نکل جاتا ہے۔ جو اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ یہ ان ممالک میں زیادہ ہے جہاں عربی زبان کا علم کم ہے، کیونکہ عامتہ الناس کو معلومات کے لیے دوسرے ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

اللہ تعالی نے مسلم امت کو ان کے اسلام پر پورے عمل کرنے یعنی حقوق العباد اور حقوق اللہ کے معاشرہ میں نفاذ، انسانی سماجی عدل اور مخلوق کی فلاح کے اعمال پر اپنی مدد کی بشارت دی ہے۔ اور وہ ذات کریم سب سے زیادہ طاقت ور اور عظیم مددگار ہے۔

الحمد اللہ سورہ الحج آج مورخہ ۲۶ ربیع الاول کو مکمل ہوئی۔ اللہ تعالی کو شش کو شرف قبولیت بخش کر اسے عوام الناس کی ہدایت اور اسلام کو صحیح سمجھنے کا ذریعہ اور میری نجاعت کا بھی ذریعہ بنائے آمین۔

۲۳۔ سورہ المومنون

تعارف:۔

سورۃ المومنون کا نام اس کی پہلی آیت میں مومنین کے کردار اور اوصاف کے ذکر پر ہے۔ اس کی ایک سو اٹھارہ (118) آیات اور چھ رکوع ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے تئیسویں (23) سورت ہے۔ اور نزول کے اعتبار سے مکی ہے۔ یعنی مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ یہ سورت سورۃ الطور اور سورۃ تبارک الذی (الملک) سے پہلے نازل ہوئی۔ ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کو نمبر 76 (چھہتر) ہے۔

سورۃ المومنوں اور الحج کے مضامین میں کافی مناسبت ہے۔ سورۃ الحج کا اختتام، نماز پڑھنے، عبادت کرنے پر، اخرت کی فلاح کی خوشخبری دی گئی ہے۔ سورۃ المومنون کی ابتداء میں ہی مومنون کی خصوصیات اور کردار کا ذکر ہے۔ انبیاء کے واقعات کا دونوں میں ذکر ہے۔ انسانی تخلیق میں اللہ کے کمالات کا دونوں میں ذکر ہے۔

نزول کا عرصہ مکہ شریف کی زندگی کا درمیانی دور ہے۔ اس وقت حضرت عمر مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عمر نے اسکے وقت نزول کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ جب نبی ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے منہ سے شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ سنائی دیتی۔ ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی، ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے۔ پھر آپ سے وہ کیفیت دور ہو گئی۔ آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا کی کہ "اللہ ہمیں زیادہ دے، ہم سے کمی نہ کر، ہمیں عزت دے، ہمیں رسوائی نہ دے اور ہم کو عطا کر اور ہم کو محروم نہ کر، ہمیں ترجیح دے، ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے، اور ہم سے راضی ہو اور ہم کو راضی کر دے۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ جس نے ان دس آیتوں کے احکام پر عمل کیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر آپ نے سورت المومنوں کی ابتدائی دس آیتیں پڑھیں۔ (ترمذی / نسائی / مسند احمد، سنن الکبری)۔ کلام کے آغاز میں دنیا و آخرت میں کامیابی پانے والوں کے اوصاف کا ذکر ہے۔ انسان کی پیدائش کے علمی دلائل بڑے سادہ انداز میں بیان فرمائے، تاکہ اللہ تعالی کی قدرت کا احساس ہو سکے۔ موت کے بعد زندگی پر پورا یقین ہو جائے۔

قریش کے رویہ کا تجزیہ کرتے ہوئے، پرانے انبیاء کے واقعات ہیں، کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے پیغام سے انکار کیا۔ جس طرح آج قریش کر رہے ہیں۔

انبیاء کی تعلیم میں تسلسل اور یکسانیت یعنی توحید، آخرت حساب و کتاب، انسانی فلاح کا ذکر ہمیشہ رہا ہے۔ جسے نبی علیہ السلام آج بھی پیش کر رہے ہیں۔ دولت و طاقت، انسانی زندگی میں آسائش، ہی کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ اس اللہ کا کرم ہے۔ تکلیف و تنگ دستی کا مطلب، حق سے دوری، یا اللہ کی ناراضگی نہیں، بلکہ اصل اللہ کا محبوب ہونا یا مغضوب ہونا، انسان کے ایمان، راست بازی، نیک اعمال پر منحصر ہے۔

اس دوران مکہ میں سخت قحط بھی پڑا تھا۔ ان کو تنبیہ ہے اور یہ اللہ کی طرف سے عذاب ہے۔ اپنے افعال وخیالات کو بدلو۔ نبی ﷺ کی دعا سے قحط ختم ہوا تھا۔

کائنات کے آثار اور انسانی وجود کے احوال سے انسان کو توحید، آخرت، حساب وکتاب کی حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ عقل وغوروفکر کرکے صداقت کو مانو۔

نبی علیہ السلام اور ہر مبلغ کے لیے تاکید ہے کہ تبلیغ میں برے رویہ کا بدلہ، بھلائی اور اچھے طریقہ سے دیا جائے۔ اسلام مخالفین کو آخرت کی بازپرس اور حساب وکتاب کی سختی سے ڈرایا گیا ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ اور اعمال وخیالات کو بدلیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ‏

یقیناً مومن فلاح پاگئے۔

الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِهِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ‏

جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔

ایمان والوں سے مراد وہ مومن ہیں, جو ایمان میں کامل ہیں اور ان کی خصوصیات اگلی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔ فلاح سے مراد کامیابی اور خوشحالی ہے۔ یعنی اپنی مراد اور مطلوب کو حاصل کرلینا۔

کامیابی کا عمل، جس کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ وہ اہم ہے۔ انسانی خیالات میں کامیابی، اس کی اپنی خواہشات کے حصول پر اسے ملتی ہے۔ لیکن اس کی خواہش کیسی تھی۔ اس کا نتیجہ بعد میں پتہ چلتا ہے۔ اس لیے حقیقی کامیابی اور فلاح اس سے بڑھ کر ہے۔ جو اس دنیا اور آخرت میں کامیابی کا نام ہے۔ قریش (کفار) مکہ جس چیز کو کامیابی سمجھتے تھے, وہ صرف تجارتی چمک ودمک تھی, جو عارضی اور محدود ہوتی ہے۔ فلاح نہیں۔ دراصل مسلمان ہی اپنے مقصد میں فلاح وکامیاب ہیں۔ جو دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب ہوں گے۔

جو صفات کامیابی اور فلاح کے لیے بیان کی گئی ہیں۔ وہ اہم شرائط ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ افراد یا ان پر مشتمل معاشرہ کامیاب وکامران ہوتا ہے۔

ا۔ خشوع:۔

پہلی صفت اپنی نمازوں یعنی عبادت خداوندی میں خشوع وخضوع ہے۔ خشوع کا معنی جھک جانا، دب جانا، اظہار عجز وانکساری کسی کی ہیبت جلال سے مرعوب ہو جانا، یہ بدن، آواز اور نظر سب کو شامل ہے۔ بدن اور نظریں جھکانہ، آواز نیچی اور آہستہ کرنا، خضوع کا تعلق صرف بدن کے ساتھ عاجزی اور اطاعت کا اظہار ہے۔

جسم کا خشوع یہ ہے کہ جب کسی کی ہیبت و عظمت و جلال سے مرعوب ہو، تو سر جھکا دے، اعضاء ڈھیلے پڑ جاہیں۔ نگاہ نیچی ہو جائے۔ آواز دب جائے۔ ہیبت سے سہا ہوا ہو۔ جو آدمی کی بدنی صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔ نماز میں خشوع کی ظاہری صورت ہی مراد ہے۔ دراصل خشوع یا خضوع کسی دل سے پیدا ہونے والی کیفیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کہ ہیبت یا جلال کو دیکھ کر یا محسوس کر کے ہوتی ہے۔ نماز میں خشوع سے مراد یہی دل سے پیدا ہو کر بدن میں ظاہر ہونے والی کیفیت ہے۔ جو کہ بدن اور دل دونوں پر اثر کرتی ہے۔ اصل خشوع یہی ہے۔ جو دل سے پیدا ہو۔ بسا اوقات بدن میں عارضی طور پر بھی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔ جس کے لیے شریعت نے آداب اور انداز مقرر فرما دیے ہیں۔ جو بظاہر ایک معیار عمل بر قرار رکھتے ہیں، اور دل کی کیفیت کے لیے مددگار ہوتے ہیں۔ روایت (حدیث) میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے۔ اور ساتھ داڑھی کے بالوں سے کھیلتا جاتا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں ظاہر ہوتا۔ جسے علم نفسیات میں باڈی لینگوئج (Body Language) کہتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے کہا" تمہارے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے گم ہو گی۔ وہ خشوع اور آخر میں نماز ہے۔ (روح المعانی)۔ خشوع کے درجات ہیں، جو قلبی کیفیات سے منسلک ہوتے ہیں۔

آداب نماز:۔

نماز کے ظاہری آداب کے مطابق آدمی دوران نماز دائیں بائیں نہ مڑے، سر اٹھا کر اوپر کی طرف نہ دیکھے، شافعی اور حنفی فقہ میں نگاہ سجدہ گاہ سے باہر نہ جائے۔ مگر مالکیہ میں سامنے کی طرف رہے۔ دوران نماز ہلنا، مختلف اطراف میں جھپکنا ممنوع ہے۔ کپڑوں کو بار بار سمیٹنا، جھاڑنا، ان سے شغل کرنا، (مروڑنا)، اکڑ کر کھڑا ہونا، بہت بلند آواز یا گانے کے انداز سے قرات کرنا، زور زور سے جمائیاں لینا، ڈکاریں مارنا، نماز میں بے ادبی ہیں۔ جلدی جلدی، مارا ماری میں نماز پڑھنا بھی منع ہے۔ حکم یہ ہے کہ نماز کا ہر فعل پورے اطمینان سے ادا کیا جائے، جب تک ایک کام (فعل) مکمل نہ ہو، دوسرا شروع نہ کرے، (مثلاً قیام / رکوع / سجود / قعدہ)۔ نماز میں اگر کوئی اذیت پیدا ہو رہی ہے۔ تو اسے ایک دفعہ سے رفع کیا جا سکتا ہے۔ مگر بار بار ہاتھ استعمال کرنا یا دونوں ہاتھ استعمال کرنا ممنوع ہے۔ حکم ہے کہ نماز سے پہلے بھوک کی حالت یا رفع حاجت (پیشاب) وغیرہ کو دور کیا جائے۔ اور پھر تسلی سے نماز ادا کی جائے۔ یہ ظاہری آداب ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ حقیقی خشوع کے لیے نماز میں غیر متعلق باتیں سوچنے سے پرہیز کرے۔ بلا ارادہ خیالات آئیں تو انسانی کمزوری ہے۔ پوری کوشش کرنی چاہیے کہ نماز کے وقت انسان کا دل اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو۔ جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے، اسے سمجھے اور پھر اسے دل سے بھی عرض کرے۔ ان بے اختیار خیالوں کا جونہی احساس ہو، ان کو جھٹک دے۔ اور اللہ کی ذات کی طرف توجہ کرے۔ اس لیے نماز میں پڑھے جانے والے مواد کا ترجمہ بہت مفید رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے توجہ اور انہماک زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق جو حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: من لم تنتہ صلوتہ عن الفحشاء والمنکر، لم یزد من اللہ الا بعدا: (المعجم الکبیر) " جس شخص کی نماز اس کو بے حیائی اور برائی کے کاموں سے نہیں روکتی، وہ اللہ سے دور ہی ہوتا ہے۔ یعنی نماز پڑھنے کے باوجود اللہ کے قریب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکے دل میں اللہ کا خوف و ہیبت نہ

ہونے کی وجہ سے خشوع و خضوع نہیں ہوتا۔ ایک اور حدیث کے مطابق جو کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کو روزہ رکھنے میں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں حاصل ہوتا اور بہت سے رات کو نماز میں قیام کرنے والے، ایسے ہیں جن کو قیام سے، سوائے جاگنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ اس کی وجہ خشوع کی کمی ہے۔ اس لیے جو شخص بغیر خشوع کے، غفلت سے نماز پڑھتا ہے، اس کو نماز نیکی کا حکم نہیں دیتی، برائی سے نہیں روکتی، اس لیے بعض علماء نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کو واجب کہا ہے۔ کم از کم ظاہری آداب ضروری ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

اور جو بے ہودہ باتوں سے دور رہتے ہیں۔

۲۔ لغویات:۔

دوسری صفت لغو باتوں سے دور رہنا ہے۔ لغو سے مراد، ہر وہ کام یا بات جو فضول، لایعنی، بے فائدہ ہو۔ جن سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلے یا ان کی کوئی حقیقی ضرورت یا اچھا مقصد حاصل نہ ہو۔ یہ سب لغویات میں شامل ہیں۔ اس سے مراد ہے کہ مسلمان (مومن) ان کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ایسے کاموں میں جانے یا شامل ہونے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اگر واسطہ پڑ جائے تو کترا کر نکل جاتے ہیں۔ یہ مومن کی اہم صفت ہے۔ مومن کو ہر وقت اپنے وقت، اسکے استعمال اور اس کے فرائض کا احساس ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ زندگی کا وقت محدود ہے، جس میں اس کو موت پر کوئی اختیار نہیں اور نہ ہی اسے پتہ ہے کہ وہ کب آئے گی۔ لہذا ہر وقت وہ ان کاموں کو ترجیح دیتا ہے، جو اسے اس زندگی اور اخروی زندگی میں فائدہ دے سکیں۔ وہ پاکیزہ مزاج، نیک اطوار، خوش ذوق انسان ہوتا ہے۔ مفید کام اور امور اسے پسند ہیں۔ بے ہودگیوں اور فضول باتوں سے تعلق نہیں۔ وہ مزاح لطیف تک تو جاتا ہے مگر مسخرہ پن کو پسند یا برداشت نہیں کرتا۔ گالیاں، غیبت، جھوٹی باتیں، فحش گفتگو، اور گانے وناچ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ

اور جو زکٰوۃ ادا کرنے والے ہیں۔ (کے طریقے پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں)۔

۳۔ زکوٰۃ:۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی پاکیزگی ہے۔ ہر پسندیدہ اور مستحسن فعل کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ اصطلاحی معنی میں ایک مال کو پاکیزہ کرنے کے لیے کچھ حصہ نکالنا، دوسرا اس سے مراد خود تزکیہ (اچھے اعمال اور کام) کا عمل ہے، (قد افلح من تزکی۔ الاعلیٰ ۱۴)۔ جہاں یؤتون کا لفظ ہے، وہاں ادائیگی مال سے حصہ نکال کر دینا ہے۔ اور فاعلون فرما کر اسکے عمل کو وسیع کر دیا۔ جس میں تزکیہ نفس، تزکیہ اخلاق، تزکیہ زندگی اور تزکیہ اموال ہے۔ پھر یہ اعمال سارے معاشرے میں برکت و سلامتی پیدا کرتے ہیں۔ یہ مقصود دوسری آیات کے ذریعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ "قد فلحے من زکٰوہا و قد خاب من دسھا (قرآن مجید)" (سورۃ شمس)۔ (بامراد ہوا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا")۔ اس جگہ یہی مقصود آیت ہے۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ‏

اور وہ (لوگ / مومن) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ‌ ۚ‏

سوائیے، اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو ان کی ملک (قانونی طریقہ) میں ہوں۔ بے شک ان میں وہ قابل ملامت نہیں ہیں۔

۴۔ جنسی جرم:۔

شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ امور ہیں۔ الف۔ اپنے جسم کے قابل شرم اور مخصوص حصوں کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ یعنی عریانی سے پرہیز کرتے ہیں۔ ب۔ اپنی عصمت کو محفوظ رکھتے یعنی جنسی معاملات میں آزادی نہیں برتتے، نہ ہی قوت شہوانی میں بے لگام ہوتے ہیں۔ بعض لوگ بالخصوص رہبانیت کی پرچار کرنے والے اس غلط فہمی کو عام کرتے ہیں کہ قوت شہوانی ایک بری چیز ہے۔ اس کے تقاضے پورا کرنا، اللہ کے نیک بندوں کے لیے موزوں نہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے جائز اور اجازت شدہ کا اعلان کرنے سے انسانی ضرورت کا لحاظ رکھا گیا اور رہبانیت یا جوگی ازم کے بجائے معاشرتی زندگی کو ترجیح دی گئی۔ دو قسم کی عورتوں سے جنسی معاملات کی اجازت دی ہے۔ ا۔ عورتیں جن سے نکاح کیا جاتا ہے۔ جو عاقل و بالغ، مرد اور عورت بلا اکراہ (جبر) ایک دوسرے کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں عورت کے حق کا اظہار (مہر) کی بناء پر اقرار کرتے ہیں۔ جس میں مرد اور عورت کے حقوق واضح ہیں اس کے لیے بیوی / زوجہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

دوسری طرف ان عورتوں کی ہے جو جنگ میں شمولیت یا خاوند کے جنگ میں قتل ہونے کی وجہ سے غلام بن جاتی تھیں۔ جو بعد میں ختم ہو گیا۔ ان کو ریاست کی طرف سے مسلمان مردوں کے ذمہ کیا جاتا تھا۔ اس کو ان کی بود و باش (کھانا رہایش) کی ذمہ داری دی جاتی ہے۔ اور اسے اس عورت سے جنسی تعلق کی بھی اجازت تھی۔ تاکہ مرد اور عورت دونوں کی جنسی ضرورت پوری ہو سکے۔ اسلام سے پہلے جنگ میں دشمن مردوں کو قتل کر دیا جاتا اور عورتوں کو قید کر لیا جاتا۔ اسلام نے قیدیوں کو قتل سے منع کر دیا۔ قیدی عورتوں کی معاشی و معاشرتی بحالی کے لیے ان کو مجاہدین یا دوسرے افراد کے درمیان، حکومت یا ریاست تقسیم کر دیتی۔ یہ ایک طرح قانونی تعلق پیدا کیا جاتا اور وہ شخص اس کا ذمہ دار ہوتا۔ اس کے ساتھ اسے جنسی معاملات کی مشروط اجازت تھی۔ (اگر قیدی عورت کا خاوند بھی قید ہوتا، تو یہ اجازت نہیں تھی)۔ اسکی تفصیل سورت النساء میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس وقت کے حالات میں یہی بہتر سماجی اور معاشرتی حل تھا۔

غلام بنانا ممنوع ہے:۔

اسلام نے قانون کے ذریعہ یک لخت اس وقت میں موجود غلامی کے طریقہ کار کو ختم نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت کے معاشی اور سماجی حالات میں ممکن نہیں تھا۔ بلکہ اس کو تدریجی طریقہ سے ختم کیا گیا۔ غلاموں کو مکاتب (آزادی طلب کرنا) کا حق دیا۔ زکوۃ میں انہیں آزادی کے لیے رقم مہیا کی گئی۔ اولاد کی صورت میں غلام عورت، خود بخود بطور مالکن بن گئی یعنی ازاد ہو

گئی۔اس کی اولاد شرعی حقوق کے مطابق وارث ہوتی ہے۔ مختلف کفاروں(سزاوں) میں غلاموں کو آزاد کرنا ضروری قرار دیا۔اس کے علاوہ کسی غلام کو آزاد کرنا یا کرانا، اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد کرانا تھا۔ غلاموں کے ساتھ انسانی معیار کا سلوک رکھا گیا۔ اسلام نے ہمیشہ انسانی مساوات کا علم بلند کیا ہے۔اس لیے مسلمان ملکوں میں غلامی کئی سو سال قبل ختم ہو گئی اور کئی غلام پھر بادشاہ بن گئے۔اب جب تمام دنیا میں اسلام کے نظریہ مساوات انسان، کے مطابق، جنگی قیدیوں کو غلام بنانا ممنوع ہے، تو اسلام جو مکارم اخلاق کا سب سے بڑا دعوت دینے والا، عمل کرنے والا مذہب ہے۔اس میں آپ کسی بھی جنگی قیدی کو غلام یا لونڈی بنانا جائز نہیں۔

قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال قبل اس کا حکم دے دیا تھا۔(ترجمہ) سو جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنوں پر وار کرو حتیٰ کہ جب تم ان کو اچھی طرح خون بہا چکو(شکست دے دو) تو ان کو مضبوطی سے باندھ کر گرفتار کرلو۔ پھر خواہ تم ان پر احسان کر کے انہیں بلا معاوضہ آزاد کردو۔ کہ ان سے مالی یا جانی فدیہ لے کر انہیں آزاد کردو۔(سورت الفجر 4)۔

مالی فدیہ سے مراد یہ ہے کہ ان سے رقم یا ہتھیار اور سازو سامان لے کر آزاد کر دیا جائے اور جانی فدیہ سے مراد ان کا اپنے جنگی قیدیوں سے تبادلہ کر دیا جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ

پس جس نے ان کے علاوہ کچھ اور طلب کیا سو یہی لوگ زیادتی(حدود سے تجاوز) کرنے والے ہیں۔

آیت پچھلے مضمون کا اضافی حصہ ہے۔جب انسان کی جنسی خواہشات کا حل مہیا کر دیا گیا، تو اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے منع کر دیا گیا۔اس سے مراد، زنا ہے یا عمل قوم لوط(لونڈے بازی(Homosexuality)) یا جانوروں کے ساتھ جنسی عمل یا مشت زنی(masturbation) ہیں۔مشت زنی کے بارے فقہاء میں اختلاف ہے۔امام احمد بن حنبل نے اس کو گندہ مادہ نکالنے کی بناء پر جائز قرار دیا۔امام شافعیؒ نے حرام قرار دیا۔ حنفی فقہ میں اگرچہ حرام ہے لیکن شدت غلبہ جذبات کی حالت میں اگر ہو جائے تو معاف کر دیا جائے گا۔ بعض علماء نے متعہ کی حرمت بھی اسی سے لی ہے کہ متعہ عورت، نہ لونڈی(قدیم زمانہ میں) ہے، نہ بیوی کا حکم ہے۔اس لیے حرام ہے لیکن متعہ کی حرمت کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ہے جو بعد میں آئیں۔اسی طرح کوئی عورت بھی اپنے غلام سے جنسی عمل نہیں کر سکتی کیونکہ وہ اس کا غلام ہے۔اور وہ غلام کو معاش مہیا کر رہی ہے۔اس کا کسی آزاد انسان سے نکاح کرنا ضروری ہے۔اسی طرح عورتوں سے عورتوں کی جنسی تسکین بھی ممنوع ہے۔تاکہ شادی کریں اور انسانی نسل کی بقا ہو سکے۔یہ عمل کرنے والے قابل سزا اور زیادتی کرنے والے گناہ گار ہیں۔احکام کا مقصد فطری انداز سے جنسی خواہشات کی تکمیل اور انسانی فلاح ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ

اور جو لوگ(مومن) اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنے والے ہیں۔

امانت داری:۔

کسی شخص پر اعتماد کر کے لوگ اس کے پاس اپنی کوئی چیز حفاظت کے لیے رکھ دیں تو اس کو امانت کہتے ہیں۔ امانات کا لفظ جمع ہے۔ اس طرح اس سے مراد ایسی تمام امانتیں ہیں جو اللہ تعالی نے یا معاشرے نے، یا افراد نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں۔

عہد کا معنی ہے، قول، اقرار، پیمان یا معاہدہ ہے۔ اور یہاں عہد وپیمان سے مراد، وہ سارے معاہدے داخل ہیں، جو انسان اور خدا کے درمیان، یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوموں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اسی طرح نذر اور منت، قسم بھی عہد ہے۔ مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہیں کرتا۔ اپنے وعدے اور قول سے نہیں پھرتے۔ کئی آیات اور احادیث مبارکہ، امانت اور وعدے کے بارے آئی ہیں۔ "حدیث مبارکہ ہے جو امانت دار نہیں وہ ایمان نہیں رکھتا اور جو عہد کا پاس نہیں رکھتا دین نہیں رکھتا" (بیہقی، شعب الایمان)۔ ایک اور حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا: چار خصلتیں ہیں کہ جس میں وہ چاروں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس کے اندر کوئی ایک پائی جائے اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے، جب تک وہ اسے نہ چھوڑ دے۔: جب کوئی امانت اسکے سپرد کی جائے تو خیانت کرے۔ جب بولے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب کسی سے جھگڑا کرے تو بدتمیزی کرے (گالی گلوچ)، (بخاری / مسلم)۔

دیانت داری اور وعدہ کی پابندی، ہر معاشرہ اور ہر انسان کے لیے ضروری ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور پھر مومن کی تو خصوصیات میں سے ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

اور وہ اپنی نمازوں کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

اس سے پہلے نماز میں خشوع کا ذکر کیا۔ اب جمع کا صیغہ فرمایا، اور یہ دوبارہ تاکید اس لیے ہے کہ پہلی آیت ایک معیار تھا۔ اب اس میں مقدار یعنی ہر نماز، علحیدہ علحیدہ شامل ہے۔ نمازوں کی حفاظت کا مطلب مقدار یعنی پانچوں وقت کی فرض نمازیں ہیں۔ پھر معیار کے لحاظ سے آداب نماز کا خیال بھی ہو۔ وضو کا اہتمام، قبلہ کا اہتمام، وقت کا اہتمام (تاخیر نہ کی جائے)، ارکان نماز کی ادائیگی (رکوع، سجود) کا اہتمام، اطمینان وسکون سے ادائیگی ہو، ایک بوجھ سمجھ کر نہ ادا کی جائے۔ رٹی ہوئی کے بجائے الفاظ کے معانی کے ساتھ پڑھی جائے۔ گویا عرض کی جا رہی ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝

یہی لوگ وہ وارث ہیں۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

جو وراثت میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فردوس، رومی یا حبشی زبان کا لفظ ہے۔ فارسی میں بھی اس باغ کو کہتے ہیں جس میں درخت پھیلے ہوئے ہوں۔ قبطی زبان میں ایسے باغ جس میں انگور کی بیلیں ہوں۔ ایسا باغ جس میں پانی بہہ رہا ہو۔ ہر طرف سبزہ اگا ہو۔ پھل اور پھول ہوں اور رہائش سے

متصل ہو۔ عربی زبان میں بھی فردوس، باغ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک حدیث کے مطابق فردوس جنت میں بلند درجہ ہے۔ جنت کے بارے سورت طٰہ اور انبیاء میں ذکر کیا جاچکا ہے۔

وراثت کا مطلب ہے کہ ان اعمال کے بدلے مومنین کو جنت مل جائے گی۔ جس طرح کسی شخص کو اس کے والدین سے وراثت بغیر محنت وطلب کے مل جاتی ہے۔

آیات مبارکہ میں جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ تمام انسانوں اور معاشروں کے لیے سنہری اصول ہیں۔ اسلام، نے انسانیت کو اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے بہترین راستہ مہیا کیا ہے۔ یہ اصول دیانت، صداقت، عہد کی پابندی، جنسی بے راہ روی کے بجائے عائلی زندگی کا راستہ، اپنے کردار میں بھلائی، نیکی، اور اپنے مال سے معاشرہ کے محروم افراد کی مدد، بے فائدہ کاموں سے پرہیز، خالق کائنات کا اقرار اور اسکی عبادت سے معاشرہ، اس قدر حسین ہو جاتا ہے کہ دنیا میں جنت نظر آتی ہے۔ یقینا ہر معاشرہ میں افراد، شیطان کے بھی تابع ہوں گے۔ لیکن اگر معاشرہ کی اکثریت ان اصولوں پر انفرادی اور اجتماعی (حکومتی) طور پر قائم ہو۔ تو وہ معاشرے امن سلامتی، معاشی اور معاشرتی خوشحالی میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ اسلام کے یہ اصول، بلا رنگ و نسل، مکان وزمان، ہر ایک کے لیے ہیں۔ اور جو بھی عمل کرے گا۔ اس کا نتیجہ اس دنیا میں دیکھ لے گا۔ اور اللہ پر یقین اور آخرت پر ایمان سے دنیا کے بعد بھی جنت الفردوس حاصل کرے گا۔ آج جو معاشرے ان اصولوں پر قائم ہیں۔ وہ معاشی اور سماجی طور پر خوشحال ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ

ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠

پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ (رحم مادر) میں رکھا۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۭ

پھر ہم نے نطفہ کو پھٹکی (جما ہوا خون) بنایا۔ پھر ہم نے پھٹکی کو لوتھڑے میں ڈھالا۔ پھر ہم نے لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اسے ایک اور ہی صورت (انسان) میں بنا دیا۔ چنانچہ اللہ بڑی برکت والا ہے۔ جو سب سے عمدہ بنانے والا ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۭ

پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

پھر یقیناتم یوم قیامت (دوبارہ) اٹھائے جاؤگے۔

انسانی زندگی دلیل خالق:۔

انسانی تخلیق کے مادر رحم میں جو مراحل ہوتے ہیں ان کو آج سے پندرہ سو سال قبل ایک سادہ عام فہم زبان میں عوام الناس کے لیے پیش کیا گیا۔ تاکہ کم فہم اور اعلیٰ فہم والے سمجھ سکیں، کیونکہ اس دور میں معیار تعلیم اور آلات تعلیم نہیں تھے۔ لیکن پیدایش کا پروسیس، آج بھی تمام تر تحقیق، جس میں ایکسرے، الٹراساونڈ اور سکین ٹیکنالوجی, استعمال کرکے معلومات حاصل کی گئی ہیں، ساری اصطلاحات اور تشریحات، ان کے اندر ہیں۔ قرآن مجید کا یہ ایک علمی معجزہ ہے کہ اس دور میں، جب لکھنا بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ ایسے انداز میں اشیاء کو بیان کیا ہے کہ آج تک وہ اسی طرح مفید اور اہم ہے۔

حدیث مبارکہ میں بھی اس مدت کی تفصیل آئی ہے۔ جو بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ صادق اور مصدوق ہیں۔ "بے شک تم میں سے کسی ایک کی خلقت کو اس کے ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک کیا جاتا ہے۔ پھر (یہ نطفہ ہے) چالیس دن تک جما ہوا خون ہوتا ہے۔ (مضغہ) پھر چالیس دن میں یہ گوشت بن جاتا ہے۔ (علقہ) جس پر ہڈی اور گوشت بنتا ہے۔ پھر اللہ فرشتہ بھیجتا ہے۔ جو اس میں روح پھونک دیتا ہے۔ (جب بچہ حمل میں حرکت کرتا ہے) اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

۱۔ وہ اس کا رزق لکھتا ہے۔ ۲۔ اس کی موت وحیات لکھتا ہے۔ ۳۔ اس کا عمل لکھتا ہے۔ ۴۔ شقی یا سعید ہونا لکھتا ہے۔

پس اس ذات کی قسم، جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ تم میں سے کوئی شخص اہل جنت کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر کتاب سبقت کرتی ہے۔ اور وہ اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے۔ اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی شخص اہل دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کے اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ پھر اس پر کتاب (تقدیر) سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے۔ اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مسلم / بخاری / داؤد / ترمذی)۔

حدیث کے مطابق آدمی، نیکیوں کے بعد بدی کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ اور ان اعمال کی وجہ سے دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح برے عمل کے بعد نیک اعمال شروع کر دیتا ہے۔ اور جنت میں چلا جاتا ہے۔ اہم نکتہ انسان کا عمل ہے۔ جو اسے جنت و جہنم میں لے جاتا ہے۔ اس لیے کہا ہے: عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔ یہی انسانی عمل گویا انسانی تقدیر ہے۔ اسی کے بارے پوچھا جائے گا۔

جدید سائنس نے بھی یہی (اسی طرح) انسانی نطفہ سے انسانی وجود کے درجات متعین کیے ہیں۔ جبکہ طبی نام مغربی زبانوں کے مطابق ہیں۔ لیکن حقیقت ایک جیسی ہے۔ جسے قرآن وحدیث نے پہلے سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔

کسی پیدا ہونے والے کو یا اس کے والدین کو یہ پتا نہیں ہوتا، کہ اس نومولود کی عمر، زندگی کیسی اور کتنی ہو گی؟ اس کا رزق اور موت کہاں ہو گی؟ اور اس کا کردار اور دنیا میں اس کا عمل یا اثر کتنا ہو گا؟ یہ سب خالق کے وجود اور اس کی قدرت وطاقت کے دلائل ہیں۔ ایک قطرہ سے لوتھڑا، اور پھر ایک ننھا جسم جو کہ ایک بارہ چودہ انچ کا سائز اور تین سے چار کلو گرام کا وزن رکھتا ہے۔ پھر چھ فٹ کا انسان ہو گا۔ وہی سکندر یا چنگیز بن سکتا ہے۔ ایک پیغمبر بن جاتا ہے۔ یا پھر کوئی معمولی انسان جو کچھ بھی نہیں کرتا۔ جو قوت وطاقت، یہ کام ہمیں ہماری زندگی میں دکھا رہی ہے۔ وہی خالق ومالک ہے۔ ہم اقرار کریں، یا انکار کریں۔ انسان کا جسم دو سو چھ سے دو سو بارہ (۲۰۶۔۲۱۲) عدد ہڈیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسم کا گوشت ان کو، پٹھوں کے ذریعے مضبوط کرتا ہے۔ نظام بصارت، سماعت، تنفس، ہضم، جسمانی حرکات وسکنات، جلد، اعضاء کے جوڑ، دماغ کی قوت واستعداد، ڈھانچہ، بچپن میں کمزوری، پھر اس میں توانائی اور اٹھان، جوانی کی بہار، پھر بڑھاپے کی خزاں اور اخر میں، سب کچھ بھول کر اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا۔ موت کا انتظار کرتا ہے۔ پھر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ نہ آنے پر اختیار، نہ جانے پر اختیار ہے۔ یہ نظام ہم ہزاروں سال سے دیکھ رہے ہیں۔ غور کریں، یقینا اس کا بنانے والا، احسن الخالقین ہے۔ جو ہر چیز کو انتہائی اکمل اور احسن طریقہ سے بناتا ہے۔ وہی ذات موت کے بعد ہمارے جسم کے بوسیدہ اور زمین میں گم شدہ اعضاء کو اکٹھا کر کے زندہ کرے گی۔ اور اس آیت مبارکہ نے سائنسی اور علمی دلائل سے ہمیں آگاہ کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝

اور بے شک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝

اور ہم نے آسمان سے ایک (خاص) اندازے سے پانی نازل کیا۔ پھر ہم نے اسے زمین میں ٹہرایا۔ یقینا ہم نے اسے (بہا کر) لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے، ان میں تمہارے لیے بہت سے لذیذ پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝

اور وہ درخت (زیتون) جو طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے، کھانے والوں کے لیے تیل اور سالن لیے اگتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپاوں میں مقام غور (عبرت) ہے، ہم تمہیں ان میں سے وہ (دودھ) پلاتے ہیں۔ جو ان کے پیٹوں میں (پیدا ہوتا) ہے اور تمہارے لیے ان میں بہت زیادہ فائدے ہیں۔ اور ان میں بعض کو تم کھاتے ہو۔

وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ۠

اور ان (چوپاؤں) پر اور کشتیوں پر تم سوار بھی کیے جاتے ہو۔

وجود کائنات، دلیل خالق:۔

آیت مبارکہ میں سات طرائق کا ذکر ہے۔ طرائق کا معنی راستے بھی ہیں۔ (طرق کی جمع) اور طبقے بھی ہیں۔ یعنی اوپر نیچے ہونا بھی طرق ہے۔ دونوں معانی کی تطبیق، علم کا سمولوجی (Cosmology) میں صحیح ہے۔ تمام زمین سے اوپر ستارے یا سیارے، اپنے اپنے راستوں میں یعنی مدار میں گھوم رہے ہیں۔ یا چل رہے ہیں۔ اگر کائنات پھیل رہی ہے، ہر ایک کا مدار دوسرے سے مختلف ہے۔ اور فاصلوں کی یہ کیفیت، ریڈیو دوربینوں سے پتہ چلی ہے۔ ان میں ہزاروں نوری سال کے فاصلے بھی کم ہیں۔ اور اگر طبق اوپر نیچے، کا اندازہ یا تشریح کی جائے، تو اس کا بھی اطلاق ہے کہ کائنات میں مختلف کہکشاہیں ہیں جن کے درمیان فاصلے ہیں، اور یہ فاصلے اوپر نیچے کی ایک تہہ کی طرح ہیں۔ جدید تحقیق جو ابھی بالکل ابتدائی دور میں ہے اور جھیل میں قطرہ کی مثال ہے، اس میں یہ بھی اندازہ ہوا ہے کہ ہر گلیکسی (کہکشان) کی اپنی ایک شیلڈ یا حفاظتی ڈھال ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے چارجڈ ذرات یا الیکٹرانک پلازما، اس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔

یہ سات طرائق اور کہیں آسمان کے لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ یہ مختلف کہکشاوں کے طبق ہیں۔ جس کی ایک تعبیریوں کی گئی۔ (بحوالہ ڈاکٹر بلوک باقی)۔

۱۔ پہلا خلائی میدان یا تہہ جو ہمارے نظام شمسی کے ساتھ مل کر رکھتے ہیں۔

۲۔ ہماری کہکشاں کا خلائی میدان ملکی وے (کہکشاں) کا مرکز ہے۔ (سماء دنیا)۔

۳۔ ہمارے مقامی کلسٹر (کہکشاوں کے گروہ) کا خلائی میدان ہے۔

۴۔ کائنات کا مرکزی مقناطیسی میدان ہے۔ جو کہکشاوں کے تمام گروپوں کے مجموعہ سے تشکیل ہوتا ہے۔

۵۔ کائناتی پٹی پر مشتمل ہے جو قواسرز (Quasars) بناتے ہیں۔

۶۔ پھیلی ہوئی کائنات کا میدان جسے رجعت قہقری کی حامل (پیچھے ہٹتی ہوئی) کہکشائیں بناتی ہیں۔

۷۔ سب سے بیرونی میدان ہے جو کہکشاوں کی غیر محدود بیکرانی سے تشکیل پاتا ہے۔ (تشکیل کائنات۔ Creation of-Universe ڈاکٹر طاہر القادری)۔ چند سال تک شاید تحقیقات اور زیادہ تبدیل ہو جائیں گی۔ لیکن یہ ساری تحقیق، ان ساتوں طبقوں یا شیلڈ کے درمیان ہی رہے گی۔ سائنسی اصلاحات اور نام، دریافت کرنے والوں کے مطابق ہوتے رہیں گے۔ 4 دسمبر 2021ء کو بوسٹن یونیورسٹی کی ایک تحقیقاتی ٹیم جو ناسا N.A.S.A. کے لیے کام کر رہی تھی۔ کائنات کی تحقیق پر اس نے انکشاف کیا کہ ہمارے شمسی نظام کے اردگرد ایک مقناطیسی بلبلہ یا دائرہ یا شیلڈ ہے، جو کہ مرنے والے یا اندھے ہونے والے ستاروں کی انرجی، طاقتور اور کاسمک ریڈیائی شعاعوں سے حفاظت کرتی ہے۔ اور ان کا خیال ہے کہ اس طرح کی ایک شیلڈ یا بلبلہ ہے۔ اس کا نام

کاسملوجی میں ہیلی سفر Heliosphare ہے۔ جس کی حفاظت کی وجہ سے زمین پر زندگی رواں دواں ہے۔ ابھی بہت ساری تحقیقات آگے ہوں گی۔ لیکن آسمان کا وجود جو ایک چھت ہے, یہی ہے اور پھر نظر نہ آنے والا چھت یا بلبلہ ہے۔ جس نے ہر طرف سے ہمارے نظام شمسی کو گھیر رکھا ہے۔ سائنسی تحقیقات،ابتدائی مرحلوں میں ہیں۔بحوالہ Sci; Tech; Daily 04/12/2021.

ان آسمانوں کے تخلیق کے ساتھ زمین پر رہنے والوں کی تمام ضروریات کا خیال رکھا گیا۔ ان کے لیے ساری ضروریات کا سامان پیدا کیا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں مخلوقیں، خشکی اور پانی پر موجود ہیں۔ ہر ایک کے لیے اس کی ضرورت کی تمام سہولت پیدا کر دی ہے, جو کہ انتہائی منظم طریقہ سے پوری ہو رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا، اہل زمین پر خصوصی عنایت کا اظہار ہے اور اس کا سب سے بڑھ کر فائدہ حاصل کرنے والی مخلوق، انسان ہے۔ اس لیے انسان کو خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) کا شکر گزار ہونا ضروری ہے۔

کائناتی سپرہائی وے:۔ ماہرین فلکیات (اسٹرانومی) کو ایک فلکیاتی راستوں کا انکشاف ہوا ہے جو کہ ہمارے نظام شمسی میں موجود ہیں اور وہ بین الاجرام فلکی, نظام شمسی میں ایک مقناطیسی عمل و،رد عمل (انٹرایکشن) سے بنا ہوا ہے۔ یہ راستہ یا چینل تیز ترین سفر کے لیے کسی بھی جسم کے خلاء یا آسمان میں استعمال ہوتا ہے۔ انسان کی خلائی تحقیقات میں بالخصوص بین الاجرام فلکی (نظام شمسی) کے لیے استعمال ہو سکتا ہے اور امکان ہے کہ شہاب ثاقب اور ٹوٹنے والے ستارے، اسی راستے سے گزرتے ہیں۔ یہ راستے قوس کی صورت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اسکو ماہرین فلکیات نے سپیس مینی فولڈ یا خلای تہیں (space manifold) اور ان راستوں کو بین السیارات موٹروے۔ (True celestial Autobahn) کہاہے۔ یہ ابھی ابتدا ہے۔ آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ (ماخوذ از بلغراد اسٹرانومی ابزرویٹری۔ سربیا۔ دسمبر ۲۰۲۰۔ سائنس الرٹ ڈاٹ کام)۔

ڈایاگرام از گوگل

ہمارے قدیم علمای فلکیات نے سورج کو درمیانے آسمان پر لکھا ہے۔ان کی معلومات اس وقت کی جیومیٹری کے اندازوں پر مبنی تھیں،موجودہ معلومات زیادہ صحیح ہیں۔

ان احسانات میں عظیم امور کا ذکر ہے۔ا۔پانی کا وجود۔(جو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے)کو آسمان سے اتارا۔ یونیورسٹی آف گلاسگو اور کرٹن یونیورسٹی کے مطابق زمین پر پانی جو کہ 70 فیصد ہے۔اس کا ذریعہ یا منبع سورج ہے۔یہ تحقیق ایک تحقیقی مجلہ نیچرل اسٹرونومی (Natural Astronomy)میں شائع ہوا۔(روز نامہ سکاءی نیوز.2021/11/30)۔کیونکہ سورج اپنی حرارت سے ہائیڈروجن اور ہیلیم کے Ions آئن سے بھری اندھی(wind) فضا میں پھینکتا ہے۔اور ایسے شواہد ملے ہیں کہ شہاب ثاقب(Astorids)سے پتہ چلاہے کہ سورج سے نکلے ہوئے چارج شدہ ذرات،شہاب ثاقب کے ذروں کو پانی میں تبدیل کر دیتے ہیں۔(بحوالہ Jonathan O'callaghan Dtd 29/11/2021 Earth Magzine.) پھر یہ بذریعہ(Astoidos)زمین پر پہنچتے ہیں اور پانی پیدا کر دیا۔یہ کئی بلین سال پرانی بات ہے۔پانی کا ذریعہ بارش ہو یا سورج کے ذریعے اور طریقہ، یہ پانی آسمان سے ہی نازل ہوا، جس طرح قرآن مجید نے کئی سو سال پہلے ایک آیت کے ذریعہ بتا دیا۔آب انسانی تحقیق،اس کے گوشے کھولتے رہے گی۔پانی زندگی کا ذریعہ ہے اور اس کے فوائد پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔پانی، بارش سے بہہ جاتا

ہے۔ پھر جھیلوں اور سمندروں میں رک جاتا ہے۔ سردیوں پر برف کی صورت میں جمع ہوتا ہے، اور گرمیوں میں پگھل کر زمین پر پھیل جاتا ہے۔ کچھ زیرزمین جذب ہو جاتا ہے اور کچھ سمندر میں مل جاتا ہے۔

۲۔ خوراک:۔ پانی کے بعد انسانوں اور حیوانات کی غذا کا ذکر کیا۔ کہ باغ اگائے، پھل پیدا کیے، پودے لگے، جن سے انسانوں اور حیوانوں نے اپنی غذا حاصل کی۔ بالخصوص پھل انسانوں کے لیے بہت اہم ہیں۔ انگور، کھجور، انار، اور دودھ، گوشت کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان کی افادیت اور ضرورت پر جدید میڈیکل سائنس وغذایات پھر زرعی سائنس میں کئی کتب موجود ہیں۔ ان کی اہمیت اور ضرورت انسانوں اور حیوانوں کے لیے مسلم ہے۔ زیتون اور وادی سیناء کا ذکر کیا۔ جہاں زیتون پیدا ہوتا ہے۔ زیتون بہت مفید پھل ہے۔ اسکے درخت کی عمر بہت طویل ہے۔ جو کہ ایک دو ہزار سال تک پہنچ جاتی ہے۔ اس کی لکڑی، پتے پھل سب استعمال ہوتے ہیں۔

۳۔ چوپائے:۔ اس کے علاوہ مختلف حیوانات کا ذکر ہے۔ مثلاً بکری، گائے، اونٹ، وغیرہ جو انسانوں کو دودھ گوشت اور ان کی کھالوں اور بالوں سے مزید مختلف اشیاء کی صورت میں فائدہ دیتی ہیں۔ یہ سواری، اور حمل و نقل کے کام آتے ہیں۔ اس کے ساتھ پانی کے اندر اچھال کی قوت کی وجہ سے کشتیوں کے سفر کا ذکر ہے۔ جو اب بھی دنیا کے کاروبار کا اکثر حصہ (تقریباً 60 فیصد سے زیادہ) سمندری جہازوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ دودھ کی پیدائش، سبزہ چارہ ایک طرف حیوانات میں غذا اور خون بناتا ہے۔ پھر جب حاملہ ہو جاتے ہیں۔ تو دودھ بننا شروع ہو جاتا ہے۔ اور باقی فضلہ کی صورت میں نکل جاتا ہے۔ یہ سارا عمل حیوان کے پیٹ اور آنتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ جو تمام دودھ پلانے والے جانوروں میں مشترک ہے اور اپنے خالق کی کاریگری کی دلیل ہے۔

یہ سارے امور علمی اور سائنسی ہیں۔ تمام جدید علوم ان کی تحقیق میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور ہر تحقیق اپنے خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ غفلت، کم علمی سے نکلیں اور سائنس کے میدان میں ماضی کی طرح آگے آئیں اور دنیا میں خالق کے وجود کے بارے اہل علم کی رہنمائی کریں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

اور بلاشبہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں اور تم کیا ڈرتے نہیں۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا، کہا: یہ تو تم جیسا انسان ہے، وہ چاہتا ہے کہ تم پر فضیلت پائے۔ اور اگر اللہ کسی کو پیغام دے کر بھیجنا چاہتا، تو آسمان سے فرشتے ضرور نازل کرتا۔ ہم نے اپنے پہلے آباؤ اجداد سے یہ بات نہیں سنی (توحید و رسالت و قیامت)۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ‏۝

بس اس آدمی کو ذرا جنون لاحق ہو گیا ہے۔ لہذا تم کچھ مدت اور انتظار کرو۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ‏۝

نوح نے کہا: اے میرے رب میری مدد کر کیونکہ یہ میری تکذیب کر رہے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ، پہلے سورۃ عراف اور ھود میں گزر چکا ہے۔ جس میں تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔ چونکہ سورت مکی ہے۔ اور منکرین حق و اسلام قریش، محض ضد کی وجہ سے مخالفت کرتے تھے۔ انسانی نفسیات و کردار کی اطلاع دیتی ہے، کہ کسی بھی تبدیلی کو، معاشرہ میں جو طبقہ فائدہ اٹھا رہا ہوتا ہے، وہ اس تبدیلی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور عموماً حکمران (جو فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں) اس نظام کو جاری رکھنے کے لیے ہر نئی چیز کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس مخالفت کی وجہ، ان کا ذاتی مفاد ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے روایات، رواج یا دوسرے اسباب کا بہانہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات انبیاء کی مخالفت کے لیے، ان پر ان کے انسان ہونے کے ناطے نقص ڈالا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی کا انسان ہونا اس لحاظ سے اعزاز ہے کہ وہ ہدایت دینے والا، دکھانے والا اور معاشرہ کا لیڈر ہوتا ہے۔ دوسری طرف مخالفین چونکہ خود اقتدار کے نشہ کی وجہ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے مصلح کنندہ (تبدیلی لانے والے فرد) پر اقتدار کی ہوس کا الزام لگاتے ہیں۔ جس کا حقیقت سے تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ اصل مقصد اصلاح ہوتا ہے۔ یہی معاملہ تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے۔ یہی ہمارے نبی علیہ السلام کے ساتھ اہل مکہ کر رہے تھے۔ حضرت نوح کے واقعہ کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ڈھارس دلائی ہے۔ کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا عرصہ کئی سو سالوں پر محیط تھا، (ساڑھے نو سو سال)۔ دوسری طرف وہ سمجھتے تھے کہ، وہ مجنون ہیں جلد صحیح ہو جائیں گے۔ یا دنیا سے ختم ہو جائیں گے اور ان کا یہ ہدایت کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡـفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ‌ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ‌ۚ وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا‌ ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ‏۝

پس ہم نے اس پر وحی کی کہ " ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کر۔ پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابل پڑے، تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا، لے کر اس میں سوار ہو جا، اور اپنے اہل وعیال کو بھی سوار کر لے، سوائے ان کے جن کے خلاف پہلے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات نہ کرنا، بے شک وہ ضرور غرق کیے جائیں گے۔

فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡـفُلۡكِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ‏۝

پھر جب تو اور تیرے ساتھی اطمینان سے کشتی میں سوار ہو جائیں۔ تو کہیں تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ‏۝

اور کہو: اے میرے رب: مجھے برکت والی زمین پر اتارنا، بے شک تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ۝

بے شک اس واقعہ میں بھی نشانیاں ہیں اور ضرور ہم (بندوں کو) ازمانے والے ہیں۔

طویل عرصہ تک تبلیغ میں جدوجہد کے بعد کامیابی نہ ہوئی، تو آپ نے مدد کی درخواست کی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور حکم دیا کہ ایک بڑی کشتی (جہاز نما) بنائی جائے، جس کے لیے بذریعہ الہام وحی ہدایات دیں۔ یہ کشتی اس زمانہ کے لحاظ سے ایک عجوبہ تھا۔ کیونکہ بہت بڑی تعداد میں جانوروں انسانوں کو اٹھانا تھا۔ اپنے نبی سے محبت کا انداز، کہ ہمارے سامنے، ہمارے کہنے کے مطابق بنائی جائے۔ انبیاءؑ کی لیڈر شپ اور علم لدنی کی برتری کا ثبوت ہے۔ کشتی اور تنور کے بارے، پہلے سورۃ ھود میں گذر چکا ہے۔ اس میں آپ نے، جوڑا جوڑا، تمام جانوروں کا بٹھالیا۔ تاکہ ان کی نسل بھی بچ جائے۔ تمام امور میں اللہ پر بھروسہ اور اس کی راہنمائی و مدد کا طریقہ بھی دعا کے ذریعہ ہمیں بتلایا گیا ہے۔ سوار ہوتے یعنی ابتدا اور پھر اختتام سفر پر بھی اللہ کا شکر ضروری ہے۔ آزمائش زندگی کا حصہ ہے۔ اور اس کا سبب وہ اختیار ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو افعال کے چناو میں دیا ہے۔ اس اختیار کی قوت میں شیطان، انسان کو مختلف خیالات کے ذریعے ورغلاتا اور خالق حقیقی سے دور کرتا ہے۔ اگلی آیات میں انسان کے اس کردار کا ذکر ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝

پھر ہم نے ان کے بعد ایک دوسری امت پیدا کی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝

چنانچہ ہم نے ان میں سے ایک رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں۔ پھر کیا تم ڈرتے نہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ انسان پھر اپنے خیالات اور ان پر شیطان کے اثرات کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ شیطان کو اللہ نے قوت دی ہے۔ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے۔ (انرجی کی ایک صورت ہے) ہمارے دماغ کے اندر ہمارے نیورون میں حرکت پیدا کر کے خیالات کو جنم دیتا ہے۔ خیالات کو تکرار کے ذریعہ ارادہ اور ارادہ کے بعد عمل کی صورت پیدا کر کے انسان گناہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت نوحؑ کے بعد سارے مومنین بچ گئے تھے۔ لیکن زمانہ گذرنے کے ساتھ اولاد نئے خیالات کا شکار ہوئی اور چند صدیوں یا نسلوں کے بعد وہ گمراہی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ اللہ کی تعلیمات، عدل، غریبوں کا خیال، سچ، دیانت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت، آخرت کے حساب و کتاب کو نہ صرف بھول گئے بلکہ منکر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر ہدایت کے لیے انہی میں سے ایک کو ہدایت کے لیے چنا۔ نبی اسی قبیلہ یا معاشرہ کا حصہ ہوتا ہے۔ اس کا ماضی اور حال ان عوام کے سامنے ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے کردار کی وجہ سے اس کی تبلیغ میں اثر ہو۔ روایات کے مطابق یہ نبی قوم عاد میں سے تھے۔ جس طرح دوسری آیات میں ذکر ہے۔

بعض کے نزدیک قوم ثمود ہے۔ جن کی ہلاکت ایک چیخ سے ہوئی۔ کچھ مفسرین نے قوم شعیب کا ذکر کیا کیونکہ ان کی ہلاکت بھی چنگھاڑ سے ہوئی۔

جو بھی نبی تھے۔ مقصد قوم کی اصلاح تھی۔ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اچھے معاشرہ کا قیام، اور اس کی طرف دعوت دی۔ واقعہ کا مقصود انسان کو گمراہی کے خیالات سے آگاہ کرنا اور بچانا تھا۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝

اور اس کی قوم کے ان سرداروں جنھوں نے انکار کیا تھا۔ آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں خوشحالی دی تھی۔ کہنے لگے: یہ رسول تو تمہاری طرح ایک بشر ہی تو ہے، یہ ان چیزوں میں سے کھاتا ہے۔ جن سے تم کھاتے ہو اور ان ہی چیزوں میں سے پیتا ہے جن سے تم پیتے ہو۔

وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

اور اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝

کیا وہ (رسول) تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ بے شک جب تم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو بلاشبہ تم (زندہ) نکالے جاؤ گے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝

دور ہے دور ہے (اس کا پورا ہونا) جو تم وعدہ دیے جاتے ہو۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝

یہ ہماری دنیاوی زندگی میں ہی تو ہے (سب کچھ) جس میں ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور ہم دوبارہ اٹھائے جانے والے (زندہ کیے جانے والے) نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ (رسول) ایک شخص ہی تو ہے۔ جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں۔

ان واقعات کا مقصد ہمیں ان گمراہی کے اسباب سے آگاہ کرنا ہے۔ جن سے پچھلی قومیں گمراہ ہوئی تھیں۔ اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس میں اہم نکات درج ذیل ہیں۔ گمراہی کا طریقہ انسانی خیالات اور ان میں عدم اعتدال یا تشدد ہے جس سے گمراہی نکلتی ہے اور پھر ایک طریقہ زندگی بن جاتا ہے۔

نبی کا مقام، احترام:۔

۱۔ نبی کو کبھی اس کی اہمیت کو کم کر کے، ایک عام انسان تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی لیڈر شپ، کردار اور قابلیت سے انکار کیا جاتا ہے۔ اس طرح، اس کے پیغام کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اس کی اطاعت سے انکار کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے دلیل، اس کی ذات یعنی انسان ہونا اور انسانوں کی طرح رہنا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ نفسیاتی طور پر سمجھنے اور سیکھنے کے لیے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ شیطان یہ نکتہ نظر سکھاتا ہے کہ نبی کا مقام بہت بلند اور غیر انسانی اوصاف ضروری ہیں۔ یہ بھی غلو کی قسم ہے اور گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ نبی کی عظمت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انسان ہی نہیں، بلکہ ماوراء انسان ہے۔ انسان ہو کر کردار کی عظمت، جدوجہد، علم و حکمت اور لیڈر شپ کا معیار ہی نبی کی عظمت کی دلیل ہے۔ جس کا اقرار اور مکمل احترام بہت ضروری ہے۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ اعتدال اپنایا جائے۔ نبی کی عظمت کا اور اسکے انسان ہونے کا اقرار و احترام دل سے کیا جائے۔

دوبارہ زندگی کی اہمیت:۔

۲۔ اس زندگی کو ہی صرف زندگی سمجھا جائے۔ چونکہ ہمارے سامنے مرنے کے بعد دوبارہ لوگ زندہ نہیں ہوتے۔ اس لیے اس دھوکہ کو شیطان ایک یقین کی صورت دیتا ہے کہ انسان جب مٹی میں مل جائے گا تو پھر دوبارہ اس کے اجزاء کیسے ملیں گے اور کیسے زندہ ہو گا۔ چونکہ انسان دوبارہ کسی کو زندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ اس لیے اس پر قرآن میں جو علمی دلائل دیے گئے ہیں ان پر یقین نہیں کرتا۔ ان کی طرف توجہ کرنے سے انسان کو شیطان دوسرے خیالات کے ذریعہ روکتا ہے کہ اس کا ظاہری ثبوت نہیں۔ کفار مکہ اس کی شدید مخالفت کرتے تھے۔

جزاوسزا:۔

۳۔ انسان کے کردار میں اصلاح کے لیے جزا سزا کا نظریہ بہت ضروری ہے۔ اسلام میں جزا سزا ایک طرف تعزیراتی قوانین سے اور دوسری طرف، نظریہ قیامت اور دوبارہ زندگی کے ذریعہ انسان کا حساب و کتاب ہونا، اس پر یقین کر کے، اپنے کردار کا ہر وقت محاسبہ کا حکم دیا ہے۔ اگر انسان کے اندر اس کا یقین پیدا ہو جائے، تو کردار خود بخود بدل جاتا ہے۔ شیطان اس نظریہ کی بھی نفی کرتا ہے، کہ زمین پر زندگی ہزاروں سال سے چل رہی ہے۔ لہذا چلتی ہی رہے گی۔ اب موجودہ سائنس (فزکس) اس بات سے آگاہ ہو گئی ہے، اس کے بھی مطابق یہ نظام ایک دن ختم ہو کر بکھر جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود انسان چونکہ حاضر اور موجود سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے یقین نہیں کرتا۔ بہت سارے لوگ قرآنی تعلیمات پر یقین نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے وہ اللہ اور آخرت پر ایمان و یقین سے محروم ہو کر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں۔

۴۔ اس گمراہی کا سرغنہ وہ طبقہ ہوتا ہے۔ جو زندگی میں عیش و عشرت اور نظام سے فائدہ اٹھارہا ہوتا ہے۔ وہی رکاوٹ بنتا ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝

اس رسول نے کہا: اے میرے رب تو میری مدد فرما۔ اس لیے کہ انہوں نے میری تکذیب کی۔

قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ ۚ

اللہ نے فرمایا: بلاشبہ وہ تھوڑے دنوں میں (اپنے کیے پر) ضرور شرمندہ ہوں گے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً‌ ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝

پھر انہیں واقعی چنگھاڑنے آپکڑا۔ پھر ہم نے انہیں خس وخاشاک (ہلاک) کر دیا۔ چنانچہ دوری (ہلاکت) ظالم لوگوں کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور ان کو دوزخ اور دنیا میں عذاب سے بچانے کے لیے انبیاء کو بھیجا اور جب اس معاشرے کے افراد نے ان کو جھٹلایا، ان کی زندگی کے درپے ہوئے اور انکار وظلم کیا، تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ جب حالات مکمل طور پر مایوسی کی طرف ہو گئے، تو معاشرہ میں ظلم کی وجہ اور نبی کی بدعا سے عذاب نازل ہوا۔ اس کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے۔

اس آیت میں چنگھاڑ ہے۔ چنگھاڑ کے بارے سورۃ ھود میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ؕ

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں۔

مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ؕ

کوئی بھی امت اپنے مقررہ وقت سے آگے نہیں نکل سکتی اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا‌ ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ‌ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ‌ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝

پھر ہم لگاتار اپنے رسول بھیجتے رہے، جب بھی کسی امت کے پاس ان کا رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر ہم ایک کے پیچھے دوسری قوم کو لائے اور ہم نے ان سب کو (ختم کر کے) قصہ پارینہ بنا دیا۔ پس ان لوگوں کے لیے دوری (عذاب) ہے جو ایمان نہیں لائے۔

آیات مبارکہ میں حضرت نوح کے بعد انبیاء کا ذکر ہے۔ کہ انسان اپنے نفس، سمجھ بوجھ اور اختیار جو اسے ودیعت کیا گیا ہے، کی بناء پر ہدایت اور گمراہی میں بھٹکتا رہا۔ یہ مدت کئی ہزاروں سال پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بار جب لوگ گمراہ ہو گئے۔ تو ان میں سے کسی کو نبی چنا اور ہدایت دی۔ صحیفے نازل فرمائے۔ لوگوں نے انبیاء کو مانا۔ پھر گمراہی میں پڑ گئے۔ ہر امت یا نسل کے لیے ایک تقدیر الہی میں وقت معین تھا۔ جس طرح ہر انسان کی زندگی یعنی پیدائش اور موت کا وقت معین ہے، اسی طرح قوموں کے عروج وزوال کی مدت بھی مقرر تھی۔ جب گمراہ ہو گئیں تو تباہ ہو گئیں۔ لیکن نسل انسانی چلتی رہی اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ گمراہ قوم کے بعد پھر دوسری قوم آئی، جو بہتر طریقہ پر تھی۔ پھر اس میں سے گمراہ نکل آئے اور گمراہی پھیل گئی اور یہ قوم ختم ہو گئی۔ لیکن انجام کار جو لوگ ایمان سے محروم تھے، ان کے لیے عذاب رہا۔ اس دوران چونکہ انسانی آبادی بہت کم تھی۔ اس لیے آباد علاقے صرف وہ تھے، جہاں زندگی آرام سے گذر سکتی تھی۔ خط استواء کے دونوں جانب (خط سرطان اور خط جدی تک)۔ اکثر

انبیاء کا ذکر انہی علاقوں سے متعلق ہے۔ انبیاء کی تعداد ایک حدیث کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ مسافت، آمدورفت کی دشواری، علم کی کمی کی وجہ اور ہر قبیلہ کی ہدایت کے لیے اتنی کثیر تعداد میں نبی آئے۔ ان قوموں کے قصے ہمارے لیے درس عبرت ہیں۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَۚ

فرعون اور اسکے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ بہت سرکش لوگ تھے۔

فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَۚ

چنانچہ وہ کہنے لگے کیا ہم اپنی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں۔ جبکہ ان دونوں کی قوم ہماری غلام (ماتحت) ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ

پھر انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا، تو وہ ہلاک شدگان میں سے ہو گئے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ

بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تا کہ وہ (لوگ) ہدایت پائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ کی نشانیاں مفصل سورت طٰہٰ میں مذکور ہیں۔ قوم فرعون نے تکبر، دولت اور آسائش کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی دعوت سے انکار کیا۔ طبقاتیت نے تباہ کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے طبقاتیب کے خلاف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون جو بنی اسرائیل سے تھے۔ نبوت اور لیڈر شپ عطا کی۔ بالآخر فرعون اور اس کی قوم تباہ ہوئی اور درس عبرت بن گئے۔ بعد میں تورات حضرت موسیٰ کو عطا ہوئی۔ تا کہ انسانیت اسکے مطابق زندگی بسر کرے۔ تورات کے نزول کے بعد مخلوق کو آفات کے ذریعے اجتماعی تباہی سے نجاعت ملی اور مسلمانوں یا مومنین کو دفاع اسلام کے لیے قتال کی اجازت ملی تا کہ دفاع کر سکیں۔ اور حق کو پھیلنے سے بزور قوت نہ روکا جائے، (ابن کثیر)۔ اسی طرح اللہ کی نافرمانی کی سزا یا عذاب، انسانوں کو دشمن کے غلبہ کی صورت میں ملتے رہے۔

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّ اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيْنٍۚ

اور ہم نے (عیسیٰ) ابن مریم اور اس کی ماں کو عظیم نشانی بنایا اور ایک سکون اور جاری چشمے والی بلند جگہ پر ان دونوں کو ٹھکانہ دیا۔

حضرت عیسیٰ کا ذکر ہے۔ آپ حضرت موسیٰ کے کئی سو سال بعد تشریف لائے۔ آپ کی ولادت ایک معجزہ تھا۔ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور حضرت مریم کا یہ معجزہ ہے کہ وہ بغیر مرد کے حاملہ ہوئیں۔ دوران حمل آپ کو مختلف پھل مل جاتے تھے۔ آپ کی بے گناہی کی شہادت حضرت عیسیٰ نے پنگھوڑے میں گفتگو کر کے دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں میں بلا باپ پیدائش، پنگھوڑے میں بات کرنا۔ اور اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ مردوں کو زندہ، اندھوں کو آنکھیں اور کوڑھ کے مریضوں کو شفا دی۔ پر سکون اور بلند جگہ سے مراد بیت المقدس، رملہ (فلسطین) اور بعض مفسرین نے شام لیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

اے رسولو! تم پاکیزہ چیزوں میں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ بے شک جو تم عمل کرتے ہو میں اسے خوب جانتا ہوں۔

وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝

اور بلاشبہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

پھر (لوگوں) نے اپنا معاملہ (دین) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہر فرقہ کے پاس جو کچھ ہے اس پر وہ خوش ہے۔

وحدت احکام یا ادیان سماوی:۔

مذاہب سماوی (ربانی) میں انسانی عمل بہت اہم ہے۔ انسانی اعمال کا بڑا محرک اس کے وجود کی بقاء ہے۔ جسے ہم معاش کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کے ذریعے یہ حکم دیا ہے کہ طیبات میں سے کھاؤ۔ جب رسولوں کا بلاواسطہ حکم ہے تو تمام مخلوق کو بالواسطہ حکم ہے۔ طیّب ایک بڑا اہم لفظ ہے۔ اس سے مراد جائز اور حلال طریقہ سے کمایا ہوا رزق ہے۔ کھانا یا اسباب رزق و معاش، ویسے گوشت وغیرہ میں تو حلال و حرام کی تمیز ہے۔ وہ لفظ حلال ہے۔ اور طیب کا مطلب معیار و غذا یا رزق ہے۔ جن معاشروں میں رزق حلال کے بجائے دھوکہ دہی، چوری، بے ایمانی، دغا بازی کے ذریعہ لوگ رزق کماتے ہیں۔ ان کا انجام قوم شعیب کا ہوگا۔ وہ معاشرہ تنگ دستی، بدامنی کا شکار رہتا ہے۔ دوسرا، اہم عمل، اعمال صالحہ ہیں: اعمال صالحہ، وہ سارے اعمال ہیں جو عامتہ الناس کے لیے مفید ہوتے ہیں۔ کسی فرد یا طبقہ کی سہولت پیش نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ خلق خدا کی سہولت کو ضرورت کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اور یہ سارے اعمال صالحہ، اخلاق اور معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ عبادات کا تعلق تو بندے کا اس کے خالق سے ہے۔ فرائض ادا نہیں کرے گا تو مجرم ہے اور اگر نوافل ادا کرے گا، تو مزید انعام پائے گا۔ عدل، سچ، معاملات میں ایمان داری، امانت داری، کمزوروں کی مدد، محتاجوں کی مدد، حقوق کا خیال، سب اعمال صالحہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء، حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے یہی پیغام دیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن مجید برحق اللہ کا کلام ہے اور اسلام ہی تمام انبیاء سماوی کی آخری تفصیل ہے۔

یہی احکام تمام ادیان سماوی میں اساس ہیں اور سب کا خدا ایک ہے۔ قرآن مجید میں جن انبیاء کا ذکر ہے وہ مشرق وسطیٰ کے علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید، عربوں پر نازل ہوا۔ عربی میں آیا اور ان کے علم اور معلومات کے لیے فوری طور پر تھا۔ دوسرے ممالک میں مثلاً ہند، چین، افریقہ، شمالی و جنوبی امریکہ، آسٹریلیا، جہاں بھی انسان ہیں۔ وہاں نبی آئے لیکن جن انبیاء

کی امتیں بہت بڑی تھیں ان کا ذکر آج تک موجود ہے۔ حضرت موسٰی، حضرت عیسٰی، ان کی امتیں مشرق وسطٰی سے اٹھیں اور ساری دنیا میں پھیل گئیں۔ یقیناً گوتم بدھ بھی ایک نبی تھے۔ ان کی تعلیمات کافی سماوی ہیں۔ لیکن وقت کے ساتھ کافی بگڑ گئیں۔ اسی طرح انڈیا (ہندوستان) میں نبی آئے۔ لیکن ان کی تعلیمات یا ختم ہو گئیں۔ یا بگڑ کر بت پرستی پر جا پہنچے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی)۔

فرقہ بندی:۔

اس کے بعد انسانی ذہن نے ان مذاہب میں اپنے مزاج اور پسند کے مطابق تبدیلیاں کیں اور انہیں مذہب کا حصہ بنا دیا۔ یہ مذہبی پیشواوں کی ایجادیں تھیں جو محبت اور نفرت کی بنیاد پر کی گئیں۔ اور تمام مذاہب میں بہت سارے گروہ اور فرقے بن گئے۔ بدقسمتی سے انسان کو شیطان نے اس موقعہ پر خوب بہکایا اور ایک ہی مذہب کے اندر کے فرقے آپس میں دشمن بن گئے۔ جو دراصل انسانوں بالخصوص مذہبی اور سیاسی لیڈروں کی خواہشات کی تکمیل تھی اور نفسانی طور پر شیطان اس قدر غالب آ گیا کہ جو کوئی جس فرقہ کے ساتھ ہے اسی پر خوش ہے۔ چمٹا رہتا ہے، مزید تحقیق یا حق کی جستجو کی کوشش نہیں کرتا۔

اللہ کا حکم ہے کہ مجھ سے ڈرو اور میرے احکام پر عمل کرو۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مستند (اصلی) حالت میں نبی ﷺ کی زندگی سے موجود ہے۔ اور نبی ﷺ کی تعلیمات بھی ایک لاکھ سے زائد راویوں کے ذریعے موجود ہیں، جن میں کمزور اور صحیح ساری واضح ہیں۔ بڑا ضروری ہے کہ غلو کو محبت یا نفرت کے انداز میں نہ بدلا جائے، بلکہ اپنے اپنے اعمال کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا جائے اور نبی ﷺ نے جو مختلف انداز میں کام کیے ہیں۔ ان کی اہمیت و ضرورت کے تحت اختلاف کو قبول کیا جائے۔ علمی اور سائنسی میدانوں میں بڑھنے کا زور لگایا جائے۔ جس طرح قرون اولٰی اور وسطٰی کے مسلمانوں نے کر کے دکھایا۔

چند احادیث رزق حلال کے بارے پیش ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص لکڑیاں کاٹ کر، اس کا گٹھا اپنی پشت پر لاد کر لائے۔ وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے وہ اس کو دیں یا منع کریں۔ (بخاری / مسلم / نسائی)۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرنے کا زیادہ سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا ڈر اور اچھے اخلاق: اور آپ سے سوال کیا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں داخل کرنے کا سبب ہے۔؟ آپ نے فرمایا شرمگاہ اور منہ (شعب الایمان)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جنت میں وہ گوشت اور خون داخل نہیں ہو گا۔ جو اس مال سے حاصل کیا گیا ہو جو لوگوں کا حق مار کر اور انہیں نقصان پہنچا کر حاصل کیا گیا ہو۔ (شعب الایمان۔)۔

مختلف آراء کی بناء پر فرقوں کے بننے کے بارے میں احادیث میں ذکر آیا ہے۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: سنو تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقوں میں متفرق ہو گئے اور یہ امت (مسلمان) تہتر فرقوں میں متفرق ہو گئی۔ اس میں بہّتر (۷۲) دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہو گا۔ اور یہ وہ فرقہ ہے جو سب سے بڑی جماعت ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میری تمام امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ (مسند احمد۔) اس طرح اکثریت حق پر رہے گی۔ ہر زمانہ میں اکثریت حق پر رہے گی۔ (عبادات وعقائد میں)۔

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ نجاعت کا راستہ اہل سنت والجماعت کی پیروی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اقوال وافعال اور اصول وفروع میں برکت فرمائے۔ کیونکہ نجاعت پانے والی جماعت ہی ہے۔ اور اس کے سوا باقی سب فرقے، ذاتی اور ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں۔ آج خواہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو۔ لیکن کل ہر ایک جان لے گا جبکہ وہ جاننا، فائدہ نہ دے گا۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۴۹)۔

فَذَرۡهُمۡ فِیۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ۝

چنانچہ (اے نبی) آپ انہیں ان کی غفلت میں ایک مقررہ وقت تک چھوڑ دیں۔

اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ ۝

کیا وہ سمجھتے ہیں کہ بے شک ہم جو بھی ان کے مال اور اولادیں اضافہ کیے جارہے ہیں۔

نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ۝

تو ہم ان کی بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھ نہیں رہے۔

پچھلی امتوں یعنی انبیاء ورسل کے احکام اور معاشرے میں جو نظام حیات ہونا تھا، اس کے بارے احکام تھے۔ پھر لوگوں نے اپنے تخیلات اور آراء وخواہشات پر مختلف راستے نکالے۔ اور گروہوں میں تقسیم ہو کر گمراہی کی طرف چلے گئے۔ یہ سلسلہ تھا اور چل رہا ہے۔ آیات میں ان افراد جو گمراہ ہوئے اور ان معاشروں کا ذکر ہے جو ان پر مشتمل ہوتے ہیں۔

سورۃ مکی ہے۔ مکہ میں اس وقت گمراہی کی حالت تھی۔ مکہ کے سردار جو متمول تھے۔ وہ اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ ان کے بارے فرمایا کہ اے نبی: آپ اپنا دل پریشان نہ کریں۔ ان کی گمراہی اور غفلت پر اپنی جان ونفس کو ہلکان نہ کریں۔ ان کو اور ہر گمراہ معاشرہ کو، اللہ تعالیٰ ایک مہلت دیتے ہیں۔ یہ ان کا طریقہ ہے اور وہ اس مہلت کے بعد تباہ ہو جائیں گے۔ مہلت کا مقصد، اپنے بُرے اعمال سے چھٹکارا پانا ہے، یا اس جرم کی شدت اتنی ہو جاتی ہے کہ سزا کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے انسان جب سہولت میں ہوتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے بل بوتے پر کر رہا ہے اور یہ لمحات اور پر تعیش زندگی ہمیشہ رہے گی۔ ان کے اموال میں ترقی ان کی کامیابی ہے۔ لیکن یہ ایک فرصت یا مہلت کا وقت ہوتا ہے۔ اگر آدمی غور کرے اور اپنی غلطیوں سے

توبہ کرے تو اسے حقیقی کامیابی اس دنیا اور آخرت میں ملے گی۔ ورنہ وہ اپنے دنیاوی جدوجہد کا بدلہ یہاں لے کر آخروی زندگی میں جہنم میں رہے گا اور یہی کیفیت سکان مکہ کی اس وقت تھی۔ بلاآخر وہ مسلمانوں کے مقابل، ناکام اور نامراد ہوئے۔

کامیابی کا راز:۔

ایک حدیث مبارکہ اس زندگی کے مراحل کا بہت اعلیٰ اور خوبصورت تجزیہ کرتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اخلاق کو تقسیم کیا ہے۔ جس طرح تمہارے درمیان رزق کو تقسیم کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دنیا (مال و دولت) افراد کو دیتے ہیں۔ جن کو پسند کرتے ہیں۔ یا پسند نہیں کرتے۔ لیکن دین صرف اس کو دیتے ہیں جس کو پسند کرتے ہیں۔ جسے دین دیا اسے پسند کیا۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے: بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو۔ اور مومن نہیں ہوتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی مصیبت سے محفوظ نہ ہو۔ عرض کی گئی اے اللہ کے نبی مصیبت کیا ہے؟ فرمایا: بداخلاقی اور ظلم۔ کوئی انسان اگر مال حرام کماتا ہے اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی۔ اور صدقہ کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتا۔ اور وہ اپنے پیچھے (مال حرام سے) آگ چھوڑ کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا، بلکہ بھلائی سے برائی کو مٹاتا ہے۔ اسی طرح گندی چیز کو گندی چیز سے نہیں مٹاتا۔ (یعنی برے کا بدلہ برا دینے اور گندی اخلاق سے معاشرہ مزید گندہ اور برائی پھیلتی ہے۔ مسلمان اور مومن ہمیشہ نیکی اور اچھائی کرتا ہے خواہ اس کے ساتھ برائی بھی کی جائے۔ (مسند احمد / ابن کثیر)۔

اسلام میں زندگی ایک فرصت اور انعام ہے۔ اس سے پورا فائدہ اس طرح اٹھایا جائے کہ نیکی اور بھلائی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھلائی یا نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کے تمام احکامات کا مقصود انسانیت کی بھلائی ہے۔ جو کسی نسل، رنگ، زمین، زبان سے مخصوص نہیں، اس کے ساتھ اللہ کی حاکمیت اور قیامت، جزا و سزا پر ایمان بہت ضروری ہے۔ تاکہ افراد، حکومت کے خوف کے علاوہ، اللہ کے خوف سے اپنے کردار کا محاسبہ کریں۔ ان حالات میں جب معاشرے میں نیکی پھیلے گی تو معاشرہ خوشحال، پر امن اور بابرکت ہو گا۔ اور اگر افراد نیکی کرتے ہیں، لیکن خدا کے وجود سے غافل ہیں اور آخرت کے تصور سے خالی ہیں۔ تو وہ اللہ کے حقوق میں مجرم ہیں۔ دنیا میں اللہ کے نظام عدل کے تحت وہ پر سکون رہیں گے۔ لیکن حقیقی زندگی (بعد از موت) میں وہ جہنم کی سزا پائیں گے۔ نبی ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام نے پہلے دس بارہ سال مدینہ شریف میں تنگی کی زندگی گزاری۔ لیکن نیکی اور بھلائی، اعمال حسنہ کو ریاست نے، اسلام کے احکام کے مطابق خلافت راشدہ کے دوران نافذ کیا، تو ساری اسلامی مملکت امن، سلامتی، خوشحالی سے بھر گئی۔ حقیقی کامیابی دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہے۔ اگلی آیات میں ان افراد کا ذکر ہے جو حقیقی کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور جو لوگ اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں، جو کچھ بھی دیتے ہیں۔ تو اس طرح کہ ان کے دل کے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝

اور یہی لوگ بھلائیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی ان (نیکیوں) میں سب سے بڑھنے والے ہیں۔

مومنین کے اوصاف:۔

۱۔ اللہ کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے اللہ کے وجود کی علمی نشانیاں، کائنات کے اوصاف بیان کر کے بتائیں۔ وہ ان پر غور کرتے ہیں اور اپنا ایمان مزید مضبوط کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں کائنات میں بکھری پڑی ہیں۔ اس لیے قرون اولیٰ اور وسطیٰ کے مسلمانوں نے اللہ کی نشانیوں (سائنس و علوم) میں تحقیق کی اور آگے نکل کر انسانیت کو سہولتیں دیں۔

۲۔ اللہ کے جلال اس کی عظمت و قوت کی وجہ سے وہ ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان سے نافرمانی نہیں ہوتی۔

۳۔ وہ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ ساری عبادت اس کے لیے کرتے ہیں۔ خالصتا اس کے لیے اس سے ریا بھی نکل جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تم سے شرک کا خوف ہے اور وضاحت فرمائی کہ ریا (دکھلاوا) بھی شرک کی قسم ہے کہ اللہ کے بجائے لوگوں کو دکھانے کے لیے نیکی کی جائے یا لوگوں سے اس کا بدلہ توقع کیا جائے۔

۴۔ اللہ کی راہ میں اپنے مال و دولت سے خرچ کرتے ہیں۔ مال ان کا ہوتا ہے لیکن اللہ کے خوف، ایمان اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے محتاجوں، کمزوروں، ضرورتمندوں کو دیتے ہیں۔ اور دیتے وقت یہ خوف بھی رہتا ہے کہ اللہ اسے قبول فرمائے اور ریا سے دور رہتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں دینا سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ ان کا تعلق حقوق العباد اور معاملات ہے۔ عدل، زکوٰۃ، صدقات، انسانی حقوق وغیرہ۔

۵۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ ان اعمال میں سبقت لینے والے ہیں۔ یہ اعمال وہ خود اپنی خواہش سے کرتے ہیں۔ ان پر کوئی خارجی دباؤ نہیں ہوتا۔ (ریاست یا حاکم وقت) بلکہ ان کی اپنی اللہ سے محبت، یقین اور خوف اس کا محرک ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ اسی

جستجو میں رہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بھلائی کے کام کریں۔ بھلائی کے کام معاملات اور حقوق العباد سے ہیں۔ در حقیقت ایسا معاشرہ اللہ کے فضل کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس کی رحمت سے انسانوں کی زندگی آسان اور پر سکون بن جاتی ہے۔ اس کی مثال قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی حکومتیں تھیں۔ اگر آج بھی مسلمان حکومتیں ان اصولوں پر عمل کریں جو اسلام نے دیے ہیں تو معاشرے بدل سکتے ہیں۔ اور جن معاشروں میں یہ اسلامی (الٰہی) احکام نافذ ہیں۔ وہ خوشحال ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝

اور ہم کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب (نامہ اعمال) ہے۔ جو (ہر شخص کا حال) بالکل حق (سچ) بولے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

دونوں معاشروں (انسانوں کی قسم) نیک اور بد کے تجزیہ اور کردار کی خصوصیات کے بعد ایک عمومی اللہ کے نظام عدل اور نظام کائنات کا اصول بیان فرمایا کہ ہر جاندار انسان یا غیر انسان پر اس کی زندگی میں، بوجھ اس کی استطاعت اور طاقت کے مطابق ڈالا گیا ہے۔ جو کہ عدل کے مطابق ہے۔ تمام احکام اسی اصول پر وضع کیے گئے ہیں، جو بشری استطاعت کے اندر ہیں۔ اس کے بعد اس کی کارکردگی کا ذرہ ذرہ اپنے شوائد کے ساتھ اس کے نامہ اعمال میں ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ جو حق (واقعہ کے مطابق) ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر اس کا حساب ہو گا اور کسی پر ذرہ بھر ظلم و زیادتی نہیں ہو گی، عدل ہو گا۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ۝

بلکہ ان (کفار) کے دل اس (قرآن / اسلام) سے جہالت و غفلت میں ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے کئی (بُرے) اعمال ہیں۔ جنہیں وہ کرنے والے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝

حتٰی کہ جب ہم ان کے عیاش لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت چیخ وپکار کریں گے۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۝

(کہا جائے گا) آج مت چیخو، یقیناً تم ہماری طرف سے مدد نہیں کیے جاوگے۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ۝

تحقیق تم پر میری آیات تلاوت کی جاتیں تھیں۔ تو تم ایڑیوں کے بل (الٹے) پھر جاتے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۝

تکبر کرتے ہوئے: اس قرآن کو افسانہ کہہ کر بے ہودہ گوئی کرتے تھے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۝

کیا پھر انہوں نے قرآن میں تدبر نہیں کیا یا پھر وہ ان کے پاس چیز آگئی جو ان کے پہلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔

اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ۝

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں تو وہ منکر ہو گئے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ۝

یا وہ کہتے ہیں اسے (رسول کو) جنون ہے (نہیں نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے۔ اور ان کے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ۝ؕ

اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو آسمان وزمین اور جو ان میں ہیں سب برباد ہو جائیں۔ بلکہ ہم ان کے پاس ان کے لیے نصیحت لائے اور وہ اپنی ہی نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں۔

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے اور ایسا ہی رویہ پرانے زمانے میں (قبل از اسلام) دوسرے انبیاء کے ساتھ ہوا۔ قریش مکہ نبی ﷺ کے کردار کو جانتے تھے۔ آپ کا لقب صادق اور امین تھا۔ لیکن آپ کے پیغام کی مخالفت کرتے اور اس حد تک مخالفت کی کہ کہا ان کو جنون یا کسی جن کا اثر ہے کہ کائنات کے امور، خدائے واحد، انسانی بھلائی کے بارے احکام دیتے اور نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت ان کے سامنے تھی اور اس کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ پیغام ان کے مفاد میں تھا اور بجائے اس کے کہ وہ اس کو قبول کریں، اور اس کا فائدہ اٹھائیں۔ وہ اپنے باپ دادا کے رواجوں پر مصر تھے، کہ وہ صحیح ہیں۔ حالانکہ ان کے آباؤ اجداد اس وقت نبی نہ آنے کی وجہ سے گمراہی میں تھے۔ نبی کی موجودگی ان کے لیے خوش نصیبی ہے۔ لیکن وہ اس کے مخالف ہیں۔ ان کے رات کی قصہ گوئی کو (سمراہ) اور شیخی وگھمنڈ کے قصوں کو (ھجر) ذکر کیا ہے۔ قریش، راتوں کو فخریہ قصے کرتے اور قرآن پر غور کرنے کے مقابلے اس کو ترجیح دیتے اور لوگوں کو اس میں شامل کرتے تا کہ وہ قرآن نہ سنیں اور نہ غور کریں۔

رات کو دیر تک جاگنا:

رات کو دیر تک محض وقت گذارنے کے لیے بیٹھنے سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور تاکید کی، کہ نماز عشاء کے بعد آدمی نہ جاگے۔ صرف ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ نماز کے بعد، اللہ کی یاد کے ساتھ بستر پر نیند بھی شیطان کے خیالات سے محفوظ رکھتی ہے۔ جدید طبی اور نفسیاتی تحقیقات نے بھی دیر تک رات کو جاگنے کے نقصانات کا ذکر کیا ہے، ان سے طبیعت میں چڑچڑا پن کی امراض، نیند کی کمی سے دماغی کمزوری، آخری عمر نسیان کا جلد آجانا، انسانی دفاعی نظام (بیماری کے خلاف مدافعت) کا کمزور ہو جانا، ہے۔ ضروری اور اہم معاملات کے لیے دیر تک جاگا جا سکتا ہے۔ تعلیمات نبی پر عمل سے ہی دنیا و آخرت میں کامیابی ہے۔

کفار کے اس رویہ اور احکام الٰہی سے انکار اور مخالفت کی بناء پر ان کو سزا ملے گی۔ ایک سزا تو دنیا میں ان کی ناکامی ہو گی۔ جس طرح بدر، خندق، حنین کی جنگوں میں کفار کو ناکامی ہوئی اور دوسری قیامت کو حساب وکتاب میں وہ جہنم کی سزا پائیں گے۔

اگر کفار کے عقائد صحیح ہوتے تو ساری کائنات میں فساد مچ جاتا اور جس خوبی و حسن سے یہ ساری کائنات کا نظام چل رہا ہے، کب کا تہس نہس ہو چکا ہوتا۔ اگر کئی خدا ہوں تو ہر ایک اپنا زور اور قوت لگائے گا۔ اس سے نہ صرف ہم آہنگی ختم ہو گی بلکہ فساد ہو گا اور کائنات تباہ ہو گی۔ اور قرآن کے دلائل کائنات، انسانی اصول، اللہ کی وحدانیت ہی انسان کی کامیابی کی ضامن ہے۔ اور وہ (قریش) اس سے انکار کر رہے ہیں۔ لہذا سزا پائیں گے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝

کیا آپ ان سے اجرت کا سوال کرتے ہیں؟ (نہیں)، چنانچہ آپ کے رب کی اجرت زیادہ بہتر ہے۔ اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

اور بلاشبہ آپ انہیں صراط مستقیم (اسلام) کی طرف بلاتے ہیں۔

وَ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ۝

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ یقیناً صراط مستقیم سے پٹ رہے ہیں۔ (ہٹے ہوئے ہیں)۔

وَ لَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَ كَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور انہیں لاحق تکلیفیں دور کر دیں۔ تو پھر بھی وہ اپنی سرکشی پر اڑے ہیں۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَ مَا يَتَضَرَّعُوْنَ۝ ع ۴

اور بلاشبہ ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تھا۔ پھر نہ انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کی، نہ گڑ گڑائے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝

حتٰی کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو وہ اس میں ناامید ہو گئے۔

کفار کے کردار کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ کا کردار ان کے سامنے تھا۔ (صادق و امین تھے)۔ قرآن مجید کا اعجاز ان کے سامنے تھا۔ نبی ﷺ کی دینی تبلیغ جو، ان کی ہدایت کے لیے تھی، اس کا ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے تھے۔ اس تبلیغ کا مقصد نہ دولت، نہ اقتدار کا حصول تھا۔ بلکہ انسانیت کی فلاح تھی۔ اقتدار کے طلب گار، تو عصبیت کو ہوا دے کر اقتدار حاصل کرتے ہیں۔ اور اسلام کا پیغام تو عصبیت کے خلاف تھا۔ اس طرح دولت کی کئی پیش کشوں کو آپ نے ٹھکرا کر تن تنہا سارے مکہ کی مخالفت کا مقابلہ کیا۔ اور ہر قسم کے ظلم اور زیادتی کو سہا۔ یہ کردار تو سراپا اخلاص اور حکم ربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کے کردار کا ذکر دوسرے انبیاء کے لیے بھی کیا گیا ہے۔ (اس لیے معاوضوں اور اقتدار کو اخلاص کے خلاف جانا جاتا ہے)۔ بلکہ مقصد تو ان کو سیدھے راستہ کی طرف لگانا تھا۔ گمراہی سے نکالنا چاہتے تھے۔ لیکن کفار مکہ ہر مخالفت اور ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ ان کی گمراہی کی انتہا تھی کہ انہیں جب عذاب میں پکڑا گیا، اس سے مراد کفار کی جنگوں میں ناکامی (بدر، خندق، حنین) وغیرہ یا جو اہلیان مکہ پر قحط کا

عذاب آیا تھا۔ وہ حیوانات اور چمڑے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے بذریعہ ابو سفیان درخواست کی تھی۔ اس طرح یہ قحط ختم ہوا۔ لیکن اس رحم کے باوجود وہ اتنے شدید تھے کہ اس پر بھی اسلام نہ لائے۔ اور مخالفت کرتے رہے۔ ان میں اب ہدایت کی توقع نہ ہونے کے برابر ہو چکی تھی۔ اس لیے اللہ نے ان کو عذاب میں ڈال دیا۔ ان کی سرکشی ان کو لے ڈوبی اور ناکام ہوئے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لیے کان، آنکھیں، دل پیدا کئے مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تمہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝

بلکہ انہوں نے وہی کچھ کہا ہے جو ان سے پہلوں نے کہا تھا۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝

انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم ضرور (زندہ کر کے) اٹھائیں جائیں۔

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

بے شک ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا گیا تھا یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

مخلوق اور خالق:۔

کفار کے انکار حقیقت اور وجود خداوندی کو دل سے تسلیم نہ کرنے کے نظریات کو عملی اور واضح دلائل سے رد کیا ہے۔ آیت میں بصارت اور سماعت کے ساتھ، دل سے مراد دماغ ہے۔ کیونکہ علم و سمجھ کا تعلق دماغ سے ہے۔ دل سے نہیں۔ اور آگے علمی دلائل ہیں جن کو دماغ کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح محبت و نفرت کے جذبات کا بھی مرکز دماغ ہے۔ یہ سارے سائنسی دلائل ہیں جو تحقیقات کا موضوع ہیں۔ آج کل مغرب میں تحقیق کرنے والے اور لادینی نظام تعلیم کی وجہ سے، خدا کے وجود کو مکمل ذہنی طور پر تسلیم نہیں کرتے، جو کہ ان کے نظام تعلیم کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ان امور کی توجیہہ میں صرف حواس خمسہ سے معلوم ہونے والے اسباب تک محدود رہتے ہیں۔ اور اسباب کے پیچھے جو طاقت ہے اس کو نہیں دیکھتے۔ یہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ سائنسی علم کو سیکھیں۔ تحقیقات کریں اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں ان کو دیکھیں اور تجزیہ کریں۔ درج ذیل دلائل آیات میں مذکور ہیں۔

۱۔ انسانی جسم، اس کی ساخت، ہڈیوں کا ڈھانچہ، جسم پر پٹھے، حرکت، علمی استعداد، ذہن، جذبات، حواس خمسہ، اور ان کے ذرائع، ان ذرائع کی خصوصیات اور عمل کا نظام، لیکن انسان، نظام جسم سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کو دیکھتا اس کے عروج و زوال سے گذرتا ہے۔ لیکن اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے دور رہتا ہے۔

۲۔ سطح زمین، اس پر سبزہ، فصل، پھل، نباتات، جمادات، پانی، زراعت سب انتہائی غور کے قابل ہیں۔ اور اپنے صانع کی قدرت اور طاقت کا مظہر ہیں۔ انسان کی سمندری اور خشکی کے سفر کی استعداد اور دستیاب وسائل حیوانات و کشتیاں وغیرہ۔ پانی کی اچھال، ہوا کا دباؤ و اٹھان، جانتا ہے، لیکن ان کے خالق سے منکر ہے۔

۳۔ ہمارا نظام عمل، رات و دن، موسم بہار، خزاں، برسات، گرمی، سردی، ان کے اثرات وصحت اور زراعت پر اور اس کے نتائج قابل غور ہیں۔ اور اپنے خالق (بنانے والے) کی عظمت کی دلیل ہیں۔

۴۔ انسانی وجود یعنی پیدائش، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت کا سلسلہ خود ایک دلیل ہے۔ اگر عدم سے وجود میں آسکتا ہے۔ پھر عدم میں چلا جاتا ہے۔ تو دوبارہ پھر زندہ ہو سکتا ہے۔ زمین پر ہر چیز یعنی مادہ، اس کی حدود میں رہتا ہے، جس طرح کہ طبیعات کا اصول ہے۔ دوبارہ زندہ ہونا نا ممکن نہیں اسکی بنیاد موجود ہے۔

دوسرے امور میں سائنس تمام باتوں کو قبول کرتی ہے لیکن مرنے والوں کو بڑی تعداد میں دوبارہ زندہ نہیں دیکھا جاسکا۔ اس لیے اس سے انکاری ہے۔ (یہ صرف چند معجزات کے ذریعہ انبیاء کو قوت عطا کی گئی)۔ جب انبیاء نے دوبارہ زندہ ہونے کے بارے بتایا اور حساب و کتاب کی خبر دی، تو اس سے اکثر لوگ منکر ہو گئے اور یہ سلسلہ آج تک ہے۔ اس لیے اسلام میں ابتداء میں ایمان بالغیب ایک شرط ہے۔ پھر عبادات اور علمی دلائل سے اس کا مزید یقین بڑھتا ہے۔ تمام انبیاء کرام نے حضرت آدم سے لے کر ہمارے نبی علیہ السلام تک، نے اس کو بتایا، لیکن لوگ پھر بھی جہالت پر ڈٹے رہے کہ یہ کیسے ہو گا؟ اور آج تک ہم نے جانے والوں (مرنے والوں) کو واپس آتے نہیں دیکھا۔ اس لیے صرف کہانی تصور کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ایک بڑے جسم کا دوبارہ زندہ ہونا آسان ہے۔ بہ نسبت اسکی پہلی پیدائش جب وہ بالکل عدم سے وجود میں آتا ہے۔ یہ نہ صرف انسان بلکہ حیوان اور نباتات کے وجود سے واضح ہے۔ لہذا انسان کو اس پر یقین کرنا ضروری ہے۔ شیطان مختلف وسوسے ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

(اے نبی) آپ ان سے کہیں (پوچھیں) اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ، یہ زمین کس کی ہے؟ اور جو کچھ اس میں ہے۔ (کس کا ہے)۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝

وہ ضرور کہیں گے اللہ کی ہے۔ کہہ دیجیے: کیا پھر بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝

آپ کہیں (پوچھیں) ساتوں آسمانوں کارب اور عرش عظیم کارب کون ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

وہ ضرور کہیں گے (یہ) اللہ ہی کے ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

آپ کہہ دیں (پوچھیں): کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے، جب کہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کسی کو پناہ نہیں دی جا سکتی۔ اگر تم جانتے ہو۔ (تو بتاو)۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

وہ ضرور کہیں گے: (بادشاہی) اللہ کی ہی ہے۔ کہہ دیجیے: پھر کہاں سے تم پر جادو کیا جاتا ہے۔ (کہ تم ایمان نہیں لاتے)۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے اور بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں۔ (انکار کی وجہ سے)،

اللہ کے وجود کے سائنسی و علمی دلائل کے بعد محض عمومی عقل و سمجھ کے ذریعے، اللہ کے وجود اور طاقت کے دلائل دیے ہیں۔ جس کے لیے کوئی علم و دانائی کے بڑے درجہ کی ضرورت نہیں۔ زمین انسان کے وجود سے پہلے تھی۔ پھر ہر انسان اپنی زندگی گزار کر چلا جاتا ہے۔ زمین قائم و دائم ہے، تو کس کی ہے۔ انسان تو اسے چھوڑ دیتا ہے۔ ظاہر کسی اور طاقت کی ملکیت ہے۔ اور وہ خدا ہے۔ اس کے علاوہ آسمان (میلوں) نظر آتا ہے۔ سورج روشنی دے رہا ہے۔ چاند رات کو روشنی دیتا ہے۔ ستارے نظر آتے ہیں۔ یہ سب انسان سے پہلے اور انسان کی طاقت سے باہر تو کسی اور ذات و طاقت نے بنائے ہیں۔ وہی خدا، یا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر جب زمین پر طوفان، تباہی، زلزلے آتے ہیں، تو انسان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ سارے امور اس بات کی طرف اشارہ اور ثبوت دیتے ہیں کہ کوئی اور طاقت ہے، جو ان کو کنٹرول کرتی ہے۔ اور وہ طاقت ان دیکھی ہے اور وہی خدا ہے۔ خدا کے وجود کے بارے، اللہ کے بندوں نے لوگوں کو بتایا، لیکن لوگوں نے ان کی ان واضح دلائل کے باوجود ان کو جھٹلایا۔ جس طرح اس وقت قریش مکہ جھٹلاتے تھے۔ اور آج بھی لوگ محض اسے فطرت یا نیچر کہتے ہیں، اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ سب انسان کی غلطی ہے کہ وہ حق (اللہ) کا علم ملنے کے باوجود، اس پر غور نہیں کرتا اور جھٹلاتا ہے۔ دراصل وہ خود غلطی اور جھوٹ پر ہے۔ حق کا وجود ثابت و دائم ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

اللہ نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے۔ (اگر ہوتا) تو ہر معبود اس چیز کو جو اس نے پیدا کی لے جاتا اور بلاشبہ ان میں سے ہر ایک (معبود) دوسرے (معبود) پر چڑھائی کرتا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے۔ جو وہ بیان کرتے ہیں۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ وہ اس شرک سے بلند ہے جو اس کے متعلق کہتے ہیں۔

پھر جب انسان نے دنیا، یعنی زندگی میں اکثر امور کو انسانی طاقت سے باہر دیکھا اور انبیاء نے، بھی اللہ کے وجود کے دلائل دیے۔ تو کچھ لوگ راہ حق (اسلام) پر چل نکلے اور کچھ لوگوں نے دوسری ان جانی قوتوں مثلاً، سورج، چاند، ستاروں کو قابل عبادت جانا، اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ کچھ نے (مجوسی) خیر اور شر کے دو خدا بنا دیے۔ کچھ انسانوں کو خدا کے درجہ پر لے گئے۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور حصہ بنالیا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنالیا۔ غرض خدا کے وجود کے ساتھ اور شریک کر دیے۔ اب ایک علمی دلیل سے رد کیا گیا ہے۔ کہ اگر خدا کے ساتھ خدائی میں اور شریک ہوتے، تو لاکھوں سالوں سے چلنے والا نظام کب کا ختم ہو گیا ہوتا، کیونکہ ہر خدا اپنے نظام کو اپنی مرضی سے چلاتا اور دوسرے کے ماتحت یا مرضی سے نہیں چلاتا، تا کہ اس کی طاقت اور خدائی میں کوئی اور خلل نہ ڈالے۔ اس طرح اختلاف کی وجہ سے نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا اور کائنات کب کی ختم ہو گئی ہوتی۔

دوسری دلیل سے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں کیونکہ اولاد بھی تصرف (کنٹرول یا حصہ) مانگتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بغیر کسی شریک اور کسی اولاد کے ہیں۔ وہ انبیاء جنہوں نے اللہ کے پیغام کو حق و صداقت سے پہنچایا، وہ اس کی اولاد نہیں۔ کیونکہ اولاد کے لیے مادہ کی ضرورت پڑتی ہے اور عمل تولید یا پیدائش کا نظام ضروری ہے۔ یہ سب خدا کی خدائی میں خلل اور کمی و پابندی کا سبب بنتے جو کہ نظام کائنات میں خلل پیدا کر کے تباہ کر دیتا۔

اللہ کی ذات کا علم و پہچان سب سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ ان تمام انسانی تفکرات کی غلطیوں سے بلند و بالا ہے۔ تمام اس کے محتاج ہیں۔ اس کی الہیت میں کوئی شریک نہیں، وہ جس طرح چاہے کرے، کرتا ہے۔ خالق اور مخلوق کا فرق اس قدر عظیم ہے کہ شرک کے امکانات کو عقلی طور پر ختم کر دیتا ہے۔ مخلوق کو خالق سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ

کہہ دیجیے: اے میرے رب: اگر تو مجھے دکھادے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اے میرے رب: تو مجھے ظالم لوگوں میں (شامل) نہ کرنا۔

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝

اور بے شک ہم اس بات پر قادر ہیں۔ کہ آپ کو وہ دکھائیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝

برائی کو اس طرح دفع کیجیے: (روکیئے) جو احسن (طریقہ) ہو۔ ہم اسے خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ

اور کہیے: اے میرے رب میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

اور اے میرے رب: میں اس سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

آیات میں نبی ﷺ کے لیے چند ہدایات ہیں، جن کا مقصد عامتہ المسلمین کی راہنمائی ہے کہ نبی کے کردار کے مطابق اپنی زندگی گذاریں۔ اللہ تعالیٰ نے، جو اس کے نافرمان اور انکار کرنے والے ہیں، ان کے لیے عذاب کی سزا دی ہے اور یہ سزا، وہ دنیا میں بھگت سکتے ہیں یا آخرت میں ہو گی۔ اگر ان کو سزا، اس دنیا میں ہوئی ہے، تو معاشرہ شامل ہوتا ہے اور کئی افراد جو اس جرم میں شریک نہیں ہوتے، وہ بھی عذاب کا شکار بن جاتے ہیں۔ دوسری طرف ایسے افراد سے جو ظلم اور احکام الٰہی کا انکار کرتے ہیں، ان سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے، کیونکہ ایسا آدمی شیطان کے نشانے پر رہتا ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر شیطان سے بچنا بڑا مشکل ہے۔
موقع نزول کی روایت کے مطابق کفار مکہ پر سخت قحط آیا، کئی سال وہ قحط کا شکار رہے۔ ابو سفیان حضور (نبی) کے پاس آیا اور کہا کہ اہل مکہ آپ کے شہر اور رشتہ دار ہیں۔ اور اس عذاب میں ہیں کہ چمڑے اور مردار کھا رہے ہیں۔ آپ اپنے اللہ سے دعا کریں کہ وہ عذاب دور کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اور بارش ہوئی۔ قحط ختم ہوا، لیکن اس کے بعد بھی ان کا وہی رویہ رہا۔

شیطان سے بچاو:۔

شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ کیونکہ شیطان گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے اسباب و ذرائع اتنے پیچیدہ اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں، کہ انسان لاشعوری طور پر ان میں پھنسا رہتا ہے۔ اس سے صرف اسی صورت میں بچا جا سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل رہے اور بندے کو ان خطرات سے آگاہی ہوتی رہے۔ حضور اکرم ﷺ اکثر اوقات یہی دعا فرمایا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے۔ بالخصوص اگر ہم اس دعا کے معانی کو اپنے دماغ میں رکھیں تو اس کا بہت زیادہ روحانی یا نفسیاتی طور فائدہ ہوتا ہے۔

"اعوذ باللہ من ہمزات الشیطان من نفخہ ونفثہ" میں شیطان کے نفخ (تکبر) نفث (پھونک) اور ہمزات (وسوسوں) سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

الھمز، کا معنی چپکے یا چھپ کر، دھکا دے کر دور کرنا، یعنی نیکی اور اچھائی سے اس طرح روکنا کہ کام کرنے والے کو روکنے والے کا پتہ نہ چلے اور بے خبری میں شکار ہو جائے۔

کامیابی کا اصول:۔

ایک اہم اصول جس کا حکم دیا ہے وہ معاشرہ میں امن، سلامتی، کامیابی کا راز ہے، کہ برائی کو برائی سے دور نہ کیا جائے۔ یعنی برے آدمی کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے۔ اس طرح برائی مزید پھیلتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ کوئی انسان خود بدلہ نہ لینا شروع کر دے، بلکہ حکومت یا ریاست انصاف مہیا کرے۔ تمام افراد کو بلا تفریق مذہب، رنگ، نسل، زبان، عدل و انصاف

باآسانی میسر ہو۔ آدمی کا برائی کے بدلہ سے مزید برائی پھیلتی ہے۔ جب ریاست سزا دیتی ہے تو برائی ختم ہوتی ہے۔ دوسرا، اہم نکتہ اور اصول دیا ہے کہ برائی کے بدلے اچھائی کی جائے۔ تاکہ برا کرنے والے کو شرمندگی ہو اور وہ اس سے رک جائے۔ دوسرے لوگوں کو نیکی کرنے کی ترغیب ہو اور معاشرہ محبت و سلامتی سے بھر جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر فرد کے اعمال اور نیتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔ انبیاء کو احکام دینے کا مقصد، امت اور افراد کے لیے ان اعمال کی اہمیت ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پر زیادتی کی گئی ہو اور آپ نے اس کا بدلہ لیا ہو۔ جب تک اللہ کی حدود کو پامال نہ کیا جائے۔ اور جب اللہ کی حدود (جرائم) کی ذرا سی بھی خلاف ورزی کی گئی، تو آپ سے زیادہ غضبناک کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ کو جب بھی دو چیزوں میں کسی ایک کا اختیار دیا جاتا، تو آپ زیادہ آسان چیز کو اختیار کرتے۔ بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری نبی ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے آپ کے ہاتھ پکڑنے میں پہل کی۔ اور عرض کیا: یارسول اللہ: مجھے بتایئے کہ سب سے اچھے اعمال کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عقبہ: جو تم سے تعلق توڑے، تم اس سے جوڑو: اور جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو۔ اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔ (مسند احمد)۔

نبی ﷺ نے حضرت عمر کی مخالفت کے باوجود عبد اللہ بن ابیّ سلول جو کہ اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ اور اس کے قبیلہ میں منافق تھے، اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور قمیض دی۔ قتادہ، بیان کرتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "میری قمیض اور اس پر میری نماز جنازہ، اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کرسکتی۔ اور بے شک مجھے امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے افراد سچے مسلمان بن جائیں گے۔ (جامع البیان، بحوالہ تبیان القرآن)۔ آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق سے عبد اللہ بن ابی کی قوم کے قریبا ایک ہزار آدمی توبہ کرکے سچے مسلمان ہوگیے اور منافقت چھوڑ دی۔

جن لوگوں نے آپ پر ظلم کئے۔ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا یا حملہ کیا، آپ کے ساتھ، دوران مکہ ہر طرف کا غلبہ (ظلم) روا رکھا، آپ نے سب کو معاف کر دیا۔

ان کفار سے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے، جہاد کا حکم ملا۔ ان کے حملوں سے مسلمانوں کی جانوں کو خطرہ تھا اور ان سے کوئی امن کا معاہدہ نہیں تھا۔ ان سے قتال کرنے کا حکم ہوا تاکہ مسلمان مملکت اور معاشرہ محفوظ رہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے رب: مجھے واپس بھیج دے۔

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝

تاکہ دنیا میں وہ نیک کام کرلوں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہرگز نہیں یہ صرف ایک بات ہے۔ سب کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت حجاب ہے جس دن ان کو اٹھایا جائے گا۔

انکار اور ظلم کرنے والوں کے اعمال کے بدلہ میں سزا کا ذکر تھا۔ ان کی یہی کیفیت بیان کی ہے۔ اور اس کیفیت کے دو موقعہ ہیں۔ ا۔ جب انسان کی جان نکل رہی ہوتی ہے۔ انتہائی شدت کی تکلیف ہوتی ہے۔ اس وقت کے عذاب کو محسوس کرکے کفار کہیں گے: اے اللہ! ہمیں: دنیا میں زندہ رہنے دے تاکہ ہم آب نیک کام کریں۔ دوسرا موقعہ قیامت کے دن حساب و کتاب کا ہو گا۔ جس میں ان کو ان کے اعمال نامہ سے پتہ جب چلے گا، تو درخواست کریں گے کہ ان کو موقعہ دیا جائے۔ یہ معاملہ ہر انسان خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم سب کے ساتھ ہو گا۔ اس کے بعد وہ عالم برزخ یا دوزخ میں چلے جائیں گے۔

چونکہ وہ ساری عمر گناہ میں رہے اور علم کے باوجود عمل کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اس لیے ان کو دوبارہ آنے کی حسرت ہی رہے گی۔ اور وہ سزا پائیں گے۔ کیونکہ اگر ان کو موقع بھی ملے، تو دوبارہ وہ اسی طرح دنیا کی رنگ رلیوں میں ڈوب کر نیکی کو بھول جائیں گے۔ جس طرح عام انسان تکلیف کے وقت تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، لیکن تکلیف ختم ہونے کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ: "ہر گز نہیں یہ صرف ایک کہنے کی بات ہے"۔ ("انہا کلمۃ ھو قائلھا")۔

برزخ: موت کے بعد ایک حجاب ہے یعنی بزرخ ہے۔ برزخ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حد یا رکاوٹ یا کوئی حائل شی ہے۔ موت سے حشر (قیامت) تک کے عالم (مدت) کو برزخ کہتے ہیں۔ اکثر علماء نے یہی تعریف کی ہے۔ کچھ مفسرین نے دنیا اور آخرت کے درمیان کو برزخ کہا ہے۔ بعض نے دو صوروں کے درمیان موت کو برزخ کہا ہے۔ یہ تمام اقوال مفہوم کے لحاظ سے قریب قریب ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝

پھر جب صور پھونک دیا جائے گا۔ تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے۔ نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

سو جن کی نیکیوں کے میزان میں پلے بھاری ہوں گے، وہی کامیاب ہوں گے۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ۝

اور جن کی نیکیوں کے پلے ہلکے ہوں گے، تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا (وہ) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝

آگ ان کے چہروں کو جھلستی رہے گی۔ اور وہ اس میں بری حالت میں ہوں گے۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝

کیا تمہارے سامنے میری آیتوں کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی۔ پھر تم ان کی تکذیب کرتے تھے۔

آیات میں قیامت کے دن انسان کی کیفیت کے بارے تصویر کشی کی ہے۔ دنیا میں اپنے معاملات میں انسان اپنے تعلق والے افراد خواہ وہ رشتہ کی وجہ سے ہوں، یعنی والد یا والدہ کی طرف سے یا ویسے اخلاق و معاشرت کے سبب ہوں، دوست وغیرہ، آپس میں تعاون، مدد مانگتا ہے۔ اس کے بعد حقوق و واجبات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مدد کی جاتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن کیفیت اتنی شدید ہو گی کہ کسی کو کسی سے اس طرح کی مدد یا تعاون کا تصور بھی نہیں ہو گا۔ اور یہ سارے تعلقات رشتے، ختم ہوں گے۔ ہر فرد اپنی ہی کیفیت و حالت اور اعمال پر پریشان ہو گا اور نہ کسی سے مدد یا سوال کی جرات کرے گا۔

اعمال کا ناپ تول:۔

انسانی اعمال کے حساب و کتاب کے لیے موازین کا لفظ بیان کیا، کیونکہ انسانی معاشرت و تجارت میں یعنی لین دین میں ناپ تول کے لیے مختلف پیمانے استعمال ہوتے ہیں اور ترازو کا پیمانہ سب سے قدیم، آسان، واضح اور زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ اور اس لیے اس کی مثال دی ہے۔ در حقیقت، انسان کے تمام اعمال و افعال کو ان کی کیفیت، حالت، صورت، مادی ہو یا غیر مادی، پوری طرح ان کا حساب و کتاب ہو گا۔ اور ان کے لیے ان کی کیفیت و حالت و عمل کے مطابق ترازو ہوں گے۔ جس کی مثال ہمارے ہاں، مائع، ٹھوس، حرارت، دباو، انرجی، طاقت کے لیے اور مواد (ڈیٹا) کے لیے مختلف پیمانے ہیں۔ قیامت میں ان کا معیار ان سے کئی گنا بلند اور صحیح ہو گا۔ ہر فرد کا پورا پورا حساب و کتاب ہو گا۔ جس میں عدل و انصاف واضح نظر آئے گا۔

جن لوگوں کی نیکیاں زیادہ ہوں گی۔ وہ کامیاب ہوں گے اور سزا سے بچ جائیں گے۔ جن لوگوں کی نیکیاں کم اور گناہ و نافرمانی زیادہ ہو گی، وہ نقصان میں ہوں گے۔ یعنی سزا پائیں گے۔ سزا کی صورت یہ ہے کہ وہ آگ میں جلیں گے۔ ان کے چہرے جھلس جائیں گئے۔ ان کے جبڑے اور دانت خوفناک صورت میں جلد کے جلنے کے بعد نکل آئیں گے۔ اور جب وہ اس عذاب پر معافی مانگیں گے۔ تو انہیں یاد دلایا جائے گا۔ کہ دنیا کی زندگی میں ان کو احکام الہی کی اطلاع دی گئی تھی۔ ان کو بار بار یاد دہانی کرائی جاتی تھی، لیکن وہ ہر بار اس کو رد کرتے تھے۔ اور جھٹلاتے تھے۔ احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں آج عذاب بھگت رہے ہیں۔

اعمال کی اہمیت:۔

آیات مبارکہ دنیا میں انسانی اختیار برائے اعمال اور اعمال کی اہمیت و ضرورت واضح کر رہی ہیں۔ زندگی ایک فرصت اور نعمت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسان اس کو صرف ایک زندگی نہ سمجھے۔ بلکہ ایک فرصت اور نعمت سمجھ کر نیک اعمال کرے۔ اللہ کے وجود کے بارے غور کرے اور اپنے کرداروں کو اللہ کی تعلیمات کے مطابق، نیکیوں اور بھلائیوں میں زیادہ عمل کرے تاکہ نقصان و سزا سے بچ جائے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ کے سامنے کھڑا رہے گا۔ حتّٰی کہ وہ اس سے چار چیزوں کے بارے سوال کرے گا۔ ۱۔ اس نے اپنی عمر کو کن چیزوں میں فنا کیا؟ ۲۔ اس نے اپنے جسم کو کن کاموں میں بوسیدہ کیا؟ ۳۔ اس نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ ۴۔ اس نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور اس نے کس چیز میں خرچ کیا؟ (مسند بزاز۔)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظلم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ ظلم ہے جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ دوسرا وہ ظلم ہے جس کو وہ معاف کر دے گا۔ اور تیسرا وہ ظلم ہے جس کو ترک نہیں کرے گا۔ رہا وہ ظلم جس کو معاف نہیں کرے گا۔ وہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ (سورۃ لقمان ۱۳) اور جس کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ یہ وہ ظلم ہے جو بندے اپنی جانوں پر اللہ کی معصیت (نافرمانی) کر کے کرتے ہیں، (حقوق اللہ میں)۔ جس ظلم کو ترک نہیں فرمائے گا۔ یہ وہ ظلم ہے جو بندے ایک دوسرے پر کرتے ہیں (حقوق العباد)۔ ان کا قصاص لیا جائے گا۔ سزا ہو گی۔ (مسند البزاز)۔

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۝

وہ (گناہ گار) کہیں گے "اے ہمارے رب: ہم پر بد بختی غالب آگئی اور ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۝

اے ہمارے رب: ہمیں دوزخ سے نکال اور اگر پھر ہم (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ۝

کہے گا (جواب میں) تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو۔ اور مجھ سے بات (درخواست) نہ کرو۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۝

بے شک میرے بندوں میں ایک گروہ یہ کہتا تھا۔ اے ہمارے رب: ہم ایمان لائے تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ۝

تو اے کافرو: تم نے ان کا مذاق اڑایا حتّٰی کہ (اس مشغلہ نے) تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝

بے شک میں نے ان کے صبر کی اچھی جزا دی اور بے شک وہی کامیاب ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ۝

اور اللہ فرمائے گا تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ۝

وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے۔ آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے۔

قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ اَنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝

اللہ کہے گا تم بہت کم ٹھہرے تھے۔ کاش تم نے پہلے جان لیا ہوتا۔

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝

کیا تم نے یہ گمان کر لیا تھا۔ کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا۔ اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

کفار کا یوم حساب کے دن، دوزخ میں جانے کے فیصلہ پر، ان کی کیفیت بیان کی ہے۔ اقرار جرم کریں گے۔ اعتراف غلطی ہو گا۔ اپنی شرمندگی کا اظہار کریں گے کہ وہ غلط تھے اور یہ ممنوع کاموں کی سزا ہے۔ لیکن وہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے اور وہ دوبارہ خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا، کہ دوبارہ کوئی درخواست نہ کرو، بلکہ فیصلہ پر عمل ہو گا۔ ان کو یہ بتایا اور جتلایا جائے گا، کہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے آج اس کی رحمت سے جنت میں جائیں گے اور کامیاب ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ دنیا میں تم اپنی دولت، نسب کی وجہ سے بدسلوکی کرتے تھے۔ آج وہ کامیاب اور تم ذلیل ہو اور تم دھتکارے ہوئے، اس جہنم میں پڑے رہو۔ جب دنیا کی زندگی اور فرصت عمل کے بارے پوچھا جائے گا تو کہیں گے کہ مدت بہت تھوڑی تھی اسی لئے کچھ نہ کر سکے۔

زندگی کا مقصد:۔

انتہائی اہم سوال کی طرف اشارہ ہے۔ انسان تمام صلاحیتوں کے ساتھ اپنی مرضی کے بغیر پیدا ہوتا ہے۔ پھر پروان چڑھتا، عقل، علم، طاقت، اعضاء، صحت، دنیا کے اندر رہنے کے لیے تمام آسائشیں اسے میسر ہوتی ہیں۔ اس کی راہنمائی اور اچھی زندگی کے لیے اس کے خالق نے اس کی ہدایت کا سامان اس کو پہنچایا ہے تا کہ اس کے مطابق ایک صالح، پر امن، پر عدل معاشرہ قائم کرے، لیکن وہ اپنی مرضی کرتا ہے۔ احکام الٰہی کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اور پھر وہی انسان کمزور اور بے بس ہو کر اس دنیا سے اپنی مرضی کے خلاف چلا جاتا ہے۔

لائی حیات، آئی قضا، لے چلی چلے   اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

کیا یہ سارے سلسلہ ہائے دراز، صرف انسانوں کے مشغلہ کے لیے ہیں؟ یا سارا نظام جس میں انسان کا وجود اور اس کی سہولت کے لیے تمام اسباب موجود ہیں، محض تماشا اور کھلونا ہیں؟ جس کو انسان نہیں سمجھتا اور غور کرتا۔ یہ ایسا نہیں ہے کہ بلکہ سب کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے خالق کی تعلیمات کے مطابق اور کائنات کے اسباب سے فائدہ اٹھا کر زندگی گذارے۔ اگر ایسا نہیں کیا تو اس کو سزا ملے گی۔ قیامت کے سارے واقعات اسی سزا کی منظر کشی ہے تا کہ پڑھنے والا اس پر غور کرے اور اپنے کردار کا محاسبہ کر کے راہ مستقیم وہدایت پر چلے اور سزا سے بچ جائے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَـقُّ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡكَرِيۡمِ ۝

پس اللہ بلند شان والا ہے۔ اور سچا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ عرش کریم کا رب ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اور جو شخص اللہ کے سوا کسی اور معبود کی عبادت کرتا ہے۔ جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہی ہو گا۔ بے شک کافر کامیاب نہیں ہوں گے۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

اور آپ کہیے: اے میرے رب: بخش دے مغفرت فرما اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔

سورت کی آخری آیات بہت اہم ہیں۔ انسانی اعمال کی اہمیت، اس دنیا میں نیک اور بد، سچے اور جھوٹے، کمزور اور طاقتور، عدل اور ظلم کے واقعات کا حساب و کتاب کے لیے قیامت کا روز جزا بیان کیا تا کہ اس دنیا میں زندگی اور اعمال کی اہمیت واضح ہو۔ انسانی زندگی، بے مقصد اور یہ کائنات بھی بلا مقصد نہیں۔ اس لیے اپنے اعمال کا محاسبہ اور اللہ کے احکام کی تابعداری میں نجاعت اور کامیابی ہے۔

ان تمام امور کو کرنے والی، تخلیق کائنات، انسان، قیامت پر جزا و سزا کی قوت و طاقت کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس کی طاقت و قوت ثابت دائم ہے۔ الحق ہے، کریم و مہربان، اس کی ذات، تمام کائنات کے موجودات و غیر موجودات، سے بلند تر ہے۔ وہی قابل عبادت و بندگی ہے۔ اس کا مقام بلند اور وہ کریم و مہربان ہے۔ جو افراد اس کے علاوہ دوسری طاقتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ کے احکام پر غور اور عمل نہیں کرتے وہ بغیر دلیل، گمراہی اور نقصان میں ہیں۔ ان کا حساب و کتاب وہی ذات الٰہی قیامت کو کرے گی۔ اور وہ ناکام و نامراد ہوں گے۔ پھر دعا کی تلقین کی کہ معاملات دنیا، میں الجھن اور گمراہی کے اسباب موجود ہیں۔ اس لیے اللہ سے اس کی بخشش اور رحم کی درخواست کی جائے کیونکہ اس کی ذات بہت زیادہ رحم کرنے والی ہے۔۔ اگر توبہ صحیح طریقہ سے کی گئی تو ہماری غلطیوں کو معاف فرمادے گی۔

سورت کی ابتداء میں مومنین کو کامیابی کی نوید دی جو نیک اعمال کرتے ہیں۔ اور آخر میں کافروں کو وارنگ دی کہ وہ اگر کفر پر رہے تو ناکام و نامراد ہوں گے۔ فیصلہ انسان پر چھوڑ دیا تا کہ غور و فکر کر کے اپنی سیدھی راہ متعین کر کے انعام حاصل کر سکے۔ اللہ کی ذات بڑی مہربان و کریم ہے۔

سورت کی پہلی تین اور اخری تین آیات ہدایت کے لیے بہت اہم ہیں۔ جو ان پر عمل کرے گا۔ وہ نجات اور کامیابی سے ہمکنار ہو گا۔

الحمد اللہ سورۃ المومنون آج مکمل ہوئی۔ (۱۶ دسمبر 2021 بمطابق ۱۲ جمادی الثانی 1443ء) اسلام آباد۔ اللہ قرآن مجید کی صحیح تفسیر و تاویل کی توفیق عطا فرمائے اور میرے لیے توشہ نجاعت اور قارئین کے لیے توشہ ہدایت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

۲۴۔ سورۃ النور

تعارف:۔

سورۃ کا نام، النور ایک آیت نمبر 35 ”اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ“ کی وجہ سے ہوا اور اس سورۃ کے احکام انسان کی تمدنی اور اجتماعی زندگی کی تاریکیوں کو منور کرتے ہیں۔ فقہی احکام، آداب اور قواعد کا ذکر ہے۔ سورۃ کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت مسور بن مخزمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ الثانی حضرت عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یہ فرماتے سنا ہے کہ سورۃ البقرہ، سورۃ النساء، سورۃ المائدہ، سورۃ الحج اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو، کیونکہ ان میں فرائض (احکامات) ہیں۔(المستدرک للحاکم)۔ امام ابو عبیدہ نے فضائل قرآن میں حارثہ بن معزب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کیا کہ ہماری طرف حضرت عمر الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے لکھ کر بھیجا کہ تم لوگ سورۃ النساء، سورۃ الاحزاب اور سورۃ النور کا علم حاصل کرو۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اپنے مردوں کو سورۃ المائدہ کی تعلیم دو اور عورتوں کو سورۃ النور کی تعلیم دو۔

سورۃ مدینہ شریف میں نازل ہوئی۔ ترتیب کے لحاظ سے 24 نمبر پر ہے۔ اس میں نو رکوع اور چونسٹھ آیات ہیں۔ موقع نزول کے بارے، اس بات پر یقین ہے کہ غزوۃ بنی المصطلق کی موقع پر نازل ہوئی کیونکہ اس میں واقعہ افک اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بریت کے بارے دس آیات مذکور ہیں۔ غزوہ بنی المصطلق کے واقعہ کے بارے مؤرخین کا اختلاف ہے کہ 5 ہجری یا 6 ہجری میں ہوا تھا۔ اکثریت کا خیال ہے کہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے۔ اس لئے 5 ہجری کا قول کو زیادہ ترجیح ہے۔ اس کو غزوۃ المریسیع بھی کہتے ہیں۔ المریسیع، بنو خزاعہ کے پانی کے ایک چشمہ کا نام بھی ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی، امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، امام ابن شہاب اور واقدی نے 5 ہجری کو ترجیح دی۔ امام ابن اسحاق نے اسے 6 ہجری میں لکھا ہے۔

خزاعہ کا قبیلہ، قریش کا حلیف (دوست) تھا اور بنو المصطلق، خزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ ان کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ نبی ﷺ کو جب اطلاع ہوئی، تو تحقیق کے لئے آپ ﷺ نے حضرت بریدہ بن الحصیب اسلمی کو روانہ کیا۔ جب انہوں نے جا کر معلومات حاصل کر کے تصدیق کی، تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف تیاری شروع کر دی اور جلدی میں روانہ ہو گئے۔ بہت سارے منافقین بھی شامل ہو گئے، جن کو مال غنیمت کو توقع تھی۔ ایک اور جاسوس کو بھی آپ ﷺ نے پکڑ لیا اور اس نے بھی بنو المصطلق (حارث بن ابی ضرار) کے لشکر کی تصدیق کی۔ اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اور قتل ہو گیا۔ اس جنگ میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھیں۔ المریسیع پہنچ کر آپ ﷺ ٹھہر گئے اور صفیں بنائیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کا جھنڈا دیا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ بنو المصطلق میں یہ اعلان کریں کہ جس شخص نے کلمہ لا الہٰ الا اللہ پڑھ لیا، اس کی جان اور مال محفوظ ہو جائیں گے، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور ان کی طرف سے ایک شخص نے تیر مارا جس کے بعد آپ ﷺ نے عام حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ یکبار گی حملہ سے وہ شکست

کھا گئے۔ ان کے دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک مسلمان شہید ہوئے۔ اس غزوہ کے بعد حضرت جویریہ جو حارث کی بیٹی تھیں، ایک مجاہد حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب (یعنی رقم دے کر آزاد کرانا) کرالیا اور نبی ﷺ سے رقم (بدل کتابت) کی درخواست کی اور پھر نکاح قبول کر لیا۔ اس طرح نکاح کے بعد صحابہ کرام نے بنو المصطلق کے تمام قیدیوں کو آزاد کرادیا کہ وہ نبی ﷺ کے سسرالی تھے۔

سورۃ النور کے اہم مسائل میں زنا کی حد بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی بھی حد بیان کی گئی ہے۔ میاں اور بیوی اگر اس جرم (زنا) میں مبتلا ہوں تو ایک دوسرے پر لعنت کر کے پھر طلاق ہو جائے گی، خارجی گواہ کی ضرورت نہیں۔ برائی کو روکنے اور اس کے اسباب کو کم کرنے کے لئے پردہ کے احکام اور گھروں میں بغیر اجازت داخلے کو منع کیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ کی تکذیب کی گئی اور اس طرح کے اتہام اور لغو گفتگو کے خلاف احکامات دیئے تاکہ پاکدامن مرد اور عورتیں الزامات اور بدنامی سے محفوظ رہیں۔ منافقین کی دوہری پالیسی اور طریقہ کار کو رد فرمایا۔ مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے پر دنیا میں غلبہ و خلافت کی خوشخبری دی۔ نبی ﷺ کی اطاعت اور احترام کا حکم ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سورۃ میں نازل کردہ احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱﴾

یہ ہے وہ سورۃ جو ہم نے نازل کی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح نشانیاں نازل کیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾

زانیہ عورت اور زانی مرد، ان میں ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر اللہ کے احکام نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم / نرمی نہ آئے۔ اگر تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

سورۃ کی ابتداء انتہائی اہم الفاظ سے ہوئی ہے جو صیغہ متکلم ہیں، اور ان کو احکام کی اہمیت کے پیش نظر دہرایا گیا ہے۔ احکام کی اہمیت واضح ہے کہ یہ بطور مشورہ نہیں، بلکہ تعمیل کرنے کا حکم ہے۔ ان احکام کی وجہ سے معاشرہ، امن و سلامتی سے بھر جائے گا اور اس سورۃ میں احکام بھی واضح ہیں، تا کہ عمل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اسلام کی تعزیری قوانین میں ایک اہم قانون کا ذکر ہے۔ انسانی جان، مال و عزت کی حفاظت، اسلامی قوانین کی اساس ہے۔ اس لئے اگر کوئی کسی جان کو ختم کرتا ہے، تو قصاص ہے۔ اگر مال (ایک مقدار سے زائد) چراتا ہے تو چرانے والے کو ہاتھ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی کسی شخص کی عزت و آبرو کو پامال کرتا ہے تو اس کو کوڑے اور رجم کی سزا دی جاتی ہے۔

اسلام کا مقصد اسلامی حکومت کے تحت معاشرے میں امن، سکون، سلامتی اور پیار ہو۔ انسانی احترام کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ معاشرے کے افراد اپنی سرگرمیاں اور توانائیاں، پیداواری اور تعمیری (بھلائی کے) امور میں خرچ کریں۔ فساد اور جرائم کم سے کم ہوں۔ سزاؤں کو عمومی طور پر انسانی نفسیات کے اصول کے تحت سخت رکھا گیا ہے تا کہ جرائم کی رفتار انتہائی کم ہو۔ انسانی کردار میں خوف کا عنصر، کسی کام کی رکاوٹ میں نہایت اہم ہوتا ہے۔ بزدلی ایک علیحدہ کردار ہے لیکن خوف ایک جزا و سزا کا حصہ ہے۔ اسلام انسان کی فطرتی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر ایک پر امن، پر سکون معاشرے کے لئے نظام زندگی پیش کرتا ہے۔ جرائم کے اسباب کو بھی کم سے کم کیا گیا ہے اور دوسری طرف سزا کو سخت اور دوسروں کے لئے باعث عبرت بنایا گیا ہے تا کہ کم سے کم جرائم ہوں۔ حکومت کے نظام کے علاوہ خوف خدا، ایمان کی اہمیت، اللہ کے ہر حال میں حاضر و ناظر ہونے کا یقین، بھی ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ قیامت کا دن، حساب و کتاب، اللہ کی عظیم قوت و طاقت، اس کا ہر چیز کو جاننا اور دیکھنا اور معمولی سے معمولی عمل کا بھی حساب و کتاب کرنا، وہ نظریات ہیں جو انسانی کردار کی تکمیل میں بہت اہم ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نبی ﷺ کے زمانہ اور بعد میں، جب افراد کوئی غلط عمل کر دیتے تو فوراً اس کا اقرار کر کے اس کی تلافی و توبہ، سزا کے ذریعے کرتے۔

انسانی فطرت کے تقاضے، انسانی زندگی کے لئے بہت اہم ہیں۔ صحت، امن، سلامتی، غذا، جنسی ضروریات، جس خالق انسان نے پیدا کیا ہے، اس نے ان کو پورا کرنے کے لئے اسباب اور طریقہ کار بھی وضع کیا ہے، تاکہ سارے امور حکمت کے ساتھ مکمل ہوں۔ جب ان کو صحیح طریقہ کے بجائے غلط اور ممنوعہ طریقہ سے کیا جائے تو اس کی سزا واضح معین کر دی ہے۔ پھر سزا کے نفاذ کے لئے ہدایات واضح فرمادیں کہ اسے بر سر عام نافذ کیا جائے۔ تاکہ جن افراد کے دلوں میں غلط ارادے ہوں، وہ اپنا انجام دیکھ لیں اور واقعہ (جرم و سزا) سے عبرت حاصل کریں۔

وہ اعمال جن کو اسلام نے جرم قرار دیا ہے، ان میں زنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مخالفت کی حکمت، بڑے فصیح و بلیغ انداز میں کی ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (۳۲)" یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بہت بڑی بے حیائی اور یہ راستہ بہت برا ہے۔ اس عمل کا نقصان اور اس کے بچاؤ کا بھی طریقہ بتا دیا ہے۔ یہ عمل سراپا بے حیائی ہے۔ تسکین کا عمل بہت مختصر ہوتا ہے اور انسانی ضرورت بھی پوری ہوتی ہے۔ انسان کی ضرورت و تسکین کے لئے ایک نظام مقرر کر دیا ہے، جسے نکاح یا شادی کے ذریعہ مربوط کیا گیا۔ مرد، عورت، یعنی خاوند اور بیوی کے حقوق اور فرائض بتائے گئے، اولاد کی تربیت اور خواہش کے بارے حکم دیا گیا۔ جلدی شادی کی ترغیب دی گئی۔ پھر شادی کی ناکامی کی صورت میں خاوند اور بیوی کے لئے علیحدگی کا طریقہ کار بتایا گیا۔ اولاد کے حقوق اور اس کی ذمہ داری بتائی گئی، جس سے مرد اور عورت کی جسمانی اور نفسیاتی خواہشوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ کائنات میں انسانی زندگی کا حصہ ہے، فطری میلانات میں سلسلہ حیات کا تسلسل ہے، زمین کی تعمیر و ترقی کا راز بھی مضمر ہے، جو فریضہ خلافت الٰہی کا حصہ ہے۔

زنا کے قریب بھی جانے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس کی قربت سے خواہشات نفس پر کنٹرول کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور انسان شہوت کو پورا کرنے، ان کے نقصانات کو نظر انداز کرنے، دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنے، کے فرائض کو بھول جاتا ہے اور معاشرے میں فساد کا سبب بن کر اس میں شرم و حیا اور احترام انسانی کے جذبات سے عاری ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام حیات، دراصل حیوانیت کے خلاف جنگ ہے۔ ایک حیوان کے نزدیک، ایک جسم اور دوسرے جسم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہوتا، نہ ہی حیوانات کی کوئی فیملی ہوتی ہے۔ نہ ان کے درمیان مشترکہ جائے رہائش اور نہ ہی مشترکہ زندگی ہوتی ہے۔ بس چند لمحوں کا جسمانی ملاپ ہوتا ہے۔ اسلام، انسانی زندگی کو اس قدر عارضی میلانات پر استوار نہیں کرنا چاہتا، بلکہ اسلام جنسی تعلق کو ترقی یافتہ انسانی شعور کی بنیاد پر قائم کرتا ہے، کہ دو پاک اور نفیس جسم ایک دوسرے کے ساتھ خاوند اور بیوی کی صورت میں ملیں۔ دو دل اور دو روحیں اکٹھی ہو جائیں، دونوں انسان مل جائیں، ان کے درمیان ایک مشترکہ زندگی تعمیر ہو۔ ان کے درمیان امیدیں ہوں، ان کا دکھ درد مشترک ہو، ان کا مستقبل مشترک ہو اور دونوں کی آنے والی اولاد ہو۔ ان کی خوشیوں اور ان کی ذمہ داریوں میں وہ شریک ہوں اور یہ جدید آنے والی نسل ایک ہی مشترکہ جائے سکونت پر پھلے پھولے اور والدین ان کی حفاظت اور نشو و نما کے لئے اکٹھے ہوں۔

اسلام نے زنا کی سزا میں اسی وجہ سے شدت اختیار کی کیونکہ جنسی تعلقات میں زنا کا عمل حیوانیت کی سطح تک گرنے کے مترادف ہے اور تمام اعلیٰ قدریں جن کو اسلام چاہتا ہے ختم ہو جاتی ہیں اور اس سے انسان محض حیوانیت کے مقام تک گر جاتا ہے۔

اگر عورت (اپنی بیوی) دوسری عورت کے درمیان کوئی فرق نہ ہو، مرد (اپنے خاوند) اور دوسرے مرد کے درمیان فرق نہ کیا جائے، تو یہ حیوانی سطح ہے۔ جو ماں کے لئے ایک مشکل کا سبب بن جاتی ہے۔ آزاد شہوت رانی کے نظام میں، انسانیت اس قدر مسخ ہو جاتی ہے کہ لوگ گوشت اور خون کی ایک لمحاتی بھوک پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اس جز وقتی اور حیوانی جنسی ملاپ کے نتیجے میں، زندگی کی تعمیر کا جذبہ نہیں ہوتا اور نہ اس ملاپ سے اولاد کے حصول کا کوئی جذبہ ہوتا ہے، بلکہ کوئی حقیقی اور بلند جذبہ ہوتا ہی نہیں، کیونکہ محبت اور میلان کے اندر بھی ایک قسم کا دوام ہونا چاہئے، بلکہ زنا کے پیچھے جو کچھ ہوتا ہے وہ سب کا سب وقتی ہوتا ہے۔

بعض معاشروں میں اگرچہ دوستی اور محبت کے طویل تعلقات ہوتے ہیں، جو کہ چند انسانوں کے اچھے مزاج کی وجہ سے ہوتے ہیں، لیکن اکثریت ان سے محروم ہوتی ہے، اس لئے اس کو زندگی کا بنیادی اصول نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے برعکس ایک قانونی و اخلاقی بندھن زیادہ پائیدار اور دیرپا ہوتا ہے۔ عارضی دوستی یا تعلقات کی پشت پر اعلیٰ انسانی اقدار نہیں ہوتیں بلکہ حیوانیت ہوتی ہے۔ اسلام فطری میلانات، خواہشات کو نہ دباتا ہے نہ ان کو ناپاک جانتا ہے، بلکہ ان کو منظم اور مربوط کر کے پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ پھر ان کو ایک ادارہ (خاندان) اور محور بنا دیتا ہے، جس کے ارد گرد بے شمار نفسیاتی اور اجتماعی آداب و فوائد موجود رہتے ہیں۔

زنا اور عصمت فروشی، انسانی پاکیزہ جذبات و خواہشات اور روحانیت کی اعلیٰ اقدار سے عاری ہوتی ہے۔ انسان محض حیوانی لذت تک گر جاتا ہے بلکہ حیوان سے بھی زیادہ غلیظ اور گرا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ بے شمار پرندے اور حیوانات بھی ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں، اور ان کی منظم ازدواجی زندگی ہوتی ہے۔ ان کی زندگی میں وہ بے راہ روی نہیں ہوتی، جو دو زناکاروں کے درمیان ہوتی ہے۔ جسم فروش عورتوں کے معاملے میں تو فریقین (مرد و عورت) حیوانات سے بھی نیچے ہوتے ہیں۔ اس گراوٹ کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے شدید سزا رکھی ہے۔ اس کے علاوہ زنا سے نسب (نسل) میں اختلاط پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کے درمیان بغض، دشمنی اور کینہ پیدا ہوتا ہے۔ اطمینان والے گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔ چند لمحوں کی عارضی اور جھوٹی مسرت کے لئے، انسان اپنی صحت کو بہت سارے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ آتشک، سوزاک، HIV ایڈ، جیسی موذی امراض کا شکار بن جاتا ہے۔ نفسیاتی اور اخلاقی و سماجی مسائل کا شکار ہوتا ہے۔ اس میں ایک عورت مزید بیماریوں کے علاوہ حمل کی وجہ سے اور پھر اولاد کی وجہ سے نفسیاتی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ وہ اولاد جس کے لئے باپ کا وجود نہ ہو، نفسیاتی طور پر بہت سے مسائل کا شکار ہو جاتی اور اس کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی۔ اگرچہ دولت مند، ریاستیں افراد کی مدد کرتی ہیں، جہاں بچوں اور ماؤوں کو پناہ مل جاتی ہے، لیکن نفسیاتی، سماجی اور معاشرتی مسائل اپنی جگہ رہتے ہیں۔ عارضی پناہ گاہ، ساری زندگی کا ساتھ اور گھر کی طرح نہیں ہو سکتی۔

زنا کو انسانی سماج میں برا سمجھا گیا ہے۔ یہودیت، عیسایت اور دوسرے مذاہب میں برا عمل ہے۔ اسلام نے بھی اس کی سزا، یہودی مذہب کی طرح رجم بر قرار رکھی۔ بد قسمتی سے مغربی ممالک یا کچھ ایشیائی ممالک میں اس کو انسانی بنے ہوئے قوانین کے تحت، انسانی آزادی کے تحت جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ عمل (گناہ)، ریاست یا حکومت کی سزا سے تو بچ جاتا ہے، لیکن آدمی اس کے طبی، نفسیاتی اور سماجی مسائل سے نہیں بچ سکتا۔ آج کل مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں تنہا (سنگل، غیر شادی شدہ) مائیں اپنے بہت سارے بچوں کو پال رہی ہیں اور بہت سارے بچے حکومتی پناہ گاہوں یا دوسرے افراد کے پاس، اپنا والد نہ ہونے یا والدہ کا کسی دوسرے شخص سے مل جانے کی وجہ سے پل رہے ہیں۔ ان بچوں کا، مجموعی آبادی میں تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔ ان کی شخصیت میں کمی، کسی کی وجہ سے اور معاشرہ، اخلاقی، معاشی اور سماجی طور پر گراوٹ کا شکار ہو رہا ہے۔ (تقریباً 50٪ تنہا مائیں اور 20٪ بچے موجود ہیں)۔

حکومت یا قانون ساز ادارے کا قانون، زناکار کو سزا سے تو بچا دیتا ہے، لیکن کسی بھی عمل کے مضر اثرات کو ختم نہیں کر سکتا۔ زنا کی طرح اگرچہ سگریٹ نوشی، نشہ، شراب کے استعمال کی اجازت ہے لیکن ان کی مضر صحت اور سماجی برے اثرات موجود ہیں اور ساری انسانیت اس کی معترف ہے۔ کاروبار کی وجہ اور نفع کے لالچ میں ان کے مالکان، ان کو ختم نہیں ہونے دیتے۔ اسلام کا مقصد ساری انسانیت کو امن و سلامتی مہیا کرنا ہے۔ کاروباری افراد کی سلامتی اور ترقی بھی مقصود ہے لیکن یہ عمومی معاشرہ کے تنزل اور تباہی کی قیمت پر نہیں، اس لئے زنا کی سزا کافی شدید رکھی گئی ہے۔

<u>ثبوت سزا اور سزا:۔</u>

سزا: بدکار عورت (زانیہ) اور بدکار مرد (زانی) کی سزا کے بارے مختصراً عرض ہے، تفصیل کے لئے قانون (فقہ) کی کتب رجوع کریں۔ یہ بدفعلی کرنے والے اشخاص دو طرح کے ہوں گے۔

ا۔ ایک وہ انسان جو غیر شادی شدہ ہیں یعنی قانونی طور پر شادی نہیں کی اور کنوارے تصور ہوتے ہیں۔

۲۔ وہ افراد جنہوں نے شادی کی تھی اور شادی کے بعد بطور خاوند بیوی مناسب وقت گزارا تھا (ایک دو راتیں)۔

مکہ شریف میں بھی زنا کے بارے احکام آئے کہ اسلام لانے والی عورتیں زنا نہیں کریں گی۔ اسی طرح سورۃ النساء کے احکام کے تحت زنا کرنے والی عورت کو گھر محبوس (قید) کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اللہ کوئی دوسرا حکم نازل فرمائے۔ اور غیر شادی مرد اور عورت کو شدید لعنت و ملامت، اذیت دی جائے۔ پھر سورۃ النور کے ذریعے حکم ہوا کہ زانی مرد اور زانی عورت کو سو کوڑے مارے جائیں، جو نہ سخت لکڑی ہو اور نہ نرم لکڑی ہو۔ جسم کو ننگا نہ کیا جائے اور نہ اوپر فالتو کپڑے بچاؤ کے لئے ڈالے جائیں۔ کوڑوں کی شدت انسانی جسم کے مطابق ہو۔ چہرے، اندام نہانی اور سر پر نہ مارے جائیں یا اعضائے جسمانی کو نقصان نہ ہو۔ انسان کی ہلاکت یا کوئی عضو ضائع نہ ہو۔ ایک ہی جگہ نہ لگائے جائیں۔ سزا کو عوام کے سامنے دیا جائے اور لوگوں کو اکٹھا کیا جائے تا کہ سزا کا اعلان اور کیفیت دیکھ کر لوگ جرم کرنے سے باز رہیں اور معاشرہ برائیوں سے محفوظ رہے۔

شادی شدہ افراد کے لئے، (مرد اور عورت، آزاد (جو غلام نہ ہو)، عاقل و بالغ، مسلمان ہو)، رجم ہے۔ یعنی پتھر مار کر ختم کر دیا جائے۔ یہ سزا نبی ﷺ نے دی۔ اور یہ سزا، توریت یا یہودیت میں بھی تھی۔ اس کے بعد خلفاء راشدین نے اس سزا کو جاری رکھا۔ سزا میں شدت کا مقصد یہ ہے کہ شادی شدہ مرد یا عورت کی جنسی ضرورت ایک دوسرے کے ساتھ پوری ہو سکتی ہے، تو یہ بد فعلی کیوں کی گئی جب کہ غیر شادی شدہ کی حالت ان سے مختلف ہے۔ خارجی (خوارج) فرقہ، زانی اور زانیہ کی سزا، خواہ شادی شدہ ہو یا نہ ہو صرف کوڑوں تک رکھتے ہیں ان کے خیال میں قرآن مجید کی سزا کو خبر واحد سے ناسخ یا مختص نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ دوسرے فقہاء کی رائے ہے کہ متواتر احادیث (نبی ﷺ کے عمل) اور متواتر صحابہ کرام (خلفاء راشدین) سے یہ سزا ثابت ہے اس لئے دی جائے گی۔ کیونکہ صحابہ کرام دین کو بہتر سمجھنے والے تھے۔ اور ان کی اتباع کا حکم بھی ہے۔

ثبوت سزا:۔

ثبوت سزا کے دو طریقے ہیں۔ (۱) اقرار بقائمی ہوش و حواس۔ (۲) شہادت (موقع پر گواہی)۔

صحابہ کرام سے جب یہ عمل سرزد ہوا تو فوراً توبہ کی اور نبی ﷺ کے دربار میں آکر اپنے جرم کا اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے تین دفعہ منہ موڑا، جب چوتھی دفعہ اس نے اقرار کیا تو آپ نے کہا کیا تجھے یقین ہے کہ تم نے یہ عمل کیا ہے، بلکہ بوس و کنار ہو پھر فرمایا کہ تو مجنون تو نہیں۔ اس نے کہا نہیں تو پھر اس کو رجم کرنے کا حکم ہوا۔

شہادت میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ شدید سزا کے وقوع سے پہلے تمام احتیاط اور لوازمات کی پوری طرح تصدیق کی گئی کہ کہیں بے گناہ کو سزا نہ ہو۔ شریعت اسلامی کا مقصد جرائم کو کم کرنا ہے اور یہ سزا، اسی مجرم کو ملے گی جس کو نہ خدا کا خوف، نہ قیامت کا ڈر، نہ نبی ﷺ کا پاس، نہ ہی انسانوں کے حقوق اور رسوائی کا ڈر ہو۔ شہادت کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان کا کردار، دیانت و صداقت پر شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ گواہی بھی عین موقع کی کیفیت بتائے۔ زنا کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمل مباشرت کو دیکھیں جس طرح سرمہ دانی میں سلائی اور کنویں میں لٹکتی رسی ہوتی ہے۔ گواہوں کی گواہی میں جگہ، وقت، جرم کرنے والے کے بارے اگر اختلاف معلوم ہو تو سزا (حد) معطل ہو جائے گی کیونکہ حدیث کے مطابق شکوک سے حد معطل ہو جاتی ہے البتہ دوسری سزا جاری رہتی ہے۔ (شک سے حد کی سزا ختم ہو جاتی ہے)۔

احادیث میں ہے کہ ایسے برے امور پر پردہ پوشی کی جائے، بجائے اس کی تشہیر کی جائے۔ (تعافوا الحدود فیما بینکم، فما بلغنی من حد فقد وجب۔ ابو داوٗد، نسآئی)۔ اگر حاکم کے سامنے کوئی اقرار کرے یا گواہ پورے ہو جائیں تو حاکم کو یہ حق نہیں کہ سزا معطل کرے۔ امن و سلامتی کی خاطر سزا کو نافذ کرنا ضروری ہے۔ یہ جرم قابل مصالحت نہیں کہ معاوضہ دے کر ختم کیا جائے۔ نبی ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لئے معاوضہ دیا (بکریاں اور لونڈی)۔ فریقین راضی ہو گئے، جب معاملہ عدالت (نبی ﷺ) کے سامنے پیش ہوا، تو آپ ﷺ نے مصالحت ختم کر کے سزا دی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح تو عمل قحبہ خانہ ہو جائے جہاں مصالحت ہوتی ہے۔ اسلام کے پاکیزہ نسلی، بچوں کی تربیت، خاندان کے وجود و قیام کی اہمیت ہی

ختم ہو جائے گی۔ جہاں بھی قانون کو نافذ نہیں کیا جاتا، وہاں یا تو انتقام کی وجہ سے فتنہ وفساد بھڑک اُٹھتا ہے یا پھر معاشرہ جرائم کا گھر بن کر تباہ ہو جاتا ہے۔ عبرت دلانے اور آئندہ جرم سے رکاوٹ کے لئے سزا کا اعلان اور تنفیذ بر سر عام ضروری ہے۔ مجرم پر رحم یا سزا، کو چھپانا، معاشرے میں جرائم کو بڑھانے کے برابر ہے۔

جدید تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ بچوں اور والدین میں اچھے تعلقات نہ ہونے کی بناء پر ان کی شخصیت میں کمی رہ جاتی ہے اور وہ فیصلہ کرنے، امور کو سمجھنے (well being and cognition) میں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اس کا بڑا سبب ان کی بلوغت آنے میں جلدی ہے اور دوسرا، ان کے والدین کے ساتھ کمزور تعلقات ہیں۔ جب ایک شادی شدہ مرد یا عورت کسی اور مرد یا عورت سے جنسی تسکین کرتا یا کرتی ہے، تو اس کی اپنے شرعی (قانونی) خاوند یا بیوی سے رغبت کم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف مرد یا عورت اپنے قانونی (شرعی) خاوند یا بیوی سے جنسی تعلقات میں کمی، بے رغبتی کی وجہ سے ذہنی و جنسی پریشانی کا شکار ہو کر شدید دباؤ کی وجہ سے مزاج میں تلخی آجاتی ہے، جس کا اثر بچوں پر پڑتا ہے اور ان کی شخصیت والدین سے کمزور تعلقات کی وجہ سے مسخ ہو جاتی ہے(Journal Clinical Psychological Science, Feb 22)۔ اس قومی، انسانی نقصان کو روکنے کے لئے اسلام نے شادی شدہ کی سزا سخت ترین رکھی ہے اور غیر شادی شدہ کو رعایت دی گئی ہے۔

اسلام میں اگر کسی سے زبردستی کی گئی تو اس پر حد نہیں بلکہ موقع وحالات کے مطابق جج (قاضی) سزا دے سکتا ہے۔

احادیث میں ایسے مواقع پر جو مردوں کو برانگیختہ کرتے ہوں اور برائی کی طرف رغبت دیتے ہوں، مثلاً کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر جذبات یا نفس کا جرم کی طرف راغب ہونے، سے بچنے کے لئے اپنی قانونی (شرعی) بیوی سے جنسی تسکین کا حکم دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ خوبصورت نظر آنے والی چیز، تسکین بھی اتنی ہی دے سکے۔ اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے شوہر کی جنسی ضرورت اور رغبت کا خیال رکھنے کا حکم ہے تا کہ وہ جرائم (دوسری عورت) کی طرف راغب نہ ہوں۔ اسلام نے سخت سزا سے پہلے تمام احتیاطی تدابیر کو معاشرہ میں نافذ کیا، جلدی شادی کی ترغیب دی، عورتوں کو طلاق کا حق دیا، پردے کا حکم دیا اور بوڑھی عورتوں (جن کے ایام ماہواری ختم ہو گئے ہوں اور اس کے بعد شادی یا جنسی رغبت نہ ہو) کے لئے پردہ موقوف کر دیا تا کہ اپنے کام کر سکیں۔

عورتوں کو زیب وزینت چھپانے کا حکم دیا، تا کہ جنسی جذبات کو نہ بھڑکایا جائے۔ مردوں کو سونا/ریشم، یعنی مخالف جنس کی جنسی رغبت کو بھڑکانے والے امور سے منع کیا۔ نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ جنسی طاقت ورغبت کی صورت میں نکاح، شادی کو واجب قرار دیا۔ (عند التوقان واجب۔ کنز الدقایق)۔ اسلام ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے، جہاں امن عزت اور سکون ہو، پھر اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اس کے لئے سخت سزا ہے۔ زنا، چوری یا جھوٹی گواہی یا الزام لگانے کا، جرم ہو سب کی سزا شدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک جہاں یہ قانون لاگو ہیں (جس کی مثال سعودی عرب تھی) وہاں جرائم کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ سزائیں

انسانیت کے احترام کے لئے ہیں تا کہ کسی کا نہ مال چوری کیا جائے، نہ ہی کسی کی عصمت لوٹی جائے یا اس کے حفاظت کے حق کو پامال کیا جائے۔ اسی طرح سادہ لوح لوگوں یا دوسروں پر تہمت یا الزامات نہ لگائے جائیں۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنین پر اس (عورت کے نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرہ پاکیزگی و سلامتی کا معاشرہ ہوتا ہے اس لئے زنا جیسے قبیح اور برے فعل والے اس معاشرہ کے افراد تصور نہیں ہوتے۔ ایسے کردار والے لوگ صرف اپنے جیسے افراد کے ساتھ ہی گزارہ کر سکتے ہیں، اس لئے حکم ہوا کہ زانی اور زانیہ آپس میں یا مشرک و مشرکہ کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔ مومنین اور پاکدامن افراد کے لئے ان کے ساتھ زندگی کا بندھن ممنوع ہے۔

یہ فعل اتنا برا ہے کہ جب کوئی شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے شعور اور دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔ اس لئے مومن یا مومنہ کے لئے جائز نہیں کہ اس کے ساتھ زندگی گزارے جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ ایک حدیث مبارک کے مطابق جب کوئی مومن کوئی جرم کرتا ہے مثلاً چوری، زنا، شراب نوشی، تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے جب تک کہ توبہ نہ کر لے، واپس نہیں آتا۔

امام احمد بن حنبل نے تو (زانی اور پاکدامن عورت یا زانیہ عورت اور پاکدامن مرد کے) نکاح کو فاسد قرار دیا ہے۔ دوسرے فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ تفصیل فقہ (قانون) کی کتب میں موجود ہے۔

موقع نزول:۔

آیات کے شان (موقع) نزول یہ ہے، کہ ایک صحابی حضرت مرثد، مکہ میں کمزور مسلمان قیدیوں جن کو قریش مکہ نے قید کیا ہوا ہوتا یا مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے روکتے تھے، ان کو اُٹھا کر لے آتے۔ مکہ میں ایک بدکار عورت تھی، جس کا نام عناق تھا اور اس کی ان کے ساتھ قبل از اسلام دوستی تھی، ایک دفعہ حضرت مرثد کسی مسلمان کو اُٹھانے کے لئے مکہ گئے، واقعہ بیان کرتے ہیں کہ چاندنی رات تھی اور وہ ایک دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے۔ اتنے میں عناق آگئی اور سایہ کو دیکھ لیا۔ وہ میرے پاس آئی اور مجھے پہچان لیا اور کہا خوش آمدید مرثد، آج رات میرے ساتھ گزارو۔ میں نے اسے کہا عناق! اللہ تعالی نے زنا کو حرام قرار دے دیا ہے۔ میرے انکار پر اس نے علاقہ میں شور مچا دیا کہ مرثد تمہارے لوگوں کو اُٹھانے کے لئے آیا ہے۔ اتنے میں لوگ مجھے پکڑنے کے لئے بھاگے اور میں ایک باغ میں داخل ہو گیا۔ وہ لوگ (تقریباً آٹھ افراد) میرے پیچھے بھاگے میں غار میں گھس گیا۔ وہ میرے پیچھے آئے اور اوپر کھڑے رہے بلکہ پیشاب کر دیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر گر رہا تھا لیکن ان کو میرا پتہ نہ چلا اور واپس ہو گئے۔ میں نکلا اور اپنے آدمی کو لیا، اس کو اُٹھایا، ادھر (ایک مقام) پر پہنچا، اور اس کی رسیاں کھولیں۔ پھر ہم مدینہ پہنچ گئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میں عناق سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پھر حضور ﷺ سے سوال

کیا، آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور اللہ کا حکم سنایا، کہ مرثد! زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ۔ لہٰذا تم اس کے ساتھ نکاح نہ کرو، (ابو داؤد / نسائی) (وہ کافر تھی)۔

اسلام نے اس لئے ایسے افراد کا صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے سے منع کیا ہے کہ مزاجوں اور زندگی کا انداز، بالکل متضاد ہوتا ہے، جس کی وجہ سے زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ دوسری طرف ایسے بدکردار افراد کی نشاندہی اور ان سے سماجی دوری اور بدنامی، ان کو ایسے برے اعمال سے روکے گی اور معاشرہ کا سخت رویہ بھی سزا کے علاوہ، جرائم کے لئے رکاوٹ بنے گا۔

چند لمحات کا عارضی ملاپ اور مزا جس کا مقصد صرف حیوانی تسکین ہو اور کوئی اعلیٰ مقصد حیات نہ ہو، انسان کے کردار کو حیوان کے درجہ پر لے جاتا ہے، جہاں وہ عارضی تسکین کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیتا ہے۔ معاشرے میں اس کا کردار بطور ایک باپ، جو اپنی اولاد کو بہترین انسان بناتا ہے۔ معاشرے میں دوسرے افراد کے ساتھ تعاون اور محبت کی زندگی گزارتا ہے، سے محروم رہتا ہے۔ دوسری طرف یہ عارضی جنسی تسکین مرد یا عورت کو اس کے اپنے گھر (بیوی / خاوند) کی اہمیت اور اس سے تعلق میں ایک دراڑ ڈال دیتی ہے اور گھر کا سکون تباہ ہو جاتا ہے۔

جو افراد اس عمل کی برائی کا احساس کرتے ہوئے توبہ کریں وہ پھر معاشرے کا حصہ ہیں اور اچھا معاملہ ضروری ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، ان کو اسی (80) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات (۱) سچائی۔ (۲) امن و سلامتی۔ (۳) بھلائی۔ جھوٹے پر نہ صرف اللہ کی لعنت ہے بلکہ حدیث کے مطابق منافق ہونے کی علامت ہے۔ اگر لوگ معاشرے میں اتنے گھناؤنے جرم کا الزام لگا کر لوگوں کے کردار کو داغدار کریں گے تو اس کے کئی نقصانات ہیں۔

۱۔ جس پر الزام لگایا جائے گا اس کی کردار کشی ہو گی جو ایک اچھے کردار والے مرد یا عورت کے لئے بڑی ذلت کا باعث بنے گا۔

۲۔ سزا کا خوف ختم ہو جائے گا، فحاشی کے ارتکاب میں اضافہ ہو گا۔

۳۔ معاشرے میں اس جرم کے بارے نفرت ختم ہو جائے گی کیونکہ جھوٹے الزام کی بناء پر سزا نہیں ہو گی۔

ان وجوہات کی بناء پر، اسلام نے اس برے عمل پر حد قذف کی سزا رکھی ہے جو کہ جرم کے قریب ہے۔ تا کہ ناجائز تہمتوں کے الزامات سے لوگوں کی عزت بچائی جائے۔

سزا میں دو درجے ہیں۔ پہلا کہ ان کو بر سر عام کوڑے مارے جائیں جو کہ اسی (80) ہوں۔ ان کے لئے وہ احکام ہیں، جس طرح حد کی سزا کے ہیں۔ دوسرا حکم تادیبی ہے کہ ان کی شہادت یا گواہی، قانونی معاملات میں قبول نہ کی جائے کہ وہ تصدیق شدہ جھوٹے ہیں (اور فاسق قرار دیا جائے)۔ اس طرح ان کے معاملات میں ان کو دشواری پیش آئے گی۔

ان دو درجات پر مشتمل سزا کا مقصد یہ ہے کہ اگر معاشرہ میں ایسے الزام کو دبایا جائے گا، جس کی پشت پر کوئی ثبوت نہ ہو، تو اس صورت میں معاشرہ میں کوئی شدید نقصان نہیں ہو گا، جب کہ اگر فحاشی کا چرچا ہو جائے اور اس پر کوئی ثبوت نہ ہو۔ اس طرح لوگ گندے جرم پر آمادہ ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اس سے بچتے تھے۔

پاکدامن عورتیں جو کنواری ہیں یا شادی شدہ ان پر الزام لگا کر ان کے لئے جو ذہنی اور سماجی اذیت پیدا کی جاتی ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ معاشرہ میں بے اطمینانی پھیلتی ہے اور گھرانے تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان تمام مسائل و نتائج کے پیش نظر اس کی سزا سخت رکھی گئی ہے کہ ہر شخص کوئی بات یا خبر پھیلانے سے پہلے سوچے گا کہ اس کا کیا انجام ہو گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور ور حیم ہے۔

ایک اہم نکتہ ہے کہ بہتان لگانے کے بعد گواہ نہ پیش کرنے پر سزا ضرور ملے گی۔ اب سزا کے بعد توبہ کرے گا اور اپنے کردار میں اصلاح کرے گا تو اس پر قیامت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا۔ گواہی، کیا اس کی توبہ کے بعد قبول کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے بارے مختلف آراء ہیں۔ قاضی شریح، ابراھیم نخعی، سعید بن جبیر اور امام ابو حنیفہ کے مطابق اس کی شہادت قبول نہیں ہو گی۔

امام سعید بن المسیب، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کی رائے میں توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول ہو گی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝

جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی دوسرا گواہ نہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی (شہادت) یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝

اور عورت سے حد اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک وہ (اس کا خاوند) ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔

وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝

اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (اس کا خاوند) سچوں میں سے ہو۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاتے) بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے۔

روایات کے مطابق جب حد قذف کی آیت نازل ہوئی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: میں خیال کر کے حیران ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا۔ اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں، تو وہ اپنا کام تمام کر کے رفوچکر ہو چکا ہو گا۔ اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا، کہ ایک رات بلال بن امیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے، تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا۔ انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ صبح سویرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ صحابہ کہنے لگے ابھی بلال پر حد قذف لگائی جائے گی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا، میرے دوستو گھبراتے کیوں ہو۔ اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اسی دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی سب خاموش ہو گئے۔ جب کیفیت اور وحی ختم ہوئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بلال! مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیری نجاعت کی صورت پیدا فرمادی۔ پھر آیت پڑھ کر سنائی اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا۔ وہ آئی تو اسے بھی پڑھ کر یہ آیت سنائی۔ پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے۔ بلال نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو کہا وہ سچ ہے۔ عورت نے کہا، وہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ پہلے بلال نے چار مرتبہ قسم اُٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے جب وہ کہہ چکی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا، تو عذاب آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر خاموش رہی۔ اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا پھر کہنے لگی میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا کہ اگر وہ (بلال) سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ چنانچہ اس طرح قسم اُٹھانے سے بلال رضی اللہ عنہ حد قذف (سزا) سے بچ گئے اور وہ عورت حد زنا (سزا) سے بچ گئی، لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لئے جدائی کر دی گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو، اس کی نسبت بلال کی طرف نہ کی جائے، بلکہ اس کی ماں کی طرف کی جائے اور ساتھ ہی ایک حکم دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت

پر زنا کی تہمت لگایی، یا اس کے بچے کو حرامی کہا، تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی۔ اس طریقہ کو لعان (لعنت کرنا) کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس (مرد) کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

احترام انسانیت:۔

اسلام انسانوں کے احترام کا سبق دیتا ہے۔ جب شریعت نے ان دو افراد (مرد اور عورت، خاوند اور بیوی) کو ان کے بیانات اور قسم پر، حد قذف اور اتہام زنا سے بری کر دیا، تو ان کو معاشرے میں وہی مقام دیا جائے گا جو عام انسانوں کا ہے۔ اس عورت پر یا اس کے بعد اس کے ہونے والے بچہ کی نسبت تو ماں کی طرف ہو گی، لیکن اس کے معاشرے میں احترام کی کوئی کمی نہیں ہونے دی جائے گی۔ اس لئے نبی ﷺ کا حکم تھا اگر کسی نے اس عورت پر زنا کا الزام یا اس بچے کو ولد الزنا کہا تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ ان دونوں (والدہ اور بچے) پر الزام لگانا ہو گا۔ اس طرح معاشرہ میں وہ اپنے مقام پر رہیں گے۔ اسی طرح افراد کو قصاص یا دیت کی سزا دینے کی اجازت نہیں صرف ریاست دے سکتی ہے۔

حکمت اور آسانی:۔

احترام انسان میں حد قذف کا قانون بڑا سخت تھا۔ ایسا جرم اگر کوئی شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا اور اس کے گھر کے اندر معاملہ ہوتا تو اس کے لئے بڑی سخت مشکل اور آزمائش تھی۔ جو انسانی اعصاب پر سخت اثرات ڈالتی ہے۔ اگر وہ کہتا، تو گواہ نہ لانے کی وجہ سے حد قذف (جھوٹ) کی سزا ملتی اور اگر خاموش رہتا، تو ساری زندگی جلتا رہتا، اور پھر یہ برائی چلتی رہتی۔ گواہوں کا سخت اصول اس لئے تھا کہ موت کی سزا دینا آسان نہیں، محض کسی مخالفت یا شک کی بناء پر ایسا کرنا ظلم بھی تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک راستہ دیا جس کی سزا بھی تھی اور تہمت کی سزا یا زنا کی سزا سے دونوں فریق بچ گئے۔ ان کے اندر ہمیشہ کے لئے جدائی کر دی گئی۔ اس طرح خاوند کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا اور عورت (بیوی) کو بھی سزا مل گئی اور ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ تمام اسلامی قوانین اسی طرح حکمت اور سہولت، سزا و جزاء پر مبنی ہیں۔

یہ قانون لعان، اس وقت دیا گیا جب اس کی عملی طور پر حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ضرورت پیش آئی۔ اب اگر کوئی اس کو محض ذاتی دشمنی یا دھوکہ کے لئے اپنی بیوی کے لئے استعمال کرتا ہے تو اس کو اس کی سزا بھی ملے گی کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس سے علیحدہ ہو جائے گا۔ لعان سے طلاق بائن (جس میں واپسی کا حق نہیں ہوتا) ہو جاتی ہے اور اس دوران عورت کو اس کی رہائش اور خرچ بھی نہیں ملتا۔

یہ اسلام کا کمال یعنی نبی ﷺ کی تربیت تھی کہ صحابہ کرام اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے خود کو پیش کرتے۔ اپنے پر صبر لازم کرتے، اسلام کے احکام کو پوری طرح نافذ کرتے۔ جس قسم کے عربوں کے رواج تھے یہ قوانین اور انداز زندگی، اس کے بالکل خلاف تھا۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسماعیل کو اداب فرزندی

یہ صحابہ کرام کا حقیقی ایمان، اطاعت اور تسلیم ورضا تھی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ شَرًّا لَّـكُمۡ‌ ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ ؕ لِكُلِّ امۡرِىٴٍ مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝

بے شک جن لوگوں نے یہ بہتان گھڑا ہے وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ تم اس (بہتان) کو اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ وہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے لئے بہتر ہیں۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا اور جس شخص نے اس میں سب سے بڑا حصہ لیا تو اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ۝

جب تم نے اس (بہتان) کو سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا اور یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ تو صریح (کھلا) بہتان ہے۔

یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر منافقین کے بہتان کے بارے ہیں جس کا ذکر آیات کے مختصر بیان کے بعد حدیث شریف کے مطابق کیا جائے گا۔ یہ معمولی واقعہ نہیں تھا۔ ایک جانب حضور ﷺ، جو کہ رئیس مملکت اور نبی تھے کی زوجہ محترمہ کے بارے تہمت اور کردار کشی تھی۔ نبی ﷺ پر بھی اس کا بالواسطہ اثر تھا۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ کے سب سے گہرے ساتھی، رفیق، مسلمانوں کے سردار، سراپا اخلاص وصدق، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، کیونکہ ان کی صاحبزادی کا معاملہ تھا۔ اس کے علاوہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت صفوان بن معطل کے کردار کی بھی کردار کشی تھی۔ ان امور کے پیش نظر قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ہے اور ان آیات کے نزول تک سارے مومنین نبی ﷺ، حضرت صفوان، حضرت ابو بکر، حضرت عائشہ، تقریباً ایک ماہ تک پریشانی میں مبتلا رہے۔ جن افراد نے اس میں حصہ لیا، وہ دراصل منافقین کا سردار یا دوسرے منافق تھے۔ کچھ سادہ لوح مسلمان بھی ہاں میں ہاں ملانے کی وجہ سے بہتان لگانے شروع کر دیئے۔ اس لئے فرمایا کہ ہر فرد کو اس میں اس کے کردار اور رول کے مطابق سزا ملے گی۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے رسول اللہ ﷺ سے حسد و دشمنی کی وجہ سے مسلمانوں اور منافقوں میں اسے پھیلایا۔ ان افراد کے لئے عذاب ہے، اگرچہ الزام لگانے والوں کو حد قذف لگائی گئی لیکن حضرت حسان بن ثابت نابینا اور ان کے ہاتھ سوکھ گئے، حضرت مسطح بھی نابینا ہو گئے (علامہ خفاجی نے اختلاف کیا ہے)۔

مثبت انداز فکر:۔

آیت نمبر 12 ایک اہم پیغام دیتی ہے کہ جب خبر (تہمت) پھیلائی جا رہی تھی تو سننے والوں کو چاہیے تھا کہ اس کو فوری رد کر دیتے اور تذبذب یا شک کی طرف نہ جاتے جو کہ منفی انداز فکر تھا۔ مومن کے لئے حسن ظن بہت ضروری ہے۔ یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان اور بالخصوص مومن دوسرے بھائی کے لئے حسن ظن رکھے۔ کسی بری خبر یا رائے کو نہ مانے جب تک ناقابل تردید

شواہد و ثبوت نہ ہوں۔ ’’ظن خیراً‘‘ کا حکم دیا ہے جو انسانی نفسیات کے مطابق اچھی زندگی، اچھے تعلقات اور پر سکون معاشرے کے لئے بہت اہم ہے۔

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۝

(بہتان لگانے والے) اس (بہتان) پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۝

اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم نے جس (بہتان) کا چرچا کیا تھا اس کی وجہ سے تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ۝

جب تم یہ (بہتان) اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے اور اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے جس کا تمہیں علم نہ تھا اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے رہے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی۔

وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ۝

تم نے اس (بہتان) کو سنتے ہی یہ کیوں نہ کہا، ایسی بات کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔ اے اللہ تو پاک ہے یہ تو ایک عظیم بہتان ہے۔

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝

اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم دوبارہ ایسی بات کبھی بھی نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔

وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝

اور اللہ تمہارے لئے آیتیں (ہدایات) بیان کر رہا ہے اور اللہ بہت علم والا بہت حکمت والا ہے۔

خبر کی تصدیق کی اہمیت:۔

آیات مبارکہ میں انسانی معاشرہ میں سلامتی، محبت اور احترام کی خاطر معلومات کے بارے احکام ہیں۔ افواہ کے نقصانات بہت زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے ایک حدیث کے مطابق سنی سنائی بات آگے بغیر تصدیق کے بیان کر دینا جھوٹ کے برابر ہے (متعدد کتب حدیث)۔ سب سے زیادہ نقصان اس واقعے میں باتوں کے پھیلانے والے کی وجہ سے ہوا، کیونکہ کئی سادہ لوح مسلمان، تحقیق یا غور و فکر کے بجائے سنی سنائی بات پر یقین کر گئے، جبکہ اس بات کے پھیلانے میں عبد اللہ بن ابی، جو کہ منافقوں کا سردار تھا، اور نبی ﷺ کے آنے سے پہلے سارے مدینہ کی سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا، نے بڑا کردار ادا کیا اور خود پیچھے رہ کر سادہ لوح مسلمانوں اور اس کے گروہ کے منافقین کو پھیلانے میں ترغیب دیتا رہا۔ یہ حکم، تمام معلومات اور بالخصوص تشہیر کرنے والے افراد اور اداروں کے لئے ہے کہ بغیر تحقیق و تصدیق کوئی بھی بات نہ پھیلائی جاے۔ آج کل جب سوشل میڈیا پر پیغام پھیلانا یا مختلف

طریقوں سے ویڈیوز بنانا بہت آسان ہے۔ اس وجہ سے احتیاط کی شدید ترین ضرورت ہے۔ ریاست اور ذمہ دار افراد، بلکہ ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ صرف عینی شہادت والے واقعہ کو بیان کرے۔

اس واقعہ میں گواہ ضروری تھے، لیکن کسی نے گواہ کی پرواہ نہ کی اور بے پر کے بات اڑا دی تاکہ نبی ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے خاندان کے علاوہ مسلمانوں کو بھی پریشانی ہو۔ تقریباً ایک ماہ بڑے کرب و پریشانی میں ان سب افراد کا گزرا، جن کا متعلقہ افراد کے ساتھ کوئی بھی رابطہ یا تعلق تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت عائشہ کی تصدیق کر دی اور اس طرح حضرت صفوان بھی تہمت سے بری ہو گئے تو بہتان لگانے والے افراد کو قانون تہمت (حد قذف) لگائی گئی۔

ایک اور اہم نکتہ اس واقعہ کے بعد ہمیں سمجھایا گیا ہے کہ سامع (سننے والے) کو اپنی عقل و سمجھ کے مطابق ہر بات پر نہ تو یقین اور نہ ہی اسے پھیلانا چاہیے، بلکہ اگر معلومات غیر صحیح یا غلط ہیں تو فوری طور پر اسے وہیں بند کر دینا ضروری ہے تاکہ معاشرہ میں مزید غلط فہمی اور فساد پیدا نہ ہو۔ اس لئے فرمایا کہ اس کے بارے ہمیں بات کرنا جائز نہیں (کہ ہم اس موضوع پر کلام کریں)۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی پاکباز شخص (مرد یا عورت) پر بہتان یا الزام لگانا بہت بڑا جرم ہے۔ اسی لئے اسلام نے (۱): حد قذف کی سزا کوڑے مارنا (۲): گواہی کے لیے ناقابل ہو جانا، اور (۳): اس کے علاوہ منافق کا درجہ دیا ہے۔ اور آنے والے زمانہ کے لئے بھی سختی سے منع فرما دیا کہ تم اگر مومن ہو تو ایسا نہ کرنا۔ یہ ساری تعلیمات اللہ تعالیٰ کی انسانوں سے محبت اور ان پر رحمت کا اظہار اور دلیل ہیں۔

اللہ کی ذات حکیم و علیم ہے، اس کے سارے قوانین انسان کے مزاج کے تمام امور کو دیکھ کر اور ضروریات کو مد نظر رکھ کر ایک صاف ستھرے پُر امن و سلامتی کے معاشرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ جہاں ہر فرد دوسرے کا خیال رکھتا ہے۔ ذاتی اغراض و مقاصد، اندھا نہیں کر دیتے۔ اور ان قوانین کی حکمتیں بھی انسانوں پر ظاہر کر دی ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی طویل المدت سلامتی ان قوانین کے نفاذ میں ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے گروہ میں فحش (برائی) پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا کے مستحق ہیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

اگر اللہ کا فضل اور اس کا رحم و کرم تم پر نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بڑا شفیق اور رحیم ہے۔ (تو اس فساد یعنی بہتان جو پھیلایا گیا اس کے بدترین نتائج ہوتے)۔

آیات مبارکہ انسانوں کے رویہ اور بالخصوص اس وقت کے منافق مسلمان کے رویہ کا ذکر ہے۔ کہ جو لوگ معاشرہ میں جھوٹ، بہتان، الزام تراشی کو پھیلا کر فساد، دلوں میں نفرت پیدا کر کے امن تباہ کرتے، لوگوں کو اعصابی طور پر پریشان کرتے ہیں، وہ بڑے مجرم ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے کہ ان کو ان کے بیان پر حد قذف (جھوٹی بات کے اعلان یا الزام پر) سزا دی جائے اور گواہی کے قابل نہ ہوں۔ منافق کا اعلان کر دیا جائے اور پھر قیامت میں بھی سزا ملے گی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے اہل ایمان! شیطان کے راستے پر نہ چلو۔ جو کوئی اس کی پیروی کرے تو وہ (شیطان) فحش اور برائی کا حکم دے گا۔ اگر اللہ کا فضل اور رحم و کرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا (برائی سے بچنا)۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

فساد کی ابتداء اور بد نیتی:۔

کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابی جو کہ بنی خزرج سے تھا اور سارے مدینہ کے سردار بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ نبی ﷺ کے مدینہ آنے کے بعد جب تمام قبائل نے آپ کو تنازعات (اختلافات میں) کے لئے سردار یا جج بنایا، تو وہ شدید حسد میں مبتلا ہو گیا اور اپنے خصوصی قریبی ساتھیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی مخالفت درپردہ شروع کر دی اور بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ حضرت صفوان بن معطل، حضرت عائشہ کے کجادے کو لے کر کیمپ پہنچے تو اس نے پوچھا کون ہے، تو لوگوں نے بتایا کہ زوجہ رسول ہیں۔ پیچھے رات کو رہ گئی تھیں اور مسطح ان کو لا رہا ہے۔ تو اس نے مسطح پر الزام لگایا کہ یہ اس سے نہ بچ سکی ہو گی اور نہ وہ اس سے بچ سکا ہو گا، اور کہا دیکھو تمہارے نبی کی بیوی، وہ رات ایک مرد کے ساتھ رہی اور صبح وہ اسے لا رہا ہے۔ عبد اللہ بن ابی، بڑا چالاک تھا وہ صرف اپنے خاص لوگوں کے ساتھ کانا پھوسی کرتا، جو اس کے خلاف شہادت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس روز جب واپس لشکر مدینہ پہنچا، تو ان لوگوں نے یہی واقعہ یہود اور دوسرے مسلمانوں کو بتانا شروع کر دیا۔ یہ منافقین اور یہود ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کو تکلیف اور ناکامی کے ہر موقعہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ مقامی طور پر ان کی ساری سازشیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اس طرح یہود اور منافقین نبی ﷺ اور مومنین کو تکلیف دینے کے لئے اس کو پھیلانا شروع کر دیا۔ یہ بڑی گہری سازش تھی، جس کا مقصد نبی ﷺ کی ذات اور اہل ایمان کے خلاف ایک اعصابی حملہ اور محبت و احترام کے عالیشان جذبہ کو منہدم کرنا تھا۔ جس کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے کہ فحاشی کی باتوں کو پھیلانا شیطان کا عمل۔ برائی کو پھیلانے والا، غلط الزام لگانے والا، جھوٹ بول کر صاحب کردار لوگوں کے کردار کو مشکوک کرنے والے، دراصل شیطان کی راہ پر چلنے والے ہوتے ہیں تا کہ انسانی معاشرہ میں فساد اور بے حیائی، جرائم

اور بدامنی پھیلے۔ اس کو ختم کرنے اور روکنے کے لئے اسلام نے تعزیراتی قوانین اور ان اسباب کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی ہے جو اس کا سبب بنتے ہیں۔

کچھ سادہ لوح مسلمان بھی اس وہم کا شکار ہو گئے حالانکہ حالات اور قرائن اس کے خلاف تھے۔ یہ خبر نبی ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔

امتحان، صبر اور لیڈر شپ:۔

یہ بات بڑی عجیب اور ناقابل یقین لگتی ہے، لیکن شیطان کا عمل بڑا مضبوط ہوتا ہے۔ منافقین و یہود نے اس کا خوب پروپیگنڈہ کیا۔ اس بات کا سب سے زیادہ اثر نبی ﷺ کی ذات پر تھا کہ آپ کی محبوب بیوی پر الزام تھا۔ آپ نہ صرف لیڈر اور نبی تھے، بلکہ قانون نافذ کرنے والے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق کے خاندان پر تھا۔ آپ مسلمانوں کے سردار، نبی ﷺ کے دست راست تھے۔ تمام مومنین کے لئے بھی بحیثیت ایک جماعت بہت امتحان اور پریشان کن بات تھی، جس کے خلاف سارے شواہد تھے، لیکن یہود اور منافقین محض بدنام اور پریشان کرنے کے لئے اس کو پھیلا رہے تھے۔ حضرت صفوان بن معطل کا کردار بہت صاف تھا اور اہل ایمان میں سے تھے۔

نبی ﷺ بطور شوہر اور بطور انسان اس کرب میں مبتلا کر دیئے گئے۔ یہ ایک مسلمانوں، بالخصوص نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے ایک اعصابی جنگ تھی اور اس کا عرصہ تقریباً ایک ماہ تھا۔ شک کی فضا نے تمام دلوں کو متاثر کیا۔ چونکہ شواہد نہ تھے اس لئے شیطان نے شک کو یہود اور منافقین کے ذریعے پھیلا کر مومنین کے لئے پریشانی پیدا کر دی۔

نبی ﷺ ایک انسان تھے۔ آپ نے اس سارے عرصہ میں صبر اور وقار کے دامن کو تھامے رکھا۔ آپ کے صبر نے ثابت کر دیا کہ آپ ایک عظیم لیڈر اور عظیم انسان تھے۔ ایسی کوئی روایت نہیں کہ آپ نے محض ذات کی خاطر بغیر شواہد کے سزا دی ہو، لیکن یہ تکلیف آپ کے لئے جنگ سے زیادہ تھی۔ ساری کرب و بلا آپ نے اپنے سینہ میں رکھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بریت آ گئی۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر کرم تھا اور حضرت عائشہ کی دعاؤں کی نتیجہ تھا کہ آپ اپنی عصمت کی وجہ سے شدید پریشان تھیں اور اللہ کے سوا کوئی گواہ بھی نہیں تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق یوں ہے۔

واقعہ افک:۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عائشہ سے یوں روایت کرتے ہیں ”رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب آپ سفر پر جانے لگتے تو قرعہ ڈال کر فیصلہ فرماتے کہ آپ کی بیویوں میں سے کون آپ کے ساتھ جائے۔ غزوہ بنی المصطلق کے موقعہ پر قرعہ میرے نام نکلا اور میں آپ کے ساتھ گئی۔ واپسی پر جب مدینہ کے قریب تھے تو ایک منزل پر رات کے وقت رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کیا اور ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ کوچ (سفر) کی تیاری شروع ہو گئی۔ میں اٹھ کر رفع حاجت کے لئے گئی اور

جب پلٹنے لگی تو قیام گاہ کے قریب پہنچ کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے گلے کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ میں اسے تلاش کرنے میں لگ گئی اور اتنے میں قافلہ روانہ ہو گیا۔ قاعدہ یہ تھا کہ میں کوچ کے وقت اپنے ہودہ (کجادہ) میں بیٹھ جاتی تھی اور چار آدمی اُٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ ہم عورتیں اس وقت غذا کی کمی کے سبب بہت ہلکی پھلکی تھیں۔ میرا ہودہ اٹھاتے وقت لوگوں کو یہ محسوس ہی نہ ہوا، کہ میں اس میں نہیں ہوں۔ وہ بے خبری میں خالی کجادہ اونٹ پر اُٹھا کر روانہ ہو گئے۔ میں جب ہار لے کر پلٹی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ آخر اپنی چادر اوڑھ کر وہاں لیٹ گئی اور دل میں سوچ لیا کہ آگے جا کر جب یہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو خود ہی ڈھونڈتے ہوئے آ جائیں گے۔ اس حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ صبح کے وقت صفوان بن معطل سلمی اس جگہ سے گزرے جہاں میں سو رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے وہ مجھے بارہا دیکھ چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اونٹ کو روک لیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ" رسول اللہ ﷺ کی بیوی یہیں رہ گئیں۔ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اُٹھ کر فوراً اپنے منہ پر چادر ڈال دی۔ انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ اپنا اونٹ لا کر میرے سامنے بٹھا دیا اور ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ میں اونٹ پر سوار ہو گئی اور وہ نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ دوپہر کو ہم نے لشکر کو جا لیا جبکہ وہ اپنی جگہ پر جا کر ٹھہرا ہی تھا۔ لشکر والوں کو بھی یہ پتہ نہ چلا کہ میں پیچھے رہ گئی ہوں۔

اس پر بہتان اُٹھانے والوں نے بہتان اُٹھا دیئے۔ اور ان سب میں پیش پیش عبد اللہ بن ابی تھا۔ مگر میں اس سے بے خبر تھی کہ مجھ پر کیا باتیں بن رہی ہیں۔ مدینہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینے کے قریب پلنگ پر پڑی رہی۔ شہر میں اس بہتان کی خبریں اڑ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی تھی۔ مجھے کچھ پتہ نہ تھا، البتہ جو چیز مجھے کھٹکتی تھی، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ توجہ میری طرف نہ تھی جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتی۔ آپ گھر میں آتے تو گھر والوں سے یہ پوچھ کر رہ جاتے "کیف تیکم"، کیسی ہے یہ۔ خود مجھ سے کوئی کلام نہ کرتے۔ اس سے مجھے شبہ ہوتا کہ کوئی بات ہے ضرور۔ آخر آپ سے اجازت لے کر میں ماں کے گھر چلی گئی تاکہ وہ میری تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

ایک روز رات کے وقت قضائے حاجت (پیشاب کرنے) کے لئے مدینہ سے باہر گئی۔ اس وقت ہمارے گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے اور ہم لوگ جنگل میں جایا کرتے تھے۔ میرے ساتھ مسطح بن اثاثہ کی ماں تھیں جو میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ راستے میں اسے ٹھوکر لگی، تو اس نے کہا غارت ہو مسطح۔ میں نے کہا اچھی ماں ہو جو بیٹے کو کوستی ہو اور بیٹا بھی وہ جس نے بدر میں حصہ لیا۔ انہوں نے کہا: تمہیں معلوم نہیں ہے وہ کیا باتیں کرتا ہے۔ پھر انہوں نے سارا واقعہ سنایا کہ افترا پرداز (بہتان تراش) لوگ میرے متعلق کیا باتیں اُڑا رہے ہیں۔ میں گھر گئی اور رات بھر رو کر کاٹی۔ میرے پیچھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اسامہ نے میرے حق میں کلمہ خیر کہا اور عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ بھلائی کے سوا آپ کی بیوی میں ہم نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ یہ سب کچھ کذب اور باطل ہے جو اُڑایا جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ! عورتوں کی کمی نہیں آپ اس کی جگہ دوسری بیوی کر سکتے ہیں اور تحقیق کرنا چاہیں تو

خدمت گذار لونڈی (حضرت بریرۃ) کو بلا کر حالات دریافت کر لیں۔ چنانچہ خدمت گار کو بلایا گیا، پوچھ گچھ کی گئی۔ اُس نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں نے اِن میں کوئی برائی نہیں دیکھی جس پر حرف رکھا جائے۔ بس اتنا عیب ہے کہ میں آٹا گوندھ کر کسی کام کو جاتی ہوں اور کہہ جاتی ہوں بی بی ذرا آٹے کا خیال رکھنا، مگر وہ سو جاتی ہیں اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔

اسی روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ فرمایا: مسلمانو! کون ہے جو اس شخص کے حملوں سے میری عزت بچائے جس نے میرے گھر والوں پر الزام لگا کر مجھے اذیت پہنچانے کی حد کر دی ہے۔ بخدا! نہ تو میں نے اپنی بیوی میں برائی دیکھی ہے نہ اس شخص میں جس کے متعلق تہمت لگائی جا رہی ہے۔ وہ تو کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر آیا ہی نہیں۔ اسی پر اسید بن خضر رضی اللہ عنہ (بعض روایات میں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اُٹھ کر کہا؛ یارسول اللہ ﷺ اگر وہ ہمارے قبیلہ کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن مار دیں گے اور اگر ہمارے بھائی خزرجیوں میں سے ہے تو بھی آپ حکم دیں تو ہم تعمیل کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ یہ سنتے ہی سعد ابن عبادہ، رئیسِ خزرج اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ”جھوٹ کہتے ہو تم ہرگز اسے نہیں مار سکتے۔ تم اس کی گردن مارنے کا نام اس لئے لے رہے ہو کہ وہ خزرج میں سے ہے۔ اگر وہ تمہارے قبیلے کا ہوتا تو تم کبھی نہ کہتے“ کہ ہم اس کی گردن مار دیں گے۔ اسید بن خضر نے جواب میں کہا: تم منافق ہو اس لئے منافقوں کی حمایت کرتے ہو۔ اس پر مسجد نبوی میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ ممبر پر تشریف رکھتے تھے۔ قریب تھا کہ اوس اور خزرج مسجد ہی میں لڑ پڑیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹھنڈا کیا اور پھر ممبر سے اتر آئے۔

اس بہتان کی افواہیں کم و بیش ایک مہینے تک شہر میں اُڑتی رہیں۔ نبی ﷺ سخت اذیت میں مبتلا تھے۔ میں روتی رہی۔ میرے والدین انتہائی پریشان اور رنج و غم میں مبتلا تھے۔ آخر کار ایک روز حضور ﷺ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھے۔ اس پوری مدت میں وہ کبھی میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس کیا کہ آج کوئی فیصلہ کن بات ہونے والی ہے۔ اس لئے وہ دونوں میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبر پہنچی ہے۔ اگر تم بے گناہ ہو تو امید ہے اللہ تعالیٰ تمہاری برأت ظاہر کر دے گا اور اگر تم واقعی گناہ میں مبتلا ہوئی ہو تو اللہ سے توبہ کرو اور معافی مانگو۔ بندہ جب اپنے گناہ کا معترف ہو کر توبہ کرتا ہے تو اللہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ باتیں سن کر میرے آنسو خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد سے عرض کی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں۔ انہوں نے کہا: بیٹی میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ ہی کچھ کہیں۔ انہوں نے کہا میں حیران ہوں کہ کیا کہوں۔ اس پر میں بولی کہ آپ لوگوں کے کانوں میں ایک بات پڑ گئی ہے اور دلوں میں بیٹھ چکی ہے۔ اب اگر میں کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں، تو آپ لوگ نہ مانیں گے۔ اور اگر خواہ مخواہ ایسی بات کا اعتراف کروں جو میں نے نہیں کی۔ اور اللہ جانتا ہے کہ نہیں کی، تو آپ لوگ مان لیں گے۔ میں نے اس وقت حضرت یعقوب کا نام یاد کرنے کی کوشش کی مگر یاد نہ آیا۔ آخر میں کہا ”اس حالت

میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں وہی بات کہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی۔ فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ " یہ کہہ کر میں لیٹ گئی اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔ میں اس وقت اپنے دل میں کہہ رہی تھی کہ اللہ میری بے گناہی کو جانتا ہے وہ ضرور حقیقت کھول دے گا۔ اگرچہ یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ میرے حق میں وحی نازل ہوگی جو قیامت تک پڑھی جائے گی۔ میں اپنی ہستی کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میری طرف سے خود بولے، مگر یہ میرا گمان تھا کہ رسول اللہ ﷺ خواب دیکھیں گے کہ جس میں اللہ میری برأت ظاہر کردے گا۔ اتنے میں یکایک حضور ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو وحی نازل ہوتے وقت ہوا کرتی تھی۔ حتٰی کہ سخت سردی کے زمانہ میں موتی کی طرح آپ کے چہرے سے پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے۔ ہم سب خاموش ہوگئے۔ میں تو بالکل بے خوف تھی مگر میرے والدین کا حال یہ تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ ڈر رہے تھے کہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا حقیقت کھولتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو حضور بے حد خوش تھے۔ آپ نے ہنستے ہوئے جو پہلی بات فرمائی وہ یہ تھی۔ مبارک ہو عائشہ! اللہ نے تمہاری برأت نازل فرمادی۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے دس آیتیں سنائیں۔ میری والدہ نے کہا! اُٹھو اور رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا نہ ان کا شکریہ ادا کروں گی اور نہ آپ دونوں کا، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ آپ لوگوں نے تو بہتان کا انکار تک نہ کیا۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم اُٹھائی کہ اب وہ مسطح پر کچھ خرچ نہیں کریں گے۔ یہ غریب آدمی تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کی کفالت کرتے تھے۔ اس نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا۔

وَ لَا یَاۡتَلِ اُولُوا الۡفَضۡلِ مِنۡکُمۡ وَ السَّعَۃِ اَنۡ یُّؤۡتُوۡۤا اُولِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنَ وَ الۡمُھٰجِرِیۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۪ۖ وَ لۡیَعۡفُوۡا وَ لۡیَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝

تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور قدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور اللہ کی راہ میں مہاجر لوگوں کی مدد نہیں کریں گے۔ انہیں معاف کردینا چاہیے اور درگذر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے۔ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحیم (بڑا رحمت والا) ہے۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مسطح، جو ان کے عزیز تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت کے پھیلانے میں منافقین کا ساتھ دے رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی مالی مدد کرتے تھے۔ جب انہیں اس بات کا پتہ چلا تو انہیں بڑی تکلیف پہنچی کہ میرا رشتہ دار، میری بیٹی کو بدنام کرنے میں پیش پیش ہے، تو انہوں نے عہد کیا کہ وہ اس کی مدد بند کردیں گے اور پھر بند کردی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جب آپ نے سنی تو کہا: ہاں میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ بخش دے۔ پھر انہوں نے مسطح کی مدد شروع کردی اور کہا کہ وہ اب کبھی بھی بند نہیں کریں گے۔

بھلائی اور فلاح کا معاشرہ:۔

اسلامی معاشرے کی اہم خصوصیت بھلائی کا معاشرہ ہے. جہاں ریاست کے علاوہ افراد کو بھی بھلائی، کمزوروں کی مدد کی ترغیب دی گئی اور اس کے اجر کا وعدہ فرمایا گیا۔ ایک طرف دنیا کی زندگی میں جب آپ کسی کی بھلائی، سہولت اور فلاح کا کام کرتے ہیں کہ کوئی اس کے مقابل معاوضہ یا خدمت کی نہ طلب یا توقع کرتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں,(۱): افراد کے تعلقات میں بڑا حسن پیدا ہوتا ہے۔(۲): معاشرہ میں تفریق کم ہوتی ہے۔(۳): ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔(۴): اس سے مدد کرنے والا بھی آخرت کے اجر اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وجہ سے پر سکون اور خوش رہتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

جو لوگ پاک دامن، غافل (بے خبر) مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اس دن (کو یاد رکھیں) جب ان کی اپنی زبانیں اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان کے کرتوتوں (اعمال) کی گواہی دیں گے۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝

اس دن اللہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ بھرپور دے گا جس کے وہ مستحق ہیں اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی برحق ہے اور سچ دکھانے والا ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لئے۔ پاکیزہ عورتیں، پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد، پاکیزہ عورتوں کے لئے۔ ان (پاکیزہ لوگوں) کا دامن پاک ہے، ان باتوں سے جو جھوٹی باتیں بنانے والے بناتے ہیں ان کی مغفرت اور رزق کریم ہے۔

حسد اور برائی:۔

انسانی معاشروں میں برے انسانوں کے کردار اور ان کے اعمال کی وجہ سے جو نقصان و فساد ہوتا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ لوگ محض حسد یا بغض کی وجہ سے غلط بیانی کرتے ہیں۔ شک کو ہوا دے کر ماحول کو خراب کر دیتے ہیں اور برائی کو پھیلاتے ہیں۔ یہ عمل اسلام میں انتہائی بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا کوڑوں کی صورت اور انسان کو ناقابل اعتماد (گواہی کے قابل نہ ہونا) کا درجہ دینا ہے، تاکہ معاشرے میں اس کو سزا ملے اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔ یہ جرم اتنا شدید ہے کہ سزا کے علاوہ اللہ تعالیٰ قیامت کو بھی سزا دیں گے۔

خطرناک گواہی:۔

دنیا میں سزا کے لئے گواہی بڑی اہم ہے۔ گواہ کے بغیر جرم کا ثابت کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے اس لئے مجرم، اپنے جرم کے آثار اور شواہد کو تباہ کر دیتا ہے۔ عام طور پر مجرم، شواہد کو ختم کر دینے یا نہ ہونے کی وجہ سے مطمئن ہوتا ہے اور جرائم کرتا رہتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ایک خطرناک گواہی رکھی ہے، جس سے کوئی انسان بھی انکار نہیں کر سکے گا اور وہ انسانی اعضاء کی گواہی ہوگی۔ جن کو اللہ تعالیٰ اظہار کی قوت دے دے گا، جس جرم یا عمل میں ان کو استعمال کیا گیا ہو، اس کے لئے وہ گواہ بن جائیں گے اور مجرم یا انسان، انکار کی جرأت نہیں کرے گا۔

اعضاء میں شعور / سمجھ کو موجودہ طبی سائنس نے شواہد و تجربات سے دریافت کیا ہے۔ انسان کے جسم کے مختلف اعضاء کے اندر جان اور شعور کا معمولی درجہ ہے، جس کو ہم باڈی لینگویج (زبانِ جسم) کہتے ہیں۔ بھوک کا لگنا، نیند کا آنا، تھکان کا محسوس ہونا، کسی عادت کا بننا، کسی بھی عضو (عمل) کو بار بار کرنے سے اس کی عادت بننا، سب معمولی شعور کی دلیل ہیں۔ جب ضرورت یا وقت آتا ہے تو جسم کا وہ عضو یا حصہ ہمیں اس کا احساس دلاتا ہے۔ اس حرکت یا عمل کو دہراتا ہے۔ قیامت میں یہ عمل زیادہ واضح طور پر ہوگا جس کو آدمی دیکھ اور سن سکے گا۔

غفلت کا انجام:۔

غافل افراد، خواہ نیک ہوں، ان کو ان کی غفلت کی وجہ سزا بھگتنی پڑتی ہے اور یہ ان پر الزام یا تہمت کی صورت میں آتی ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مومن مرد یا مومن عورت اگرچہ وہ اپنے اعمال میں پاکباز اور صاف ہیں پھر بھی انہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ اپنے آپ کو مشکل میں گرفتار نہیں کرنا چاہیے، جو کہ ان کی غفلت یا بے پرواہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ ہدایت ہے کہ ہمیں غفلت سے بچنا چاہیے۔

جو لوگ دوسروں پر غلط الزام یا تہمت لگاتے ہیں، جو محض شک کی بناء پر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بڑا جرم ہے۔ دنیا میں ان پر حد قذف اور گواہی دینے کے حق سے محرومی ہوں گے۔ پھر آخرت (یوم قیامت) پر بھی ان پر لعنت ہوگی۔ لہٰذا اگر کوئی غافل بھی ہے تو بھی اس کی غفلت سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہیے۔ عدل و سزا میں ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان کی بدنیتی اور حسد کو ظاہر کریں گے اور وہ سزا پائیں گے۔

مزاج کی ہم آہنگی:۔

جدید نفسیات میں تحقیق سے ثابت ہے کہ مزاج کی ہم آہنگی زندگی کو پر مسرت اور آسان بنانے میں بڑی اہم ہے۔ مزاج میں اختلاف زندگی میں مل کر رہنے والوں میں اختلاف اور نزاع کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح ایک ہی کردار کے لوگ بھی ایک دوسرے کے ساتھ جلد گھل مل جاتے ہیں، جب کہ مختلف کردار کے لوگوں کو اگر اکٹھا رہنا پڑے تو زیادہ مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ اردو میں ضرب المثل ہے کہ ایک پنکھ کے پرندے اکٹھے آتے ہیں یا فارسی میں کہتے ہیں۔۔۔ کنند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔

برے کردار کے لوگ جو زنا، جھوٹ اور الزامات یا تہمتوں کے عادی ہوں، ان کے آپس میں نکاح کروانے کو ترغیب دینی چاہیے، تاکہ وہ مل کر رہ سکیں اور ان کو آپس میں کردار میں یکسانیت کی وجہ سے پریشانی نہیں ہو گی۔ جب کہ دوسری صورت میں، ایک پاک دامن عورت، ایک برے کردار کے مرد کے ساتھ، مشکل میں پڑ جائے گی۔ اسی طرح برے کردار کی عورت کے ساتھ کسی نیک اور پاک دامن مرد، مشکل میں پڑ جائے گا۔ اسی آیت مبارکہ میں کہا گیا ہے کہ برے کردار والے برے لوگوں سے ہی گزارا کر سکتے ہیں۔

نیک اور پاک دامن لوگ ان تہمت لگانے والوں کی بناء پر داغدار نہیں ہو سکتے۔ ذہنی پریشانی اور تکلیف تو ایک فطری عمل ہے۔ برے الزام اور تہمت لگانے والے اس کی سزا پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک دامن افراد کی معمولی لغزشوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ ایسی پریشانیوں جو انہیں جھوٹے الزامات کی وجہ سے اُٹھانی پڑتی ہے ان کے لئے مغفرت اور پاکیزہ رزق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بریت اور پاکدامنی کی تصدیق قرآن مجید نے کر دی ہے۔ آپ کا یہ اعزاز قیامت تک رہے گا۔ آپ کے فضائل اور اوصاف پر ابواب موجود ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۝

اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ، تو ان میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جاؤ۔ یہ (لوٹ جانا) تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ۝

اور تم پر کوئی حرج نہیں اگر تم ایسے گھروں میں داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور اس میں تمہارا سامان ہو اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو چھپاتے ہو۔

سکون اور معاشرہ:۔

اسلام ایک پُر سکون اور پُر امن معاشرہ کی تشکیل و ترویج کرتا ہے، تاکہ تمام افراد امن و سلامتی کے ساتھ رہیں۔ انسانی زندگی میں اس کی جائے سکونت یعنی گھر بہت اہم ہے، جہاں وہ زندگی کا زیادہ حصہ گزارتا ہے۔ تھک ہار کر سکون و آرام کے لئے گھر

پہنچتا ہے اور یہ سکون و آرام تب ہی مکمل ہو سکتا ہے جب وہ، وہاں اسے مزید آرام اور بغیر کسی خارجی مداخلت کے اپنی طبیعت و ضرورت کے مطابق رہ سکے۔ اس کے لئے بیرونی مداخلت سے حفاظت بہت ضروری ہے۔ اس کا نظام اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے بڑے منظم طریقے سے تشکیل دیا کہ گھر اور چار دیواری کی حرمت کا خصوصی خیال کیا جائے۔ اس کے لئے منظم طریقے سے اصول و ضوابط بنائے۔ جن کو نبی ﷺ نے احادیث مبارکہ اور اعمال کے ذریعے عملی طور پر نافذ کیا۔ اسلامی قوانین و اخلاق میں یہ سارے ضابطے موجود ہیں۔

(۱) داخل ہونے سے پہلے اجازت لی جائے، جس کے لئے دروازے کی ایک جانب کھڑا ہو، تاکہ دروازہ کھلنے کی صورت میں اندر کو نہ جھانکے۔

(۲) دروازہ بند یا تھوڑا کھلا ہوا، ہونے یا پردہ یا دیوار کی صورت میں اندر کی طرف جھانکنا ممنوع ہے، کیونکہ ایسی حالت نہ ہو جو گھر والوں کے لئے معیوب سمجھی جائے۔ یا ایسا منظر ہو جو فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے۔

(۳) اگر تین دفعہ اجازت طلب کرنے پر اہل خانہ اجازت نہ دیں، تو اندر جانے کا اصرار نہ کرے، بلکہ واپس آجائے، اور پھر کسی مناسب وقت پر چلا جائے کیونکہ اہل خانہ کسی بھی مجبوری یا شدید ضرورت کی حالت میں ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے مزید پریشانی کا سبب نہ بنے۔ اس عمل کو اپنی ہتک نہ سمجھے بلکہ ان (اہل خانہ) کی مجبوری اور ضرورت خیال کرے۔

(۴) باہر سے سلام کیا جائے اور اپنا نام بتایا جائے، تاکہ گھر والوں کو آنے والے فرد کے بارے صحیح معلومات ہو سکیں۔ ایک طرح کی مانوسیت پیدا ہو سکے۔ یہ مہذب انداز میں داخل ہونے کے لئے ہے تاکہ اہل خانہ کا وقار و احترام ملحوظ رکھا جا سکے۔ واضح اجازت کے بعد ہی گھر میں داخل ہو۔

یہ احکام انسانی معاشرہ کی فلاح اور افراد کی بھلائی کے لئے دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ضروریات اور احساسات و جذبات سے باخبر ہے اور ان میں تمام امور کا اسلام میں خیال رکھا گیا ہے۔

انسانی جان و مال کی حفاظت کے پیش نظر اگر گھر خالی ہے، تو داخلے کی اجازت لینی اور اگر اجازت نہیں ملی تو واپس آنا ہے۔ اجازت داخلہ پر ہی اندر جا سکتا ہے۔ اگر بغیر اطلاع کے دیوار سے جھانکا یا کسی سوراخ یا دروازے کی اوٹ سے دیکھنے کی کوشش کی، تو انسانی احترام اور پردہ داری کے اصول کے خلاف ہے اور صاحب خانہ کو حق ہے کہ اس کو پتھر یا کسی بھی چیز سے روکے تاکہ اس کی پردہ داری قائم رہے۔ کسی زخم کی صورت میں جھانکنے والا شخص اس نقصان کا خود ذمہ دار ہو گا۔

حدیث کے مطابق اگر کوئی شخص جھانک رہا ہے اور تم اس کی طرف پتھر پھینکتے ہو اور اس کی آنکھ ضائع ہو جاتی ہے تو تم پر کوئی جرم نہیں ہو گا۔ (کیونکہ اس شخص نے غلط عمل کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔

جب یہ احکام آئے تو صحابہ کو پریشانی ہوئی کہ کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں ہر شخص کا آنا جانا ضروری ہے، مثلاً مساجد، دکان، بیت الخلاء (ٹائلٹ روم) وغیرہ۔ وہاں تو اجازت کا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی اجازت دی گئی ہے کہ جو مکانات خالی ہیں مثلاً

مسجد، مدرسہ، دکان، غسل خانہ، بازار، سرائے، وہاں اجازت کے بغیر داخلہ ہو سکتا ہے تا کہ جس مقصد کے لئے وہ بنائے گئے ہیں اس کے مطابق استعمال ہوں۔ ایسے مکان جہاں آدمی نہیں رہتا اور وہاں سٹور ہے وہاں آدمی اپنا سامان لینے یا دیکھنے کے لئے بغیر اجازت جا سکتا ہے۔

عطار بن سیار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا کیا کوئی شخص اپنی ماں کے پاس جاتے وقت بھی اجازت طلب کرے گا، تو آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں۔ اس نے کہا؛ میرے علاوہ اس کا کوئی خدمت گار نہیں، کیا میں پھر بھی داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کروں گا؟ آپ ﷺ نے اس پوچھا کیا تم اس کو ننگا دیکھنا پسند کرو گے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس سے اجازت لے کر داخل ہو۔ (جامع البیان)۔ اسی طرح اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی دستک دے تا کہ اندر والے محتاط ہو جائیں۔

لیڈر کا کردار:۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہم سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: السلام علیکم و رحمۃ اللہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بہت آہستہ سے جواب دیا۔ قیس کہتے ہیں, میں نے حضرت سعد سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ کو اجازت نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا: رہنے دو، وہ ہم کو زیادہ دفعہ سلام کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا: السلام علیکم و رحمۃ اللہ: حضرت سعد نے پھر بہت آہستہ جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا: السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ پھر رسول اللہ ﷺ لوٹ گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے بھاگ کر گئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کا سلام سن لیا تھا، قصداً آہستہ جواب دیا تا کہ آپ زیادہ بار سلام کریں۔ تب رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ چلے گئے (ابو داؤد)۔

یہ تھا لیڈر کا کردار کہ قانون کو اپنی ذات پر اسی طرح نافذ کرتے جس طرح دوسروں پر۔ ربعی بیان کرتے ہیں کہ بنو عامر کے ایک شخص نے بتایا کہ اس نے نبی ﷺ سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی اور یہ کہا کہ کیا میں اندر آ جاؤں؟ نبی ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: جاؤ اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ اور اس سے کہو یوں کہے: السلام و علیکم ! کیا میں (نام کے ساتھ) داخل ہو جاؤں؟ اس شخص نے سن کر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو جاؤں؟ پھر نبی ﷺ نے اس کو اجازت دی اور پھر وہ اندر داخل ہو گیا (ابو داؤد)۔

یہ وہ طریقہ معاشرت ہے جس میں ہر شخص کو اس کی ذاتی زندگی آرام و سکون سے گزارنے کا حق دیا گیا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

اے نبی! مومن مردوں سے کہیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک اللہ ان کاموں کی خبر رکھنے والا ہے جن کو وہ کرتے ہیں۔

وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

اور اے نبی! مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار کو ظاہر نہ کریں سوائے جو خود بخود ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں (چادر) اپنے گریبانوں (سینوں) پر ڈالے رکھیں اور اپنی آرائش نہ دکھائیں, سوائے اپنے شوہروں کو۔ اپنے باپوں (والدین) یا شوہروں کے والد یا اپنے بیٹوں کو یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں کے لئے یا اپنی خواتین (عورتوں) پر یا اپنی نوکرانیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جن کو عورت کی شہوت نہ ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی شرم والی (جنسی) باتوں سے واقف نہ ہوں۔ اور نہ زور سے اپنے پاؤں زمین پر ماریں تا کہ جو بناؤ سنگھار وہ چھپائے ہوئی ہیں، ظاہر ہو جائے۔ اے ایمان والو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

جہاں اسلام نے ایک خاندان کے امن و سکون، اولاد کی اچھی تربیت اور فلاحی ریاست و معاشرہ کے لئے، زنا اور جھوٹی تہمت کی سزا رکھی ہے وہیں ساتھ ہی احتیاطی تدابیر نافذ کی ہیں تا کہ اس جرم کے کم سے کم مواقع پیدا ہوں اور لوگ سخت سزا سے بچ سکیں۔ نظریں نیچی کرنے کا حکم بڑا اہم ہے۔ ایک حدیث کے مطابق، نگاہ، شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو اس کو میرے (یعنی اللہ کے) خوف سے ترک کرتا ہے۔ میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا، جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔ احادیث کے مطابق پہلی نظر معاف ہے, لیکن اگر دانستہ دوبارہ دیکھا تو گنہگار ہے۔ کیونکہ اس میں خواہش نفس اور شہوت کا دخل ہے۔ اگر نگاہیں ہوسناک ہوں، مرد و زن (بالخصوص نوجوانوں) کا آزادانہ اختلاط ہو، خلوت میں نامحرموں کے ساتھ گفتگو جاری رہے، پھر انسان یہ خیال کرے کہ اس کا دامن داغدار نہیں ہو گا یہ ایک احمقانہ خیال ہے۔

مرد اور عوت کے اندر ایک دوسرے کے لئے کشش ایک فطری امر ہے۔ یہ انسان کے اندر تخلیقی طور پر ودیعت کی گئی ہے کیونکہ زمین پر زندگی کے تسلسل کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسان نے خلافت الٰہی (اللہ کے نظام پر زندگی میں عمل) کی ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ یہ ایک دائمی کشش ہے۔ بعض اوقات یہ کشش سو جاتی ہے پھر جاگ اُٹھتی ہے۔ جب جاگ اور بھڑک اُٹھتی ہے تو اس وقت تک نہیں بجھتی جب تک جنسی ملاپ نہ ہو جائے۔ اگر جنسی ملاپ و تسکین نہ ہو سکے تو بھڑکنے کی صورت میں اس کا اثر انسانی اعصاب پر پڑتا ہے۔ انسان شدید گھٹن اور بے چینی محسوس کرتا ہے۔ پھر انسان کی ایک نگاہ، ایک حرکت، خوبصورت ادا، تڑپا دیتی ہے۔ محفوظ طریقہ یہ ہے کہ معاشرہ کو ایسے موقع سے محفوظ رکھا جائے۔ تا کہ جنسی میلان طبعی حدود کے اندر رہے اور

تسکین کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ اسلام انسان کے شہوانی خواہشات سے آگے مزید تعمیری سمتوں (اولاد) کی طرف رخ موڑ دیتا ہے۔ ایک دفعہ نبی ﷺ سے کسی نے ایسی صورتحال کے بارے سوال کیا کہ اگر اس طرح کے شدید بھڑکیلے حالات سے دوچار ہو جائے اور خواہشات بڑھ جائیں تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے شرعی حق یعنی بیوی سے تسکین حاصل کرے جو اگرچہ شاید اتنی نظر کو نہ لبھائے، لیکن تسکین مہیا کرنے میں زیادہ بہتر ہو گی اور اس طرح وہ قانع اور خوش رہے گا۔ جب انسان نظر پر کنٹرول کرے گا تو شرمگاہ اور ارادوں پر بھی کنٹرول ہو جائے گا۔

جدید نفسیاتی تحقیق میں جس میں تیس (30) ممالک شامل تھے، مختلف افراد، مختلف نسلوں، زبانوں، رنگوں اور مذاہب پر مشتمل تھے، سب کا ایک ہی چیز پر اتفاق تھا، کہ رنگ، انسان کے جذبات سے بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ بھڑکانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں (بحوالہ روزمرہ نفسیات، فروری 2022)[Psychology Today February 2022]۔ رنگوں کو دیکھنے کے لئے جو حس ہے وہ بصارت، نظر ہے۔ اس لئے آیت میں کہا گیا ہے کہ زیب وزینت کو ظاہر نہ کیا جائے، زینت کو بڑھانے کے لئے رنگ استعمال ہوتے ہیں۔ جو اعضاء نارمل حالت میں جیسے ظاہر ہیں، مثلاً ہاتھ، منہ (چہرہ) ان کو ظاہر کرنے میں کوئی منع نہیں، البتہ ان کو ان کے فطرتی حالت میں رکھا جائے کیونکہ تصنع اور بناوٹ کی وجہ سے دوسروں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ زیب وزینت (میک اپ) عورتوں کے لئے جائز ہے، کیونکہ ان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ بہت خوبصورت نظر آئے۔ ہر زمانے میں زینت کے معیار بدل جاتے ہیں، لیکن زینت کی رغبت یا خواہش موجود رہتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ پر کشش بنائے۔ اسلام اس خواہش کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے استعمال اور اظہار کو منظم کرتا ہے، تاکہ جہاں ضرورت پوری ہو، وہاں معاشرے میں امن وسلامتی کے ساتھ حیوانیت کو لگام دیا جائے۔ اس لئے مکمل زیب وزینت کا اظہار اپنے خاوند (شوہر) یا محرم افراد، جن سے شہوت انگیزی کی توقع نہیں، کیا جائے۔ چہرے اور ہاتھوں اور پاؤں کو کھلا رکھنا مباح (جائز) ہے، لیکن مصنوعی رنگوں سے جلد کو چھپانا یا رنگ بدلنا، صداقت اور حقیقت کے نہ صرف خلاف ہے، بلکہ برانگیختہ کرنے کا بھی سبب بنتا ہے۔ بہت سارے جنسی جرائم کی وجہ یہ برانگیختہ یا بھڑکاؤ ہے۔ اس لئے اسلام نے ایک طرف مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کا کہا اور دوسری طرف عورت کو اپنی زینت کو غیر فطری طور پر ظاہر کرنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہا ہے کہ سینے کو ڈھانپے اور پاؤں کی جھنکار کے ذریعے اپنی کشش کو نہ پھیلائیں۔ قدرتی اور عمومی عادات کی اجازت ہے جیسے انگوٹھی، ہاتھوں پر مہندی یا نیل پالش یا بال دوپٹے سے نکل جائیں، لیکن لپ سٹک چونکہ چہرہ پر زیادہ نمایاں اور بھڑکیلی ہو سکتی ہے اس لئے رنگوں سے پرہیز کی جائے۔ جلد کو نرم رکھنے کے لئے نرم آئیل یا کریم کا استعمال عادی ہے جس سے جلد کا اصلی رنگ نہ چھپے۔ لباس میں بھی کندھے سے لے کر گھٹنوں تک اعضاء کی واضح شکل ظاہر نہ ہو۔

عریانی / فیشن اور اشتہار بازی:۔

اگر دنیامیں صنعت اشتہار بازی کا تجزیہ کیاجائے تو یہ حقیقت بڑی ثابت شدہ ہے کہ عورت کی صورت کو، مرد اور عورت کے آپس میں فطری میلان اور کشش کی وجہ سے بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر جنسی کشش کے اعضاء، سینہ، آنکھ، ران وغیرہ کو زیادہ پر کشش بنایا جاتا ہے۔ اس پر مزید سخت رنگوں کے امتزاج سے اور زیادہ جذبات کو برانگیختہ کر کے غیر فطری طور پر طلب (ڈیمانڈ) پیدا کی جاتی ہے جو مصنوعات کے فروخت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ در حقیقت شیطان نے انسان کے حب مال ومتاع سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔ نفع کمانے کے مختلف طریقے نکالے۔ عورت کی خوبصورت نظر آنے کی خواہش، دوسری طرف مرد کے عورت کی طرف میلان کو، کاروبار کے فروغ اور آمدن کا ذریعہ بنا کر ایک طرف صنعت اشتہار بازی خوب پروان چڑھائی تو دوسری طرف عورت کے لئے مواد زینت وجمال (میک اپ) انڈسٹری کو خوب چمکایا اور نسوانی کمزوری کا خوب فائدہ اُٹھایا۔ اس وقت دنیا میں برائے سال 2020 میں میک اپ انڈسٹری کے کاروبار کا تخمینہ 380 بلین ڈالر ہے، جب کہ غربت وافلاس کو مٹانے (بھوکے لوگوں کے کھانے) کے لئے 45 بلین ڈالر کی ضرورت ہے۔ میک اپ انڈسٹری نے معیار حسن کو اشتہار بازی کی صنعت کے ذریعہ تبدیل کر دیا۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کی وجہ سے اسلام نے اعتدال، حقیقت اور واقعیت پر مبنی اظہار، جمال کی صرف اجازت دی ہے اور غیر فطری اور بناوٹی امور کو ردّ کیا ہے۔ اسلامی معاشرے کا ذوق مختلف ہے۔ اس کے جمالی احساسات مختلف ہیں، جس میں جمال و حسن کی حیوانی ادائیں، مطلوب اور مستحسن نہیں، بلکہ حسن وجمال کا ایک انسانی اور مہذب رنگ، ڈھنگ اور معیار قائم ہو گیا ہے۔ جس میں عریانی معیار حسن نہیں۔ جہاں تک عریانی (ننگے پن) کا تعلق ہے، یہ حسن وجمال کا حیوانی معیار ہے۔ اس کی طرف ترغیب اسی وقت ہوتی ہے جب احساسات حیوانی بن جائیں، اگرچہ یہ عریاں جمال بہت اعلیٰ درجے کا حسن پیش کرتا ہو، لیکن، سنجیدگی، وقار اور ذوق جمال کو، اسلام نے ترجیح دی ہے۔ جہاں فتنے، فحاشی اور بے راہ روی کا ڈر نہ ہو، وہاں اسلام اظہار کو ممنوع قرار نہیں دیتا، اس لئے وہ خواتین جن کا زمانہ ماہواری ختم ہو چکا ہو اور نکاح کی رغبت یا خواہش نہ رکھتی ہوں، ان کے لئے پردہ لازمی نہیں۔ اسی طرح کام کرنے والی خادمائیں، جن کو ان کی زندگی کی کشمکش میں بھاگنا دوڑنا پڑتا ہے، ان کے لئے پردہ کے لباس میں تخفیف ہے، تاکہ ان کے فرائض کی ادائیگی میں سہولت رہے۔ اسی طرح وہ مرد جن میں نکاح یا جنسی رغبت کی صلاحیت نہیں، ان سے بھی پردہ نہیں۔ یہ سارے احکام ایک پاکیزہ وپر امن معاشرے کے لئے ہیں۔ اگر کوئی کسی فرد سے غلطی ہو جائے تو فوراً احساس کر کے اس کی حقوق انسانی میں تلافی کرے اور اللہ سے پناہ مانگے۔

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

تم اپنے میں بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا۔ اگر وہ فقیر (غریب) ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

انسانی مساوات کا معاشرہ:۔

اسلام سے قبل غلام، معاشرے میں انتہائی کمزور طبقہ تھا، جس پر ہر قسم کے مظالم کئے جاتے اور تمام سہولتوں سے محروم رہتے۔ ان سے نکاح کرنا ایک معاشرتی دھبہ سمجھا جاتا۔ اسلام نے انسانیت میں طبقاتیت کی تقسیم کو ختم کر دیا اور غلام مسلمان کو ایک دولتمند یا صاحب حسب و نسبت سے بہتر قرار دیا۔ نکاح میں بھی حکم دیا کہ معاشرے میں جو افراد بغیر نکاح کے ہیں ان کے معاشرے کے صاحب ثروت افراد مدد کریں۔ اس سلسلہ میں ریاست کا بھی کردار بہت اہم ہے۔ ملازم اور غلام، عموماً متمول (امیر) افراد کے پاس ہوتے ہیں۔ ان کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کی شادی / نکاح کر دیا جائے۔ اسی طرح دوسرے معاشرے کے افراد، والدین، بہن بھائی رشتہ دار اپنے حلقہ اثر تک ان افراد کی شادی میں مدد کریں، تاکہ ان کی ضروریات پوری ہوں۔ عموماً شادی کے سلسلہ میں اخراجات کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، اس کے لئے اسلام نے سادگی کو اہمیت دی ہے، اگرچہ نکاح کے لئے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں اور کم سے کم کوئی بھی مقدار حسب استطاعت ہو سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں (بیٹیوں) کے نکاح میں بالکل سادہ طریقہ رکھا جو سنت کی پیروی ہو گی۔ دوسری طرف والدین یا ہونے والی بیوی کو نفسیاتی طور پر تسلی دی گئی کہ وقتی حالات کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں، بلکہ شادی کر دی جائے اور میاں بیوی اپنے مستقبل کو روشن یا آرام دہ بنانے کے لئے جدوجہد کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسانی پیدا کرے گا۔ اب بھی ضروری ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی شادی / نکاح کر دیا جائے۔ اولاد کے حقوق کے بارے آگاہ کر دیا جائے۔ انہیں علیحدہ زندگی گزارنے کی سہولت اور اجازت دی جائے تاکہ گناہوں سے بچیں اور پرسکون زندگی گزار سکیں۔

پردہ کا جہاں حکم ہے، وہاں جس عورت سے شادی کی تجویز یا ارادہ ہو اس کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن تنہا ملاقاتوں کی اجازت نہیں کیونکہ ایک حدیث کے مطابق جب ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت تنہا ہوتے ہیں تو ان کے درمیان شیطان ہوتا ہے۔ اگر منگیتر ملاقات کرنا چاہیں تو قبل از نکاح لوگوں / رشتہ داروں کی موجودگی میں ملاقات کر سکتے ہیں، بلکہ ایک حدیث کے مطابق شادی سے پہلے جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا چاہیے۔ اسی طرح بیوہ عورتوں کو بھی نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ ایامیٰ کا مطلب ایسا آدمی جس کی بیوی یا شوہر نہ ہو۔ (سورت نساء)۔ فقہ حنفی میں (۱): اگر کسی شخص کی شہوت معتدل ہے، تو نکاح کرنا سنت ہے اور کیا جائے۔ بغیر نکاح کے رہنا سنت کے خلاف ہے۔ (۲): اگر کسی انسان پر شہوت بہت غالب ہو تو اس پر نکاح واجب ہے تاکہ گناہوں سے بچ سکتے ہیں۔ (۳): اگر کسی کو اس کی بد مزاجی اور سخت گیری کی وجہ سے ظلم کرنے کا خدشہ ہو تو اس کا نکاح مکروہ ہے، کیونکہ بیوی کو تکلیف و پریشانی کا سبب بنے گا۔ (۴): اگر کوئی عورت سے جماع نہ کر سکتا ہو تو اس کا نکاح حرام ہے، کیونکہ عورت کے حق کی تلفی ہے اور وہ گناہ کی رغبت کرے گی۔ (کسقدر حقایق پر مبنی احکام ہیں)۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کی سعادت (نیک بختی) سے تین چیزیں (۱) نیک بیوی (۲) آرام دہ مکان (۳) آرام دہ سواری۔ اور ابن آدم کی شقاوت (بد بختی) سے تین چیزیں ہیں (۱) بری بیوی (۲) بے

آرام مکان (۳) بری سواری (مسند احمد / المستدرک)۔ حضرت ابو نجیح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خوش حال ہو اور نکاح کی طاقت رکھتا ہو پھر بھی نکاح نہ کرے وہ میرے طریقہ پر نہیں (المعجم الکبیر۔ شعب الایمان)۔ اسلام ایک پر سکون معاشرہ، جس میں تمام افراد کی سہولیات مناسب طریقہ پر میسر ہوں، مہیا کرتا ہے۔ یہ سارے احکام انسانی بھلائی کے لئے ہیں۔

اب حالت یہ ہے کہ کسی ڈرامہ یا فلم کے ایک سین جس کی مدت شاید دس منٹ ہو اس کے لئے ہزاروں ڈالر اور گھنٹوں میک اپ کیا جاتا ہے۔ حالت یہ پہنچ گئی ہے کہ اکثر خواتین بھی اپنے فطری انداز اور جلد کے رنگ کے ساتھ باہر نہیں نکلتی بلکہ مختلف مواد کے استعمال سے جلد کو بھی خراب کر دیا جاتا ہے۔

اشتہار بازی کے ذریعے انسانی آراء کو بھی بار بار دہرا کر تبدیل کیا جاتا ہے، جس کا نفسیاتی اثر پر ایک مغربی یونیورسٹی (واٹرلو) نے دو مختلف طلباء کے گروپ کے ذریعے تجربہ کیا ہے۔ ان سے ان کے حسن وجمال کے بارے انتخاب پوچھا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک ان میں ایک گروپ کو عملی، تحقیقی پروگرام سارا وقت دکھائے گئے اور دوسرے گروپ کو جذبات کو بھڑکانے والے رنگوں پر مشتمل سارا وقت مناظر دکھائے گئے۔ اس کے بعد دونوں گروپوں سے پھر ان کے حسن وجمال کے معیار پر انتخاب پوچھا گیا تو نتیجہ بڑا مختلف نکلا۔ تحقیقی علمی پروگرام دیکھنے والوں کے انتخاب میں بہت معمولی تبدیلی آئی جب کہ جذباتی، بھڑکیلے رنگوں والے پروگرام دیکھنے والوں کے انتخاب کا پیمانہ بدل گیا۔ انہوں نے اپنے پرانے انتخاب کے بارے رائے بدل دی۔ یہ سارا اثر ان پروگراموں کا تھا جو ان کو مسلسل دکھائے گئے۔ بدقسمتی سے ڈیجیٹل میڈیا (آواز وتصویر) نے اسے بہت عام کر دیا ہے۔

ع رنگوں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

انسانی جذبات کو رنگوں اور جنسی کشش کے اعضاء کے ذریعہ بھڑکایا جاتا ہے اور طلب (ڈیمانڈ) پیدا کی جاتی ہے۔ جذبات کو بھڑکا کر مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔ انسان کو خوبصورت یا پر کشش ہونے کے جنون میں، اسے دوسروں کا محتاج کر دیا جاتا ہے۔ دوسروں کا فیصلہ، ان کی مرضی، ان کے طریقہ انتخاب پر منحصر ہوتا ہے، اور اس طرح دوسروں کی خوشی و رضامندی یا ترجیحات پر عمل کرنے سے انسان نفسیاتی طور پر احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ جوانی میں جب اعضاء انتہائی پر کشش مضبوط اور واضح ہوتے ہیں، انسان اس قسم کے اشتہارات کو دیکھ کر اسی قسم کے اعضاء اور شکل کی تمنا کرنے لگ جاتا ہے۔ اس سے، اس کی داخلی زندگی اعصابی تشدد اور پریشانی کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں گھریلو زندگیاں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ آج کل طلاق یا علیحدگی یا تنہا رہنے کی ترجیحات کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کوئی کسی دوسرے کے جذبات سے کھیلے یا اسے احساس کمتری کا شکار کرے۔ اس لئے حکم دیا کہ فطری شکل وصورت کو برقرار رکھا جائے اور مزید اس پر تصنع، بناوٹ، میک اپ کر کے حقیقت کو چھپایا نہ جائے اور نہ ہی غیر اخلاقی

مقابلہ کی فضا پیدا کر کے خرابی کی بنیاد رکھی جائے۔ ان تمام امور کے اسباب کو ہی کم کر دیا تا کہ مسائل کم پیدا ہوں اور حل کرنے میں معاشرہ مشکل سے دوچار نہ ہو۔

وَ لۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ الَّذِیۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِمَّا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَکَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡهِمۡ خَیۡرًا ٭ۖ وَّ اٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ لَا تُکۡرِهُوۡا فَتَیٰتِکُمۡ عَلَی الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ مَنۡ یُّکۡرِهۡهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝

جو لوگ نکاح کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے وہ اپنی پاکیزگی برقرار رکھیں حتیٰ کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو مکاتب ہونا چاہیں ان کو مکاتب کر دو، اگر تمہارے علم میں ان کی بہتری ہو اور تم ان کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو اُس نے تم کو دیا ہے اور تمہاری باندیاں (خادمائیں) اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو تم دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرنے کے لئے انہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم کرنے والا ہے۔

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مَوۡعِظَۃً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝

اور ہم نے بے شک تمہاری طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بیان کیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہم نے پرہیز گاروں کے لئے نصیحت نازل کی ہے۔

غلام اور لونڈیاں، بیوہ عورتیں، کمزور افراد، عرب معاشرے میں انتہائی برے حالات میں تھے۔ اسلام نے انسانیت کو مساوات اور احترام انسان کا نہ صرف پیغام دیا بلکہ حکم دیا اور معاشرہ قائم کر کے دکھایا۔ اسلام ایک مربوط نظام زندگی ہے اور ایسا اقتصادی نظام وضع کیا جس میں ہر شخص کے لئے معاشی جدوجہد کے مساوی مواقع ہوں تا کہ کسی شخص کو اپنی ضرورت کے لئے بیت المال (سرکاری خزانہ) کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ دوسری طرف مجبوری کے حالات میں سرکاری خزانہ یا بیت المال، یہ خدمات یا ضرورت بھی پوری کرے۔ ہر شخص اپنے کسب اور کام سے کھائے۔ حکومت اور افراد (معاشرہ) کا فرض ہے کہ سب کے لئے کام کے مواقع فراہم کرے۔

اگر لوگ اسلام کے مطابق عمل کر کے زندگی گذارتے ہیں لیکن معاشی حالات ایسے ہیں کہ معاشی مجبوری کی وجہ سے نوجوان مرد اور عورتیں یا غلام اور لونڈیاں، بیوہ عورتیں تنہا زندگی گذارنے پر مجبور ہیں تو اسلامی حکومت اور مالدار لوگوں پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو مالی امداد فراہم کریں۔ غلاموں اور لونڈیوں کے مالکان کا یہ فرض کہ ان کی شادی کا انتظام کریں۔ اس لئے حکم دیا کہ غربت کی رکاوٹ اگر ہے تو سوسائٹی اور حکومت دور کرے، اللہ تعالیٰ ان کو غنی کر دے گا۔ اور جو لوگ اپنی خوشی یا طبعی اسباب کی وجہ سے تنہا رہنا چاہتے ہوں یا شادی نہ کرنا چاہیں تو ان کو بھی ضروری ہے کہ پاکیزگی سے رہیں اور معاشرے میں احترام اور

فحاشی کے مواقع نہ بڑھیں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں کچھ اصحاب نے مجرد زندگی گزاری اور وہ عبادت یا علم یا سادہ زندگی گزارتے رہے لیکن ان کے کردار بہت اعلیٰ تھے۔ نبی ﷺ نے شادی کو اپنی سنت اور ترجیح قرار دیا اس لئے حکومت اور معاشرہ کو بھی چاہیے کہ اسباب اور مواقع پیدا کرے تاکہ نوجوان افراد اپنی فطری خواہش کی تسکین، اجازت شدہ طریقہ یعنی شادی سے کریں۔ اس جنسی خواہش کے اندر قدرت نے انسانی نسل کے تسلسل اور بڑھنے کا راز رکھا ہے اس لئے شادی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنا حکومت اور معاشرہ کا فرض ہے۔ عام طور پر پہلی رکاوٹ مالی ہوتی ہے جس کی وجہ سے لوگ عفت اور پاکیزگی کی زندگی نہیں گزارتے اور دوسرے عارضی جنسی تسکین کے راستے ڈھونڈتے یا طریقے استعمال کرتے ہیں۔ یہ فطری اور معتدل طریقے سے انحراف ہے کیونکہ جب جنسی تسکین کا فطری اور معتدل طریقہ موجود ہے تو اس کو پورا کرنا چاہیے۔ اس لئے ان کی مالی اور سماجی مدد ضروری ہے۔ اسلامی حکومت میں کسی فرد کو شادی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ نکاح کے بارے ترجیحات کو پچھلی آیات کی تفسیر میں درج کر دیا ہے کہ کہیں واجب ہے تو کہیں حرام ہے لیکن اگر کوئی فرد شادی کرنا چاہے تو حکومت کو اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

مجبور افراد/ اسلام نے غلامی ختم کی:۔

اسلام سے قبل غلامی کا ادارہ عربوں، یورپ، افریقہ اور ایشیاء میں موجود تھا۔ لوگ بعض اوقات اپنے کاہلی پن اور عدم عقل کی وجہ سے محض کھانے اور لباس پر غلامی اختیار کر لیتے تھے۔ کہیں جنگوں میں افراد کو قیدی بنا کر غلام بنایا جاتا۔ اسلام نے غلامی کو یکلخت قانون سے اس لئے نہیں ختم کیا کہ ایک طرف کفار اور اسلام دشمنوں، کے ہاتھ جو مسلم شخص لگ جاتا، وہ اسے غلام بنا لیتے۔ اس وجہ سے غلامی کو قبول کرنا پڑا۔ دوسری طرف اسلام نے غلامی کو ختم کرنے کے لئے کئی سزاؤں میں غلام کو آزاد کرنا ضروری کر دیا، مثلاً روزہ توڑنا، قسم توڑنا، قتل خطاء، ظہار۔ ایک اور قانون بنایا گیا کہ اگر کوئی غلام آزاد ہونا چاہتا ہے، تو اپنے مالک سے کہے کہ وہ کچھ معاوضہ دے گا اور آزاد ہو گا۔ یہ اس کا حق ہے۔ اس کو مالک روک نہیں سکتا اور حکومت زکوٰۃ کی مدد سے یا افراد اسے مدد دیں تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکے جو انسان کا حق ہے۔ اس کے علاوہ حکم ہے کہ مالک اسے مال میں سے دے (ایک حدیث کے مطابق۔ یترک للکاتب الربع)۔ بعض علماء نے اس کی مالیت کا $1/3$ بعض نے $1/4$ اور بعض ساتواں حصہ کہا ہے کہ مالک معاف کر دے۔ امام شافعی نے تو لازم قرار دیا ہے (روح المعانی)۔ اس لیے اسلام، جو مکارم اخلاق کا دین ہے غلامی کے خلاف ہے۔ یکلخت اس لیے ختم نہیں کی کہ آزادی کے بعد غلام معاشرہ پر بوجھ نہ بن جائے اور بھیک مانگنا شروع کر دے۔ اسے اس قابل ہونا چاہیے کہ اپنے عمل سے اپنی زندگی گزار سکے۔ اس عمل کو اسلامی قانون میں مکاتبت اور غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو شخص غلام آزاد کرے گا گویا اس نے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد کرا لیا۔ بہت سارے صحابہ کرام نے سینکڑوں افراد کو اسی طرح کفار سے خرید کر آزاد کرایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ غلامی اسلامی ممالک میں تقریباً ختم ہو چکی تھی جبکہ یورپ اور افریقہ میں اٹھارھویں صدی تک یورپین، افریقہ سے غلام لے جا کر دوسرے ممالک میں بیچتے تھے۔ مسلمانوں میں جو غلام تھے پھر بادشاہ، فقہاء اور گورنر رہے۔

غلام مرد یا عورت، کے مالکوں پر ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا اہتمام کرے اور دوسری طرف ایام جاہلیت میں لوگ لونڈی / عورتوں کے ذریعے فحاشی کرتے تھے اور کمائی کرتے جس طرح آج کل بھی مغربی اور دوسرے ممالک میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ اسلام نے اس کو منع کر دیا۔ صاف حکم دیا کہ یہ مالی فائدہ حاصل کرنا جرم ہے۔ دوسری طرف مالک کو حق دیا کہ لونڈی اگر شادی شدہ اور حاملہ نہیں، تو لونڈی اور وہ، اپنی جنسی ضرورت کے لئے، اس کے ساتھ بیوی کی طرح مباشرت کر سکتا ہے۔ (اگر لونڈی شادی شدہ نہ ہو تو یہ ایک طرح کا ازواجی رشتہ، ریاست کے ذریعہ تھا، لیکن خادمہ کو طلاق کا حق نہیں تھا لیکن ازادی طلب کرنے کا حق تھا، مکاتبت کے ذریعے)۔ اگر کوئی مالک، اپنی لونڈی کو اس جرم (جسم فروشی) پر مجبور کرے گا، تو اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ وہ لونڈی کو مجبوری پر بخش دے گا اور اس کا جرم مالک کی گردن پر ہو گا۔ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ عبد اللہ ابن ابی ابن السلول، جو منافقوں کا سردار تھا، سعدی کی روایت ہے کہ اس کی ایک لونڈی تھی جس کا نام معاذہ تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ اس کا کوئی مہمان آتا، تو یہ اس لونڈی کو اس کے پاس بھیج دیتا، جس میں اس کے دو مطلب ہوتے ایک یہ کہ وہ شخص کوئی انعام دے یا دوسرا اس طرح وہ مہمان کا اکرام کرتا تھا۔ یہ لونڈی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور اس نے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت ابو بکر نے اس لونڈی کو اپنے قبضہ میں لے لیا (اسکے بچاو کے لیے)۔ اس پر عبد اللہ ابن ابی ابن السلول نے اپنی قوم کو پکارا کہ کون ہے جو ہمیں محمد ﷺ سے چھڑائے، اب تو وہ ہماری مملوکات (غلاموں) پر ہاتھ ڈالنا شروع کر دیا ہے (ظلال القرآن۔ سید قطب)۔ ایک اور روایت (حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ بعض انصار کی ایک باندی (لونڈی / غلام) تھی، جبکہ اس نے کہا میرا مالک مجھے زنا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس موقع پر آیت نازل ہوئی (جامع البیان)۔

بدکاری کو پیشہ نہ اختیار کیا جائے، اسلام نے اس کو حرام قرار دیا تاکہ اسلامی معاشرہ بدکاری سے صاف رہے کیونکہ اگر جنسی تسکین کے تمام غیر فطری اور گندے راستوں کو بند کر دیا، تو سہولت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ شادی اور خاندان کے ذریعہ صاف زندگی گزارنا چاہیں گے۔ کچھ افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ اس پیشہ سے شریف لوگوں کے گھر محفوظ ہوتے ہیں، کیونکہ اگر نکاح یا شادی مشکل ہو تو انسان اس گندے راستے سے اپنی ضرورت پوری کرتا ہے اور بھیڑئے کی طرح دوسرے لوگوں کی عزت سے نہیں کھیلے گا۔ یہ رائے ایک کمزور و غلط مفروضے پر مبنی ہے۔ انسان کو جنسی جذبات اور ضروریات کو منظم طریقے سے پورا کرنا چاہیے۔ یہ فریضہ سوسائٹی اور حکومت کا ہے تاکہ ہر شخص جو شادی کے قابل ہے شادی کر سکے اور نکاح کے عمل کی مشکلات کو حل کیا جائے نہ کہ گندے پیشے کے ذریعہ وقتی ضرورت پوری کر کے مزید گندگی پھیلائی جائے۔ یہی اسلام کی تعلیمات ہیں۔

اسلامی احکام کے تسلسل اور حکمت کا ذکر ہے (ایت ۳۴)۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ہدایت کے لئے کئی پیغمبر اور رسول بھیجے اس کے ساتھ کئی کتب وصحائف (تورات، زبور، انجیل) آئے اور اب آخری قرآن کریم ہے، جس میں احکام بڑے واضح ہیں۔ پرانی امتوں کے احوال ہیں، کہ انسانیت پر ظلم سے ان کا کیسا انجام ہوا۔ اس سب کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا غور کرے اور اپنے

کردار کو تبدیل کرے۔ اللہ پر ایمان رکھنے والے اس نصیحت اور احکام سے اپنی زندگی بدل کر دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ ؕ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ ؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿ۙ۳۵﴾

اللہ آسمان اور زمین کا نور (کائنات میں) ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا اور وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو نہ شرقی ہو نہ غربی ہو (حدود سے باہر ہے)۔ جس کا تیل (مواد) خود بخود چمکتا (روشن) ہوتا ہو، چاہے اس کو آگ نہ لگے اور روشنی (لائٹ) پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب موجود ہوں)۔ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ وہ لوگوں کو مثالوں سے سمجھاتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے موجود ہونے کا احساس دلانے کے لئے ایک مثال دی ہے، جو کہ انسان کے محدود ادراک کے لئے ایک لامحدود ذات کے تصور کو قریب کرتی ہے۔ ایک چھوٹے نور یعنی روشنی کی مثال کو پیش کیا، جسے انسان سمجھ سکتا ہے اور وہ نور کا ایک طاق میں مرکز یا منبع ہے، جہاں سے نور نکلتا ہے اور ارد گرد کو منور کرتا ہے۔ روشنی کو محفوظ رکھنے کے لئے طاق کا بندوبست ہے تاکہ اس کی سمت ایک طرف ہو اور وہ سمت بہت روشن ہو۔ اس کے ساتھ اس کے اوپر کور یعنی شیشہ کا غلاف ہے جس سے روشنی ہوا کے تھپیڑوں یا جھکڑ، سے محفوظ ہے۔ پھر شیشہ کی وجہ سے اس میں انعطاف ہوتا ہے جس کی وجہ سے روشنی ٹوٹتی ہے اور اس کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے، ساتھ ہی دوسرے شیشوں سے اس کا انعکاس ہوتا ہے۔ اگر موتی یا ہیرہ کا، کٹ دیکھا جائے تو ہر کٹ ایک انعکاس پیدا کرتا ہے اور معمولی روشنی، جو ہمیں نظر نہیں آتی، جگمگاتی نظر آتی ہے۔ جس طرح ستاروں سے۔ روشنی رات کو چمکتی نظر آتی ہے اور چاند میں روشنی کا انعکاس ہے۔ روشنی کا مأخذ، انتہائی اعلیٰ ہے، جو کہ کثافتوں سے پاک ہے۔ عمومی طور پر معدنی تیل یا زرعی اجناس کا تیل (سرسوں، تارامیرا وغیرہ) دھواں دیتے ہیں اور ان سب میں سے اعلیٰ مادہ زیتون (اچھی نسل پہاڑی اور مرطوب علاقوں میں اُگنے والا درخت) کا بہت اچھا تیل ہوتا ہے۔ جس کا دھواں نہیں ہوتا، اور یہ گویا ایسا روشن ہوتا ہے جس کو آگ بھی نہ چھوئے، یعنی یہ نور کاربن اور آکسیجن کے پروسس کا حصہ نہیں، بلکہ اس سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔ جس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک انرجی کی قسم ہے جو مختلف ذرائع مثلاً یورینیم یا کسی اور مادہ ہیلیم وغیر کے ایٹمی ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ روشنی سراپا روشنی ہے یعنی اس میں کسی قسم کی کثافت یا اور مواد شامل نہیں، خالص ہی خالص ہے۔ قدیم علماء نے آیات کی تفسیر میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور اور اس کا کائنات میں اظہار لیا ہے۔ کچھ مفسرین نے نبی ﷺ کی ذات اقدس، آپ ﷺ کی برکات اور انسانیت کے لیے رحمت اور ہدایت، اس کی تشریح کی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو، تمام انسانیت پر، منعکس کر

کے راہ ہدایت دکھائی۔ زندگی کے تمام مسائل تجارت، معیشت، سیاست، صحت، سماجی خدمات، امن و حکومت، نفسیات، نظم و نسق، دفاع، ہر موضوع پر راہنمائی عطا کی، جو قیامت تک رہے گی، جس سے انسانیت کے مسائل حل ہوں گے۔ کچھ علماء نے اس سے مراد قرآن مجید کی ہدایت اور ابدیت لی ہے (حسن بصری رضی اللہ عنہ)۔

مثال بہت علمی ہے اور جدید سائنس میں روشنی کے بارے ابھی تک اس قدر ترقی کے باوجود معلومات پوری نہیں ہیں۔ کائنات میں روشنی بہت اہم ہے جو اللہ کی تخلیق ہے، جس طرح اندھیرا پہلے موجود تھا، پھر روشنی ہوئی۔ ہماری زمین پر روشنی کا ذریعہ، سورج، ستارے، بجلی کی چمک، یا حرارت سے روشنی کا پیدا ہونا۔ اسی طرح جگنو میں چمک اور سمندر کی مچھلی میں بھی یا مشروم (پودا) میں بھی رات کو روشنی ہوتی ہے۔ روشنی سے انسان دیکھتا ہے۔ اگر روشنی نہ ہو تو انسان کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ روشنی خط مستقیم پر ٹریول (سفر) کرتی ہے اور اس کی رفتا خلاء میں 1,86,282 میل فی سیکنڈ ہے یا 2,99,792 کلو میٹر فی سیکنڈ ہے۔ روشنی کو پانی یا آواز کی لہروں کی طرح کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں، اس لئے یہ خلاء میں بھی سفر کر سکتی ہے (جہاں کوئی ہوا نہ ہو)۔ یہ کسی ذریعہ (میڈیا/ سبب) سے بھی سفر کرتی ہے اور انعکاس کے ذریعہ مڑ کر بھی سفر کرتی ہے۔[روشنی فوٹون پر مشمل ہوتی ہے (جو کہ الیکٹرک اور مقناطیس سے بنتے ہیں) اور اس میں حرارت بھی ہوتی ہے]۔ جب کسی مادہ کے ایٹم گرم ہوتے ہیں تو فوٹون، ایٹم کی حرکت سے پیدا ہوتے اور روشنی و حرارت پیدا کرتے ہیں۔ یہ جب روشنی انعکاس کرتی ہے تو اس کے مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ روشنی کی لہریں، بجلی و مقناطیسی خصوصیات رکھتی ہیں۔ ریڈیو ویوز اور مائیکرو ویوز یا انفراریڈ یا ایکسرے ویوز (لہروں) کی بھی خصوصیات رکھتی ہیں۔ روشنی جو ہم گھروں میں استعمال کرتے ہیں اس کا ذریعہ بلب (Bulb) یا چراغ ہیں۔ یہ مختلف قسم کی روشنی دیتے ہیں، جس میں روشنی اور حرارت کی مقدار مختلف ہوتی ہے۔ کچھ حرارت زیادہ پیدار کرتے ہیں اور کچھ ٹھنڈک کا احساس دلاتے ہیں۔ جس طرح سورج کی روشنی میں حرارت ہے لیکن چاند کی روشنی میں ٹھنڈک اور سکون ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کی طاقت کا اظہار کڑک کے ذریعہ آیا (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ)، اسی طرح کوہ طور پر جو روشنی نظر آئی وہ بڑی حسین، حرارت کے علاوہ تھی، جو کہ اللہ کے وجود کا اظہار تھا۔ کائنات کے اندر بھی روشنی کا وجود ہر ایٹم کے ساتھ ہے۔ اس کا ادراک، ایٹم کے ٹوٹنے کی حرارت اور روشنی سے ہوا ہے، جو نا قابل کنٹرول تابکاری (نوری) شعاعیں پیدا کرتا ہے۔ ساری کائنات اسی طرح اللہ کے وجود سے منور ہے۔ کائنات کا وجود ہی، اللہ کے نور کا حصہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی نور کا حصہ معراج میں پایا۔ انسانی علم کی عظمت بھی اللہ کے نور کا حصہ ہے۔ علم کو بھی اسی لئے نور کہا جاتا ہے کیونکہ جس طرح روشنی سے ہمیں اشیاء کے وجود کی معلومات ہوتی ہیں، اسی طرح علم سے بھی ہوتی ہیں۔ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی سے اللہ کی محبت اور وجدان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ میں اللہ کی عظمت کا احساس اور کیفیت انسانی محدود ادراک کے لئے دلائی گئی ہے۔ اللہ کی ذات علیم و خبیر ہے اور ہر شے سے واقف ہے۔

فِىۡ بُيُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِۙ

جن گھروں کے بلند کئے جانے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کئے جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝

وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی اور وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں ان کی آنکھیں اور دل الٹ پلٹ جائیں گے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

تاکہ اللہ ان کو ان کے بہترین کاموں کی جزا دے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ عطا فرمائے اور اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جن کو اپنے فضل و کرم سے نور ہدایت عطا فرماتا ہے، ان افراد کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ اس ذکر میں اللہ کی حمد وثناء ہے تو وہ مکان جہاں اللہ کی حمد وثناء ہو وہ بھی بلند کئے جائیں جو کہ اللہ کی عظمت و جلال کے شان شایاں ہے۔ ان میں اللہ کی حمد و ثناء صبح و شام کی جائے۔ یہ آیت مبارکہ مساجد کی شان کے بارے ہے اور اس سے مراد قلب انسانی بھی ہے جو کہ انوار الٰہی کی گذرگاہ ہے۔ (دل گزر گاہ جلیل اکبر است)۔ مساجد کی صفائی، عمارت کی خوبصورتی، تزئین و آرائش جو کہ عمارت کے مناسب اور اعتدال پر ہو ضروری ہے۔ اگر بلند عمارت ہے اور نمازی نہیں تو لمحہ فکریہ ہے۔

آداب مسجد:۔

عمارت کی عظمت اور اصل خوبصورتی اس میں صبح و شام ذکر اور حمد وثناء کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مساجد کی تعمیر کا بڑا ثواب ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ جس نے مسجد اللہ کے لئے بنائی، اللہ تعالیٰ اس کا گھر جنت میں بناتے ہیں (مسلم شریف)۔ (مَنْ بَنَىٰ مَسْجِدًا يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ عزوجل بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ)۔ ترفع کی تفسیر حضرت حسن بصری کے مطابق عمارت کی بلندی کی بجائے اس کا احترام اور تعظیم زیادہ سے زیادہ کی جائے۔ جس کا اظہار نظافت، عبادت سے ہے۔ اسی طرح روشنی اور صفائی کا اہتمام و انتظام بہت ضروری ہے۔ دنیاوی گفتگو، کھانے پینے، سونے، چھوٹے بچوں جن کو نماز یا آداب مسجد کی سمجھ نہ ہو، کو لانے سے منع کیا ہے۔ نماز کی ابتدائی تربیت گھر میں دی جائے اور جب مناسب عمر (سات سال) ہو جائے تو ان کو لایا جائے۔ اسی طرح مخبوط الحواس (مجنون) افراد کو بھی مسجد نہ لایا جائے تاکہ احترام ہو سکے۔ کاروباری معاملات، اونچی آواز میں بات اور شور کرنا منع ہے۔ میت کو رکھنا منع ہے۔ گندے لباس، بو والی اشیاء کھا کر مسجد جانا مکروہ ہے۔ مرد کا جنابت اور عورت کا حیض کی حالت میں مسجد جانا منع ہے۔ تفصیل فقہ کی کتب میں موجود ہے۔

مسجد داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اور دعا اَللّٰھُمَّ! افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ. "اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔" کو پڑھا جائے اور داخل ہوتے ہی مستحب ہے کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ مسجد میں فرض نماز (با جماعت) پڑھنے کی فضیلت پچیس (25) درجے (مرتبہ) زیادہ ہے۔

پھر ان اہل ایمان کے کردار کا ذکر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے آرام و سکون، معاشی خوشحالی، گھروں اور سواریوں کا رشک، لباس کا زرق برق ہونا، غرض خواہشات کا ایک سمندر ہے جو انسان کے اندر پل رہا ہے اور ہزاروں خواہشیں ایسی، کہ ہر خواہش پر دم نکل رہا ہے اور یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا، حتیٰ کہ آخری وقت آ پہنچتا ہے۔ لیکن اللہ کے وہ بندے جو محبت الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں ان کو یہ دنیا کی لذت، آرام اور نعمتیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے دلوں میں اللہ کی یاد بسی رہتی ہے۔ اللہ کے رزق و مال سے ہی، وہ اللہ کے لئے دیتے ہیں۔ ان کے دل جلال الٰہی سے لرزاں ہیں۔ قیامت کا خوف، حساب و کتاب کی شدت ان کو راہ حق سے اِدھر اُدھر ہونے نہیں دیتی۔ قیامت کے دن کی کیفیت ایسی ہے کہ خوف سے آنکھیں الٹ اور دل پھٹ جائیں گے۔ ان اہل ایمان کا اجر بہت زیادہ ہے۔ ان کو قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کی قربت کا اعزاز ملے گا۔ اللہ کی رحمت و کرم سے ان کے درجات ان کی نیکیوں سے بڑھ کر دیئے جائیں گے۔ احادیث مبارکہ میں بھی ان کی عظمت کا کئی بار ذکر آیا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِۙ

اور کافروں کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے دشت میں چمکتی ریت کا سراب، جس کو پیاسا دور سے پانی گمان کرتا ہے مگر جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں پاتا اور وہ اللہ کو وہاں موجود پاتا ہے جو اس کا پورا پورا حساب چکا دیتا ہے۔ اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠

یا (ان کے اعمال) گہرے سمندر کی تاریکیوں کی مثال ہے جس میں موج کے اوپر موج کا اندھیرا (ڈھانپے ہوئے) پھر اس پر بادل (سیاہ بادل کی تاریکی) جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں (اس قدر اندھیرا) جب کوئی اپنا ہاتھ نکالے تو وہ بھی نظر نہ آئے (دیکھ نہ سکے) جس کو اللہ نور (روشنی) نہ بخشے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے۔

انکار کا دھوکہ:۔

اللہ کے نیک اور تابعدار بندوں کے انعام کے بعد ان افراد کا ذکر ہے جو کہ کفر کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، حق سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ معاشرے میں ظلم و جھوٹ، بدعہدی، انسانی حقوق کی پامالی کے ذمہ دار ہیں۔ ان کی مثال اس طرح دی گئی ہے جو ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں اور اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ جب حقیقت واضح ہوتی ہے تو صرف خسارہ، وقت اور

محنت و مشقت ضائع ہونے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مثال گرمی کے موسم میں جب انسان کو پیاس کی شدت ہوتی اور سفر میں کھلی فضا ہو، زمین ہموار ہو (صحرا یا میدان) گرمی کی وجہ سے ہوا کے درجہ حرارت کی تبدیلی سے ہوا کی لہریں پانی کی لہریں نظر آتی ہیں اور پیاسا انسان ان کی طرف دوڑتا ہے۔ جب وہاں پہنچتا ہے تو مٹی اور ریت ہوتی ہے۔ اس سے آگے پانی کی لہریں نظر آتی ہیں، اس طرح وہ کوشش کرتا رہتا ہے۔ چلنے سے مزید پیاس بھڑکتی ہے اور صرف نقصان اور تکلیف کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

دوسری مثال سمندر کے سفر کی ہے۔ سمندر میں کوئی کشتی سے گر جائے، بے شک بہترین تیراک ہو، آسمان پر گھٹا چھائی ہو، بادلوں نے سارے آسمان کو گھیر رکھا ہو، روشنی نظر نہ آتی ہو۔ سمندر کی لہریں جن میں نظر نہیں آتا، تو یہ کیفیت بھی انتہائی مایوسی کی ہے کہ اس کو کچھ نظر نہ آنے کی وجہ سے حاصل نہ ہو گا۔ سمندر کے نیچے (اندر) بھی لہریں ہوتی ہیں جن کا اب پتہ چلا ہے جو خاص الات کے ذریعہ سے پتہ چلتی ہیں۔ (وکی پیڈیا)۔

جو انسان یا فرد اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام سے منہ موڑتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق زندگی گذارنے کو کامیابی سمجھتے ہیں، وہ دھوکہ میں ہیں، کیونکہ ہر خواہش نہ پوری ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں کامیابی ہے۔ زندگی ایک اندھیرا بن جاتی ہے۔ جہاں جہالت، ضد کا اندھیرا انسان سے اللہ کے نور کو اوجھل کر دیتا ہے اور اندھیرے میں جیسے انسان کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا، یہ دلائل حق بھی نظر نہیں آتے۔ اس حالت میں انسان دنیا میں سکون سے محروم اور آخرت میں عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔ درحقیقت یہ ہدایت اور نور، اللہ کی طرف سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نور (احکام الٰہی) کو انسانوں کے لئے اپنے انبیاء اور الہامی کتب کے ذریعے انسانیت پر ظاہر فرمایا۔ اب انسان اگر اس نور و ہدایت کو اپنی نفسانی خواہشات جو شیطان کے سراب (خیالات) سے پیدا ہوتی ہیں، چھوڑتا ہے تو اندھیرے میں ہے اور اس نور کی طرف آتا ہے تو اللہ کی رحمت اسے گھیر لیتی ہے۔ یہ دنیا بھی اس کے آرام کا گھر ہے اور آخرت میں بھی اسے کامیابی ہے۔ یہ کامیابی اللہ کا فضل ہے کہ وہ شیطان کے شکار ہونے سے بچ گیا۔ یہ اس کا اپنا انتخاب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ۝

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تمام آسمانوں والے اور زمین والے اور قطار (صف) میں اُڑنے والے پرندے بے شک اللہ کی تسبیح کرتے ہیں، ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۝

اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

کائنات میں اللہ کی تابعداری:۔

پچھلی آیات میں کفار اور اہل ایمان کے اعمال اور جزا و سزا کا ذکر تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کو علم سے یقین تک لے جانے کے لئے واضح دلائل کا ذکر ہے، جس کو انسان علم و سمجھ اور حواس کے ذریعہ جان لیتا ہے۔ اب جو چیزیں فضاء میں ہیں اور انسان دیکھتا ہے ان کا ذکر کیا۔ ان میں قریب ترین پرندے ہیں، اجرام فلکی (چاند، سورج، سیارے، ستارے) ہیں اور پھر بادل ہیں، بادل اور ہوا، بھی اللہ کی مخلوق (پیدا کردہ) ہیں۔ سورج، چاند، دوسرے اجرام فلکی کی تسبیح (عبادت)، ان کے اپنے مدار میں رواں دواں رہنا ہے، نکلنا (ہمارے سامنے آنا) اور ڈوبنا (مدار میں غائب ہونا) بھی عمل ہے، جو قیام و تسبیح کا نمونہ ہے۔ پھر جن مقاصد کے لئے ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ ان مقاصد کو کائنات میں پورا کر رہے ہیں اور حکم کے مطابق کارکردگی دکھا رہے ہیں۔ یہ ان کی تعظیم، تعمیل و تسبیح ہے۔ ان سے آنے والے سگنلز کے بارے ہمیں معلومات نہیں، کیونکہ ان کی زبان یا پیغام، انسانی سمجھ سے باہر ہیں۔ اس کا ذکر اس سے پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ یہ اجرام فلکی و ستارے اس قدر واضح دلیل ہیں کہ اگر تھوڑا سا بھی غور کیا جائے تو اپنے خالق پر شاہد ہیں۔

پرندے اور ان کی حمد:۔

پرندوں کی زندگی، اللہ تعالیٰ کے وجود و قوت پر دلیل ہے۔ پرندے انسان کے زمین اور فضاء میں ہمسایہ ہیں۔ پرندے ہوں یا ہوا میں دوسرے اُڑنے والے جاندار جن میں حشرات مثلاً مچھر، مکھیاں، وائرس وغیرہ بھی شامل کر سکتے ہیں، اپنے وجود سے اپنے خالق (یعنی اللہ) پر دلیل ہیں۔

انسانی معلومات کے مطابق اس وقت زمین پر تمام اقسام کے پرندوں کی تعداد یا آبادی پچاس (50) سے چار سو تیس (430) بلین تک ہے (بحوالہ نیشنل جغرافک مئی 2021)۔ اس کے علاوہ مختلف حشرات ہیں۔ ان کی تعداد ایک سو پچاس (150) ہزار ہے۔ (بحوالہ وکی پیڈیا، انسائکلوپیڈیا)۔ انسانی معلومات محدود ہیں اس لئے پورا ذکر کرنا، ناممکن ہے۔ مختلف جراثیم یا وائرس کا تو کوئی شمار نہیں۔ پرندوں کا ہوا میں اُڑنا، ہوا کا ان کو کشش ثقل سے اُٹھا کر رکھنا، اُڑنا، مڑنا، چڑھنا، اترنا، بیٹھنا، سارے عمل انتہائی عظیم کاریگری کا ثبوت ہیں۔ جو ان کے خالق کی دلیل ہیں۔ ہر پرندے کا جسم، اس کی بناوٹ، اس کے پر، ٹانگیں اس کی ضروریات کے مطابق ہیں اور اس کو زندہ رہنے، کھانے، پینے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک اعلیٰ نظام پر قائم ہیں۔ یہ پرندے بھی سمجھ رکھتے ہیں۔ اپنی زبان اور بولی کے ساتھ اپنے ہم جنس / ہم زبان پرندوں سے رابطہ کرتے ہیں۔ یہ سارے امور ان کی، اللہ کی تسبیح و تحمید ہیں۔ وہ اپنے خالق کے احکام جو ان کے لئے متعین ہیں، ان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہیں کرتے۔ ان کی سمجھ کا یہ عالم ہے کہ ایک براعظم سے ہزاروں میل کی مسافت طے کر کے دوسرے براعظم جاتے اور پھر حالات کے مطابق واپس آ جاتے ہیں۔ ان کے راستے ان کے لئے متعین ہیں کسی راڈار کی ضرورت نہیں۔

کونج یا سارس، بٹیر وغیرہ، سائبیریا سے اُڑ کر بحر ہند تک سفر کرتے ہیں اور پھر واپس ہو جاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کا نظام، چھتہ کی انجینئرنگ، پولن کی تلاش میں سفر اور واپسی، اسی طرح مختلف پرندوں کے گھونسلوں کے ڈیزائن اور اس میں حفاظت کا

انتظام، ان (پرندوں) کی سمجھ کی دلیل ہے جو ان کو پیدا کرنے والے نے دیا ہے۔ اس وقت دنیا میں پرندوں کی تعداد کا اندازہ دو سو (200) بلین ہے (بحوالہ گوگل 2022)۔

یہ سارے امور ان (پرندوں) کی اللہ کی تابعداری اور تسبیح کا مظہر اور اپنے خالق پر دلیل ہیں۔ کونج (Crane) یا سارس کی پرواز کی بلندی تقریباً تینتیس (33) ہزار فٹ تک ہوتی ہے۔ پھر پرواز میں ایک صف (لائن) بنا کر اُڑتے ہیں اور اکٹھے سفر جاری رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے رابطہ کے لئے آواز / پکارتے ہیں، جو وہ سمجھتے ہیں۔ پرندوں کی عقل و سمجھ کا مرتبہ انسان سے بہت کم ہے۔ اس لئے ان کی ایک ہی زبان ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے۔ اسی کو تمام روئے زمین پر اس جنس (قسم) کے پرندے بولتے ہیں، اسی زبان میں وہ تسبیح و عبادت کرتے ہیں جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی چہچہاہٹ یا سُریلی بولنے کی آواز سن سکتے ہیں جو ایک طرح حمد الٰہی ہے۔

تمام کائنات میں اگر کنٹرول کرنے والی ذات ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے، جس کو دوام ہے۔ جس کی طاقت سب سے بڑھ کر ہے۔ جو انسان کو پیدا کرتا ہے پھر اسی انسان کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر اسی اللہ کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؕ

کیا آپ نے نہیں دیکھا اللہ بادلوں کو چلاتا ہے۔ پھر ان کو (باہم) جوڑتا ہے، پھر ان کو تہہ در تہہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے درمیان سے بارش ہوتی ہے اور ا(اللہ) آسمان کی طرف سے پہاڑوں (جیسے بادل) سے اولے برساتا (نازل) کرتا ہے۔ سو وہ جس پر چاہے ان اولوں کو برساتا ہے اور جس سے چاہے ان کو پھیر دیتا ہے۔ قریب ہے کہ اس کی بجلی (چمک) آنکھوں کی بینائی لے جائے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

اللہ دن اور رات کو ادل بدل کرتا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔

بادل اللہ کی قوت کا اظہار:۔

ہم اکثر دن اور بعض اوقات رات میں بھی آسمان پر بادل دیکھتے ہیں۔ ساٹھ سے ستر (60 سے 70) فیصد فضاء بادلوں سے بھری رہتی ہے۔ جو مختلف اطراف اُڑتے (چلتے) رہتے ہیں۔ موسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ ہوا کا دباؤ، اللہ تعالیٰ کائنات (آسمان) میں اپنے فرشتوں کے ذریعے پیدا کرتے ہیں جو سورج کی حرارت کے ذریعہ اِدھر اُدھر منتقل اور بڑھتا گھٹتا رہتا اور زمین پر موسم کو پیدا کرتا ہے۔ کئی دفعہ موسم کے بارے پیشن گوئی مقامی طور پر غلط ہو جاتی ہے یا فوری تبدیلی یا رخ بدل جاتا ہے اس کا بھی سبب فرشتوں کے ذریعہ تبدیلی کا عمل ہے۔

بادلوں میں پانی کے بخارات ہوتے ہیں۔ سردی سے یہ بخارات گہرے یا بھاری ہو جاتے ہیں پھر ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ جب ان کا وزن بھاری ہو جاتا ہے تو بارش کی صورت میں فضاء سے زمین پر گرتے ہیں۔ اگر اوپر فضاء کا درجہ حرارت بہت سرد (منفی 30 ڈگری) ہو تو برف کے گولوں کی صورت میں گرتے ہیں۔ جب ہوا بادلوں کو اوپر ٹھنڈے زون میں لے جاتی ہے تو بخارات جم کر اولوں کی صورت میں گرتے ہیں۔ بادلوں کا حجم اور سائز پہاڑوں کی طرح ہوتا ہے اور ان کی بلندی پہاڑوں سے بھی اونچی ہوتی ہے جو ہوا کے ذریعے فضاء میں تیر رہے ہوتے ہیں اور لاکھوں ٹن پانی کا وزن اُٹھائے پھرتے ہیں۔ (سبحان اللہ)۔ بادلوں میں بخارات ان کی کثافت اور بلندی کے حساب سے مختلف قسمیں ہیں، جن کے خواص مختلف ہیں۔ ہوا بازی سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

کڑک و چمک:۔

موجودہ معلومات کے مطابق مثبت چارج والے ہلکے بادل اوپر کی سطح پر ہوتے ہیں جب کہ بھاری بادل جو منفی چارج رکھتے ہیں نیچے ہوتے ہیں۔ جب دونوں چارجز کی قوت وسیع اور پھیل جاتی ہے تو بہت بڑا اسپارک یعنی آگ کی چمک / شعلہ پیدا ہوتا ہے (جس کی طاقت ایک ملین واٹ تک ہو سکتی ہے)۔ اس کی حرارت کی وجہ سے ہوا پھٹتی ہے اور دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ (حدیث شریف میں آگ کے کوڑے سے تشبیہ دی گئی ہے)۔ قرآن مجید میں سائنسی علوم اور حکمت کا خزانہ ہے جس وقت جدید معلومات کا وجود بھی نہیں تھا، (سورۃ انبیاء و ھود وغیرہ)۔

بارش اور نباتات:۔

بادل زمین پر آب و ہوا، موسمی اثرات اور زراعت میں نہایت اہم ہیں۔ زراعت میں بارش سے تازگی اور پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ بجلی کی چمک سے ریڈیائی شعاعوں سے فصلوں کو نقصان بھی پہنچتا ہے۔ بارش رحمت ہے اس سے پانی پہاڑوں، میدانوں سے سمندر میں جاتا ہے۔ زمین میں جذب ہو کر زیر زمین رہتا ہے۔ یہی بادل، بارش، برف اور پانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں جس سے زمین پر زندگی قائم ہے۔

بارش سے زمین میں دفن شدہ نباتات کو پولن (بیج / بیکٹیریا) جو زمین میں مردہ (حالت سکوت Dorment) ہوتے ہیں، یہ اس وقت ایک ارتقائی حالت (Genetic Code) میں ہوتے ہیں، پھر پانی کی نمی سے یہ باریک ترین جرثومے (Microbe) زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور مٹی میں نائٹروجن بننے کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نباتات کی نشوونما کے لئے کھاد مہیا کرتا ہے۔ پانی میں موجود ہائیڈروجن آئنز (IONS) نباتاتی زندگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں بارش سے نباتاتی زندگی کی مثالیں دی گئی ہیں۔

رات دن کا نظام:۔

موسم کے ساتھ بارش کے علاوہ رات دن کے نظام کا انسانی زندگی پر گہرا اثر ہے۔ طبی اور نفسیاتی طور پر انسانی جسم، دن میں کام کے لئے اور رات آرام کے لئے انتہائی موزوں ہیں۔ رات اور دن، جس نظام کی پیداوار ہیں وہ انتہائی اعلیٰ اور انسانی عقل و خرد سے بلند ہے۔ زمین کا اپنے محور پر گھومنا، رات اور دن کو پیدا کرتا ہے۔ ہر وقت زمین پر تین حرکتیں اثرانداز ہیں۔ ایک اس کے محور پر رات دن پیدا کرتی ہے۔ دوسری اپنے نظام شمسی کے مدار میں جو کہ اس کا حصہ ہے جس سے موسم (سردی / گرمی / بہار / خزاں) پیدا ہوتے ہیں۔ تیسرا سارے نظام شمسی کا بشمول زمین اپنے کہکشاں کے مدار کے ساتھ حرکت ہے "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" پر عمل خواہ کتنا ہی بڑا ہے لیکن عام انسان کو اپنی کم علمی کی وجہ سے چھوٹا نظر آتا ہے، ایک مقصد پورا کر رہا ہے۔ یہ باتیں اہل علم و عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ سارے امور ایک بہت اعلیٰ اور پیچیدہ نظام کا حصہ ہیں۔ جیسے انسان اب آہستہ آہستہ سمجھ رہا ہے اور یہ سارے اپنے خالق (اللہ) کے وجود و قوت کی دلیل ہیں۔ (فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ بلند و عظیم تر ہے وہ ذات جو بہترین تخلیق کرنے والی ہے)۔

مسلمانوں کے لئے سائنسی علوم بہت ضروری ہیں، بلکہ فرض کفایہ ہیں، جن سے اللہ کے وجود، اس کی قوت و عظمت اور انسانوں کے لئے سہولت و آسانی ملتی ہے۔ آج ہمیں قرآن مجید کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ان علوم کا جاننا بھی ضروری ہے اور جو قومیں ان علوم میں آگے ہیں دنیا کو فائدہ دینے کی وجہ سے لیڈر بن گئی ہیں۔

وَ اللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِہٖ ۚ وَ مِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَ مِنْھُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰٓی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اور اللہ نے زمین پر چلنے والے تمام جانداروں کو پیدا کیا ہے پس ان میں کچھ پیٹ کے بل رینگتے ہیں اور ان میں سے دو ٹانگوں پر چلتے اور ان میں کچھ چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہے پیدا کرتا اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

ہم نے واضح بیان کرنے والی نشانیاں (آیات) نازل کیں اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

حیوانات:۔

پرندوں، رات دن، بارش اور بادل کے بعد جانوروں (زمین پر رہنے والوں) کا ذکر ہے۔ انسان دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ جانور، کانگرو، گوریلا، کچھ ریچھ بھی دو پاؤں پر چل سکتے ہیں۔ اکثر پرندے دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ پرندوں کی تعداد اندازاً دو سو بلین ہے (گوگل 2021)۔ رینگنے والے جانور پینتالیس (45) ہزار ہیں (انسائیکلوپیڈیا برطانیہ)۔ ایک اور اندازے کے مطابق رینگنے والے (AMPHIBIANS / REPTILES) کی تعداد (آبادی) دس ٹریلین ہے (گوگل 2021)۔ یہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ ہر ایک کے لئے جسم کا علیحدہ ڈیزائن، سسٹم ہے جو اس کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ کتنی عظیم وہ ذات ہے جس نے یہ سب جاندار پیدا کئے اور انسان اس کو ماننے سے بعض اوقات انکار کر دیتا ہے۔ دودھ دینے والے (Mammals) اور

چوپائے حیوانات کی آبادی تقریباً اندازے کے مطابق پانچ سو (500) بلین کے قریب ہے۔ اکثر چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ ان سب کے زندہ رہنے، کھانے پینے کا انتظام ہے۔ بے شک اللہ جو چاہے پیدا فرماتا اور ساری کائنات اس کے قبضہ وقدرت میں ہے۔

یہ تمام علمی (سائنسی) معلومات جو قرآن مجید نے آج سے چودہ سو سال پہلے فراہم کیں اور آج تک مختلف علوم کے ماہرین ان سے استفادہ حاصل کررہے ہیں۔ ان کی تحقیق وجستجو، ان آیات قرآنی کے دائرہ کے اندر رہے۔ قرآن مجید میں انسان سے متعلق تمام علوم مثلاً زراعت، صحت، معیشت، ٹیکنالوجی، سوشالوجی، نفسیات، اخلاق، تجارتی وسماجی قوانین، عدل، انسانی حقوق، ماحولیات سے متعلق ضرورت کی حد تک راہنمائی کی گئی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ثبوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہوش و حواس، عقل وسمجھ عطا کی ہے، جس سے وہ صحیح اور غلط، فائدہ اور نقصان میں فرق کرسکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اتنے دلائل وشواہد کے باوجود بھی انسان، شیطان کے خیالات سے گمراہ ہو جاتا ہے اور ہدایت کے وسائل وذرائع کو استعمال نہیں کرتا، جس کے نتیجہ میں وہ جہنم رسید ہوگا۔ بہت سارے انسانوں پر اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہیں، وہ شیطان کے خیالات وتوہمات سے بچ جاتے ہیں۔ فرشتوں کے ذریعے ان کے برے خیالات اور نفس لوامہ کے ذریعہ برائی سے بچایا جاتا ہے یہ اللہ کا انسانوں پر خصوصی کرم ہے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۝

اور وہ منافق کہتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق (اطاعت سے) پھر جاتا ہے اور وہ لوگ مومن ہی نہیں۔

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝

اور جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے مابین فیصلہ کرلے تو اچانک ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے۔

وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ؕ۝

اور اگر ان کے لئے فائدہ (حصہ) ہے تو وہ اس کی طرف فرمانبردار (مطیع) ہوکر چلے آتے ہیں۔

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۠۝

کیا ان کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول ان پر ظلم کریں گے۔ (یہ نہیں ہے) بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔

موقع نزول: مدینہ شریف جہاں مخلص مسلمان اور مومنین تھے وہاں ان کے درمیان منافق بھی تھے جو عبد اللہ بن ابی کے ہمنوا اور ہم قبیلہ تھے۔ بظاہر مسلمان، لیکن اندرونی طور پر نبی ﷺ اور مسلمانوں سے بغض رکھتے تھے۔ عبد اللہ بن ابی، نبی ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے سارے مدینہ کی سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا، جو آپ ﷺ کی آمد سے چکنا چور ہو گیا۔ روایت ہے کہ بشر نامی منافق تھا جس کا یہودی سے زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو تمہارے نبی ﷺ سے فیصلہ

کرائیں۔ منافق کا موقف غلط تھا، اس لئے اس نے انکار کیا اور کہا محمد ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ ہم کعب بن اشرف (یہودی) سے فیصلہ کراتے ہیں۔ اس موقع پر آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ مغیرہ بن وائل کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زمین اور پانی کا تنازع تھا۔ مغیرہ نے کہا کہ میں رسول خدا سے فیصلہ نہیں کرواؤں گا کہ وہ مجھ سے بغض رکھتے ہیں۔ آیت نازل ہوئی کہ منافق خود غرض ہیں، ان کا ایمان اور تعلق مفادات کا ہے۔ جب ان کا مؤقف درست ہو تو فوراً فیصلہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں لیکن اگر غلط مؤقف پر ہوں تو ان کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق پر فیصلہ کرتے ہیں، کتراتے ہیں اور نہیں آتے۔ اس لئے مومن نہیں ہیں۔ دراصل منافق خود غلط ہوتا ہے اور اپنے مفاد کی خاطر دوسروں سے غلط فیصلے کروانا چاہتا ہے۔ جو اسلام کے اصولِ عدل کے خلاف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے، اس لئے وہ انکار کرتے ہیں۔ ان کا یہ انکار منافقت کی دلیل ہے اور ان کے ایمان نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

نفاق دراصل انسانی لالچ، خود غرضی اور مفاد پرستی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ منافق کا اصول اس کا ذاتی فائدہ ہے اور کسی دین، نظریہ یا اخلاقی اصول کا کاربند نہیں ہوتا۔ صرف ذاتی لالچ پر انحصار کرتا ہے۔ قابل اعتبار نہیں ہوتا، ایمان سے محروم رہتا ہے اس کا خوف اس کا لالچ ہے۔ حق کو پسند نہیں کرتا اس وجہ سے اپنے آپ پر ظلم اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جب کہ اسلام عدل کا حکم دیتا ہے۔

فقہ اسلامی میں جب بھی قاضی (جج) بلائے، تو گواہان یا فریق پر لازم ہے کہ حاضر ہوں۔ ایک روایت کے مطابق جو حسن بن ابی الحسن سے ہے کہ جس شخص کو اس کے فریق مخالف نے، کسی مسلمان حاکم کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے بلایا اور وہ نہیں گیا تو وہ ظالم ہے اور اس کا کوئی حق نہیں (المعجم الکبیر)۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تا کہ ان کے درمیان وہ فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لئے) نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے۔ آپ کہئے تم قسمیں نہ کھاؤ۔ (تمہاری) اطاعت معلوم ہے۔ بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝

کہہ دیجئے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پس اگر تم نے نافرمانی کی تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو ان کے ذمہ کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہی ہے جو تمہارے ذمہ کیا گیا ہے اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو صرف احکام کا واضح (کھلا) پہنچا دینا ہے۔

مومنین و منافقین:۔

منافقین کے رویہ اور کردار کے بعد مومنوں کے رویہ اور کردار کا ذکر ہے تا کہ ہم ان دو کرداروں کا موازنہ کر کے صحیح کردار کا انتخاب کر سکیں۔ منافق جہاں اپنے مفاد کی خاطر عدل و انصاف سے کتراتے ہیں اور زیادتی و ظلم کو روا رکھتے ہیں، نبی ﷺ کے حق کی بنیاد پر فیصلے کرنے کی وجہ سے، ان سے فیصلہ کروانے سے کتراتے ہیں۔ اسی طرح جب بھی اسلام یا جہاد کی ضرورت پڑ جائے تو بہانہ بنا کر جان یا مال بچا لیتے ہیں۔ ان کا کردار اور رویہ، ان کی منافقت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

دوسری طرف مومنین جو دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے آگے سر نگوں ہوتے ہیں۔ ہر حالت میں اسلام کی حفاظت اللہ کے احکام کی تنفیذ میں، اپنا مال اور جان خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے، ان کے کردار اور رویہ سے ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اللہ اور رسول کے فیصلوں کو حق سمجھتے ہیں اور دل سے قبول کرتے ہیں، اسی بناء پر وہ کامیاب ہیں۔ دنیا میں ان کو اپنے مذہب یا نظریہ سے لگن کی وجہ سے کامیابی اور آخرت میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ادھر منافق اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کا اظہار قسمیں اُٹھا کر، کرتے ہیں، جب کہ ان کا رویہ اور کردار ان کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔ اسلام جس اخلاص کا تقاضا کرتا ہے وہ لالچ اور ذاتی مفادات کی جنگ کی وجہ سے اس سے محروم ہیں۔ مومن وہی ہے جو خالص اللہ اور اس کے رسول کا تابعدار ہے۔ نفسانی، ذاتی مفادات و مصالح کا غلام نہیں۔

منافقین کو وارننگ دی گئی ہے کہ نجاعت دنیا و آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل اور اطاعت میں ہے۔ اگر وہ لوگوں سے اپنے اعمال کچھ وقت کے لئے چھپا لیتے ہیں، تو اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ وہ سب پوشیدہ رازوں کو جانتا ہے۔ نبی ﷺ کی ذمہ داری اللہ کے احکام کو واضح طور پر انسانوں تک پہنچانا ہے اور بتانا ہے۔ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں اور کر چکے ہیں جو افراد احکام پر عمل نہیں کرتے، وہ اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے۔ نبی کی تعلیمات پر عمل کرنے والے کامیاب اور نافرمانی کرنے والے ناکام ہوں گے۔

آج جو مسلمان، نام تو اسلامی رکھتے ہیں لیکن کردار و اعمال و ایمان میں مسلمان نہیں، وہ بھی منافقین کے گروہ کا حصہ ہیں۔ ان کا انجام بھی ان کی طرح ہوگا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡــًٔا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۞

اور اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلافت (اقتدار) عطا کرے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی۔ اور ضرور ان کے دین کو محکم اور مضبوط کر دے گا جس کو اس (اللہ) نے ان (نیک انسانوں) کے لئے پسند کیا ہے اور یقیناً ان کی حالت خوف کو امن سے بدل دے گا، وہ لوگ جو میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور جو کوئی اس کے بعد انکار (ناشکری) کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

موقع نزول: الربیع بن انس، ابو العالیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے بعد دس سال تک (مکی زندگی) آپ ﷺ خود اور آپ ﷺ کے صحابہ بھی خوف کی حالت میں رہے۔ کبھی چھپ کر اور کبھی ظاہراً، اللہ کی عبادت کرتے تھے، پھر آپ ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا اور وہاں بھی مسلمان خوف زدہ تھے۔ وہ ہتھیاروں کے پہرے میں صبح شام گزارتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا! یارسول اللہ: ہم پر امن و سلامتی کا دن کب آئے گا؟ جب ہم اپنے ہتھیار رکھ سکیں گے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھوڑے عرصہ کے بعد ہی تم میں سے کوئی شخص اپنی جماعت میں بغیر ہتھیاروں کے پاؤں پھیلا کر بیٹھ سکے گا۔ اس موقعہ پر آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جزیرہ عرب میں نبی ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں نے اپنے ہتھیار اتار دیئے اور امن و چین سے رہنے لگے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی روح قبض کر لی۔ پھر مسلمان حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور تک امن میں رہے۔ حتیٰ کہ پھر فتنوں کا دور (آخری دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی، تو اللہ نے ان کے دلوں میں دشمن کا خوف داخل کر دیا۔ انہوں نے اپنے نیک اعمال کو برے اعمال سے بدلا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نعمتوں کو مصائب سے بدل دیا۔ (اسباب نزول القرآن لامام الواحدی)۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کی عظمت، امن و سکوں خوشحالی کی پیش گوئی فرمائی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ (بحوالہ حدیث حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ لوگ بالخصوص خواتین، عراق (کوفہ) سے حجاز (مکہ) تک تنہا سفر کرتیں کوئی خوف نہیں تھا اور لوگ دولت ہاتھ میں اُٹھائے پھرتے تھے لیکن کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔

اہل دنیا پر حکمرانی:۔

مسلمانوں نے حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں شام، مصر، ترکی اور وسطی ایشیاء، افغانستان، یمن، عراق، ایران تک حکمرانی کی اور اس کے بعد بنو امیہ اور بنو عباسیہ میں اندلس، مشرقی یورپ، مشرق بعید (انڈونیشیاء) افریقہ،

سوڈان، جبوتی تک حکمرانی کرتے رہے۔ جب ان کی حکمرانی اسلام کے اصولوں سے منحرف ہو کر ذاتی مفادات پر مرکوز ہو گئی تو ان کو زوال آ گیا۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کی حکمت و حقیقت حرف بحرف پوری ہوئی اور یہ تاریخ کا حصہ رہا ہے۔ جو بھی معاشرے انسانیت کی بہتری کے لئے قائم رہتے ہیں، وہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور وہی دنیا میں راہنمائی کرتے ہیں۔ جب سے مسلمانوں نے یہ عمل چھوڑ دیئے محکوم و مجبور ہو گئے۔ ان احکام معاشرت میں حقوق العباد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق (حقوق اللہ) میں تساہل کو، اپنی کمال کریمی سے درگذر فرما دیتے ہیں, لیکن حقوق العباد کی پوچھ گوچھ اسی دنیا میں کر دی جاتی ہے اور وہ معاشرے جہاں ظلم، ناانصافی، غربت طبقات پر زیادتی ہوتی ہو وہ جلد تباہ ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خلافت حقیقی، تو صرف اسلامی طرز حکمرانی میں ہے، جو کہ اسلامی احکام کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ رئیسِ حکومت بھی اس میں اللہ اور اللہ کی مخلوق کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی حکومت یا قوت, اللہ کے جلال و طاقت کا ایک ادنیٰ مظہر ہے۔ کیونکہ یہ بھی اس کے حکم سے ملتی ہے، یہ دنیا پر مختلف اقوام کا ایک دوسرے کے بعد کا غلبہ ہے۔ خوشحالی تقریباً ساری حکومتوں (بنو امیہ، بنو عباسیہ اور سلطنت عثمانیہ) میں رہی۔ جب مسلمان حکمرانوں کے کردار غیر اسلامی ہو گئے تو تباہی کا شکار ہو گئے۔

بالعموم آیت مبارکہ میں خلافت (طاقت دنیا یا حکمرانی عطا کرنا) سے مراد خلافت راشدہ ہے، جو کہ صحیح اسلامی اصولوں پر قائم تھی۔ جس کے بارے نبی ﷺ نے بھی فرمایا تھا کہ یہ تیس سال (آپ کے زمانہ) کے علاوہ ہو گی اور اس کے بعد ملوکیت چھا جائے گی۔ (روایت حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ۔ سنن الترمذی، ابوداوٗد، المستدرک)۔ بعض گروہ اسے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد پر صرف تطبیق کرتے ہیں لیکن چونکہ ان کا زمانہ عہد نبوی سے متصل نہیں اس لئے صحیح تطبیق عہد نبوی اور اس سے متصل خیر القرون ہے۔ اصول حکمرانی تو تمام انسانوں اور تمام معاشروں کے لئے ہیں۔ لیکن حقیقی خلافت صرف اسلامی طرز حکمرانی پر لاگو ہوتی ہے۔

انسان بحیثیت مخلوق، بھی زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، جسامت میں کمتر اور کمزور ہونے کے باوجود روئے زمین، پانی اور ہوا پر اس کی طاقت کا ڈنکا بج رہا ہے لیکن اس میں بھی وہ معاشرے اور افراد آگے ہیں جو احکام الٰہی کی طرح (نمونہ پر) انسانیت کی بھلائی کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگلی آیت اسی اہم نکتہ کو واضح کر رہی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝

اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

خلافت الٰہی کے امتیاز کے لئے شروط کو علیحدہ بیان کیا گیا ہے کہ حقیقی خلافت صرف جس میں نظام صلوٰۃ یعنی حقوق اللہ کی تنفیذ یا ان پر عمل کرنے کے محرکات پیدا کئے جائیں اور نظام زکوٰۃ یعنی سماجی و معاشی فلاح کا مربوط نظام موجود ہو۔ حقوق العباد کو پورا پورا خیال اور نفاذ کیا جائے۔ انسانی حقوق بالخصوص عدل اور سماجی و معاشی مساوات کا سخت اہتمام ہو اور کسی قسم کی کوتاہی ریاست یا حکومت کی طرف سے نہ ہو۔ اس کے ساتھ اللہ کے رسول کے احکام کو دل و جان سے قبول کر کے معاشرے میں نافذ کیا جائے۔ نبی ﷺ کی اتباع آپ کے احکام اور طرز زندگی پر منحصر ہے اور اسی میں کامیابی ہے، لیکن اس کے ساتھ حکمران کی اتباع بھی ضروری ہے، کیونکہ خواہ مخواہ اختلاف سے فساد جنم لیتا ہے اور معاشرہ بد امنی کی وجہ سے تباہ ہو جاتا ہے۔ احادیث میں حکمران کی اتباع کی تاکید آئی ہے جب تک واضح خلافِ اسلام نہ ہو۔

قرآن مجید میں ہمیشہ (اکثر) صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد (انسانوں کے حقوق) کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اگر تاریخ اُٹھا کر دیکھیں تو ایشیاء، مشرق وسطیٰ، مسلمان حکمران یا قبل از اسلام اور بعد از اسلام، ایشیا اور یورپ کے حکمرانوں میں وہی حکمران کامیاب ہوئے جنہوں نے اچھائی کی اصولوں کو ترجیح دی تھی۔

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ لَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۵۷﴾

اور کافروں کے متعلق یہ خیال نہ کرنا کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ ان کا ٹھکانا آگ ہے (دوزخ) اور یقیناً وہ برا ٹھکانہ (واپسی کی جگہ) ہے۔

اصولِ کامیابی و کامرانی پر عمل کے بعد اگر چند مراحل میں ناکامی آجائے یا حصول مقصد میں تاخیر ہو جائے، تو انسان کو بالخصوص قیادت اور عوام کو پریشان نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنی جدوجہد کو انہیں اعلیٰ (اسلامی) اصولوں پر قائم رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کامیابی دیں گے اور بدی کی (منفی) قوتیں اپنی طاقت کے باوجود نیکی و بھلائی پر عمل کرنے والوں کو عاجز و ناکام نہیں کر سکیں گے۔ بالآخر فتح و کامرانی حق پر چلنے والوں کی ہوگی اور برائی کرنے والے یا اللہ کے احکام سے انکار کرنے والے (مسلمان ہوں یا غیر مسلم) بالآخر ناکام و نامراد ہوں گے۔ دنیا و آخرت دونوں میں برا ٹھکانہ ان کو ملے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ وہ حکمران، قومیں جنہوں نے بھلائی اور انصاف، انسانی سہولت کو ترجیح دی وہ عظمت پر فائز رہیں۔ حقوق اللہ میں کمی کے باوجود بھی ان کو بھی مہلت دی گئی۔ بد قسمتی سے اس عظیم ہدایت کے علمبردار اور دعویٰ دار (مسلمان) اس وقت اپنے اعمال و کردار میں اسلام کے بالکل متضاد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی چار صدیوں سے ناکامی و پریشانی میں گرفتار ہیں۔ یہ حقائق قرآن مجید نے تمام انسانیت کے لئے واضح کئے ہیں۔ ان پر عمل سے ہی نجاعت و کامیابی ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِیَسۡتَاۡذِنۡکُمُ الَّذِیۡنَ مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡکُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوۃِ الۡفَجۡرِ وَ حِیۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِیَابَکُمۡ مِّنَ الظَّہِیۡرَۃِ وَ مِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوۃِ الۡعِشَآءِ ۟ؕ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّکُمۡ ؕ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَ لَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! تمہارے ماتحت غلام اور نابالغ لڑکے لڑکیاں (گھروں میں داخل ہونے کے لئے) تین اوقات میں اجازت مانگیں، نماز فجر سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب تم کپڑے اتارتے ہو اور نماز عشاء کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے لئے پردے کے ہیں۔ ان تین اوقات کے بعد (بلا اجازت آنے جانے میں) نہ تم پر نہ ان پر کوئی گناہ ہے۔ تم ایک دوسرے کے پاس بکثرت آیا جایا کرتے ہو۔ اللہ اس طرح تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جب تمہارے لڑکے (لڑکیاں) سن بلوغت کو پہنچ جائیں تو ان کو اجازت پوچھ کر آنا چاہیے جیسے کہ ان سے پہلے ان کے بڑے اجازت طلب کرتے ہیں۔ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیات (احکام) بیان کرتا ہے اور بڑا جاننے والا اور خوب حکمت والا ہے۔

انسانی پرائیویسی:۔

اسلام جہاں محبت واخوت کا پیغام واحکام دیتا ہے وہاں انسان کی پرائیویٹ (ذاتی) زندگی میں آزادی اور پردہ داری کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل جب گھروں میں دروازے نہیں ہوتے تھے یا ان کے کواڑ نہیں تھے، تو لوگ آتے جاتے۔ اس طرح گھر میں رہنے والے افراد کی ذاتی آزادی بالخصوص ان اوقات میں جب آدمی آرام کر رہا ہو، جس میں رات کا سارا وقت (عشاء سے فجر تک) پھر دوپہر کو آرام کا وقت ہے اور پھر رات نماز عشاء کے بعد ہے۔ یہ وہ اوقات ہیں جب انسان ذاتی طور پر آرام کا طلبگار ہوتا ہے۔ جنسی ضروریات ہوں یا جسمانی ضروریات، انسان کی پردہ داری بڑی ضروری ہے۔ اس لئے یہ احکام آج سے چودہ سو سال پہلے نافذ کئے گئے اور آج تک بہت اہم ہیں۔

وہ لڑکے یا لڑکیاں جو نابالغ ہوں اور گھروں میں کام کرتے ہوں، ان کے لئے بھی یہی اصول ہے کہ اجازت لیں اور اس کے علاوہ اوقات میں اگر وہ ساتھ رہتے ہیں یا کام کرتے ہیں تو بلا اجازت آسکتے ہیں۔

جو لڑکے یا لڑکیاں بلوغت کو پہنچ جائیں (لڑکوں میں اختلام اور لڑکیوں میں ماہواری اس کی علامت ہے۔ بلوغت کی عمر زمانے اور علاقہ وماحول کے حساب سے مختلف ہوسکتی ہے۔ اگر طبعی اسباب کے تحت یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو عمومی بلوغت کی اوسط عمر کو بلوغت کی عمر قرار دیا جائے گا)۔ وہ بھی بالغ افراد کے احکام کے تحت ہوتے ہیں اس لئے ان کو ہر بار آنے کے لئے اجازت ضروری ہے۔ اگر ان میں ملازم ہیں اور ہر وقت ان کی ضرورت رہتی ہے تو وہ ان تین اوقات کے علاوہ آسکتے ہیں۔ یہ احکام بھی معاشرہ میں پردہ، جنسی بے راہ روی اور شخصی تحفظ و پردہ داری کے لئے ہیں۔ جوانی کی عمر اور اُٹھان میں وہ تمام امور اور محرکات جنسی

موجود ہوتے ہیں، جو کسی بھی جنسی جرم یا عمل کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا بطور حفظ ما تقدم (بچاؤ) ان کو بھی احکام پر دہ یعنی اجازت لینے کا پابند کر دیا ہے۔

وَ الْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

اور وہ بوڑھی عورتین جو نکاح کی امید (آرزو) نہیں رکھتیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے حجاب (پردے) کے کپڑے اتار دیں جب کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار دکھانے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس سے بھی احتیاط کریں تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اور اللہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بزرگ خواتین کا پردہ:۔

لڑکپن سے بلوغت میں جانے والے افراد کے احکام دیئے کہ پردہ شروع کر دیں۔ داخلہ سے پہلے اجازت لیں اسی طرح جوانی سے بڑھاپے کی طرف جانے والوں کے احکام ہیں۔ وہ خواتین جن کے ایام ماہواری ختم ہو جاتے ہیں تو طبعی طور پر ان کے مزاج میں جنسی طلب کم ہو جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ان کی مخالف جنس (مردوں) کے لئے پر کشش ہونے کی تمنا بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ولادت و حمل کے امکانات بھی ختم یا کم ہو جاتے ہیں۔ ان کی آسانی کے لئے اور جنسی بے راوی کے کم امکانات کی بناء پر ان سے پردے کے احکام ختم کر دیئے ہیں لیکن ان کے لئے بہتری یہی ہے کہ میک اپ (بناؤ سنگھار) نہ کریں بلکہ قدرتی حالت میں اور صاف ستھرا رہیں۔

اظہار اصلیت:۔

بناؤ سنگھار چونکہ خواتین کی ایک فطری خواہش ہے، اس لئے اسلام میں اس کی مکمل اجازت ہے، لیکن اس کا غیر شرعی استعمال یعنی اظہار منع ہے۔ خواتین اپنے خاوند جن کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے اور محرم افراد (جن سے نکاح منع ہے) کے سامنے کریں۔ غیر متعلقہ افراد کے سامنے کرنے سے برانگیختہ کرنا، جذبات کو بھڑکانے کا ذریعہ بن کر جرم کی طرف راستہ کھول دیتا ہے۔ اس لئے اس کو منع کیا گیا ہے۔ دوسری طرف اسلام ٹرانسپیرنسی (اصلیت کے اظہار) کو ضروری سمجھتا ہے۔ بدقسمتی سے میک اپ یا بناؤ سنگھار کے ذریعے اسی فیصد تک حقیقت کو چھپایا جاتا ہے جو ایک دھوکہ ہے۔ دیکھنے والا جسے سونا سمجھتا ہے وہ سونا نہیں بلکہ اس پر عارضی رنگ ہوتا ہے، جو منہ دھونے کے ساتھ اُتر جاتا ہے۔ اندازہ لگائیں کہ سینے کو اُبھارنے کے لئے مصنوعی پلاسٹک کے سخت کور کے ڈھانچے بنائے جاتے ہیں تاکہ خواتین استعمال کریں۔ اسی طرح ناخن، بھنویں، آنکھ کے گولے (بال) پر کور بنائے جاتے ہیں، جن کا مقصد صرف جنس مخالف کے لیے کشش ہے اور یہ امور صحت (جلد) کے لئے مضر بھی ہیں۔ یہ سارے امور دھوکہ دہی کے مترادف ہیں، اس لیے منع ہے۔ قدرتی حالت کو ظاہر کرنے کی مکمل اجازت و ترغیب ہے، اس لیے اسلام کا پردہ، چہرہ کو ڈھانپنا نہیں، بلکہ کھلا رکھنا ہے۔ ہاتھوں پاؤں کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر نماز میں چہرہ کو ڈھانپا جاے تو مکروہ ہے۔ اسی طرح دوران

احرام بھی چہرہ ڈھانپنا منع ہے۔ دراصل سخت پردہ، مردوں نے اپنی پسند اور ترجیح کی وجہ سے عورتوں پر نافذ کر دیا، جو اسلام کی طرف سے نہیں، بلکہ سماجی دباؤ ہے۔ دوسری طرف اسلام ایک عملی مذہب ہے۔ کام کاج کرنے والی عورتوں کے پردے کے احکام میں تخفیف ہے، یعنی لونڈیوں (خدمت گزار) کے لیے پردہ نہیں تھا، بلکہ ڈھیلا لباس جس میں بازو، کہنیوں تک ننگے اور پائیوں سے پنڈلی تک کور (ڈھانپنے) نہ کرنے کی اجازت تھی۔ بعض علماہ نے بزرگ عورتوں کے لیے سر کو ننگا رکھنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ میک اپ نہ کیا جائے، جس طرح آیت سے واضح ہے لیکن ساتھ احتیاط کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔

ان پردہ کے احکام میں نرمی کی وجہ سے بزرگ خواتین کو مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز کی اجازت ہے، لیکن نوجوان خواتین کو اگرچہ اجازت ہے، لیکن ترجیح نماز کو گھر ادا کرنے میں ہے، تاکہ ان کے امور خانہ داری کے معاملات، بچوں کی نگہداشت وحفاظت اور گھر کے امور میں خلل کم سے کم ہو۔ (اذنوا للنسائ الی المساجد بلیل) عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں آنے کی اجازت دو (بخاری / مسلم / ترمذی)۔ ایک اور روایت ہے "لاتمنعوا نسائکم المساجد وبیوتھن خیر لھن" اپنی عورتوں کو مسجد میں آنے سے روکو نہیں۔ اگرچہ ان کے لئے ان کے گھر زیادہ بہتر ہیں (مسند احمد / ابو داؤد)۔ مسجد نبوی میں عورتوں کے داخل ہونے کے لئے ایک الگ دروازہ مخصوص کر دیا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور میں مردوں کو اس دروازے سے آنے جانے کی سخت ممانعت فرماتے تھے (ابو داؤد)۔ عیدین (عید الفطر / عید الاضحیٰ) کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں مگر ان کی جگہ مردوں سے الگ ہوتی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے بعد عورتوں کی طرف جا کر الگ خطاب فرماتے تھے (ابو داؤد / ترمذی / مسند احمد)۔

انسان کے خیالات، اعمال، کو اللہ خوب جانتے ہیں، اس لیے انسانوں اور قانون سے ادمی تو چھپ سکتا ہے، لیکن اللہ سے نہیں اور قیامت کے دن ہر عمل کتنا ہی کم تر ہو، ظاہر ہو گا اور اسکا حساب ہو گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اندھے پر کوئی حرج نہیں اور نہ لنگڑے پر حرج ہے اور نہ مریض پر ہی کوئی حرج ہے اور نہ خود تم ہی پر (کوئی حرج ہے) کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں یا اپنی ماؤں کے گھروں یا اپنے بھائیوں کے گھروں یا اپنی بہنوں کے گھروں یا اپنے چچاؤں کے گھروں یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں یا اپنے ماموؤں کے گھروں یا اپنی خالاؤں کے گھروں یا (ان گھروں سے) جن کی چابیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوستوں (کے گھروں) سے، (اس میں بھی) تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر تم

جب گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کہو۔ (یہ) اللہ کی طرف سے برکت اور پاکیزگی ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیات (احکام) بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

موقع نزول: قرآن مجید میں ایک آیت کے مطابق "وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" اور آپس کے مال غلط طریقہ سے نہ کھاؤ یا استعمال کرو، کی وجہ سے صحابہ کرام نے دوسرے صحابہ کی اشیاء کے استعمال سے سخت پرہیز شروع کر دیا۔ دوسری طرف معذور افراد بھی کوشش کرتے کہ دوسروں کے ساتھ کھانے سے گریز کریں تاکہ ان کی وجہ سے دوسروں کو پریشانی نہ ہو۔ صحابہ کرام جب بھی کوئی حضور ﷺ کا سفر ہوتا تو کوشش کرتے کہ آپ ﷺ کے ساتھ معیت سفر رہے اس لئے اپنے کاروبار اور گھروں کو چھوڑ دیتے۔ عام طور معذور افراد کے حوالہ کر دیتے کہ ان کا خیال رکھیں۔ یہ حضرات اس کا خیال کرتے اور ان کے اموال سے کچھ بھی استعمال نہیں کرتے تھے، حالانکہ صحابہ کرام حفاظت کرنے والوں کو اس کی اجازت بھی دیتے تھے۔

آیت مبارکہ میں دو طرح کے احکام ہیں۔ (۱)۔ کہ سفر پر جانے والے اور اپنے مال و کاروبار، گھروں کو وہاں مقامی افراد کے حوالے کرتے ہیں ان کو اجازت ہے کہ حفاظت کرنے والے ان کے مال سے کھائیں پئیں۔ یہ ان کی خدمات کا ایک طرح سے معاوضہ بھی ہے۔ دوسری طرف، ایک دوسرے کے مال کھانے کے بارے جو حکم تھا، وہ غیر شرعی طریقہ سے تھا، اب چونکہ اس کی اجازت مل گئی ہے تو اس طرح ان کا استعمال صحیح ہے۔ (۲)۔ معذور افراد معاشرے میں جسمانی عذر کی وجہ سے کمائی کی استعداد نہیں رکھتے لہٰذا ان کی مدد یا ان کو غذا بہم پہنچانا معاشرے کے صاحب ثروت افراد کو ذمہ داری اور احساس دلا گیا۔ (۳)۔ اس کے علاوہ خاندانی نظام، صلہ رحمی تعاون کی بناء پر اپنے رشتہ داروں اور وہ رشتہ دار جو کمائی میں کمزور ہیں کی مدد ہے۔

فلاحی معاشرہ:۔

عورتیں اور بچے یا دوسرے افراد کو اجازت دی کہ وہ ان کے عمومی اموال کو استعمال کر سکتے ہیں مثلاً حیوانات کا دودھ، درختوں سے پھل، لیکن جو اشیاء خصوصی طور پر ہوں ان کو استعمال کرنے کی اجازت لینا ضروری ہے۔ عمومی کھانا کھلانا جو انسانی ضرورت ہے، اس کی اہمیت بتائی کہ دوسرے رشتہ داروں کو کھانا کھلانا چاہئے اور اگر وہ کھانے کے وقت پر آئے ہوں تو ان کو کھانا کھلایا جائے۔

اسی طرح دوست احباب جن سے بے تکلفی اور معاملات یعنی میل ملاپ اپنے بھائیوں کی طرح ہو ان کے ہاں یا ان کو کھانا کھلانا بھی ہے۔ جو افراد سامان یا گھروں کی حفاظت کے لئے متعین کئے جائیں ان کو بھی کھانا کھلانا چاہئے۔

یہ وہ عمومی تعلیمات تھیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے دی گئیں اب تو نظام میں تبدیلی اور ترقی کی وجہ سے ہر قسم کے افراد کی خدمات اور ان کا معاوضہ بڑا واضح اور متعین ہوتا ہے، جس میں کوئی ابہام یا مشکل نہیں۔ لیکن ان معذور افراد کو مجبوری کی صورت میں یہ حق، ضرورت کی حد تک دیا گیا ہے۔ معاشرہ پر فرض ہے کہ ان کو سہولت دے اگر حکومت یہ سہولت دینے سے قاصر ہے۔ رشتہ داروں، دوستوں اور احباب، اسی طرح ساتھ کام کرنے والے یا معذور افراد کو معاشرے میں مناسب مقام دینا

بہت ضروری ہے اور اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ کھاتے ہیں تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔ کھانا مل کر یا الگ، حالات کے مطابق دونوں طریقوں سے کھایا جائے۔ کسی طریقہ کو سوائے ضرورت کے کوئی ترجیح نہیں۔ نبی ﷺ نے مل کر کھانے کو ترجیح دی ہے جو معاشرتی طور پر بہت فائدہ مند ہے۔

کسی کے ہاں آنے جانے کے لئے سلام کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر حکم دیا کہ جب کسی کے ہاں جاؤ تو سلام کرو تا کہ آنے والے کا پتہ چلے۔ دونوں میں ایک طرح کی مانوسیت پیدا ہو۔ اچھے انداز سے سلام کیا جائے جس کا نفسیاتی طور پر اچھا اثر ہوتا ہے اور اس طرح آپس کے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔ جس سے افراد کی زندگی میں خوشی اور آسانی پیدا ہوتی ہے۔ سلام کے عمومی احکام بیان کئے جا چکے ہیں۔

یہ سارے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ انسانی معاشرے میں ان کی ضرورت اور فائدہ ہے اور اللہ کی ذات تمام امور کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہمیں ان کی حکمت پر غور کر کے عمل کرنا چاہیے تا کہ معاشرے میں امن و سلامتی برکت اور دنیا و آخرت میں کامیابی ہو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

مومنین صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب وہ کسی مجتمع مہم (اجتماعی مہم) میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو ان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے۔ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس وہ جب اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو چاہے اجازت دیں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

تم رسول کے بلانے کو باہم ایک دوسرے کے بلانے کے مانند نہ ٹھہراؤ یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے اُڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (اللہ کے رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اس (بات) سے ڈریں کہ انہیں کوئی آزمائش آ پڑے یا انہیں دردناک عذاب آ لے۔

مدینہ شریف میں مسلمانوں (مومنین) اور منافقین کے کردار کا ذکر ہے۔ تنظیمی امور اور اجتماعی امور کے بارے احکام ہیں۔ نبی ﷺ لیڈر بھی تھے اور ایک نبی کی حیثیت سے آپ ﷺ کی تعلیمات اور احکام واجب العمل تھے۔ منافقین عمومی طور پر جہاد، نماز جمعہ کے اجتماع کے دوران مسجد سے نکل جاتے۔ اسی طرح غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کے دوران کھسک جاتے

تھے۔ ان کے اس کردار کا ذکر ہے کہ مومنین نبی ﷺ کے احکام کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور ہر عمل میں آپ کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کسی کام سے نکلنے سے پہلے اجازت حاصل کرتے ہیں اور اگر نہ ملے تو خوشی سے قبول کرتے ہیں۔ دوسری طرف منافق دوسروں کی آڑ لے کر کھسک جاتے تھے یہ ان کے ایمان کی نفی تھی۔

یہ آیت مبارکہ ڈسپلن یا انتظامی ہدایات کے بارے اہم ہے کہ لیڈر یا سربراہ کے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ کیونکہ لیڈر کے امور اجتماعی ہیں، جب کہ کسی فرد کا عمل ذاتی اور انفرادی ہوتا ہے اس لئے اس کی اہمیت اجتماعی امور سے کم ہے۔ جب کسی کو اجازت دی جائے تو اس کے ساتھ اس کی مغفرت کی دعا بھی کی جائے تا کہ تشفی ہو۔

احترام نبی ﷺ:۔

نبی ﷺ کے احترام اور احکام پر تعمیل کا سخت حکم ہے۔ آپ ﷺ کے مرتبہ و شان کا اظہار کیا گیا ہے کہ آپ کا بلانا یا دعا کرنا، ایک معمولی عمل نہیں بلکہ ایک اہم عمل ہے۔ دعا کے تین طرح کے معانی ہوسکتے ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ کی دعا (اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا) عام انسان کی طرح نہیں بلکہ نبی ﷺ کی دعا قبولیت کے اعلیٰ درجہ پر ہوتی ہے۔ لہٰذا ان سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے۔

۲۔ دعا کا ایک مطلب کسی کو بلانا ہے۔ اس کا بھی خاص حکم ہے کہ جب نبی ﷺ سے بات کرو تو ان کے مرتبے اور شان کے مطابق الفاظ استعمال کرو۔ عام شخص کی طرح بلانا ان کے شان شایاں نہیں۔ اس لئے علماء نے کہا ہے یا محمد کے بجائے یا نبی اللہ یا یا رسول اللہ کے ناموں کے ساتھ بلایا جائے تا کہ ادب ملحوظ خاطر رہے، ذرا سی گستاخی سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہے۔ عام آدمی کے بلانے پر جانا یا نہ جانا انسان کی مرضی پر منحصر ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر جانا بہت ضروری ہے۔ اس لئے حکم ہے کہ نماز کو توڑ کر بھی آپ ﷺ کے بلانے پر حاضر ہو۔

آپ ﷺ کی نافرمانی یا احکام کی پرواہ نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس معاشرہ کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ علماء نے اس کو فتنہ یعنی بدامنی کہا ہے۔ یہ دنیا و آخرت دونوں میں ہوسکتی ہے۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَ يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۠

خبردار بے شک اللہ کے ہی لئے ہے جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے۔ یقیناً وہ اس (روش) کو جانتا ہے جس پر تم ہو اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں خبر دے گا جو انہوں نے عمل کئے اور اللہ ہر شي کو خوب جاننے والا ہے۔

سورت کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی قوت وطاقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اس ساری کائنات میں ہر چیز اس کے کنٹرول میں ہے۔ انسان جو کائنات میں ایک معمولی حیثیت رکھتا ہے، وہ اس کے تمام اعمال، کردار کو جانتا ہے اور یومِ قیامت انسان کو اس کے اعمال کی خبر دی جائے گی اور اس کے اعمال پر اس کا حساب ہو گا۔ تمام معلومات اللہ ہاں موجود ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین سے خلاء میں طاقتور کیمروں کی مدد سے تصاویر اور معلومات محفوظ کی جاتی ہیں۔ جنہیں ایک فرد نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح مختلف عمارات اور مکانات میں بھی کیمروں کے ذریعے معلومات حاصل کی جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے دماغ کے ایریا میں (سر پر) ایک الیکٹروڈ پیڈ، لگا کر الیکٹروکورٹیکو گرام Electrocorticogram (ECOG) کے ذریعے خیالات کو ڈی کوڈ کر دیا جاتا ہے جو انسان دیکھ رہا ہوتا ہے (یونیورسٹی آف اوساکا جاپان نیوروسائنس نیوز 18 مارچ 2022 neurosciencenews.com)۔ یہ تو انسانی سائنس کی ایجادات کا کمال ہے، جو ابھی ابتداء میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام مواصلات وریکارڈ جو فرشتوں کے ذریعے (جو کہ انرجی (لائٹ) کی صورت ہے) بہت اعلیٰ ہے، جس کو انسان سمجھنے سے قاصر ہے، ہم صرف اپنی استعداد کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات سے ایک اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سائنس کی جدید معلومات سے کائنات کی وسعت، اس کے نظام میں پیچیدگی، اعلیٰ صلاحیت اس کے خالق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

بدقسمتی سے مسلمان ان علوم میں بہت پیچھے ہیں اور انسانیت کی راہنمائی نہیں کر سکتے جو ان پر فرض تھی۔ ان علوم وفنون میں کمی کی وجہ سے دوسری اقوام کے محتاج ہیں۔

سورۃ النور کی ابتداء فرائض واحکام کی اہمیت اور نفاذ سے ہوئی، اس کی آخری آیات اللہ کی عظمت، اس کے علم اور انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزاوسزا کے بارے ہیں اس سے اعمال کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

الحمدللہ سورۃ النور مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مخلوق کے لئے مفید اور میرے لئے توشہ آخرت بنائے۔ اپنے نبی ﷺ کی اتباع اور شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

۲۵۔سورۃ الفرقان

تعارف:۔

سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت میں الفرقان کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ عہد رسالت سے ہی اس کا نام الفرقان ہے۔ سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ ایک روایت جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس کی تین آیات مدنی ہیں۔ امام ابن جریر نے یہ روایت کیا ہے کہ سورت النساء سے آٹھ سال قبل نازل ہوئی۔ اس حساب سے اس کا زمانہ نزول متوسط دور ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ستتر (77) ہے اور اس میں چھ (6) رکوع ہیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا بیالیسواں (42) نمبر ہے اور ترتیب قرآن کے لحاظ سے اس کا نمبر پچیس (25) ہے۔ سورت النور اور سورت الفرقان کے مضامین بالخصوص ابتداء اور اختتام میں گہری مناسبت ہے۔ سورت الفرقان کا نزول سورت فاطر سے قبل اور سورت یٰسین کے بعد ہوا۔ مکی سورتوں کی طرح اس میں توحید پر دلائل قائم کئے ہیں۔

رات دن کا نظام، روشنی اور اندھیرا، سایہ کا پھیلنا، بارش اور ہواؤں کا نظام، حیوانات کے وجود سے ثبوت فراہم کئے ہیں۔ آسمانوں و زمینوں (زمین) کی پیدائش، عرش، آسمان کے بروج و طبقات، چاند اور سورج کا نظام شمسی، اللہ کے نظام کی عمدگی پر استدلال کیا گیا ہے۔ اللہ کی جلالت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا سچا ہونا، مرنے کے بعد زندگی، نیکی کرنے والوں کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ (جزا) اور بدکاروں کو عذاب (سزا) کا ذکر ہے۔ شرک اور رسولوں سے انکار کرنے والوں کے لئے آخرت میں عذاب کا ذکر کیا ہے۔

پرانے انبیاء کے واقعات، ان کی قوموں کے مظالم اور رویہ کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو تبلیغ کے مسائل و امتحان سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جو مومن اللہ کی راہ میں تکالیف برداشت کرتے ہیں ان کی تعریف اور جزا (انعام) کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سورت میں مذکور احکامات اور دلائل کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ

وہ ذات بڑی بابرکت و عظیم ہے جس نے اپنے خاص بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا بنے۔

اسلام کی ہمہ گیری:۔

آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی خصوصی توصیف اور قرآن مجید کی تعریف کی گئی ہے۔ تبارک لفظ بڑے جلال و جمال کا حامل ہے۔ عظمت، برکت، خیر کی کثرت، عطا و انعام کا دوام کے معانی کا حامل ہے۔ نبی ﷺ کی صفت میں ڈرانے والا (نذیر) اور تمام جہانوں کے افراد (جن و انس) کو شامل کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت سارے جہاں (جہانوں) یعنی آپ کی آمد کے بعد قیامت تک کے جن و انس کے لئے ہے۔ اسلام تمام انبیاء کا مذہب تھا، لیکن آپ ﷺ کی آمد کے بعد اس کی تکمیل ہوئی، اس لئے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ حدیث مبارک ہے پہلے نبی صرف مخصوص زمانہ قبیلہ اور قوم یا علاقہ کے لئے ہوتے لیکن میں، تمام کالے اور سرخ اور تمام انسانوں (زمانوں) کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تمام زمین آپ کے لئے پاک ہے۔ مال غنیمت کو مخلوق کے لئے حلال کر دیا گیا۔ شفاعت عطا کی گئی۔ میرا رعب مخالف پر ڈال دیا گیا، (ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ تک)۔ (بخاری / مسلم / ترمذی / ابن ماجہ)۔ اس سے اسلام کی عالمگیری و ہمہ گیری کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ تمام انسانوں، زمانوں اور تمام علاقوں کے لئے ہے۔ اس میں زبان، رنگ، نسل یا علاقہ کی قید نہیں۔

عَبۡدِہٖ کے لفظ سے آپ کا خصوصی مرتبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات کو انسانوں کو عذاب سے بچانے والا بنایا گیا کہ ان کو برے اعمال کی سزا سے آگاہ کریں۔ عذاب جہنم کا بتائیں اور بچنے کی تاکید کریں۔ آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت میں ہلاکت سے لوگوں کو آگاہ کیا اور عذاب سے ڈرایا۔

قرآن مجید کی عظمت کو فرقان کے نام سے ذکر کیا کہ حق و باطل، حلال و حرام، مومن و کافر میں فرق بتانے والا ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ دیگر الہامی کتب (تورات) کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ آج بھی قرآن اور قیامت تک انسانوں، جنوں کے لئے ہدایت کا پیغام ہے تاکہ وہ حق و باطل، حلال و حرام میں فرق معلوم کر سکیں۔ اس کے ساتھ اللہ کے انعام و عذاب کے بارے بھی آگاہی موجود ہے۔

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

وہ ذات (اللہ) جس کی بادشاہی تمام آسمانوں و زمین میں ہے۔ اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی، نہ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے۔ اس نے ہر شئے کو پیدا کیا پھر اس کو ایک متعین و منظم طریقہ پر رکھا۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَّ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّ لَا حَيٰوةً وَّ لَا نُشُوْرًا۝

اور لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے جو کسی شئ (چیز) کو پیدا نہیں کر سکتے وہ تو (خود) پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے کسی نفع و نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں اور نہ موت و زندگی کے مالک ہیں اور نہ دوبارہ اُٹھنا (زندہ ہونا) کے (مالک) ہیں۔

علم کی ضرورت:۔

آیت مبارکہ میں توحید کے دلائل ہیں۔ یہ دلائل علمی ہیں، یہ علم، بالخصوص سائنسی علوم کا تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ کی تمام کائنات پر بادشاہی ہے۔ اس کی بادشاہی کی دلیل اس کی قوت و طاقت ہے کہ اس نے تمام موجودات کو عالم میں پیدا کیا۔ ان کی پیدائش ایک بہت بڑی وجودی حقیقت ہے۔ جس میں انسان، ہزاروں سالوں سے تحقیق کر رہا ہے، لیکن ابھی ابتدائی درجہ تک پہنچا ہے۔ اس کی وسعت کا یہ حال ہے کہ ہر ایک، کم سے کم جسم مچھر سے لے کر عظیم تر مخلوقات سورج اور کہکشاؤں کو شامل ہے۔ ان کا وجود، ڈیزائن، ان کا طریقہ کار، آپس میں ربط اور ان کے وجود کے لئے ضروری اسباب، سارے اس قدر پیچیدہ ہیں، کہ کسی عظیم، واحد ذات کے علاوہ، ان کے نظام کا چلنا ناممکن ہے۔ اگر ان پر غور کریں تو بہت طویل و عظیم حقائق ہیں۔ اس قدر ذات ہی انسانی عبادت کے قابل و مستحق ہے۔ لیکن بدقسمتی ہے کہ انسان کو عقل و خرد ملنے کے باوجود، وہ اپنی عقل کو اس طرف استعمال نہیں کرتا، بلکہ توہمات کی وجہ سے اس نے ان اشیاء کو اپنا خالق و معبود مان لیا ہے، جو خود کوئی حیثیت نہیں رکھتے (بت یا ستارے، وغیرہ)، وہ خود مخلوق ہیں۔ اپنے وجود میں بہت سے خارجی عناصر کے محتاج ہیں، تو وہ کس طرح خالق کل بن سکتے ہیں۔ یہ انسان کی کس قدر جہالت اور بدقسمتی ہے۔

اس سے، تمام مشرکین کی، اللہ کے علاوہ، کسی کو معبود بنانے یا اللہ، کی اولاد بنانے، یا نائب بنانے، کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات نے ساری کائنات کا نظام کنٹرول کیا ہوا ہے۔ وہ دوبارہ انسانوں کو ان کے اعمال پر انعام و سزا کے لئے زندہ کرے گا اور ہمیشہ قائم و دائم ہے، لیکن یہ انسان کے بنائے ہوئے معبود نہ صرف مخلوق ہیں، بلکہ اپنے وجود کی محتاجی کے علاوہ کسی کو نہ موت، نہ ہی زندگی دے سکتے ہیں۔ اتنے کمزور ہونے کے باوجود، انسان نے ان کو اپنے توہمات کی بناء پر معبود بنا لیا ہے جو قابل افسوس ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا۝

اور انکار کرنے والوں (کافروں) نے کہا یہ قرآن تو من گھڑت جس کو اس (نبی) نے بنایا ہے اور اس پر دوسروں نے اس کی مدد کی ہے۔ پس ان (کافروں) نے ظلم کیا اور جھوٹ بولا۔

وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۝

انہوں (کافروں) نے کہا یہ پرانے لوگوں کے قصے ہیں جن کو اس (نبی) نے لکھوا لیا جو اس (نبی) پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

آپ (اے نبی) کہیے؛ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قرآن مجید کے مختلف واقعات اور توحید و رسالت کے پیغام کی وجہ سے مشرکین مکہ (سرداروں) نے کہا، کہ نبی ﷺ نے خود گھڑا ہے۔ چونکہ واقعات یہود اور عیسائیوں اور پرانے انبیاء کے بھی تھے۔ نبی ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ چند غلام، جو اہل کتاب تھے جن کو ان کے مولیٰ نے آزاد کر دیا تھا، انہوں نے آپ کو یہ واقعات بتائے ہیں، لیکن ان کا یہ نظریہ ختم ہو گیا کہ نبی ﷺ نے نبوت کا دعویٰ چالیس سال کی عمر میں کیا جبکہ یہ غلام افراد تو اس سے پہلے بھی مکہ میں تھے لیکن آپ نے کبھی دعویٰ نہیں کیا تھا۔

بد قسمتی سے، یورپ سے جن لوگوں نے تحقیق کی ہے وہ بھی اسی طرح کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں، کہ نبی ﷺ نے حضرت ابو طالب کے ساتھ سفر میں بحیرا راہب سے شام میں ملاقات کی، پھر جب جوانی (پچیس سال) کی عمر میں حضرت خدیجہ کا مال لے کر گئے، تو وہاں کے راہبوں سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی جس کی کوئی سند نہیں۔ یہ ایک انتہائی کمزور دلیل ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کے بعد نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ سفر کے کئی سالوں سال بعد چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ، تنہائی میں عبادت کے بعد کیا۔ لہٰذا یہ اعتراض کفارِ مکہ کو بھی صحیح نہیں لگا اور ختم ہو گیا۔ کفارِ مکہ اپنی فصاحت و بلاغت کے باوجود اس کلام کی کوئی مثال نہ لا سکے۔

قرآن کو اللہ تعالیٰ کی ذات نے نازل کیا، جو زمین و آسمان کا مالک اور ان کے اسرار کو جاننے والا ہے۔ جس نے ان کو بنایا اور کنٹرول کر رہا ہے۔ یہ واقعات ان (پرانی الہامی) کتابوں سے زیادہ مفصل اور صحیح ہیں۔ ان کے احکام میں تبدیلی بھی ہے اور اس کلام کی مثال لانی بھی ناممکن ہے۔ مشرکین کا اعتراض غلط ہے۔ انہیں اللہ سے معافی مانگنی چاہیے جو غفور اور بخشنے والا ہے۔

وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا۝

اور انکار کرنے والوں (کافروں) نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں گھومتا / چلتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔

اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝

یا اس کو کوئی خزانہ دے دیا جاتا یا اس کے پاس باغ ہوتا جس سے یہ گذارا کرتا (کھاتا) اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک جادو کئے ہوئے شخص کی پیروی کرتے ہو۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۝

آپ دیکھیں! بھلا کیسی انہوں (کافروں) نے آپ کے لئے مثالیں گھڑی ہیں۔ پس وہ گمراہی میں مبتلا ہو گئے اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا۝

وہ (اللہ) برکت / عظمت والا ہے، اگر چاہے تو آپ کے لئے باغات سے بہتر بنادے، جن کے نیچے نہریں (چشمے) جاری ہوں اور آپ کے لئے محل بنادیئے۔

قریش مکہ کے اللہ کے وجود کا تخیل بڑا عجیب تھا۔ وہ جسم کی عظمت اور بلندی کو ایک اہم حصہ خیال کرتے تھے۔ اسی طرح نبی کو بھی ایک غیر عادی مخلوق (جو انسانی عادات اور رہن سہن سے مختلف ہو) خیال کرتے تھے۔ جب نبی ﷺ نے نبوت اور کلام الٰہی کا دعویٰ کیا تو ان کو یہ عجیب لگا، کہ ایک عام شخص جس کا بچپن یتیمی میں گذرا، مال و دولت کے لحاظ سے کمزور ہے۔ کردار کے لحاظ سے صادق اور امین ہے۔ اس کے پاس نہ تو مال و دولت ہے نہ طاقت نہ اولاد، نہ باغ و زمین، نہ ملازم اور خادم ہیں، نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ پھر مختلف عقیدہ، نظریہ کی پرچار کر رہا ہے۔ موت کے بعد زندگی، نیکی اور بدی، جزا و سزا، بتوں کو برا بھلا کہنا، ان کی عبادت سے منع کرنا، غریبوں اور کمزوروں کی مدد کرنا، یہ نظریات و اعمال ان کے لئے عجیب تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ ان پر یا تو جادو ہو گیا یا کسی بھوت / جن کا سایہ ہے، جس کا سبب، جادو یا ان کے بتوں کی ناراضگی ہے۔ لہٰذا ان کی باتیں اور ان کے پیچھے (اتباع) چلنا صحیح نہیں۔

قریش مکہ کے سرادر (عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، نضر بن حارث، ولید بن مغیرہ، زمعہ بن الاسود) آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر آپ دولت کے لئے نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں، تو ہم آپ کو وہ مہیا کر دیتے ہیں، اگر کوئی امارت یا سرداری چاہیے، تو وہ پیش ہے۔ آپ اس دعویٰ نبوت اور تبلیغ اسلام سے باز آجائیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں تبلیغ کسی دولت، امارت کے لئے نہیں کرتا۔ مجھے تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ تمہیں تمہارے اعمال کے بدلہ کے بارے بتاؤں، کہ ایمان پر ثواب اور کفر پر عذاب ہے۔ اگر تم نے میرے پیغام کو قبول کر لیا، تو تمہارے لئے دنیا اور آخرت میں اجر ہے اور اگر تم نے رد کر دیا تو میں اللہ کے حکم کے مطابق صبر کروں گا، حتیٰ کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔ آپ ﷺ نے دولت و امارت کو ٹھکرا دیا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے یہ پیش کش کی کہ میرے لئے مکہ کی سرزمین سونے کی بنادے۔ سو میں نے کہا نہیں۔ اے میرے رب! میں ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں گا۔ پس جب بھوکا ہوں گا، تیری طرف فریاد کروں گا اور تجھے یاد کروں گا اور جب میرا پیٹ بھرا ہو گا تو تیری حمد اور شکر کروں گا۔ (ترمذی)۔

حضور ﷺ نے بازار میں تجارت کی اور صحابہ کرام نے بھی ایسا ہی کیا، اس لئے رزق حلال عبادت ہے۔ یہ دنیاوی محلات و زینت، آپ ﷺ کے لئے کچھ حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ مردود (رد کی ہوئی) تھی۔ بدقسمتی سے آج بھی کچھ لوگ، نبی کی

عظمت کو، انسان سے ماوراء صفات میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنی تسکین کے لئے مختلف تشریحات کرتے ہیں، جبکہ حقیقی عظمت، انسان ہونے میں ہے، جو خلیفہ اللہ ہے۔ حضور کی عظمت، بحیثیت انسان اور اللہ کا خصوصی بندہ، جس کو معراج عطا ہوئی اور انسانیت کو آپ نے معراج عطا فرمائی، سید المرسلین ٹھہرے، ساری کائنات کے نبی اور راہنما بنائے گئے، شفاعت عطا ہوئی، اس میں ہے۔ آپ ﷺ نے فقر کو ترجیح دی اور تمام انسانوں کے لئے زندگی کے ہر دور کے لئے نمونہ چھوڑا۔

عبد دیگر، عبدہ چیزے دگر　　　ایں سراپا انتظار، او منتظر

یہ اعلیٰ مقام ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

جب انسان صرف اپنی سوچ پر رک جاتا ہے اور حقیقت و سچ کی تلاش نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ اس کی کوشش نہ کرنے کو اختیار کرنے کی وجہ سے اس کے لئے حق کا راستہ بند کر دیتا ہے اور گمراہی میں بھٹکتا رہتا ہے۔ یہی حال اس وقت کے منکرین حق کا تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۟

بلکہ انہوں (کفار / انکار کرنے والوں) نے قیامت کو جھٹلایا اور جس نے قیامت کو جھٹلایا (انکار کیا) ہم نے اس کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۟

اور جب وہ (آگ و دوزخ) ان (مجرموں) کو دور سے دیکھے گی تو وہ، اس کے غصہ سے بپھرنے اور دھاڑنے کی آواز سنیں گے۔

وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۟ؕ

اور جب ان (کفار) کو زنجیروں سے جکڑ کر (دوزخ کی) تنگ جگہ میں ڈالا جائے گا تو وہاں وہ ہلاکت (موت) کو پکاریں گے۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۟

آج تم ایک ہلاکت (موت) کو نہ پکارو بہت سی موتوں (ہلاکتوں) کو پکارو۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ۟

آپ کہیے! کیا یہ دوزخ اچھی ہے یا دائمی جنت جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ان کی جزا اور ٹھکانا ہے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۟

اس (جنت) میں ان (متقین) کے لئے ہر وہ چیز ہے جس کی وہ خواہش کریں گے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہ آپ کے رب کا وعدہ ہے۔ جس کا سوال کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام سے انکار کرنے والوں کی کیفیت بیان کی ہے، جو کہ قیامت کو ان کے اعمال کے فیصلہ کے بعد ہوگی۔ آج وہ اللہ کے احکام کا انکار کر رہے ہیں۔ قیامت کو جھٹلاتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کے اعمال کی بناء پر دوزخ

پیدا کی ہے، جہاں وہ اپنی سزا پائیں گے۔ دوزخ میں بھڑکتی ہوئی آگ ہو گی، اس کے بھڑکنے کی آواز کو زفیر اور تغیظ کہا ہے۔ لغت میں یہ کراہت کی آواز ہے جو خوف کا مظہر ہے۔ بلند بھی ہوتی ہے اور کم بھی۔ یہ آواز خوف سے کفار نکالیں گے اور دوسری طرف جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کی آواز ہو گی، جو منظر کو اور خوفناک کر دے گی۔ کفار کو فرشتے زنجیروں سے جکڑ کر بھڑکتی آگ کے تنگ حصہ میں ڈالیں گے تا کہ ان کے جسموں کو ہر طرف سے بھڑکتی آگ شدت سے جلائے۔ وہ عذاب کے خوف سے اپنی موت کو مانگیں گے تا کہ ان کا عذاب ختم ہو، لیکن آج ایک موت کیا اگر وہ کئی موتیں بھی طلب کریں تو ان کو عذاب سے نہیں بچا سکیں گی۔ موت کا وجود ختم ہو چکا ہو گا۔

اگر وہ اللہ کے احکام پر عمل کرتے، قیامت پر یقین کرتے تو ان کو دوزخ کے عذاب کے بجائے جنت میں مقام عطا ہوتا، جہاں دائمی زندگی ہے اور اس کی انسان (مومن) خواہش کرے گا۔ اسے ہمیشہ کے لئے ملے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں سے وعدہ کیا ہے اور ان کو قیامت میں ان کی آرزو اور سوال پر جنت عطا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اہل ایمان کے لئے اس اچھی خبر کو اپنے لئے ضروری قرار دے دیا ہے۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ؕ

اور جس دن ان (کافروں / انکار کرنے والوں) کو جمع کیا جائے گا ان کو، جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے، پھر وہ (اللہ) ان معبودوں سے کہے گا! کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝

وہ (معبود) کہیں گے تو (اے اللہ) ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، ہمیں یہ لائق نہیں تھا کہ ہم تجھے چھوڑ کر اوروں کو مددگار بنائیں لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوشحالی دی حتّٰی کہ انہوں نے نصیحت (ذکر / احکام) بھول گئے اور یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہی تھے۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝

پس (اے مشرکو) تمہارے معبودوں نے تمہاری کہی ہوئی باتوں کو جھٹلا دیا۔ پس اب تم عذاب کو نہ دور کر سکتے ہو، نہ اپنی مدد کر سکتے ہو۔ اور تم میں سے جس نے بھی ظلم کیا ہے، ہم اس کو بہت بڑا عذاب چکھائیں گے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے تم میں بعض کو (دوسرے افراد) بعض کے لئے آزمائش کا سبب بنایا، کیا تم صبر کروگے اور آپ کا رب (خدا) خوب دیکھنے والا ہے۔

آسائش اور نافرمانی:۔

مشرکین عرب بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی۔ اسی طرح کچھ یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح کئی قبائل، فرشتوں اور ستاروں کی عبادت کرتے تھے یا ہیں۔ قیامت کے دن ان شرک کرنے والوں کے حساب وکتاب میں جب ان کے معبودوں کا ذکر آئے گا، تو اللہ تعالیٰ بطور دلیل ان کے معبودوں سے پوچھیں گے کہ یہ لوگ تمہاری کیوں عبادت کرتے تھے؟ کیا اس میں تمہاری مرضی تھی؟ وہ معبود اپنی عاجزی پیش کریں گے کہ ہم تو خود، اے اللہ آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ بھلا ہم کیوں ان سے عبادت کے بارے کہتے، بلکہ ان کو جو تو نے دنیا میں آسائش دی، اس کی وجہ سے یہ تیرے احکام سے منکر ہو گئے اور اپنی مرضی کرنے لگے۔ اس گواہی پر اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔ (بورا کے معنی خالی ہلاکت، اس کا سبب دولت تھی)۔ (اللہ تعالیٰ ان بے جان معبودوں کو انصاف کی خاطر زبان دے دیں گے)۔

ایک اہم پیغام ہے کہ دنیا کی دولت ایک بڑی آزمائش ہے۔ اسلام دولت کے خلاف نہیں، لیکن جو دولت ظلم کی طرف لے جائے، وہ قابل مذمت اور باعث عذاب ہے۔ انسانی نفسیات ہے کہ آدمی دولت سے سرکش ہو جاتا ہے۔ اسے اپنی کامیابی اور کارکردگی سمجھ کر دوسرے امور کو اہمیت دینا ختم کر دیتا ہے۔ اس گواہی کے بعد مشرکین کو آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

نبی کے بارے تصور:۔

قریش کا تصورِ نبی یا رسول، غلط تھا۔ وہ اسے مافوق الفطرت وجود سمجھتے تھے۔ ان کے تصور میں نبی کے پاس دولت، امارت، قوت، طاقت، ایک فرشتہ اس کی حفاظت اور دبدبہ کے لئے ضروری تھا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام انسان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ معاش کے لئے تجارت تھی، کردار کے لحاظ سے صادق اور امین کا لقب تھا۔ قریش کا مقصد آمدن اور دولت کے ذرائع، باغات، عمدہ رہائش کا نہ ہونا اور اس کی عار دلانا تھا۔ کفار کے اس نظریہ یا فکر کو، رد کیا گیا ہے۔ سابقہ انبیاء، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، سب انسان تھے اور اپنی معاش کا اہتمام کرتے تھے۔ انبیاء کا مقصد طاقت یا دبدبہ کے بجائے انسانوں اور معاشرے کی اصلاح ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب معاش کو بڑی اہمیت دی ہے اور دنیا و دولت کی کبھی محبت یا خواہش نہیں کی۔ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ (ترمذی)۔ کسب معاش بہت اہم ہے اور توکل کے خلاف نہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو (سنن ترمذی)۔ اللہ تعالیٰ پرندوں کو بھی رزق ان

کے تلاش کرنے پر دیتے ہیں، جو ایک طرح کا کسب / محنت ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام، نے بھی درخت کو ہلا کر پھل گرایا اور کھایا (قرآن مجید)۔

انسان کو انسان سے آزمانے کی تفسیر یوں ہے، کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس پر فضیلت دی گئی ہے، اس کو صبر کرنے کا اور تقدیر پر راضی رہنے کا حکم ہے اور جس کو فضیلت دی گئی ہے، اسے اس فضل اور نعمت پر شکر کرنے کا حکم ہے۔ کہیں مصائب، آزمائش ہیں، کہ صبر کرتے ہیں یا نہیں، اور کہیں آسائش، آزمائش ہے کہ شکر کرتے ہیں اور دوسروں کو حصہ دیتے ہیں یا نہیں۔ زندگی کے سفر میں انسان، انسان کا محتاج ہے۔ کارخانہ دار مزدور کا، مالکِ زمین، کسان کا، دوکاندار خریدار کا، طلب اور رسد کا سلسلہ سب کے لئے ہے، اس لئے انسان کو آزمائش میں گذرنا پڑتا ہے۔

صبر کی اہمیت کو واضح فرمایا، کہ کیا تم اس (رزق میں فرق) پر صبر کرو گے ؟ تو اس کا پھل ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام حالات و اعمال کو دیکھنے والا یعنی جاننے والا ہے، پریشانی کی ضرورت نہیں۔

اُنیسواں پارہ

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝

اور جو لوگ ہم سے ملاقات (قیامت) کو توقع نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے یا ہم نے اپنے رب کو دیکھ لیا ہوتا۔ انہوں نے اپنے آپ میں تکبر کیا (بڑا سمجھا) اور بہت بڑی سرکشی کی۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

جس دن وہ (انکار کرنے والے) فرشتوں کو دیکھیں گے، اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہو گی۔ وہ کہیں گے (کاش ہمارے درمیان) رکاوٹ والا حجاب ہوتا۔

وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝

اور جو انہوں نے عمل کیے، ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو غبار کی طرح اُڑا دیں گے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

(اس دن) جنت والوں کا بہترین ٹھکانہ اور بہت اچھی آرام گاہ ہو گی۔

انکار کرنے والوں (کفار)، جو قیامت، حساب و کتاب پر یقین نہیں رکھتے تھے اور انکار کرتے تھے۔ وہ کلام الٰہی اور نبوت کے انکار کا یہ بہانہ کرتے کہ فرشتہ خود کیوں نہیں آیا؟ اور لوگوں کو اللہ کے کلام کے بارے نہیں بتایا؟ یا اللہ کی ذات نے خود اظہار کیوں نہیں فرمایا؟ یہ دراصل ان کے تکبر اور گھمنڈ کی وجہ سے تھا، کیونکہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے برتر سمجھتے تھے۔ پھر

وہ نبی کو نہیں مانتے تھے، کیونکہ انسانوں میں اپنے آپ کو عظیم تر جانتے تھے۔ یہ غرور انتہائی بڑی گمراہی اور سرکشی ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ فرشتوں کو ان کی اصلی حالت میں دیکھنا، انسان اور بالخصوص گمراہوں کے لئے تباہی ہے۔

فرشتے مادی وجود نہیں رکھتے، اس لئے ان کا اصلی وجود دیکھنا ممکن نہیں، صرف بوقت موت یا قیامت کو دیکھا جا سکے گا۔ بوقت موت انسان فرشتے کو اس کی غیر مادی حالت میں دیکھتا ہے، لیکن وہ آخری لمحات ہوتے ہیں، اگلا مرحلہ برزخ، دوزخ یا جنت ہوتی ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن بھی انکار کرنے والوں کے لئے بہت خوفناک ہو گا۔ اس دن جنت میں داخلہ انکار کرنے والوں کے لئے منع ہو گا۔ خوفناک منظر اور اپنے کردار و اعمال پر چیخ و پکار کریں گے اور کہیں گے کہ کاش ان فرشتوں کو نہ دیکھتے، جو انہیں منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالیں گے۔ کاش ان کے اور ان فرشتوں کے درمیان کوئی رکاوٹ (حجاب) ہوتا اور وہ بچ جاتے۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہے کہ آیات کی تفسیر دونوں طریقوں (۱) بوقت موت (۲) بوقت قیامت ممکن ہے۔

انکار کرنے والے افراد، ان اعمال، جن کو وہ دنیا میں اپنا کارنامہ سمجھتے تھے، قیامت کو ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہو گی۔ گویا غبار یا راکھ کی طرح اُڑیں گے۔ ان کے اعمال کا مقصد ان کی ذات اور تکبر تھا۔ ایمان و اخلاص سے محروم تھے، اس لئے روز محشر ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔

ایک حدیث کے مطابق جو سالم مولیٰ ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن لوگوں کے ساتھ نیک اعمال، تہامہ پہاڑ کی طرح ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں خاک کی طرح اڑا دے گا اور آگ میں ان کو پھینک دے گا۔ حضرت سالم نے کہا، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں: کیا یہ لوگ ہم سے ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ روزے رکھتے، نماز پڑھتے، رات کو جاگتے ہوں گے لیکن جب ان پر کوئی حرام چیز پیش کی جائے گی، تو اس پر جھپٹ پڑتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ضائع کر دیں گے۔ (روح المعانی بحوالہ ابو نعیم و خطیب)۔

اس کے مقابل جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے والے اور متقی (اچھے کردار) کے لوگ ہوں گے، ان کے لئے یہ قیامت کی ہولناکی، کوئی پریشان کن نہیں ہو گی، بلکہ ان کے اعمال کے مقابل جنت کا ٹھکانہ ملے گا۔ جو بہترین ٹھکانہ ہے۔ حدیث کے مطابق قیامت کا دن، ہزار سال کے برابر ہو گا اور یہ دن اچھے اعمال کرنے والوں کے لئے دن کے کچھ حصے کی طرح ہو گا، جس طرح کے ہم دیکھتے ہیں کہ مزے کے لمحات طویل ہونے کے باوجود یوں لگتا ہے جلدی گذر گئے ہیں۔ اس لئے اس کو معمولی وقت قیلولہ یا آرام گاہ کی مدت کہا گیا ہے۔ دوسری طرف جس طرح انتظار کی گھڑیاں نہیں گذرتیں یا تکلیف کا ہر لمحہ سخت ہوتا ہے، گنہگاروں کے لئے یہ دن انتہائی طویل ہو گا۔

دونوں افراد کے احوال کا مقصد، انسان کا صحیح راستے کو انتخاب کرنا ہے۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ۝

اور جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ (کی طرح) پھٹ جائے گا اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔

اَلۡمُلۡكُ يَوۡمَىِٕذِ اِۨلۡحَقُّ لِلرَّحۡمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوۡمًا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ عَسِيۡرًا ۝

اس دن حقیقی بادشاہی رحمٰن کی ہو گی اور وہ دن کافروں پر بہت سخت ہو گا۔

وَيَوۡمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيۡهِ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِى اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِيۡلًا ۝

اور جس دن (پر) ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا (اور) کہے گا؛ اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔

يٰوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا ۝

ہائے میری کم بختی؛ کاش! میں فلاں (انسان) کو دوست نہ بناتا۔

لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ۝

بلاشبہ اس نے میرے پاس ذکر (نصیحت / احکام الٰہی) آجانے کے بعد، مجھے (اس سے) بہکا دیا۔ اور شیطان انسان کو رسوا کرنے والا (بے یار و مددگار) چھوڑنے والا ہے۔

قیامت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ آسمان جسے ہم نہیں دیکھ سکتے یا محسوس کر سکتے اور اس کے طبقات یعنی سات آسمان، جنہوں نے زمین کو گھیرا ہوا ہے۔ ان میں اجرام سماوی تیر رہے ہیں۔ جب ہمارے آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں، اس سے دن کو بھی رات کا سماں بن جاتا ہے، پھر ہوا چلتی ہے اور بادل پھٹ جاتے ہیں۔ ان کے درمیان سے آسمان (نیلگوں رنگ) نظر آنے لگتا ہے۔ قیامت کے انکار کرنے والوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ قیامت کو آسمان، ایسے پھٹے گا جس طرح بادلوں کی چھائی ہوئی گھٹا پھٹ جاتی ہے۔ اسی طرح اس خلاء سے فرشتے نازل ہوں گے۔ احادیث میں اس کی تفصیل دی گئی ہے کہ فرشتوں کی تعداد تمام جن و انس و حیوانات جو زمین پر رہے ہیں ان سے زیادہ ہو گی اور وہ انسان اور جنوں کو گھیر لیں گے۔ اس طرح ساتوں آسمان پھٹیں گے اور ان سے فرشتے (ایک نورانی مخلوق) باہر آئے گی۔ اس کے بعد حاملینِ عرش آئیں گے اور ذات باری تعالیٰ کا ظہور ہو گا۔ کیفیت انتہائی ہیبت ناک، خوفناک ہو گی۔ تمام دنیا کے افراد اور تمام مخلوقات سرنگوں اور خوف زدہ ہوں گی ان کے سامنے صرف طاقت اور بادشاہی اللہ کی ذات کی ہو گی۔ یہ مثالیں ہمیں قیامت کی ہولناکی سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ اس کی حقیقت صرف اس وقت معلوم ہو گی، جب مخلوق خدا اسے دیکھے گی۔ جدید سائنس بھی ایک دن نظام شمسی ختم ہونے پر یقین رکھتی ہے جو پہلے آسمان کی حدود میں واقع ہے۔

یہ دن، اللہ کے احکام سے انکار کرنے والوں کے لئے عذاب کا دن ہو گا۔ وہ اپنے اعمال کی غلطی کو تسلیم کریں گے۔ غصے اور پریشانی سے اپنے ہاتھ کاٹیں گے، کفِ افسوس ملیں گے۔ وہ سارے اعمال یا افراد جن پر وہ بھروسہ کرتے تھے، یا ان کے مطابق کام کرتے تھے، ان کی حالت زار اور خوف زدہ حالت دیکھ کر کہیں گے، کہ کاش وہ ان کا ساتھ نہ دیتے۔ اللہ کے نبی، قرآن پاک کے احکام پر عمل کرتے اور آج اس طرح نہ ہوتے۔ شیطان، انسان کی کمزوریوں کو جانتا ہے، وہ انسانی خواہشات کو بھڑکاتا ہے اور اس

طرح انسان ارادہ کرتا اور عمل کر دیتا ہے۔ پھر گمراہی میں پڑ جاتا اور بالآخر دوزخ کا سزاوار بن جاتا ہے۔ وہ، شیطان کو خود بھی، پریشان اور ہلاکت میں دیکھیں گے۔

ساتھ اور ماحول کی اہمیت:۔

احادیث مبارکہ میں اچھے ساتھ کا تاکید کے ساتھ حکم آیا ہے۔(۱) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک دوست اور برے دوست کی مثال اس طرح ہے جیسے خوشبو والا ہو اور بھٹی پھونکنے والا ہو۔ خوشبو والا یا تو تم کو خوشبو کا تحفہ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے ورنہ تم کو اس سے پاکیزہ خوشبو آئے گی اور آگ کی بھٹی پھونکنے والے تمہارے کپڑے (چنگاریوں کی وجہ سے) جلائے گا یا دھواں آئے گا (بخاری / مسلم / مسند احمد)۔(۲) امام ابو بکر بزار رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے لئے کون سا ساتھی زیادہ بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کو دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ ہو۔ (۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص اپنے دوستوں کے دین پر ہو گا، سو تم میں ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس شخص کو اپنا دوست بنا رہا ہے (سنن ابو داؤد / ترمذی / مسند احمد)۔

جدید نفسیات کے مطابق، دوست کا بڑا اثر ہوتا ہے، اور بسا اوقات والدین سے بھی آگے اثرات میں نکل جاتا ہے۔ دوست کا انتخاب بہت اہم ہے۔ بچوں کی تربیت میں ان کے اچھے دوستوں کا اہتمام ضروری ہے۔

دنیا کے ان واقعات کے باعث قیامت کو جب سزا ملے گی تو سوائے افسوس کرنے کے کچھ نہیں ہو گا۔ اس لئے اسی دنیا کی مہلت اور فرصت میں اپنے اچھے ساتھ اور ماحول کو اختیار کرنا چاہیے اور قیامت کے عذاب سے بچنا چاہیے۔ بہت سارے قریش کے سرداران، جنہوں نے اسلام کی شدید مخالفت کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ بدر اور احد میں ہلاک کر دیا تھا۔ بالآخر اسلام کا نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا پر بول بالا ہوا، کیونکہ انسانیت کی بھلائی کا آخری الہامی مذہب ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۝

اور رسول کہیں گے بے شک میری قوم نے اس قرآن کو متروک بنا (پس پُشت ڈال) دیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۝

اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کے لئے مجرموں میں سے دشمن بنا دیئے ہیں اور آپ کا رب آپ کا ہادی اور مددگار کافی ہے۔

قرآن کو چھوڑ دینا:۔

آیت کی تفسیر یا اطلاق دو طرح ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اہل مکہ بالخصوص سرداران قریش نے قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، قرآن کو کبھی شاعری، کبھی جادو کبھی قصہ گوئی قرار دیا اور لوگوں کو سننے سے منع کیا۔ دوسری توجیہہ قیامت کو بھی ہو سکتی ہے، کہ مسلمانوں نے کلمہ گو ہونے کے باوجود قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے گریزاں رہے، جس

کے نتیجہ میں اقوام عالم میں کمزور ہیں۔ بد قسمتی سے غیر عرب مسلم، تو صرف عربی قرأت کو ہی قرآن پڑھنے کا اعلیٰ کام سمجھتے ہیں، جب کہ یہ قرآن کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ اس کلام کے پڑھنے کا کیا فائدہ، اگر آپ کو اس کا پیغام نہ پتہ چلے۔ معانی و مفہوم نہ سمجھ سکیں۔ آج سے چار سو (400) سال پہلے جب کتابوں کی طباعت نہیں تھی۔ تعلیم کا نظام عام اور حکومت کے تحت نہیں تھا، صرف چند لوگ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس وقت صرف ناظرہ یا حفظ، قرأت اہم تھی تا کہ قرآن مجید محفوظ رہ سکے۔ اب تو طباعت اور پھر تمام زبانوں میں ترجمے اور تعلیم، تمام معاشروں میں عام ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ جب قرآن کو عربی زبان میں پڑھیں تو ساتھ اس کا ترجمہ اپنی زبان میں پڑھیں، تا کہ قرآن کی تعلیمات سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ غور کر سکیں اور ان پر عمل کر کے نجاعت حاصل کریں۔ نجاعت کا دارو مدار صرف عمل پر ہے۔ بد قسمتی سے شیطان صرف لاعلمی والی (بغیر ترجمہ اور مفہوم جاننے کے) پڑھائی (قرأت) کی اہمیت دماغ میں ڈال دیتا ہے اور اصل مقصد سے مسلمان کو محروم کر دیتا ہے۔ دوسری طرف قرآن کی عربی تعلیم ایک کاروبار یا روزگار بن گیا ہے، جس کی وجہ سے اساتذہ (قاری) اس کی زیادہ ترغیب دیتے ہیں۔ جب کہ اہمیت، قرآن مجید میں درج شدہ احکام و تعلیمات کی ہے۔ قرآن مجید کو صرف زبانی بغیر سمجھ و علم کے پڑھنا قرآن مجید کو ترک کرنا یا پس پشت ڈالنے کے برابر ہے اور بد قسمتی سے آج غیر عرب تقریباً ستر (70) فیصد مسلمان قرآن مجید کے ترجمہ سے لا علم ہیں۔ یہ قرآن مجید کی گستاخی اور متروک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دلائی کہ قریش کی مخالفت سے پریشان نہ ہوں۔ تمام گذشتہ انبیاء کی قوموں اور معاشروں میں، انبیاء کے دشمن رہے ہیں اور یہ لوگ اللہ کے مجرم ہیں، سزا پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کی مدد، ہدایت و حفاظت کے لئے کافی ہے۔ واقعات نے ثابت کیا کہ مسلمان کامیاب ہوئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

اور کافروں نے کہا: اس پر یہ قرآن ایک ہی دفعہ اکٹھا کیوں نہیں نازل کیا؟ اسی طرح (ہم نے تدریجاً) نازل کیا ہے تا کہ اس سے آپ کے دل کو مضبوط کریں اور ہم نے اسے خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

اور وہ (کافر) آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) لے کر آئیں تو ہم (جواب میں) آپ کو حق اور عمدہ توجیہہ بتا دیتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

جو لوگ جہنم (دوزخ) کی طرف چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے وہی لوگ بد ترین ٹھکانے والے اور گمراہ ترین راہ والے ہیں۔

کفار مکہ قرآن مجید پر اعتراض کرتے کہ یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا، جس کے جواب میں فرمایا: کہ اس کو آہستہ آہستہ (بتدریج) نازل کرنے کا خاص مقصد تھا۔ (۱): تا کہ حفظ کرنے میں آسانی ہو۔ چونکہ کتابت یا کتب کی قرأت عام نہ تھی اس لئے حفظ کرنا ضروری تھا، تا کہ اسی حالت میں قائم رہے۔ ساتھ ساتھ کتابت بھی نبی ﷺ نے شروع کرا دی تھی۔ (۲): حالات کے

مطابق راہنمائی مل سکے۔ (۳): بتدریج نازل ہونے سے مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور تسلی شامل حال رہے۔ (۴): احکام کی تنفیذ میں سہولت اور آسانی رہے، اور ایسا ہی ہوا کچھ احکام میں تبدیلی آئی اور کئی احکام آہستہ آہستہ نافذ ہوئے۔

انکار کرنے والے (کفار) کی کیفیات کا بیان ہے۔ قیامت کے روز جزا و سزا کے نتیجہ میں اللہ کے احکام سے انکار کرنے والوں کو فرشتے، منہ کے بل گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ جو انتہائی کرب ناک حالت ہو گی اور ان کا ٹھکانہ بھی بدترین جہنم ہو گا، کیونکہ ان لوگوں نے اپنی زندگیوں میں گمراہ ترین طریقہ حیات کو اپنایا تھا جس کا یہ نتیجہ نکلا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے۔ آمین۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا۔

فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝

پھر ہم نے کہا: تم دونوں اس قوم کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے انہیں بالکل ہلاک کر کے رکھ دیا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اور قومِ نوح کو بھی جب اس نے رسولوں کی تکذیب کی۔ ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ہم نے انہیں لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝

اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کے لئے (تباہی) ہوئی۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝

اور ہم نے ہر ایک کے لئے مثالیں بیان کی ہیں پھر ہم نے ہر ایک کو تباہ کر دیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

اور بلاشبہ یہ لوگ اس (قوم کی) بستی پر سے تو گزرتے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی۔ کیا پھر وہ اسے دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ دوبارہ زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے۔

اللہ کے احکام اور قیامت سے انکار کرنے والوں کے بارے تاریخی (واقعاتی) حقائق کا ذکر ہے۔ انبیاء کی مخالفت ان کی اقوام نے کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجا اور احکامات الٰہی دیئے۔ فرعون نے انکار کیا اور تباہ ہوا۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بھی تباہ ہوئی کیونکہ انہوں نے بھی انکار کیا تھا، درسِ عبرت بنے۔ ان کے بعد قوم عاد اور قوم ثمود تباہ ہوئیں اسی طرح ایک قوم (قومِ ثمود کا حصہ) جنہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں گرا کر مار دیا تھا وہ تباہ ہوئے۔ یہ قومیں حجاز سے یمن اور شام کے راستوں پر گذری ہیں۔ قوم لوط پر پتھروں کی بارش ہوئی اور تباہ و برباد ہوئے تھے۔ ان کے واقعات

تاریخ یا قصوں میں موجود ہیں تا کہ عبرت حاصل کریں۔ یہ سارے لوگ قیامت اور حساب وکتاب کے منکر تھے اور تباہ ہوئے۔ اہل مکہ کو اس سے عبرت لینی چاہیے۔

وَاِذَا رَاَوۡكَ اِنۡ يَّتَّخِذُوۡنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىۡ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوۡلًا ۝

اور یہ لوگ جب بھی آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کیا یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اِنۡ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ صَبَرۡنَا عَلَيۡهَا ؕ وَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ حِيۡنَ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ مَنۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ۝

بے شک یہ (نبی) ہم کو ہمارے معبودوں (خداؤں) سے بہکانے لگے تھے اگر ہم ان کی پرستش پر ثابت قدم نہ رہتے۔ اور وہ (کفار) جب عذاب دیکھیں گے عنقریب جان لیں گے کہ کون سیدھے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے (گمراہ ہے)۔

اَرَءَيۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰٮهُ ؕ اَفَاَنۡتَ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِ وَكِيۡلًا ۝

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا۔ کیا آپ اس کی حمایت کر سکتے ہیں۔

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ يَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ سَبِيۡلًا ۝

یا آپ سمجھتے ہیں کہ بے شک ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں

کفار مکہ کے رویہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو اسلام کے پھیلانے میں ہر طرح کی رکاوٹ دی۔ کہیں وہ مذاق اُڑاتے بطور نبی بازار میں تجارت کرنے کا، کبھی مکان و باغات کا، کبھی کلام کو جادو کہتے۔ دوسری طرف اسلام کی تبلیغ اور مقبولیت سے بھی ڈرتے اور اپنے بتوں کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ وقت نے ثابت کر دیا کہ اللہ کا پیغام سچا تھا اور کفار (انکار کرنے والے اہل مکہ) گمراہی میں تھے۔ دنیا میں بھی واضح ہو گیا اور قیامت کو بھی واضح ہو جائے گا۔ کچھ افراد ایسے تھے کہ وہ حق کے جاننے کے باوجود صرف اپنی خواہشوں پر عمل کرتے۔ ان کے نزدیک اللہ کے احکام یا کوئی اخلاقی طریقہ کار نہیں تھا۔ ایسے افراد کے کردار کا ذکر ہے کہ انتہائی بدنصیب ہوتا ہے۔

عقل و سمجھ کی اہمیت:۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل اور نفس (انسانی خواہشات کا مرکز) کا مرکب بنایا ہے۔ فرشتے صرف عقل رکھتے ہیں اور نفس نہیں رکھتے اس لئے ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ حیوانات صرف نفس کے تابع ہیں۔ ان کی عقل اور سمجھ ان کے نفس کے تابع ہے۔ اس لئے ان کے لئے گناہ بھی نہیں کیونکہ ان کو تجزیہ کی سمجھ نہیں۔

وہ انسان جو صرف جسمانی یا نفسانی خواہشات پر عمل کرتا ہے، اپنی خوہشات کا تجزیہ نہیں کرتا، ان کی اچھائی یا برائی کا احساس نہیں کرتا، وہ حیوانی درجہ پر ہے، بلکہ ان سے بھی کمتر ہے۔ کیونکہ عقل جیسی نعمت کے باوجود اس کو استعمال نہیں کرتا، اور

حیوانات کی طرح صرف جسمانی خواہشات پر عمل کرتا ہے۔ جو انسان اپنے عقل و سمجھ کو استعمال کر کے اپنی حیوانی خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے اور احکام خداوندی پر عمل کرتا ہے وہ فرشتوں سے افضل ہے۔ (امام قشیری۔ عبد الکریم ہوازن)۔

چوپائے اپنے خالق کی نافرمانی نہیں کرتے، جبکہ اعلیٰ عقل سے محروم ہیں۔ جبکہ انسان نافرمانی کرتا ہے۔ چوپائے اپنے مالک کی بھی فرمانبرداری کرتے ہیں، جبکہ انسان نہیں کرتا ہے۔ اس لئے آنکھ، کان اور سمجھ کے باوجود، حیوانوں سے بھی کمتر درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ ہدایت سے محروم رہ کر عذاب کا مستحق ہوگا۔ ایسے انسان کسی ہمدردی کے مستحق نہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيۡفَ مَدَّ الظِّلَّ‌ ۚ وَلَوۡ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا‌ ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَيۡهِ دَلِيۡلًا ۙ‏

کیا آپ نے اپنے رب (کی قدرت) کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کیسے پھیلایا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا دیتا؛ پھر ہم نے سورج کو اس (سائے) پر رہنما بنایا۔

ثُمَّ قَبَضۡنٰهُ اِلَيۡنَا قَبۡضًا يَّسِيۡرًا‏

پھر ہم اسے آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا‏

اور وہی (اللہ) ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو کھڑا ہونے (کام) کے لئے بنایا۔

روشنی / سایہ، دن، رات اور انسان:۔

آیات میں تکوینی سائنسی حقائق کا ذکر ہے۔ پچھلی آیت میں انسانوں کے غور و فکر، عقل کے استعمال کا ذکر تھا، اس کے ساتھ ہی ان علوم اور دلائل کا ذکر ہے جو اللہ کے وجود کے لئے ہر صاحب عقل کے غور کرنے پر واضح ہیں کہ ان عظیم امور کائنات کا کوئی خالق ہے اور پھر وہ کتنا عظیم ہے۔

روشنی کیا ہے؟ سائنس ابھی تک اس کی جستجو میں ہے اس کی تعریف بدلتی رہی ہے اور جس طرح انسان کے پاس آلات میسر آئیں گے بدلتی رہے گی۔ یہ الیکٹرک میگنیٹک ریڈیئیشن (برقی مقناطیسی رو) لہر ہے، جسے انسانی آنکھ پکڑ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ قوت عطا کی ہے۔ یہ بہت بڑی لہر اور بہت ہی چھوٹی لہر کی صورت میں ہوتی ہے۔ روشنی کا قدرتی ذریعہ، سورج، آسمانی بجلی، حیوانات میں جگنو، ایک مچھلی، اسی طرح نباتات میں مشروم (کھمب) جو رات کو چمکتی ہے۔ مصنوعی روشنی میں، بتیاں، بلب ہیں۔ جس کا ذریعہ بجلی یا معدنی تیل ہیں۔ حرارت سے بھی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے روشنی پیدا کی ہے، وہاں سایہ بھی پیدا کیا ہے، جہاں سے روشنی نہیں گذر سکتی وہاں سایہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو اس جسم کی طرح ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سایہ کی حرکت سے زمین اور سورج کی گردش کو واضح کیا ہے تاکہ انسان اس پر غور کرے۔ سورج روشنی کا ذریعہ زمینی حرکت جو کہ اس کے محور (Axis) پر ہے، کچھ حصہ سورج کی طرف آتا ہے اور دوسرا نہیں ہوتا۔ جہاں سورج نظر آتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور پھر روشنی کی لہروں کے آگے کوئی درخت / مکان، چٹان آجائے تو سایہ پیدا ہو جاتا ہے۔ زمین پر طلوع

کے وقت چونکہ سورج مشرق سے نکلتا ہے، اس لئے اشیاء کا سایہ مغرب کو ہوتا ہے اور جب متوازی ہو تو طویل اور جب سورج اور زمین کا زاویہ کم ہوتا جائے تو سایہ بھی کم ہوتا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ جب سورج کا زاویہ 90° ڈگری ہو تو سایہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر زمین کا رخ، گردش کی وجہ سے آگے بڑھتا ہے تو سورج پچھلے علاقہ میں غروب ہوتا ہے اور سایہ دوسری طرف مشرق کی طرف ہو جاتا ہے۔

یہ آیات مبارکہ انسان کو سائنس (فزکس) فلکیات اور اجرام کی حرکات کی طرف راہنمائی کرتی ہیں اور آج وہ اقوام جنہوں نے خلاء میں اپنے سیاروں کے ذریعہ تحقیق کی اور معلومات حاصل کر رہے ہیں، اللہ کے نظام اسباب و نتائج کے مطابق کئی دریافتیں کر چکے ہیں۔ ایک تفسیر قبل طلوع اور بعد از غروب سورج جو مدھم روشنی ہوتی ہے (Twilight) وہ مراد ہے۔ یہ بھی سایہ کی طرح ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ)۔

دن کو روشنی کی وجہ سے انسان کے جسمانی اعضاء کے لئے کام کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس لئے دن کے وقت انسانی کارکردگی بہت اچھی رہتی ہے۔ پھر کام کاج میں سہولت بھی رہتی ہے کہ روشنی کی وجہ سے مصنوعی روشنی کی ضرورت نہیں رہتی اور عملی کام آسان ہو جاتے ہیں۔ جب زمین دوسری طرف ہوتی ہے یعنی سورج کے مخالف سمت میں رات ہو جاتی ہے۔ رات کا وقت انسانی جسم کے آرام کے لئے بہت موزوں ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے نیند آسانی سے آجاتی ہے۔ نیند انسانی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔ نیند کی وجہ سے انسانی جسم آرام کرتا ہے۔ تھکن دور ہوتی ہے۔ جسم کے اکثر اعضاء آرام اور اپنی آئندہ کے لیے انرجی حاصل کرتے ہیں۔ نیند میں اکثر اعضاء کام چھوڑ دیتے ہیں، اس لئے اس کو آدھی موت قرار دیا گیا ہے۔ نیند سے پہلے اللہ کو یاد کرنا چاہیے اسی طرح نیند سے اُٹھنے کے بعد بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نیند نہ آنے کی وجہ سے کئی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

جدید تحقیق جو کہ بہت سے میڈیکل سکول اور نفسیاتی اداروں نے کی ہے، کہ انسان کے قدرتی مزاج اور بدنی ضروریات کے مطابق دن کو کام اور رات کو آرام کرنا ضروری ہے۔ اگر اس کے خلاف کام کیا یعنی رات کو آرام نہ کرے اور دن کو آرام کرے، تو اس طرح اگر طویل عرصہ گذرا ہو تو بہت سارے طبی اور نفسیاتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یاداشت میں کمی، چڑچڑا پن (تحقیق بذریعہ ھارورڈ میڈیکل سکول)، جو انسانی صحت اور آرام کے لئے نقصان دہ ہیں۔ یہی چیز قرآن مجید نے آیات مبارکہ کے ذریعہ آج سے چودہ سو (1400) سال پہلے بتادی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے چاند بنا کر اور اس کو گردش میں لا کر ہمارے لئے راتوں کو اور حسین بنا دیا ہے۔ تصور کیجیے اگر سراپا اندھیرا ہوتا یا صرف روشنی ہوتی تو زندگی کس قدر عذاب ہوتی۔ اگر غور کریں تو اتنا بڑا نظام شمسی اور رات کو نظر آنے والے ستارے اور کہکشاں کسی نے تو بنائے ہیں اور یقیناً بنانے والا، ان سے پہلے ہو گا۔ اور جتنا عظیم پیچیدہ اور منظم یہ نظام ہے یہ سب اپنے خالق کی عظمت کو بیان کر رہا ہے۔

دن سے مراد اسلام اور قرآن مجید کا نور ہے اور رات سے مراد ظلم، جہالت اور کفر کا اندھیرا ہے، جہاں انسان کے لئے عدل، مساوات، غریبوں کی بھلائی اور اللہ کی ذات سے انکار ہوتا ہے۔ اسلام، ہدایت، سراپا انسانی فلاح و بھلائی کے لئے ہے۔ اس کے ہر حکم میں عامۃ الناس کی بھلائی موجود ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ بُشۡرًۢا بَيۡنَ يَدَيۡ رَحۡمَتِهٖ‌ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا ۙ

اور وہی (اللہ) ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری والی ہوائیں چلائیں اور آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا۔

لِّـنُحۡیَِۧ بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا وَّنُسۡقِيَهٗ مِمَّا خَلَقۡنَاۤ اَنۡعَامًا وَّاَنَاسِىَّ كَثِيۡرًا ۞

تاکہ ہم اس سے مردہ علاقوں کو زندہ کریں اور ہم اپنی مخلوق میں بہت سے مویشیوں (حیوانوں) اور انسانوں کو وہ (پانی) پلائیں۔

نظام شمسی (رات اور دن) کے بعد زمین پر زندگی کے لئے سب سے اہم موضوع پر آیت مبارکہ ہے۔ یہ آیات اس بات کی طرف راہنمائی، بلکہ تقاضا کرتی ہیں کہ قاری (مسلمان) ان امور پر غور و حوض کریں۔ اپنی علمی حیثیت کو مضبوط کر کے دنیا کی راہنمائی کریں اور یہی قرآن کو صحیح طور پر سمجھنا ہے۔

بارش کے اثرات:۔

بارش کیسے ہوتی ہے؟ ہواؤں کا اثر، بارش کا پانی اور اس سے زمین پر نباتات و حیوانات و حشرات کی زندگی، ساری اس آیت کا موضوع ہے۔ ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا آسمان میں حرکت کرنا، ہوا کے دباؤ کا بڑھنا یا گھٹنا، جس سے ہوا حرکت کرتی ہے، سارے اللہ کے نظام کا حصہ ہیں۔ پانی، گرمی و حرارت سے بخارات بنتا ہے۔ فضاء و خلاء میں ہر وقت بادل تیر رہے ہیں۔ اوپر ٹھنڈک سے نمی جم جاتی ہے، نمی کے جمنے اور پھر وزن دینے کے لئے مٹی کے ذرات، ضرورت پڑتے ہیں تاکہ پانی ان کے ساتھ ٹھہر سکے۔ یہ ذرات زمین سے اور خلاء سے شہاب ثاقب کے جلنے سے فضاء میں ملتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح بخارات قطروں کی صورت اختیار کرتے ہیں اور بارش ہوتی ہے (تفسیر سورۃ الرعد / المومنون)۔

ہم دیکھتے ہیں جہاں بارش نہیں ہوتی وہاں زمین بے اب و گیاہ صحرا کی طرح ہوتی ہے۔ ریت جو پانی کو جذب نہیں کرتی، وہاں بھی زراعت معدوم ہوتی ہے، یا برائے نام صرف نمی رہنے تک رہتی ہے۔ جب زمین میں بارش کے جذب ہونے سے نمی ہوتی ہے، تو اس سے زمین کے اندر موجود بیکٹیریا جو پانی کی عدم موجودگی سے مردہ حالت میں ہوتے ہیں، دوبارہ پانی ملنے پر متحرک ہو جاتے ہیں۔ یعنی ابتدائی تخلیقی حالت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر بارش کے ساتھ جو نائٹریٹ وغیرہ شامل ہو کر ان کو ملتے ہیں تو یہ زندہ ہو کر بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بارش کا پانی آسمان سے نازل ہوتے وقت مختلف ذرات اور گیسز کو شامل کر لیتا ہے، بالخصوص نائٹروجن گیس جو نباتاتی نشو نما کے لئے ضروری ہے۔ زیر زمین زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے بیکٹیریا بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ بارش کے لئے بادل، بادل کے لئے ہوا ضروری ہے اور اللہ کا نظام ان تمام امور کو ایک بیلنس (منظم اور ضرورت کے مطابق) انداز میں چلاتا ہے۔ بظاہر جو اسباب پیدا ہوتے ہیں جن کے ذریعے یہ امور عمل میں آتے ہیں ان کے خصوصی محرکات

ظاہری اسباب، مثلاً ہوا کا دباؤ، موسم کی حرارت، سورج کے اندر تمازت کی کمی و بیشی، زمین پر ہونے والے نباتات، ان سب امور کے لئے اللہ تعالیٰ کی غیر مرئی مخلوق جو کہ انرجی سے پیدا شدہ ہے, وہ فرشتے ہیں۔ جو اسباب میں کمی و بیشی کر کے مطلوبہ نتائج یا عمل پیدا کرتے ہیں۔ ہماری سائنسی تحقیقات صرف بظاہر نظر آنے والے اسباب تک ہی محدود ہے، جو خالق کی عظمت کی دلیل ہے۔ پانی کی انتہائی اہم خصوصیات ہیں اور زندگی کی بنیاد ہے۔ یہ تین حالتوں ٹھوس مایع اور گیس میں پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مائعات، کی پیمائش یا کثافت کے لئے پانی معیار بنایا گیا ہے۔ بہترین ذریعہ صفائی ہے۔ کپڑے، اجسام اور اشیاء اسی سے صاف کی جاتی ہیں۔ پانی، فقہ اسلامی میں نہ صرف پاک ہے، بلکہ پاک کرنے والا ہے۔ بشرطیکہ اس میں بو یا گندگی کا رنگ نہ ہو۔ بہتا ہوا پانی چونکہ رواں رہتا ہے اور نجاست بہہ جاتی ہے اس لئے پاک ہے۔ اسی طرح کھڑا پانی کا ذخیرہ جو کہ تقریباً 10x10x2 فٹ ہو وہ بھی پاک ہے۔ جب تک اس کے اندر بو نہ آجائے۔ اس کی مثال بڑے تالاب، جوہڑ ہیں جہاں حیوانات وغیرہ بھی پانی پیتے ہیں۔ جھیل اور سمندر کا پانی سب پاک ہیں اگر ان میں گند بھی جمع ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتب سے رجوع کریں۔

بارش کے پانی یا برفباری سے تمام دریاؤں، ندیوں، نالوں میں پانی آتا ہے۔ زیرِ زمین پانی جذب ہو کر نباتات اور زیرِ زمین آبی ذخائر مہیا کرتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں، زراعت، صنعت، معاشرت کے لئے پانی اہم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہوا، پانی اور روشنی، انسان کو کثیر مقدار میں مہیا کی ہے۔ اللہ کے انعامات ہیں جن کا ذکر بار بار قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اہل عشق وصفا، کے نزدیک ہواؤں سے مراد محب / احباب کے لئے محبت کی ہوا اور خوشخبری سے تجلیات وکشف ربانی اور پانی کے نزول سے مراد عرفان کا پانی، جو مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے اور صفات حیوانیہ (امارۃ) کو اطاعت میں بدل دیتا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۝

ہم بار بار (آیات نشانیاں) ان کے سامنے لاتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر اکثر لوگ کفر اور ناشکری کے سوا دوسرا رویہ اختیار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا۝ۖ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک عذاب سے ڈرانے والا بھیج دیتے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۝

پس آپ (اے نبی) انکار کرنے والوں (کافروں) کی بات نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے بڑا جہاد (جدوجہد) کریں۔

حق سے انکار کرنے والوں کی عادات اور طریقہ کے بارے آیات ہیں۔ اتنی نشانیاں اور شواہد کے باوجود اکثر لوگ، اللہ کے احکام اور جزا و سزا سے انکار اور ناشکری کرتے ہیں۔ کم افراد اطاعت گذار ہیں۔ اللہ تعالیٰ، ہر بستی کے لئے الگ نبی بھی متعین کر سکتے تھے لیکن نبی ﷺ کو ساری زمین پر نبی مقرر کیا۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کا پیغام ہر فرد تک پہنچانا ہے، اس لئے سخت جدوجہد کرنا ہو گی۔ کفار کی مخالفت سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چونکہ دفاع کا حکم مدینہ شریف میں نازل ہوا تھا، اس

لئے اس سے مراد جہاد کی دوسری صورتیں مثلاً مالی، علمی و عقلی دلائل اور قرآن مجید کے ذریعے تبلیغ و دعوت کی جدوجہد ہے۔ اس کے علاوہ جہاد اکبر سے مراد تمام موجود وسائل کا صحیح استعمال تاکہ مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝

اور وہی (اللہ) ہے جس نے دو سمندروں (پانیوں) کو ملا رکھا ہے۔ ایک لذیذ و شیریں، دوسرا تلخ و شور۔ اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے ایک رکاوٹ ہے جو انہیں گڈمڈ (مکس) ہونے سے روکے ہوئے ہے۔

آیات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت کی طرف راہنمائی کر رہی ہے تاکہ قاری بالخصوص مسلمان اس میں تحقیق کر کے فائدے اُٹھائے۔ امام غزالی مرحوم نے تو ایک کتاب احکام الٰہی کی حکمت پر لکھی۔ یہ ہمارے پرانے علماء کے تحقیقی کارنامے ہیں۔ لیکن گذشتہ چار صدیوں سے مسلمان سو رہے ہیں جس کا انجام بڑا عبرتناک ہو رہا ہے۔ پانی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس کے مختلف خواص ہیں، پہلے بارش اور اس کے ذریعہ زندگی کا ذکر تھا۔ پانی، مائع، گیس اور ٹھوس حالت میں پایا جاتا ہے اور ہر حالت میں اس کے علیحدہ خواص و فوائد ہیں۔ قرآن مجید کی یہ خبر کہ زندگی کا وجود پانی سے قائم ہے، کو سائنس حرف بحرف صحیح مانتی ہے۔ عموماً دریاؤں کے سنگھم میں اور دریاؤں کے سمندر میں ملنے (ڈیلٹا) کے مقاموں میں دریا کے پانی کے مختلف خواص اور زمین پر بہنے کی وجہ سے آمیزش سے رنگ ہو جاتا اور بڑی دور تک یہ ایک پانی دوسرے پانی کو دھکیلتا رہتا ہے۔ ساتھ خلط ملط نہیں ہوتا۔ جس کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ آیت مبارکہ میں ایک اور خاص مقام کا ذکر ہے جس میں تحقیق کے ذریعے انیسویں صدی میں زیادہ معلومات حاصل کیں اور قرآن مجید کے لفظ حجاب (برزخ) کی صحیح تطبیق ہوئی۔ یہ مقام بحیرہ ابیض متوسط (بحیرہ روم) اور بحر اوقیانوس (اٹلانٹک سمندر) کے ملنے کے وسیع و عریض مقام آبنائے جبرالٹر کے قریب جو کہ سپین اور مراکش کے درمیان کے سمندر میں ہے۔ جہاں ایک فرانسیسی جیکیوس ییس کاسٹیو، (Jacques-Yves Cousteau) بحری محقق نے تحقیق کی تو اس نے دیکھا کہ بحیرہ روم (میڈیٹرینین) کا پانی ایک جگہ آکر رک گیا اور اسے آگے بڑھنے سے بحر اوقیانوس (اٹلانٹک) کا پانی روک رہا ہے۔ دونوں پانی ایک دوسرے کو دھکیل رہے ہیں اور ایک جگہ گویا ان کے درمیان کوئی حجاب (پردہ) ہے کہ ایک دوسرے میں بالکل ضم نہیں ہو رہے۔ جب نیچے تک تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ اندرون سمندر بھی پانی کا اختلاف کی وجہ سے نباتات اور خلیاتی مخلوقات کی مختلف اقسام ہیں جو اپنے اپنے پانی میں رہائش پذیر ہیں اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں۔ دونوں پانیوں کا رنگ مختلف ہے کئی جہازوں اور کشتیوں کے گذرنے کے باوجود خلط ملط نہیں ہوتا ہے۔ دریا کے پانی میں نمکیات کم اور چشموں کا پانی میٹھا ہوتا ہے۔ سمندر کا پانی نمکین ہوتا ہے۔ بعض سمندر کے اندر بھی میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت اور خالق کی کاریگری کی دلیل ہیں۔

سمندروں کے پانی کے ملنے سے اہل صفا، بحر نفس و روح، لیتے ہیں۔ میٹھا بحر روح، وہ سمندر ہے جس میں صفات ربانی کی مٹھاس ہے اور کڑوے سے مراد بحر نفس ہے، جس میں بری حیوانی خصائل ہیں اور درمیان میں برزخ ہے جو ان کو ملنے سے روکتا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِہۡرًا ؕ وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیۡرًا ۝

اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو بنایا (پیدا کیا) اور پھر اس کے لئے نسب اور سسرال کا رشتہ بنایا اور آپ کا رب قدرت والا ہے۔

وَ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ لَا یَضُرُّہُمۡ ؕ وَ کَانَ الۡکَافِرُ عَلٰی رَبِّہٖ ظَہِیۡرًا ۝

وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ کوئی نقصان پہنچاسکتے ہیں اور کافر اپنے رب کی مخالفت پر تیار رہتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۝

اور ہم نے تم کو (اے نبی) بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ۝

آپ کہیے! کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کرے۔

وَ تَوَکَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِہٖ ؕ وَ کَفٰی بِہٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِہٖ خَبِیۡرًا ۝ۚ

اور آپ اسی پر توکل کیجئے جو زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے۔

پانی سے زندگی کا وجود دیا۔ قرآن پاک کے اس نظریہ کو جدید سائنس بڑی مدت سے مان چکی ہے۔ انسان کا وجود بھی پانی اور مٹی سے ہے اور مٹی کے ساتھ پانی اصل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے انسان کو اس مرکب سے بنانے کا ذکر کیا ہے، جو مٹی اور پانی سے ملا ہوا ہے اور اس میں کاربن، نائٹروجن، آکسیجن ہیں جو انسانی جسم کے بنیادی اجزاء ہیں۔ انسانی وجود کے ساتھ بطور جوڑا مرد اور عورت بنے ہیں، ان سے آگے پھر انسانی نسل چلی ہے۔ انسانی نسل کے لئے مذکر (مرد) اور مونث (عورت) دونوں لازم ہیں اور ان سے رشتے قائم ہیں۔ والد کی طرف سے رشتے نسب اور ماں کی طرف سے یا بیوی کی طرف سے سسرالی ہیں۔ یہ رشتے خاندانی نظام کی اساس ہیں۔ رشتوں کی محبت اس نظام کا خصوصی حصہ ہے۔ انسان میں رشتوں اور آپس کی محبت و کشش، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور قدرت کا اظہار ہے۔

دنیا میں انسان، اللہ تعالیٰ کو بھی بھول جاتا ہے۔ شیطان اور اپنے تخیل کی بناء پر، موجود معمولی اشیاء کو بھی بعض اوقات معبود کی حد تک لے جاتا ہے اور پھر اس پر بضد رہتا ہے۔ انکار کرنے والا حق کی مخالفت میں اپنا پورا زور اور طاقت لگاتا ہے۔ اس گمراہی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل بھیجے ہیں، جو نیک اعمال اور اللہ کی عبادت کرنے والے کو، جنت کی خوشخبری اور انکار اور گناہ کرنے والے کو جہنم کی سزا کے بارے بتاتے رہے ہیں۔ نبی ﷺ اور تمام انبیاء نے اپنی تبلیغ کے لئے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا، چونکہ یہ انسانی خدمت کا فریضہ تھا، جو خالق کائنات نے سونپا تھا، اس لئے صرف ان کی خواہش تھی کہ لوگ مسلمان ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور حکم مانیں، گمراہی سے بچ جائیں۔ اس لئے معلم و مزکی و رہبر ہیں۔ نبی ﷺ اور دوسرے

مبلغین کو تاکید ہے، کہ اللہ کی حمد و ثناء کریں۔ اس سے خطاؤں پر معافی مانگیں اور اپنی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس پر ہی بھروسہ کریں، جو سب سے زیادہ طاقت والا ہمیشہ رہنے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا۝

جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر استوی (جلوہ) فرمایا۔ وہی رحمٰن ہے آپ اس کے متعلق کسی جاننے والے سے پوچھ لیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَ زَادَهُمْ نُفُوْرًا۝

اور جب ان سے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کیا ہے رحمٰن؟ کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کو تو ہمیں حکم دیتا ہے؟ اور اس تبلیغ نے ان کی نفرت میں اضافہ کر دیا۔

آیات مبارکہ میں سائنسی دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ذکر ہے کہ اس نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو ستارے، سیارے یا اور موجودات ہیں شہابیے وغیرہ بنائے۔ یہ عمل چھ ایام میں مکمل ہوا۔ ایام سے کیا مراد ہے؟ قرآن مجید کی آیات میں مدت وقت کا اظہار کے لئے یوم دن کہا ہے۔ دن سے مراد ہمارا یہاں نظام شمسی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا دن نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کا دن زمین کے نظام شمسی کے پچاس (50) ہزار سال بھی اور ہزار سال بھی ہے۔ اس لئے اس سے علماء نے تدریجی عمر کا پروسس لیا ہے۔ یعنی تغیر پذیر مدت ہے، جس کی اصل حقیقت و عرصہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح دوسری آیات میں زمین کے ادوار کے وقت کا ذکر ہے۔ یہ سارے ادوار یا تغیر پذیر حالت ہے جس کی مدت اربوں سال تک ہو سکتی ہے۔ اسی طرح سات آسمان کائنات کے سات طبقات ہیں، سب سے نچلے طبقے آسمان دنیا پر موجود ستارے ہمیں رات کو نظر آتے ہیں اور کہکشاں بھی نظر آتی ہے۔ ان کی دوری یعنی وسعت کا انسان کو کوئی صحیح معلومات نہیں، بس ریڈیو سگنل کے ذریعے اندازے ہیں۔ عرش سے مراد عام انسان کو سمجھانے کے لئے اللہ کی بلند قوت کا اظہار ہے جو کائنات کی تمام موجودات سے بڑھ کر ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا۝

وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے اور اس میں چراغ (سورج) اور روشن چاند بنایا۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝

اور وہی (اللہ) ہے جس نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے رات اور دن بنائے اس شخص کے لئے جو نصیحت پکڑنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

بروج، چاند اور سورج:۔

آسمان کے بارے مزید معلومات دیں کہ اس میں برج ہیں (جس کا ذکر سورۃ انبیاء / سورۃ ھود میں کیا جا چکا ہے)۔ اس سے مراد علماء ہیت (سائنسدانوں) نے آسمان کے سارے دائرے کو بارہ ماہ کے مطابق تقسیم کیا ہے، جہاں زمین ایک سال میں سورج کے گرد چکر پورا کرتی ہے۔ جو 30 درجے یا 12 / 1 دائرے کے حصے ہیں۔ ہر حصہ 12 / 1 میں جو ستاروں کا جھرمٹ آسمان پر نظر آتا ہے، وہ ایک برج تصور ہوتا ہے اور اس کو اس کی شکل کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ انسانی فہم و سمجھ کے لئے نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنے محور پر ایک خاص انداز (جھکاؤ) سے معین کیا ہوا ہے جو کہ 23.4 ڈگری ہے جس سے دن لمبے اور کم ہوتے ہیں۔ اسی طرح زمین اپنے محور پر 24 گھنٹوں میں گھومتی ہے اور جو نصف حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے، وہاں دن اور دوسری طرف رات ہوتی ہے۔ یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ نے بنایا، جس کو تھوڑا سا سمجھنے میں کئی صدیاں لگ گئی ہیں۔

چاند: پھر آسمان یعنی خلاء میں اللہ تعالیٰ نے چاند کو پیدا کیا جو زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اور جب رات ہوتی ہے تو سورج کی روشنی کا عکس زمین پر پڑتا ہے اور رات روشن ہو جاتی ہے۔ چاند کا زاویہ اس طرح ہے کہ کبھی تھوڑا حصہ پھر بڑھتا رہتا ہے۔ پھر دو ہفتوں کے بعد پورا مکمل ہو جاتا ہے۔ پھر اس کا جھکاؤ (زاویہ) تھوڑا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر کمزور (چھوٹا) ہونا شروع ہو جاتا ہے جس سے تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چاند زمین کا چوتھائی کے برابر (27%) ہے۔ اس کی ایک طرف ہی زمین سے نظر آتی ہے اور روشنی دیتی ہے۔ اس کے قطر کا اندازہ 3475 کلومیٹر ہے۔ سمندر میں اپنی کشش سے تلاطم پیدا کر کے سمندروں کو صاف کرتا ہے۔ پھلوں میں رس اور رات کو نکلنے والے جانوروں کی افزائش اور پرندوں کی نقل مکانی میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

سورج: ہمارے نظام شمسی کا ستارہ ہے اور لاکھوں ستاروں کی طرح گرمی کا ذریعہ ہے۔ اس کی طاقت نے تمام نظام شمسی کے سیاروں، چاندوں، شہاب ثاقب اور دم دار ستاروں کو اپنی طرف کھینچا ہوا ہے۔ موجودہ معلومات کے مطابق اس میں ہائیڈروجن اور ہیلیئم کی تابکاری سے حرارت پیدا ہو رہی ہے اور سارے نظام شمسی کو مل رہی ہے۔ اس کی عمر کا اندازہ 4.5 بلین سال ہے اور اس کا سائز 109 گنا زمین کے ڈایامیٹر (قطر) سے زیادہ ہے۔ اس کا قطر 1,390,000 کلومیٹر ہے۔

یہ ساری کائنات اس خالق کی عظمت کی دلیل ہے جس نے اس کو پیدا کیا۔ کائنات میں ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشائیں، جو اربوں یعنی بلین روشنی کے سالوں کی مسافت پر پھیلی ہوئی ہیں، اپنے خالق کی عظمت و حکمت پر ہر وقت ثناء خواں ہیں۔ لیکن انسان اپنے شیطانی افکار و تخیلات کی وجہ سے اپنے خالق کے حقیقی وجود سے انکار کر کے، فطرت کا بہانہ کرتا ہے اور اس کے احکام سے منکر ہو جاتا ہے اور سجدہ کرنے سے گریزاں رہتا ہے۔ یہ اس وقت کفار مکہ کرتے تھے اور آج بھی منکرین خدا، اس جرم میں شامل ہیں۔

رات دن انسان کی زندگی کے لئے اہم ہیں۔ دن کام اور رات آرام کے لئے ہے۔ دن سے مراد تابعدار و شکر کی کیفیت ہے اور رات (اندھیرے) سے مراد انسان کی ناشکری و نافرمانی کی کیفیت ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک آسمان قلوب، میں اللہ نے منازل و مقامات (بروج) بنائے ہیں۔ (۱) خوف، (۲) زھد، (۳) توبہ، (۴) امید، (۵) توکل، (۶) صبر، (۷) شکر، (۸) یقین، (۹)

اخلاص، (۱۰) تسلیم، (۱۱) تفویض، (۱۲) رضا۔ کے مقامات منزل میں سے گزرتے رہتے ہیں اور اللہ کی کبریائی، جلال و جمال اور شان و عظمت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یہ سارے انعامات، یہ زمین کے سارے نباتات، معدنیات انسان کے لئے ہیں، لیکن انسان اپنے خالق کا شکر گزار نہیں اور جو لوگ غور و فکر کریں وہ اس حقیقت کو با آسانی جان لیتے ہیں کہ یہ سارا نظام خالق نے بنایا ہے اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ دنیائے محبت میں غفلت کی اجازت نہیں، لہٰذا جب کوئی غفلت سرزد ہو جائے تو فوراً اہل دل تلافی اور توبہ کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ میں سجدہ کا حکم ہے اس لئے قاری کے لئے سجدہ ضروری ہے تاکہ تعمیل حکم ہو۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝

اور رحمان (اللہ) کے بندے (نیک) وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار و عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل (اکھڑ) لوگ ان سے بحث کریں تو کہتے ہیں بس سلام (سلامتی) ہو۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۝

اور جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں رات گذارتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا۝

اور وہ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے۔ بلاشک اس کا عذاب دائمی چمٹنے والا ہے۔

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝

بے شک وہ (جہنم) ٹھہرنے اور رہنے کی بری جگہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝

اور وہ لوگ (خاص بندے) جب خرچ کرتے ہیں نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بخیلی) اور ان کا خرچ میانہ روی کا (درمیانی) ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا۝

وہ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، وہ کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے قتل کرنا حرام ٹھہرایا ہو اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو کوئی ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔

مومنوں کی صفات:۔

تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، لیکن یہاں نسبت ایک خاص تعلق کی ہے۔ ان بندوں کے جو خواص ذکر ہوئے، وہ اسلامی فلاحی معاشرے کی اساس ہیں۔

حسن کردار:۔ جس کردار یا چال کا ذکر ہے، اس سے مراد انسان کا مجموعی رویہ و اخلاق ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا اخلاق اعلیٰ ہے، وہ تکبر نہیں کرتے اور اکڑتے نہیں۔ دھیمی رفتار میں وقار کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ انسانی اقدار اور انسانی حقوق کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ آہستگی سے مراد میانہ روی ہے۔ اس سے مراد کوئی جسمانی کمزوری نہیں یا بناوٹی طریقہ کار نہیں، بلکہ ایک مستقل اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہوتا ہے۔ روزمرہ کے معاملات میں اگر کوئی ایسی حالت یا صورت پیدا ہو جائے، جہاں دوسرے افراد اخلاق سے گر جاتے ہیں یا فساد کے طلب گار ہوتے ہیں، تو اس کیفیت سے وہ باوقار طریقہ سے نکل جاتے ہیں۔ یعنی بد اخلاقی، بد مزاجی یا فساد کے بجائے شرافت سے کنارہ کشی کر لیتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر کوئی ان سے جاہلانہ بات کرے، تو وہ اس کو تحمل سے سنتے ہیں اور جاہلانہ جواب نہیں دیتے اور اس سے معروف السلام و علیکم مراد نہیں۔ جاہل سے یہاں مراد لاعلم نہیں بلکہ جو جہالت یا بدتمیزی پر اتر آئے۔

عبادت:۔ وہ نیک بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ عبادت فرض عبادت کے ساتھ نفلی عبادت کو بھی شامل ہے۔ عبادت سے مراد رسمی عبادت بھی ہے اور دوسرے امور خیر بھی، یعنی زکوٰۃ، صدقات، بیمار پرسی، لوگوں کی خدمت۔ یہ اعمال بھی عبادات کا جزو ہیں۔ رات کی عبادت، بالخصوص "قیام الیل" نماز تہجد کی بڑی برکت ہے۔ متعدد احادیث میں ان عبادات کا ذکر و فضیلت آئی ہے۔ عبادات اور اعمال صالحہ کے باوجود، اللہ کا خوف ان کو دامن گیر رہتا ہے۔ اس کی ناراضگی، سے لرزاں رہتے ہیں۔ جہنم اور عذاب سے ہر وقت پناہ مانگتے ہیں۔ دن کو نرمی اور محبت سے اور رات کو لہو و لعب کے بجائے اللہ کی یاد میں گذارتے ہیں۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو، اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیکی کر لو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ (سنن الترمذی / سنن الدارمی)۔ عبادت کا غرور عبادت کو تباہ کر دیتا ہے۔

میانہ روی:۔ انسان اپنے زندگی میں عمل، اپنی رائے کے مطابق کرتا ہے۔ کبھی وہ بہت زیادہ شوق سے عمل کرتا ہے، کچھ امور میں وہ بالکل توجہ نہیں کرتا اور بہت کم عمل کرتا ہے۔ یہ دونوں طریقے انتہائی درجہ پر ہیں۔ اسراف وہ ہے جہاں ضرورت سے زیادہ عمل کیا جائے اور اس کے مقابل کو، تفریط یا، کمی کہا جاتا ہے، جہاں ضرورت سے کم عمل ہوتا ہے۔ عمومی طور پر مالی اخراجات کے لئے اسراف اور کنجوسی یا بخل استعمال ہوتا ہے۔ اصولی طور پر اسلام کے احکام میں تمام امور کو اس پیمانہ پر ناپنا چاہیے، خواہ بظاہر وہ نیکی کے نظر آئیں، مثلاً اتنا صدقہ و خیرات نہ کیا جائے کہ گھر یا اپنے اخراجات کے لئے نہ بچ سکے یا اتنی کنجوسی بھی نہ کی جائے کہ ضروریات پوری نہ ہو سکیں۔ نیکی و عبادات کے سلسلہ میں بھی اس قدر کثرت نہ کی جائے، کہ انسانی بدن اس کو برداشت نہ کر سکے۔ کھانے پینے، سونے، دوسروں پر خرچ کرنے، غرض سارے امور میں میانہ روی بہترین عمل ہے۔ اسی طرح دوسری طرف اعمال میں کمی و کوتاہی خرچ میں کمی، صدقات و زکوٰۃ میں کمی، معاملات لین دین میں کمی، کھانے پینے، میل ملاپ میں کمی، سے انسان بہت

سارے سماجی، معاشی اور طبی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ "خَیرُ الْاُمُور اَوْسَطُھا" میانہ روی سب سے بہتر ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ غیر شرعی کاموں میں رقم خرچ کرنا، اسراف ہے اور جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں نہ کرنا بخیلی ہے۔

(حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: دولت مندی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے۔ تنگ دستی میں میانہ روی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے (مسند البزاز)۔

(۲)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے میانہ روی سے کام لیا وہ تنگ دست نہیں ہو گا۔(مسند احمد)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب اللہ نے وسعت (فراخی) دی ہے تو وسعت اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جن افراد کو دولت دی ہے، ان کے کھانے پینے اور لباس، رہن سہن میں وہ نعمت نظر آنی چاہیے۔ اس کے ساتھ غرباء کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خواب میں اس کی تفسیر دیکھی کہ وہ لوگ جو زمین پر فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔(ھم الزین لایریدون الفساد۔) قرطبی۔

میانہ روی سرکاری احکام میں بھی ضروری ہے۔ زکٰوۃ یا عشر، میں صرف اچھا مال نہ لیا جائے بلکہ متوسط مال لیا جائے، قصاص اور سزا دینے میں بھی اعتدال کو برقرار رکھا جائے۔

غذا میں اسراف اور صحت:۔

حدیث نبوی ﷺ کے مطابق جو چاہا کھا لیا یہ اسراف ہے (مسند احمد)۔ کس قدر خوبصورت اور مفید پیغام و ہدایت ہے کہ کھانے سے پہلے انسان سوچ کہ میری زبان کا ذائقہ جو طلب کر رہا ہے یا مزاج طلب کر رہا ہے وہ میرے لئے کیا مفید ہے یا نہیں؟ میرے بدن کی ضروریات کے موافق ہے یا غیر موافق ہے، میرے معاشی یا مالی حالت کے کس حد تک مناسب ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کر کے کھائے۔

اس وقت دنیا میں جسمانی بیماریوں بالخصوص وزن کی زیادتی، جو کئی بیماریوں کا سبب ہے۔ اس کا بڑا سبب وہ کھانے ہیں جو ذائقہ میں اچھے ہیں لیکن بدن کے لئے مفید نہیں۔ یہ جدید تحقیق کا نتیجہ ہے اور یہی بات ہمارے نبی ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہمارے لئے نصیحت کی ہے۔ اسی لئے آپ ﷺ رحمت للعالمین ہیں۔

انسانی جان کی حفاظت:۔ اسلام میں انسانی جان کی بہت اہمیت ہے۔ ایک انسان کا قتل سارے انسانوں کے قتل کے برابر ہے۔ سوائے قانون کے تحت، یعنی قتل عمد یا زنا کے جرم کے سوا، انسانی جان کو مارنا جرم عظیم ہے اور ان جرائم کی صورت میں بھی صرف ریاست کو اختیار ہے۔ افراد کو یہ حق نہیں کہ وہ خود سزا دیں۔

زنا:۔ انسانی نسب اور خاندان کی حفاظت و سکون، اولاد کی تربیت و سکون، کی خاطر شادی شدہ افراد کی سزا رجم یعنی موت ہے۔ غیر شادی شدہ افراد کی رعایت ہے اور کوڑوں کی سزا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ایک شخص نے

نبی ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کا کوئی شریک قرار دے کر اس کی عبادت کرو۔ حالانکہ اس (اللہ) نے تم کو پیدا کیا ہے، اس نے پوچھا پھر کون سا سب سے بڑا گناہ ہے؟ فرمایا تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اس نے پوچھا پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ فرمایا تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو (صحیح البخاری / ترمذی / مسلم شریف)۔ اس کی تصدیق آیت نمبر 68 سورۃ الفرقان نے کی۔

شرک:۔ اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ جو بہت بڑا گناہ ہے اور قرآن مجید نے اس کو عظیم ظلم کہا ہے۔ تمام انبیاء نے توحید کا پیغام دیا اور شیطان شروع سے انسان کو مختلف طریقوں سے اپنے خالق و معبود سے جدا کرنے کی ہر طرح کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ان آیات میں اللہ کے نیک (خاص) بندوں کی خصوصیات میں زنا، قتل اور شرک کو بہت بڑا جرم قرار دیا اور وہ اس سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ شرک کے گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۖ

(قیامت کے دن) اس کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔ اور اس میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو ان لوگوں کی برائیوں کو اللہ اچھائیوں میں بدل دے گا اور اللہ غفور و رحیم ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

اور جو توبہ کرے اور نیک کام کرے تو بلاشبہ وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے جیسے توبہ کرنے کا حق ہے۔

اسلامی معاشرہ میں سزا کے نظریہ کی بنیاد دو امور پر ہے۔ (۱): انسان کا ضمیر جس میں اللہ کا خوف سب سے بڑا عنصر ہے۔ (۲): ریاست کی سزا کا خوف۔ اسلامی نظام عدل میں تمام انسان برابر ہیں اور کوئی بھی فرد، خواہ رئیس مملکت کیوں نہ ہو، قانون میں برابر ہے۔ اس لئے مسلمان خلفاء نے اپنے اوپر کئے گئے اعتراض کی وضاحت اور صفائی دی۔ لیکن ان دو امور یا مراحل کو آدمی، نظر انداز کر کے گناہ پر مصر رہتا ہے اور گناہ کی تلافی، توبہ، نیک اعمال کے ذریعہ نہیں کرتا۔ اس کو قیامت میں سخت عذاب ملے گا۔ سزا کو دوگنا کر دیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص غیر مسلم تھا اور اسلام لے آیا تو اس کے قبل از اسلام کے گناہ کو اللہ اس کی تبدیلی یعنی پرانے عقیدہ یا دین جس میں گناہ کئے ہیں ان سے توبہ کی اور اس دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوا تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اسے نیکی کا حکم ہے تا کہ ان کا کفارہ ہو۔

توبہ:۔

توبہ ایک بہترین عمل ہے۔ انسان کے اندر ایسے صفات رکھ دیئے گئے ہیں، جو گناہوں کی طرف راغب کرتے ہیں۔ مثلاً تکبر، حسد، بغض، مال و اولاد کی محبت، جنسی رغبت، جہالت۔ اگر ان خیالات پر کنٹرول نہ کیا جائے تو شیطان، انسانی دماغ میں مختلف غلط خیالات پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ خیال خواہش سے ساتھ ملتا ہے اور ارادہ بن جاتا ہے، پھر عمل پیدا ہو جاتا ہے جس کی سزا کا انسان حقدار بن جاتا ہے۔ اللہ نے انسان کے اندر ایک تجزیہ اور سوچنے کی قوت رکھی ہے، جسے ہم نفس لوامہ، اسلامی نفسیات میں کہتے ہیں۔ عام طور پر اسے ضمیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب یہ صحیح ہو تو انسان کو احساس گناہ ہو جاتا ہے۔ اگر جرم سے پہلے ہو تو بڑا مفید ہے، کہ آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے اور اگر گناہ کرنے کے بعد ہو تو بھی اس کا حل ہے کہ آدمی احساس گناہ اور اس کی اعصابی تکلیف سے توبہ کے ذریعہ بچ جاتا ہے۔ توبہ میں (۱): برے کام کرنے پر انتہائی شرمندگی اور جرم کا احساس۔ (۲): متاثرہ فریق سے معافی یا اس کی تلافی اور اگر وہ موجود نہیں تو اس کے لواحقین کو اس کا فائدہ یا تلافی کرنا اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو معاشرہ میں دوسرے افراد سے بھلائی کرنا۔ اسی عمل کا آیت "و عمل صالحا" اور نیک کام کا ذکر کیا ہے۔ (۳): مستقبل میں پورا وعدہ کرنا اور ثابت کرنا کہ اس نے دوبارہ وہ گناہ نہیں کیا۔ یعنی عمل سے ثابت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ ہر وقت انسان کے لئے کھلا رکھا ہے، جب تک اس میں گناہ کرنے کی قوت و استطاعت ہے، لیکن وقت مرگ توبہ قبول نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ توبہ کی برکت سے انسان ذہنی و اعصابی پریشانی سے چھٹکارا پاتا ہے اور معاشرے میں مثبت کردار کے ساتھ اپنا رول ادا کرتا ہے۔

درجات میں تبدیلی کیسے:۔

اگر توبہ انتہائی اخلاص کی ہے، جس طرح حق ہے اور اس کے بعد اعمال صالحہ ہوں تو پہلے گناہوں کو معاف کر کے اس بندے کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے، اللہ کے عدل کے نظام کے تحت، ظالم کی معافی کی صورت صرف مظلوم کا اس کو معاف کرنا ہے۔ اور اس کے لئے مظلوم کو اس قدر معاوضہ پیش کیا جائے گا کہ وہ اپنا بدلہ برضا و رغبت معاف کر دے گا۔ اس طرح دونوں فریق (ظالم و مظلوم) اللہ کے فضل سے مستفیذ ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝

اور وہ جو جھوٹی شہادت (جھوٹ کا ساتھ) نہیں دیتے جب کسی لغو یا بے ہودہ کام سے ان کا گذر ہو تو وہ عزت و وقار سے گذر جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا۝

اور وہ جب انہیں رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (سمجھتے ہیں)۔

جھوٹ:۔

اللہ کے خاص بندوں کی عادات و کردار کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہے کہ (۱): جھوٹی گواہی کبھی نہیں دیتے کیونکہ اس سے عدل کا نظام ختم ہو جاتا ہے۔ (۲): جھوٹ قول اور فعل میں (کردار میں) نہیں پایا جاتا، سراپا سچائی ہوتی ہے۔ (۳): برائی یا باطل جو جھوٹ کا اصطلاحی معنی ہے اس میں وہ جھوٹ کے ساتھ نہیں بلکہ سچ، ظلم کے بجائے عدل کا ساتھ دیتے ہیں، درحقیقت ایک مومن تینوں حالتوں کا مصداق ہوتا ہے۔ اس کا کردار (قول) پھر گواہی اور معاشرے میں برائی سے سخت نفرت کرتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح جھوٹی گواہی، جھوٹے پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔ اسلامی قانون میں اگر جھوٹ ثابت ہو گیا، تو آئندہ کے لئے تمام گواہی کے معیار سے گر گیا اور اس کی سزا بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی کا جھوٹ ثابت ہو جاتا، تو اسے چالیس کوڑے اور منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جاتا۔ اعلان کیا جاتا، بعض حالات میں قید کر دیا جاتا جب تک توبہ نہ کرتا۔

بری مجالس:۔

جہاں جھوٹ برائی ہے وہاں دوسرے محرکات بھی ہوتے ہیں۔ بری مجالس، عموماً شراب اور گانے بجانے کی مجلس، اس انداز سے گانا جس سے فحاشی پھیلتی ہو، جذبات بھڑکائے اور جنسی گناہ کی طرف اُبھارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ معاملات جہاں فساد پیدا ہوتا ہے۔ امن تباہ ہوتا اور اختلافات بڑھتے ہیں، سارے یہ امور لغو ہیں۔ نیک کردار (مومن افراد) ایسی مجلسوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر کسی وجہ سے ان کو واسطہ پڑ جائے تو شمولیت کے بجائے کنارہ کشی کرتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ اور وہاں سے گذرنے اور بچنے کا انداز شرافت و وقار کے ساتھ ہے۔ کوئی اپنا تکبر ظاہر نہیں کرتے، نہ دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ بلکہ علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں۔ بری مجالس (شراب و گانا) بھی برائی کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لئے ان سے بچنا ضروری ہے۔ ایک اور صفت فرائض کی ادائیگی کے لئے احکام کے بارے معلومات حاصل کرنا، پھر ان کو توجہ اور غور سے سننا بہت ضروری ہے۔ یہی ایک مومن کی صفت ہے۔ جو ہدایت ان کو قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہیں، ان کو دل و جان سے مانتے ہیں۔ غفلت اور بے پرواہی، ان کا طریقہ نہیں ہوتا۔ احکام پر غور کرنا اور سمجھنا اہم ہے تاکہ احکام کے مقاصد پورے ہوں اور معاشرے میں برکات ظاہر ہوں اور احکام پر ان کی اہمیت کے مطابق عمل سے ہوتا ہے۔ مثلاً فرض اور حرام کا مقام، واجب، سنت مؤکدہ، مکروہ اور مستحب، سب اعمال تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی فقہ کے مطابق کرتے ہیں۔ اس لئے بغیر سمجھے بصیرت کے، عمل کو مذموم سمجھا گیا ہے۔ ابن کثیر نے ابن عون سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت شعبی سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں، جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوئے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کیسا سجدہ ہے، تو کیا میں بھی ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں۔ حضرت شعبی نے فرمایا نہیں۔ مومن کے لئے یہ درست نہیں کہ بے سمجھ کسی کام میں لگ جائے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کے ساتھ عمل کرے۔ جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی، جس کی بناء پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں ان کے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح ان کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

غلو اور کیسے بچیں؟

ہم دیکھتے ہیں کہ ان احکام کی تنفیذ یا عمل کے بارے، ہر اہل علم اپنی رائے یا اپنے استاد کی رائے کو آخری حرف سمجھ لیتا ہے اور احکام کی حکمت اور ان کے فقہ میں درجے کو نظر انداز کر کے، اپنی رائے کو اہم ظاہر کرتا ہے، جس کی وجہ سے اختلاف میں شدت اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح آج کل ہمارے پاک و ہند کے معاشروں میں ہے، کہ ہر فرقہ کی علیحدہ علیحدہ مسجد ہے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک کے پڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں تعلیم عام ہونے کے لئے بڑا ضروری ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور مزید معلومات کے لئے کسی فقہ جس سے رغبت ہو مطالعہ کیا جائے، لیکن دوسرے فقہ والے افراد کا احترام کیا جائے۔ کیونکہ سب کا ماٰخذ قرآن و حدیث ہے۔ صرف ترجیحات اور توضیحات کے اختلاف کو نفرت اور فساد کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ یہ قرآن مجید اور احادیث کی صریح خلاف ورزی ہے۔ تنوع انسانی زندگی کا حصہ ہے اس لئے نبی ﷺ نے عبادات میں مختلف انداز اپنائے، تاکہ ہر طبقہ کی تسکین و ضرورت پوری ہو۔ اب سنت کی محبت کا تقاضا ہے، کہ نبی ﷺ کے ہر عمل اور ادا کو پیار سے دیکھا جائے۔ یہ غلط ہے کہ جو پسند ہو وہ تو اچھا ہے اس کی فضیلت میں مبالغہ کر کے عام لوگوں کو ابھارا جائے اور جو خود کو پسند نہ آئے، اس کو در گذر کر دیا جائے۔ آپ ﷺ کی ہر ادا اور طریقہ جس کو آپ ﷺ نے کیا، کرنا یا کم از کم محبت سے دیکھنا چاہیے۔

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝

اور وہ لوگ یہ دعا کرتے ہیں؛اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

اُولٰٓىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا۝

انہی لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے میں جنت میں بلند عمارات جزا میں دیئے جائیں گے اور وہاں دعا اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال ہو گا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا۝

اور وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ وہ (جنت) بہت اچھا مستقر و مقام ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۝

کہہ دیجئے! اگر تمہاری دعا و التجا نہ ہوتی تو میرا رب تمہاری پرواہ نہ کرتا۔ تم (حق کو) جھٹلا چکے ہو۔ لہذا وہ (عذاب تمہیں) عنقریب لازم ہو کر رہے گا۔

نیک اور مخلص بندے جہاں اپنی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گذارتے ہیں، وہاں اپنے افراد خانہ کو اس نعمت میں ساتھ رکھتے ہیں۔ تربیت کے ساتھ، ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ ان کو ایمان صالح اور پاکیزہ اخلاق عطا فرما۔ مومن اپنے اولاد و اہل

خانہ کے حسن و جمال اور آرام و عیش سے زیادہ ان کے کردار نیک افعال اور علم سے ٹھنڈک و سکون حاصل کرتا ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک کا مطلب دل کا سکون ہے۔ یہ ان کے لئے انتہائی دکھ اور تکلیف دہ ہے کہ ان کی اولاد و عیال جس کو وہ جان سے بھی عزیز رکھتے تھے یا ہیں، وہ دوزخ میں سزا پائے اور نہ صرف وہ نیک خصائل ہوں بلکہ ہم متقی لوگوں کے راہنما و امام ہوں۔ اگر اولاد کی تربیت اچھی ہوئی، وہ متقی ہوئے تو ان کے والدین ان کے امام ہوں گے۔

جب سورت مکہ میں نازل ہوئی اس وقت مسلمان انتہائی صبر آزما حالات سے گزر رہے تھے۔ ہر خاندان مذہبی طور پر بکھرا ہوا تھا۔ ایک فرد مسلمان تھا تو باقی کفر و شرک کے ساتھ تھے۔ ہر مسلمان انتہائی سماجی اور نفسیاتی کرب سے گزر رہا تھا۔ اور اس طرح دو دفعہ ہجرت ہوئی۔ یہ دعا اسی صبر کا حصہ ہے جو وہ اپنے اہل خانہ کے افراد کے لئے کرتے تھے۔ ان کے اس خلوص اور ایمان کی مضبوطی، اعمال کی استقامت پر ان کے صبر کے مقابل جنت میں اعلیٰ مقامات / محلات ملیں گے اور ہر اس مومن کا بدلہ ہے جو صبر استقامت سے اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔

آخر میں کفار کے کرادار کا ذکر ہے کہ اللہ کے احکام سے انکار اور اللہ کے بجائے بتوں کو ماننے اور ان سے مانگنے کے نتیجے میں وہ محروم رہیں گے اور انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس عمل پر ان کو سزا ملے گی۔ اللہ کو انسانوں کی کوئی حاجت نہیں، بلکہ سارے انسان اللہ کے محتاج ہیں۔ اس کے سامنے نہ جھکنے والوں کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ان کے لئے سراپا عذاب ہے۔

سورت کی ابتداء اللہ کی عظمت اور قرآن مجید کی ہدایت سے ہوئی اور اس کا اختتام کفار (انکار کرنے والوں) کی نافرمانی کے نتیجہ میں ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کے اعلان پر ہے۔

الحمد للہ آج بروز منگل 4 رمضان المبارک 1443 ھجری (بمطابق 15 اپریل 2022 عیسوی) سورۃ الفرقان مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے طفیل سارے قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرنے اور اس میں حق بیان کرنے اور مخلوق کے لئے فائدہ مند بنا کر میرے لئے ذریعہ نجاعت بنائے۔ آمین۔

۲۶۔ سورۃ الشعراء

تعارف:۔

سورۃ مکہ شریف میں نازل ہوئی اور اس کی آیت نمبر 224 میں شعراء کا ذکر ہے۔ اس کا نام طٰسٓمٓ بھی ہے۔ اس سورت میں دو سو ستائیس (227) آیات اور گیارہ (11) رکوع ہیں۔ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر سینتالیس (47) اور ترتیب کے لحاظ سے چھبیس (26) ہے۔ یہ سورۃ سورت النمل اور سورت الواقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں کفار کے نبی ﷺ کو شاعر کہنے کا رد فرمایا ہے۔ سورت الفرقان اور سورت الشعراء کی ابتداء قرآن مجید کی تعظیم سے ہوئی اور مضامین میں بھی اشتراک ہے۔ دونوں سورتوں میں سابقہ انبیاء علیہم السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، نوح علیہ السلام، عاد، ثمود، اصحاب الرس کا ذکر ہے۔ سورت میں حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ کا ذکر ہے۔

ابتداء میں نبی ﷺ کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ آپ ﷺ ان کفار کے ایمان نہ لانے پر اپنے آپ کو کیوں غمگین اور پریشان کرتے ہیں۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ، نشانی یا دلائل کی کمی نہیں، بلکہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ یہ ایسی نشانی چاہتے ہیں، جو گردنیں جھکا کر انسان کو مجبور کر دے، لیکن ایسی نشانی اپنے وقت پر آئے گی۔ اس وقت انہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ پچھلی امتوں کے واقعات اور ان کے انجام سے قریش مکہ کو ڈرایا اور تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قوت کی نشانیاں، ساری زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ صاحبِ عقل ان پر غور کر کے معلوم کر سکتا ہے۔ ایمان نہ لانے والے صرف بہانے کرتے ہیں۔ تمام انبیاء کی تعلیم مشترک تھی۔ ان کی سیرت صداقت و امانت کا پیکر تھی اور کردار سراپا اخلاص کا تھا۔ اللہ کا فضل اور رحمت ان کے ساتھ اور یہ نبی (محمد ﷺ)، بھی اسی طرح کردار اور اخلاص پر عمل پیرا ہیں۔

نبی ﷺ کی ذات اور کردار کاہن کی طرح نہیں۔ قرآن مجید تمہاری فصیح زبان (عربی) میں واضح ہے۔ کلام پیش کرنے والے کا کردار دیکھو اور کلام کو دیکھو، یہ شاعرانہ کلام نہیں، اس کا شاعری اور کہانت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اچھے اور برے کردار کے ذریعے فرق ظاہر فرمایا اور ظالموں کو ان کے برے انجام کی خبر دی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ۝

طا۔ سین۔ میم۔

تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝

یہ واضح (روشن) کتاب کی آیات ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا یَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ۝

(اے نبی) شاید اس (غم) سے کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ خود کو ہلاک ہی کر لیں گے۔

اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَةً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُهُمۡ لَهَا خٰضِعِیۡنَ ۝

اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے ایسی نشانی اتار دیتے جس سے ان کی گردنیں ہمیشہ جھکی رہتیں۔

وَ مَا یَاۡتِیۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهُ مُعۡرِضِیۡنَ ۝

جب بھی ان کے پاس رحمان (خدا) کی طرف سے کوئی نصیحت آئی ہے یہ اس سے اعراض کرنے والے بن جاتے ہیں۔

فَقَدۡ كَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝

سو انہوں نے تکذیب کی پس ان کے پاس عنقریب اس چیز کی خبریں آجائیں گی جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔

اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ كَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ كَرِیۡمٍ ۝

کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنے ہر قسم کے عمدہ جوڑے پیدا کئے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۝

بے شک آپ کا رب، وہی بہت غالب اور بہت رحم والا ہے۔

طا، سین، میم، حروف مقطعات سے ہیں۔ ا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ قسم ہے، ۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔ ۳۔ ایک رائے کے مطابق قرآن مجید کے اسماء سے اسم ہے (قتادہ)۔ ۴۔ ایک تفسیر کے مطابق سورت کا نام ہے (مجاہد)۔ اس کے ساتھ جو بیان ہے، وہ روشن کتاب کی آیات کے بارے ہے۔ اس سے مراد قرآن مجید کے واضح احکامات ہیں، جو دلائل اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کے بارے دیئے گئے ہیں۔ جیسے توحید، رسالت، عبادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے حقوق العباد کا تفصیلی ذکر ہے۔ احکامات، شعروشاعری نہیں، بلکہ زندگی گذارنے کے طریقہ کے بارے واضح ہدایات ہیں۔

نبی ﷺ کئی سالوں سے تبلیغ کر رہے تھے اور قریش مکہ اپنی ضد پر اڑ کر مسلمانوں کو انتہائی تکلیف دے رہے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد میں کوئی بہت ہی معمولی اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ ﷺ، اپنی جدوجہد کے مقابل مسلمانوں کی عددی قلت کی بناء پر پریشان رہتے تھے، مبادا کہیں کوئی تبلیغ یا، ادائے فریضہ میں کمی نہ رہ گئی ہو۔ یہ فکر آپ کے لئے جان گسل تھی۔ اس کی تسلی دی گئی کہ آپ کی جدوجہد مکمل ہے، صرف تبلیغ کرنا آپ کا فریضہ ہے۔ ان کو مسلمان بنانا آپ کے ذمہ نہیں۔ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے تو ان کی بدبختی ہے۔ آپ نے فریضہ ادا کر دیا اور کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اپ کی تسلی فرمای کہ اگر ان کو ہر صورت میں مسلمان بنانا ضروری ہوتا تو اس کے لیے تبلیغ کے علاوہ بھی طریقہ تھا۔

اختیاری اطاعت بمقابلہ جبری اطاعت:۔

اللہ تعالیٰ کے نظام میں، انسان کی معلومات کے لئے کچھ حد تک، انبیاء کو معجزات عطا ہوتے ہیں، لیکن انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لئے کوئی اجباری حکم نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اگر انسانوں کو مجبوراً مطیع کرنا ہوتا، تو انبیاء کے علاوہ ایسی کیفیت پیدا کی جاسکتی تھی کہ انسان خوف سے انکار کی جرأت ہی نہیں کرتا۔ لیکن یہ مقصود نہیں۔ انسان کو عقل دیا ہے، اور ساتھ ہی اختیار دیا ہے، تاکہ زندگی میں اپنے اختیار کے ذریعہ نیکی اور سچائی، بھلائی کا راستہ، اختیار کرے۔ بدی و فساد اور گمراہی سے بچے اور اس کے مطابق وہ جزاو سزا پائے گا۔

انسانوں، بالخصوص قریش مکہ کی طرف سے ضد اور مخالفت اور تمام شواہد و معجزات کا اقرار یا تسلیم کرنا نہیں ہوتا تھا، جس کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ان کے مطالبات پر پریشانی کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ انسانی ضد کا نتیجہ ہے۔ جس کا خمیازہ وہ بھگتیں گے اور فتح مکہ کی صورت میں وہ بھگتے۔

زوجین، جوڑے کی حکمت:۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر نباتات کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ ان کو کس خوبصورت جوڑوں کے انداز میں پیدائش کی گئی۔ تخلیقی نظام میں جوڑوں کا ذکر دوسری آیات میں بھی آیا ہے۔ اس میں غور کی بھی تاکید کی ہے۔ {وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔} "اور ہم نے ہر شے کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور کرو (سورۃ الذاریات 49)۔ یہاں جوڑوں کا ذکر نباتات کے ساتھ ہے۔ جس کے بارے جدید تحقیقات نے انکشاف کیا ہے، لیکن قرآن مجید نے مختصر انداز میں آج سے چودہ سو سال پہلے نشاندہی کر دی تھی۔

پھولوں والے پودوں میں جنسی طور پر نر اجزاء اور مادہ اجزاء ہوتے ہیں اور ان کے ملنے سے پودے پیدا ہوتے ہیں (جس کو پولینیشن pollination کہتے ہیں)۔ بعض پھول صرف نر اجزاء رکھتے ہیں اور جن کو سٹامن (Stamen) کہتے ہیں اور کچھ مادہ اجزاء رکھتے ہیں، جو، پسٹلز (Pistils) کہلاتے ہیں۔ پھر سٹامن میں ایک حصہ جس کو پولن کہتے ہیں اس پولن (نر حصہ) کو مادہ حصہ

(پسٹلز Pistils) کے حصہ سٹیگما (Stegma) کو منتقل کرنا پڑتا ہے تاکہ نر اور مادہ کے ملاپ کا پروسس مکمل ہو۔ بعض پودوں میں نر حصہ کا علیحدہ پھول اور مادہ کا علیحدہ پھول ہوتا ہے اور بعض میں ایک ہی پھول میں یہ دو (جوڑے) ہوتے ہیں۔

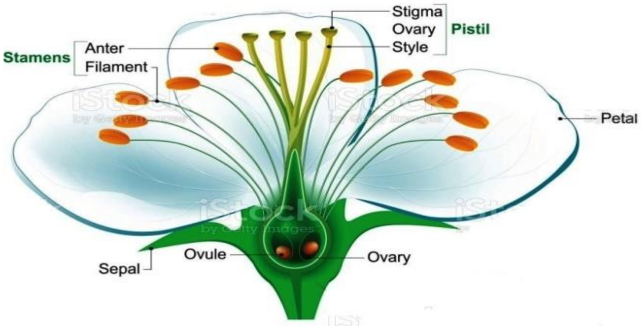

زوجین کریم

یہ اجزاء، ہوا، مختلف مکھیوں کے ذریعہ آپس میں ملتے ہیں اور پھر دوبارہ پودے نکل کر پھولوں کی بہار دکھاتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ زوجین کریم ہیں۔ جن سے دوبارہ پودے اور اسی طرح درختوں میں پھول، یہ عمل نر و مادہ اجزاء کے ملاپ سے کرتے ہیں، جس سے پھل پیدا ہوتا ہے، اور اس میں بیج سے دوبارہ پودا نکلتا ہے۔ اس پروسس کو فرٹیلائزیشن (Fertilization) کہتے ہیں۔ یہ وہ اللہ کی قدرت ہے جس کا مظاہرہ ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ کائنات میں جوڑوں کا وجود تکوینی امور میں بہت اہم ہے۔ نباتات (پودوں / درختوں) میں کھجور کا درخت ایسا ہے۔ جس میں نر درخت علیحدہ اور مادہ علیحدہ ہوتے ہیں جس طرح حیوانات میں ہے۔

ان تمام شواہد کے باوجود اہل کفر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی غالب ہے جس کے کنٹرول میں ساری کائنات ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

اور (یاد کریں) جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا۔

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝

(یعنی) قوم فرعون کے پاس کیا وہ ڈرتے نہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ؕ

اس نے کہا! اے میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔

وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ۝

اور میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور میری زبان (روانی) سے نہیں چلتی۔ لہٰذا تو ہارون کی طرف بھی (وحی) بھیج۔

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ۚ

اور ان کا مجھ پر ایک قصور کا الزام ہے لہٰذا مجھے خوف ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝

فرمایا ہر گز نہیں! چنانچہ تم دونوں ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ، یقیناً ہم تمہارے ساتھ خوب سننے والے ہیں۔

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پس تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو، بلاشبہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

یہ کہ بنی اسرائیل (قوم) کو (آزاد کر کے) ہمارے ساتھ بھیج دو۔

قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام:۔

نبی ﷺ کی تسلی کے بعد، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا۔ آپ علیہ السلام کے واقعات کئی سورتوں میں آئے ہیں اور اس کی وجہ مماثلت ہے۔ آپ علیہ السلام فرعون کے گھر پلے، پھر ایک قبطی جو ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا، جھگڑا روکنے کے لئے آپ علیہ السلام نے اسے مکا مارا، مقصد اسے روکنا تھا، وہ مر گیا۔ فرعون نے آپ علیہ السلام کو سزا دینے کا پروگرام بنایا، اس خوف سے آپ علیہ السلام وہاں سے بھاگے اور مدائن چلے گئے۔ پھر دس سال بعد آئے اور حکم ہوا کہ فرعون کو تبلیغ کریں۔ ادھر آپ علیہ السلام ایک غلام قوم کے فرزند تھے، دوسری طرف آپ علیہ السلام پر الزام تھا، جس کی سزا موت تھی۔ تیسری آپ کو دعوت ایسے ظالم بادشاہ کو دینی تھی جو اپنے آپ کو معبود کہلاتا تھا۔ آپ علیہ السلام کی زبان کے بارے بھی روایت ہے کہ روانی نہیں تھی۔ ان امور کی وجہ سے آپ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے بھائی تھے، ان کو ساتھ ملانے کی درخواست کی، جو قبول ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تسلی کے لئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرعون کو دعوت دینے کے لئے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے گا۔

آپ علیہ السلام حکم کے مطابق فرعون کے دربار میں گئے۔ رسائی حاصل کی، جس کے بارے مختلف روایات ہیں۔ فرعون کو اللہ کا پیغام سنایا اور بنی اسرائیل کی غلامی ختم کر کے، ان کو وہاں سے نکالنے کا مطالبہ کیا۔ اس کی تفصیل مختلف مقامات پر مختلف سورتوں میں آئی ہے اور آگے یہی واقعہ ہے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ۝

اس (فرعون) نے کہا: کیا ہم نے تمہاری پرورش بچپن میں اپنے پاس نہیں کی؟ اور تو ہمارے درمیان اپنی عمر کے کئی برس نہیں رہا؟

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور تم نے وہ کام کئے جو تم نے کئے اور تم ناشکروں میں سے تھے۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا جب میں بے خبروں میں سے تھا۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝

پھر جب میں تم سے ڈرا، تو میں تم سے بھاگ گیا پھر میرے رب نے مجھے حکم بخشا اور مجھے رسولوں میں سے بنا دیا۔

وَ تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ۝

اور کیا یہی ہے وہ احسان، جو تو مجھ پر جتا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَ مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝

فرعون نے کہا: اور رب العالمین کیا ہے؟

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: وہ آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان کا رب ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید کا پیغام دیا اور ساتھ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا اور اپنی نبوت کا اعلان کیا، تو یہ بات فرعون کے لئے بڑی عجیب تھی۔ اس نے آپ علیہ السلام کو پرانے واقعات یاد دلائے، تاکہ آپ کے کلام اور آپ کی ذات کی اہمیت کو کمتر ظاہر کرے۔ اس نے کہا، کہ تمہیں یاد ہو کہ تمہیں، ہم نے بچپن میں کئی سال تک اپنے پاس رکھا اور پالا۔ پھر تم نے بڑے ہو کر ایک جرم کیا، اور آج تم مجھے خدا کی عبادت، اپنی نبوت اور بنو اسرائیل کو آزاد کرنے کی بات کر رہے ہو اور میرے بجائے ایک اور رب العالمین کی عبادت کا کہہ رہے ہو۔ کون ہے مجھ سے بڑھ کر جس کو تم رب العالمین کہہ رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا، کہ رب العالمین، زمین اور آسمانوں اور زمین اور آسمان کے درمیان جو کچھ بھی ہے، اس کا رب ہے، اگر تم یقین کرتے ہو۔ یعنی زمین اور آسمان پر جس میں چاند ستارے اور سورج ہیں وہ سب کا مالک ہے۔

سچائی اور اقرار:۔

فرعون کی بدتمیزی اور اکھڑپن کے رویہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بڑے حوصلہ اور دھیما پن سے جواب دیا اور بتایا کہ آدمی کو گھونسہ مارنے کی غلطی تھی لیکن آپ علیہ السلام کو یہ توقع نہ تھی کہ وہ مر جائے گا۔ اس میں آپ علیہ السلام کا جرم کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ آپ علیہ السلام نے اس عمل سے انکار نہیں کیا، بلکہ معذرت کی کہ مقصد یہ نہیں تھا، لیکن چونکہ تم نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، اس لئے میں یہاں سے چھپ کر چلا گیا۔ پھر تم نے سارے بنی اسرائیل پر ظلم کر کے ان کو غلام بنایا ہوا تھا۔ ان کے بچوں کو قتل کرتے تھے اس لئے میرے والدین نے مجھے گھر سے پھینک دیا اور تم نے پرورش کی۔ یہ اس ظلم کی وجہ سے تھی جو تم کر رہے تھے، لہٰذا تمہارے احسانات کی کوئی حقیقت نہیں۔ **غلامی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کیوں کہ انسان اللہ کی اعلیٰ مخلوق ہے۔** اسلام نے بھی غلامی کو بتدریج ختم کیا، کیوں کہ یک لخت ختم کرنے سے غلاموں کو زندگی گزارنے میں مشکلات تھیں۔ طبقات اور عدم مساوات والے معاشروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناپسند کیا اور فقرا کو ترجیح دی۔

زبانی مناظرہ میں آپ نے فہم و فراست اور برداشت کا مظاہرہ کیا، جو ہر مبلّغ کے لیے ضروری ہے۔

قَالَ لِمَنۡ حَوۡلَهٗۤ اَلَا تَسۡتَمِعُوۡنَ ۝

اس (فرعون) نے اس کے ارد گرد بیٹھنے والوں (سرداروں) سے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو (یہ کیا کہہ رہا ہے)۔

قَالَ رَبُّكُمۡ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: وہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔

قَالَ اِنَّ رَسُوۡلَكُمُ الَّذِىۡۤ اُرۡسِلَ اِلَيۡكُمۡ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝

اس (فرعون) نے کہا (لوگو) بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ (مجنون) ہے۔

قَالَ رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: وہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَيۡرِىۡ لَاَجۡعَلَـنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِيۡنَ ۝

اس (فرعون) نے کہا: اگر تم نے (اے موسیٰ) میرے سوا کسی کو معبود بنایا، تو میں ضرور تم کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

قَالَ اَوَلَوۡ جِئۡتُكَ بِشَىۡءٍ مُّبِيۡنٍ ۝

اس (موسیٰ) نے کہا: خواہ میں تمہارے سامنے کوئی چیز (دلیل) لے آؤں۔

قَالَ فَاۡتِ بِهٖۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝

اس (فرعون) نے کہا: لے آؤ وہ چیز (دلیل) اگر تم سچے ہو۔

فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۝

پس اس (موسیٰ) نے اپنا عصا (لاٹھی زمین پر) ڈالا تو وہ واضح طور پر اژدھا (بڑا سانپ) بن گیا۔

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝

اور اس (موسیٰ) نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اس وقت دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکدار تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا پیغام دیا، تو یہ پیغام فرعون کے لئے بالکل عجیب اور غیر متوقع تھا۔ اُس نے اپنے درباریوں سے کہا: دیکھو یہ کیسی بات کر رہا ہے۔ یعنی میرے علاوہ کوئی رب اور نہ صرف رب، بلکہ تمام جہانوں کا رب بتا رہا ہے۔ اس نے سوال کیا کہ وہ کون ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب علمی تھا، کہ میرا رب وہ ہے، جو تمہارے دنیا میں آنے سے پہلے تمہارے باپ دادا کا بھی رب تھا، یعنی تمہارے وجود اور تمہارے دعویٰ خدائی سے پہلے، اس لئے وہ صحیح اور سچا، رب ہے۔ پہلے آپ علیہ السلام نے رب کے تعارف میں، زمین اور آسمان اور ان کے درمیان فضاء کا ذکر کیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے کہا، میرا رب جو کچھ مشرق و مغرب کے درمیان، یعنی جو بھی کرہ ارض پر ہے اس کا رب ہے، اگر تم عقل و فکر کرو تو جان لوگے۔ فرعون نے کہا: تو مجنون لگتا ہے کیونکہ

اس کے ربوبیت کے دعویٰ کا انکار تھا۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر تم نے میرے علاوہ کسی کو خدا مانا، تو تمہیں قید کی سزا دوں گا۔ فرعون کی قید کی سزا کے بارے لکھا گیا ہے وہ اندھے (گہرے) کنویں میں ڈال دیتا تھا۔

علمی دلائل کو ناکام دیکھتے ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا انداز بدلا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ قوت و طاقت فرعون کے پاس ہے لہٰذا وہ قید یا سزا دے سکتا ہے۔ اس لئے آپ علیہ السلام نے دلیل دی کہ اگر تم میرے رب کے بارے یقین نہیں کرتے، تو کیوں نہ میں تم کو دلیل دوں۔ فرعون نے کہا کہ دلیل لاؤ۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا یعنی لاٹھی کو زمین پر پھینکا، تو وہ ایک بہت بڑا سانپ بن گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے بارے جن سانپ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بہت بڑا اژدھا اور بہت تیز دوڑنے والا چھوٹا سانپ اور عموماً سانپ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ کیونکہ مقابلہ کے وقت کے حالات، دربار کے حالات سے مختلف تھے۔ یہ اژدھا، خوفناک تھا۔ جس سے سارے دربار میں موجود افراد دہشت زدہ ہو گئے۔ فرعون نے آپ علیہ السلام سے کہا کہ اس کو پکڑیں، جب آپ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ لاٹھی بن گیا۔ یہ ایک حیران کن معجزہ تھا اور اس کی ہیبت، فرعون اور تمام درباریوں پر پڑ گئی۔ اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نکالا اور اسے اُٹھایا، تو وہ بہت روشن اور چمکدار ہو گیا، جس سے اہل دربار کی آنکھیں چندھیا گئیں اور دیکھنا مشکل ہو گیا۔ پھر سب نے درخواست کی تو آپ نے اپنا ہاتھ واپس بغل میں ڈالا تو عام ہاتھ کی طرح تھا۔

مباحثہ کے اصول:۔

(۱) علمی دلائل سے مباحثہ کیا جائے۔ (۲)۔ اگر مخالف دلائل کے بجائے، طعنہ زنی شروع کر دے تو اس کا جواب فراخدلی سے دیں اور حوصلہ رکھنا ضروری ہے۔ (۳)۔ اگر مخالف دلیل نہیں مان رہا تو دوسرے انداز سے دلائل دیئے جائیں۔ (۴)۔ اگر کوئی غلطی ہوئی ہے تو اس کو فوراً قبول کرنا چاہیے۔ (۵) مباحثہ کا مقصد ضد نہ ہو بلکہ حق، صحیح امر کی تلاش ہو۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝

اس (فرعون) نے اپنے ارد گرد سرداروں سے کہا! بلاشبہ یہ ضرور ماہر جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝

وہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے۔ لہٰذا تم کیا مشورہ دیتے ہو؟

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝

انہوں (سرداروں) نے کہا: اسے (موسیٰ) اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے اور شہروں میں (جادوگروں کو) اکٹھا کرنے والے بھیج دے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝

(کہ) وہ ہر ماہر جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

پس جادو گر ایک مقرر، دن کو (خاص) وقت پر اکٹھے کر لئے گئے۔

وَّ قِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ۝

اور لوگوں سے کہا گیا: کیا تم بھی اکٹھے ہو گے (یعنی مقابلہ دیکھنے آؤ گے)۔

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

اگر وہ (جادو گر) غالب آئیں تو شاید ہم ان جادو گروں کی اتباع کریں۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

پھر جب جادو گر آئے تو وہ فرعون سے کہنے لگے: اگر ہم ہی غالب آئے تو ہمارے لئے کون سا بدلہ (معاوضہ) ہو گا۔

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝

اس (فرعون) نے کہا: ہاں! اور بے شک پھر تم میرے مقربین (خاص لوگ) میں سے ہو جاؤ گے۔

شیطانی چال:۔

معجزات دیکھنے کے بعد فرعون اور درباری خوف زدہ اور پریشان ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ کو بظاہر غلط کہنا مشکل تھا۔ فرعون نے ایک چال چلی۔ بجائے اس کے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل کو مان لیتا اور حق کو قبول کرتا، شیطان نے اسے ضد اور انا کی راہ پر لگا دیا۔ اس نے اہل دربار کو متاثر کرنے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی اہمیت کم کرنے کے لئے طریقہ استدلال اپنایا، جو شیطان اسکے دماغ میں ڈال رہا تھا۔

(۱)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت ماہر جادو گر ہیں اس لئے ان کی لاٹھی سانپ (اژدھا) بن گئی۔ لہٰذا فرعون کا دعویٰ خدائی صحیح ہے۔

(۲)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی اسرائیل سے تھے اس لئے وہ آب مصر پر غلبہ چاہتے ہیں تا کہ ان کے باغات اور دولت لے لیں، ان کی مخالفت میں اپنا بچاؤ ہے۔

(۳)۔ اس نے اہل دربار جو متاثر ہو چکے تھے ان سے رائے لی کہ تم اس بارے کیا کہتے ہو؟ اس کا کیسے مقابلہ کیا جائے؟ تا کہ وہ اس کی طرف سوچیں اور ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اثر زائل ہو۔

انہوں نے رائے دی کہ فوری کوئی عمل (سزا دینا) نہ کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو موقع دیا جائے اور اس دوران شہروں سے تمام ماہر جادو گروں کو اکٹھا کیا جائے۔ جب وہ آجائیں تو جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناکامی کو مشہور کرنے کے لئے، اس کا اعلان کر کے لوگوں کو اکٹھا کر کے مقابلہ کیا جائے۔ فرعون اور اس کے درباریوں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ اس لئے وہ اس کو دکھانا چاہتے تھے، جادو گروں کی کامیابی پر ان کی کامیابی لازمی ہو جائے گی۔

جادو گروں کو اکٹھا کیا گیا، ایک دن مقابلہ کا متعین کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حق کی واضح کامیابی کے لئے اسباب مہیا کر دیئے کہ فرعون نے اجتماع اور مقابلہ کا اعلان کیا اور لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

خواہش پوری ہو گئی کہ ان کی تبلیغ اور اعلان توحید زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ ان کی نبوت کی صداقت زیادہ سے زیادہ لوگ مشاہدہ کر لیں تا کہ ان کو ایمان لانے میں آسانی ہو۔

جادو گر آ گئے، انہیں بھی اپنے جادو پر گھمنڈ تھا اور کامیابی کا یقین تھا۔ انہوں نے فرعون کی عزت و عظمت کی قسم بھی کھا لی۔ (اسلام میں اللہ کی ذات کے علاوہ کسی اور کی قسم اٹھانا ممنوع ہے)۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ ہم اگر کامیاب ہوئے تو ہمارا کیا معاوضہ یا انعام ہو گا۔ فرعون نے انہیں مقرب خاص کے مقام کا لالچ دیا کہ تم اس مقام پر میرے دربار میں فائز ہو گے۔ انسان کے اندر بلند مقام پانے کی خواہش پائی جاتی ہے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے فرعون نے ان سے دربار میں بلند مقام دینے کا وعدہ کیا جس پر وہ راضی ہو گئے۔

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰۤى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ۝

موسیٰ نے ان سے کہا: جو کچھ تم ڈالنے والے ہو ڈال دو۔

فَاَلۡقَوۡا حِبَالَهُمۡ وَ عِصِيَّهُمۡ وَ قَالُوۡا بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّا لَنَحۡنُ الۡغٰلِبُوۡنَ ۝

پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے: عزت فرعون کی قسم! بلاشک ہم ہی غالب ہیں۔

فَاَلۡقٰى مُوۡسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلۡقَفُ مَا يَاۡفِكُوۡنَ ۝

پھر موسیٰ نے اپنا عصا (لاٹھی) ڈالا تو وہ فوراً ہی اسے نگلنے لگا جو وہ شعبدہ بازی کر رہے تھے۔

فَاُلۡقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ۝

چنانچہ جادو گر (بے اختیار) سجدے میں گر گئے۔

قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

وہ (جادو گر) کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔

رَبِّ مُوۡسٰى وَ هٰرُوۡنَ ۝

موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

مقابلہ کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں کو اپنے کرتب اور شعبدہ بازی کی پہلے دعوت دی۔ اس دعوت دینے کے چند فوائد ہیں۔

(۱) وہ اپنی ساری استعداد ظاہر کر دیں تا کہ اس کا مقابلہ ہو سکے اور اس سے بڑھ کر قوت / طریقہ استعمال کی جائے۔

(۲) ان کی استعداد یا قوت سے خوف زدہ نہیں۔

(۳) آخری عمل کی ناکامی یا کامیابی کا اثر زیادہ دیر پا ہو گا۔ لوگ زیادہ متاثر ہوں گے۔

(۴) باطل عام طور پر غرور کرتا ہے اور حق کے ساتھ افراد تواضع اختیار کرتے ہیں۔ بطور تواضع ان کو ترجیح دی۔

جادوگروں کا جادو کیا تھا؟ جادو کے بارے سورۃ البقرہ / الاعراف / طہ / میں تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

کچھ علماء نے فرعون کے جادو کو کیمیائی عمل قرار دیا کہ رسیوں میں کیمیکل (مائع مواد) تھا، جس کی حرارت اور کیمیائی عمل سے رسیاں حرکت کرتی تھیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ گرم پیتل (دھات) پر ڈالیں تو وہ کیمیکل، گرمی سے رسی میں متحرک ہو جاتا تھا، کیونکہ اہل مصر اس وقت کیمیائی عمل میں کافی آگے تھے۔ جس کی مثال انسانی اجسام کو بذریعہ کیمیکل (کیمیائی مواد) ممی بنا کر محفوظ کرنا ہے، جو آج تک محفوظ ہیں۔ جب جادوگروں نے حقیقت دیکھی کہ ان کی ساری زندگی کی محنت شاقہ کا جادو چند لمحوں میں ختم ہو گیا۔ عصا ایک سانپ بنا (چھوٹا) تیزی سے حرکت کرنے والا "جان" اور پھر اژدھا "ثعبان" بنا اور ان رسیوں کے سانپوں کو نگل گیا، میدان خالی کر دیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کام جادو کا نہیں بلکہ کسی اور قوت کا کرشمہ ہے جو انسانی جادو سے بڑھ کر ہے اور وہ قوت فرعون یا انسان سے بہت عظیم ہے۔ اس کے بارے ان کو یقین ہو گیا کہ وہ قوت وہی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام رب العالمین کے نام سے پکار رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فوراً اعلان کر دیا۔ یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے۔ تمام لوگوں کے سامنے ان کے رب العالمین کا ذکر اور اس پر ایمان کا اعلان ہو۔

یہ منظر اور اعلان فرعون اور اس کے درباریوں کے لئے غیر متوقع اور حیران کن تھا۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

فرعون نے کہاں میرے اجازت دینے سے پہلے تم نے اسے مان لیا، بے شک وہ تمہارا بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ لہٰذا تم جلد جان لو گے، میں ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دوں گا اور تم کو ضرور سولی چڑھاؤں گا۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝

وہ (جادوگر) کہنے لگے: کوئی حرج نہیں، بے شک ہم اپنے رب کی ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

بے شک ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب، ہماری خطائیں معاف کر دے گا، اس لئے کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

فرعون اور اس کے درباری جو جادوگروں کی کامیابی کا یقین کرتے تھے، جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے ساری رسیاں جو سانپوں کی طرح تیر رہی تھیں ان کو نگل لیا ہے اور ادھر سارے جادوگروں نے اپنی بے بسی دیکھ کر اللہ تعالیٰ (رب العالمین) کے سامنے نہ صرف اعلان کیا بلکہ سربسجود ہو گئے۔ شیطان نے پھر فرعون کو ایک اور چال سکھائی۔ وہ بجائے اس کے حق کو تسلیم کرتا، اس نے سارا معاملہ جادوگروں پر ڈال دیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ کہا کہ تم میری طرف سے مقابلہ کر رہے تھے اور مجھ سے اجازت کے بغیر اپنی ہار تسلیم کر لی اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئے۔ تم مکار ہو،

دغاباز ہو، اس کے ساتھ ملے ہوئے تھے، میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ درس عبرت بن جاؤ گے۔ ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر سولی پر لٹکا دوں گا اور ایسا ہی بعد میں کیا گیا۔

ایمان اور امتحان:۔

جادوگروں نے اپنے بارے جب یہ اعلان سنا، تو کچھ پریشان نہیں ہوئے، کوئی خوف یا معافی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ اس کو قبول کیا اور کہا کہ بے شک ہم رب العالمین کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں اور امید کرتے ہیں، ہمارا رب العالمین ہماری خطائیں معاف کرے گا، جو ہم نے اس سے پہلے کی ہیں کیونکہ اس سارے مجمع میں ہم اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں یا قوم فرعون میں سب سے پہلے اہل ایمان ہیں۔

واقعہ سے اہل معرفت کے درجہ ایمان اور عزم و استقلال کا پتہ چلتا ہے۔ علم و معرفت سے ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ جس قدر مضبوط ہو گا، اتنا ہی مصائب و شدائد کا مقابلہ کرے گا۔ اس کے ساتھ اللہ سے مغفرت کی طلب بھی رہے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے احکام شریعہ پر عمل کیا، جن کا اس کو علم تھا تو اللہ اس کو ان علوم کا وارث کر دیتا ہے، جن کو وہ نہیں جانتا (حلیۃ الاولیاء از امام ابو نعیم، حدیث 14320)۔ ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، جو شخص حق کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس پر حق کی راہ میں ہر مصیبت اور بلا آسان ہو جاتی ہے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہمارے نبی ﷺ اعلان نبوت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت اور رسالت عطا فرمائی اور آپ ﷺ نے تبلیغ اسلام کی۔ اس طرح جب ولی کامل، شریعت محمدیہ پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے۔ اس کے دل میں قرآن کے معانی اور اس کے اسرار کو القاء کرتا ہے اور اس کی زبان سے وہی بات جاری فرماتا ہے جو حق اور صواب ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے مخلوق کی ہدایت کا کام لیتا ہے۔ جس طرح نبی ﷺ کو منصب رسالت عطا کیا گیا تھا (تفسیر روح البیان)۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۝

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ تو میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو لے کر راتوں رات نکل چل، بلاشبہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ۝

پھر فرعون نے شہروں میں اکٹھا کرنے والے بھیجے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ۝

(یہ پیغام دے کر) بے شک یہ (بنی اسرائیل) تھوڑی سی جماعت ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ۝

اور بلاشبہ وہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَؕ

اور بلاشبہ ہم ہر وقت چوکنے رہنے والے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍۙ

پس ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکالا۔

وَّكُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍۙ

اور خزانوں اور بہترین قیام گاہوں سے۔

كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَؕ

اور اسی طرح ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ

چنانچہ سورج نکلتے ہی انہوں (فرعونیوں) نے ان کا پیچھا کیا۔

مقابلہ کے بعد کئی سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام تبلیغ کرتے رہے، لیکن فرعون کی ضد اسی طرح رہی، بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام اسرائیلیوں کو مصر سے نکال کر لے جانے کا حکم ہوا۔ آپ علیہ السلام نے اس حکم سے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا۔ دوسری طرف فرعون نے بھی اپنے فوجیوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا، وہ مصر کے تمام زرخیز علاقوں یعنی اپنے گھروں سے آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پیچھا کرنے کے بارے آگاہ کر دیا تھا۔ اس سفر کا ذکر دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ راتوں رات اسرائیلی گھروں سے نکل گئے اور عام راستے کے بجائے سمندر کے راستے کی طرف رخ کر لیا، رات اور مختلف راستے کا انتخاب فرعون کے پیچھا کرنے کی وجہ سے تھا، جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے کر دی تھی۔ فرعون کا لشکر ادھر اکٹھا ہوا کہ قوم بنی اسرائیل کو ختم کر دے گا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ان سب کے ہلاک ہونے کا بندوبست کر دیا تھا۔ جو قوم نبی کی تبلیغ کو نہیں مانتی بلکہ اس کے پیچھے چلنے والوں کو ہلاک کرنا چاہتی ہے، اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور یہی فرعونیوں کے ساتھ ہوا۔ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد، بنی اسرائیل کو طاقت اور قبضہ کی خوشخبری دی گئی اور وہ زمین مقدس یعنی فلسطین کا علاقہ تھا، جس کی طرف وہ سفر کر رہے تھے۔ فرعونیوں کے مرنے کے بعد جب ان کا لشکر تباہ ہو گیا، تو مصر میں بھی اور قوم قابض ہو گئی۔ کچھ علماء نے بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے، لیکن بنی اسرائیل تو اللہ احکام کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام فلسطین کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس کے بعد ممکن ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہو۔ جونہی دن نکلا فرعونیوں کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل رات کو نکل گئے ہیں انہوں نے اپنا لشکر اکٹھا کیا اور تلاش میں نکل پڑے۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَۚ

جب دونوں جماعتوں (گروہ) نے ایک دوسرے کو دیکھا تو اصحاب موسیٰ کہنے لگے یقیناً ہم تو پکڑے گئے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝

موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں: بلاشبہ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝

تب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مار تو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝

اور ہم دوسروں (فرعونیوں) کو قریب لے آئے۔

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور ہم نے موسیٰ اور جو ان کے ہمراہ تھے سب کو بچا لیا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝

پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور بے شک آپ کا رب ہی بہت غالب اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

بنی اسرائیل تیزی سے اپنے سفر پر رواں دواں تھے۔ آگے سمندر کا پانی تھا کیونکہ وہ راستہ اختیار کیا گیا تھے۔ ادھر فرعون اور اس کی فوج ان کی تلاش میں تھی اور وہ ان کے پیچھے پہنچے۔ ان کو بنی اسرائیل نے دور سے دیکھ لیا اور گھبرا گئے کہ آگے سمندر (پانی) ہے پیچھے اگر مڑتے ہیں تو فرعونیوں کی فوج قید کر لے گی۔ ان کی گھبراہٹ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور کر دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ جس کے حکم کے تحت یہ سفر ہے، اس نے ہمیں فرعون سے نجات دینی ہے، مشکل حل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنا عصا پانی پر ماریں۔ آپ علیہ السلام نے تعمیل کی اور عصا مارا تو پانی پھٹ گیا۔ روایات کے مطابق بارہ راستے نکل پڑے اور ان کے درمیان پانی کھڑا تھا جس طرح راستوں کے اطراف چٹان کھڑی ہوتی ہے یا ایک ہی بڑا راستہ تھا۔ زمین بھی تیز ہوا سے خشک ہو گئی۔ بنی اسرائیل کے قبیلے ان راستوں سے پار ہو گئے۔ جب بنی اسرائیل پار نکل گئے تو فرعونی لشکر پانی میں داخل ہو چکا تھا اور ان کے پیچھے اسی راستہ میں چل پڑا تھا، وہ سمجھے کہ وہ بھی پار نکل جائیں گے۔ جب درمیان میں پہنچے تو جو پانی جدا ہوا تھا، آپس میں مل گیا اور سارا لشکر پانی میں ڈوب گیا۔ اللہ کے نافرمان، ظلم کرنے والے، انسانوں کو غلام بنانے والے، قبطی فرعون کے لشکری سب تباہ ہو گئے اور فرعون بھی ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھنے اور ان کی دعاؤں

کی برکات سے فائدہ اُٹھانے کے باوجود قبطی کفر و ظلم پر رہے۔ فرعون کو معبود مانتے رہے، صرف چند افراد مسلمان ہوئے تھے۔ جن میں فرعون کی بیوی، اس کے والد اور ایک بڑھیا یا چند اور افراد تھے۔ ظلم اور نبی کی دعوت سے انکار کے نتیجے وہ سب ہلاک ہو گئے۔
یہ واقعہ دوسرے مقامات، سورۃ طٰہٰ، الاعراف، البقرہ میں بھی مذکور ہے۔

واقعہ کا مقصد اہل مکہ کی آنکھوں کو کھولنا تھا اور بتایا کہ بڑے اسباب اور قوت والے بادشاہ اگر ختم ہو کر درس عبرت بن سکتے ہیں، تو اہل مکہ صرف عام افراد ہیں۔ اس لئے نبی ﷺ کی دعوت پر غور کریں اور اس کو قبول کریں، ورنہ ان کا انجام بھی تباہی ہو گا۔ اللہ کی ذات بڑی طاقت والی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝

اور ان (کفار) کو ابراھیم کی خبر سنایئے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝

جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا: تم کیا پوجتے ہو؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝

انہوں نے کہا ہم بتوں کو پوجتے ہیں سو ہم ان کے لئے جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝

اس (ابراھیم) نے کہا، کیا وہ تمہیں سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝

یا وہ تمہیں نفع دیتے یا ضرر پہنچاتے ہیں؟

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝

اس (ابراھیم) نے کہا: کیا بھلا دیکھا تم نے جن کی تم عبادت کرتے آرہے ہو۔

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝

تم اور تمہارے پہلے باپ دادا۔

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بے شک وہ میرے دشمن ہیں (کوئی معبود نہیں) سوائے رب العالمین کے۔

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝

جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی میری رہنمائی کرتا ہے۔

وَ الَّذِیۡ ہُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَ یَسۡقِیۡنِ ۙ

اور وہی مجھے کھلاتا اور مجھے پلاتا ہے۔

وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَہُوَ یَشۡفِیۡنِ ۪ۙ

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

وَ الَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ ۙ

اور وہی مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔

وَ الَّذِیۡۤ اَطۡمَعُ اَنۡ یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓـَٔتِیۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ؕ

اور وہی جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز قیامت میری (ظاہری) خطائیں بخش دے گا۔

رَبِّ ہَبۡ لِیۡ حُکۡمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ۙ

اے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ۙ

اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

وَ اجۡعَلۡنِیۡ مِنۡ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیۡمِ ۙ

اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں بنا دے۔

وَ اغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ۙ

اور میرے باپ کو بخش دے بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔

قصہ حضرت ابراھیم علیہ السلام:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ہے چونکہ اہل مکہ اپنے آپ کو دین ابراھیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ دہرایا جا رہا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے قبیلہ کے افراد بتوں کی پوجا کر رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ان سے سبب پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ ان کے آباؤ اجداد ایسا کرتے آئے ہیں اس لئے وہ بھی ان کو پوجنا شروع ہو گئے۔

آپ علیہ السلام نے بتوں کی حقیقت بتائی کہ انسان کی بنائی ہوئی مورتیاں صرف مورتی ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ بات کر سکتے ہیں، ان کی عبادت کس قدر حماقت ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے بت پرستی کی دشمنی کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کا معبود رب العالمین ہے۔ جس نے سب کو پیدا کیا، وہی رزق مہیا کرتا ہے۔ تمام رزق کے ذرائع اس کے پیدا کردہ ہیں۔

اس لئے وہی کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میری بیماری کی حالت میں مجھے صحت عطا کرتا ہے۔ آپ نے بیماری کا سبب اپنے اعمال بتائے، یعنی انسانی غلط غذا کھانے، غلط کام کرنے کی بناء پر بیمار ہو جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے شفا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر دفاع کا بہترین نظام رکھا ہے، جو ہزاروں بیکٹیریا سے ہر وقت لڑ رہا ہے اور سخت بیماری کی صورت یا بڑھاپے میں کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی موت اور دوبارہ پھر زندہ ہونا بھی اسی کے حکم سے ہوگا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت وطاقت سے دعا کی، کہ وہ آپ کو نیکوں میں شامل کرے۔ آپ کو حکمت سکھائے اور آپ کو جنت نصیب فرمائے۔ آپ کے باپ کو بخش دے جو گمراہی پر تھے اور یوم قیامت رسوائی سے محفوظ فرمائے جس دن کوئی اور قوت فائدہ نہیں دے گی۔ آپ کے ذکر خیر کو دنیا میں آنے والی نسلوں کے درمیان قائم رکھے۔

"حکم" (حکمت) لفظ کی مختلف تعبیریں ہیں (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے علم (۲) عکرمہ نے عقل وفراست (۳) مجاہد نے قرآن کریم، (۴) سدیؒ، نے نبوت کی ہیں (ابن کثیر)۔ یہ سب انبیاء کی عظمت کے مظاہر ہیں۔

مرض سے مراد علماء وصوفیاً نے، مخلوق کی سختی اور شفا سے مراد، مشاہدہ حق لیا ہے۔ مرض سے مراد نفس کا زور اس کے مقابل شفا سے اللہ کی رحمت، مرض سے مراد گناہ اور شفا سے توبہ بھی لی ہیں۔ اسی طرح موت سے گناہ اور زندگی سے مراد اطاعت، موت سے خوف اور زندگی سے امید رحمت، موت سے مراد لالچ اور زندگی سے قناعت، اسی طرح موت سے عدل کی وجہ سے سزا اور زندگی سے مراد اللہ کے فضل سے معافی، موت سے مراد فراق وجدائی اور زندگی سے مراد وصال (تلقاً)، موت سے مراد جہالت اور زندگی سے مراد عقل لیا ہے۔ یہ تشریحات اہل صفا کے لئے ہیں جو روحانی (باطنی) امور سے متعلق ہیں (قرطبی)۔

دوا اور علاج:۔

بعض حضرات توکل اور تسلیم ورضا، کو بیماری کے علاج سے ملا دیتے ہیں اور علاج کو خلاف توکل سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی ترجیح ہے، لیکن نبی ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور آپ کی سنت کے خلاف ہے۔ (۱): آپ ﷺ نے پچھنہ (رگ کے ذریعے خون نکلوانا) لگوایا اور لگانے والے کو اجرت دی اور ناک میں دوا ڈلوائی (بخاری / مسلم)۔ (۲): اسی طرح ایک اور موقعہ پر ایک دیہاتی نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ کیا ہم دواؤں سے علاج کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دوا استعمال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے علاج کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے۔ سوائے ایک بیماری ہے کہ وہ بڑھاپا ہے (سنن ترمذی روایت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ)۔

غزوہ احد کے موقع پر نبی ﷺ کو چوٹ لگی تھی۔ اس کے لئے آپ کے چہرہ مبارک پر زخم کو دھویا گیا اور راکھ سے زخم بھرا گیا۔ نبی ﷺ نے کئی بیماریوں کے علاج تجویز فرمائے (۱): آپ ﷺ نے فرمایا کلونجی میں موت کے سوا ہر بیماری کے لئے شفاء ہے (بخاری)، جدید تحقیق نے کلونجی میں انٹی باڈیز کی بہت بڑی مقدار کی تصدیق کی، جو بیماری میں بہت مفید ہوتی ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا، کہ بخار جہنم کی گرمی کی شدت سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو (یعنی بخار کی گرمی جہنم کی

طرح ہے)۔ آپ ﷺ کی تجویز کردہ علاج کو "طب نبوی" کی کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ نے پرہیز کی بھی تاکید کی، تاکہ بیماری نہ لگے یا زیادہ نہ ہو۔ آپ ﷺ نے جسم کو غیر ضروری طور پر تھکان دینے سے منع فرمایا اور جسم کے حق یعنی آرام کی تاکید کی، اس لئے لگاتار روزے رکھنے سے سوائے فرض روزوں کے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ صحابہ کرام کو آرام اور عبادت دونوں میں توازن رکھنے کا حکم دیا۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ۝ اور مجھے رسوا نہ کرنا جس دن وہ (لوگ دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ جس دن نہ ہی کوئی مال یا اولاد نفع دے گی۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم لے کر اللہ کے حضور حاضر ہوا۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ اور جنت متقین کے لئے قریب کی جائے گی۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغٰوِیْنَ ۝ اور دوزخ کو گمراہوں کے لئے ظاہر کیا جائے گا۔

وَقِیْلَ لَهُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اور ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جنہیں تم پوجتے تھے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ یَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ ۝ اللہ کے سوا وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں یا وہ بدلہ لے سکتے ہیں۔

فَكُبْكِبُوْا فِیْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝ پھر وہ اور سب گمراہ اس جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔

وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝ اور ابلیس (شیطان) کے سارے لشکر بھی (ڈالے جائیں گے)۔

قَالُوْا وَهُمْ فِیْهَا یَخْتَصِمُوْنَ ۝ ۔۹۶ وہ کہیں گے جبکہ وہاں وہ جھگڑ رہے ہوں گے۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اللہ کی قسم! بے شک ہم ہی کھلی گمراہی میں تھے۔

اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔

وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اور ہمیں تو (انہی بڑے) مجرموں نے ہی بہکایا تھا۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۝ (اب) تو ہمارے لئے کوئی سفارشی نہیں ہے۔

وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۝ اور نہ کوئی مخلص دوست۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ کاش! ہم پھر ایک بار (دنیا میں) لوٹیں تو ہم مومنوں میں سے ہو جائیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ بے شک اس میں عظیم نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ اور بے شک آپ کا رب وہی غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی دعا کہ قیامت کا ہولناک دن ہو گا، دنیا کے مال ومتاع کے بدلے عذاب کم نہ ہو گا، نیکی کرنے کا وقت گذر چکا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ علیہ السلام نے اس دن رسوا ہونے سے پناہ مانگی ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام قوتیں ختم ہوں گی۔ ہمارے نبی ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ سے رسوائی سے پناہ مانگی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح وشام یہ دعا کرتے "اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل ومال میں عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! عیوب پر پردہ رکھ اور جن چیزوں سے مجھے خوف ہے ان سے مجھے محفوظ رکھ۔ اے اللہ میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور بائیں اور میرے اوپر (کے شر) سے مجھ کو محفوظ رکھ اور اس سے میں تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اپنے نیچے سے کسی شر میں مبتلا کیا جاؤں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کی مراد زمین میں دھنسنے سے ہے)۔ (ابو داؤد / ابن ماجہ)۔

نیک اعمال:۔

مال و اولاد کے نفع کے بارے وضاحت یہ ہے کہ اگر آدمی نیک نہیں تو اس کو اس کا مال و اولاد نفع نہیں دے گا، مگر جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے صدقہ دیتے ہیں، ان کا صدقہ وخیرات ان کو عذاب سے بچائے گا۔ حدیث مبارک ہے جو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکرے کو صدقہ کرنے سے (بخاری / ترمذی)۔ اور ایک حدیث مبارک ہے "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اس کے پاس بقدر ضرورت مال باقی رہے (یعنی سارا مال صدقہ میں نہ دے دے) اور پہلے ان پر خرچ کرے جس کی کفالت اس کے ذمے ہو (بخاری / مسند احمد)۔ اسی طرح نیک اولاد کے نیک اعمال کی وجہ سے مسلمان کو ثواب ملے گا۔

قلبِ سلیم:۔

قیامت کے دن قلبِ سلیم والے افراد کو اللہ تعالیٰ سے پناہ ملے گی۔ ایمان وہی لاتا ہے جس کا قلب سلیم ہوتا ہے۔ قلبِ سلیم کی تشریح کے بارے مختلف اقوال ہیں، جو کفر اور نفاق سے پاک ہو۔ ابن عباس / مجاہد اور قتادہ۔ ایک تشریح، جو عقائد فاسدہ، شہوات کی خواہشات سے پاک اور اعمال صالحہ کے اثرات جسم سے ظاہر ہوں۔ سفیان ثوری کے بقول جس میں غیر اللہ کی گنجائش نہ ہو۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق، خوف خدا سے بھرا ہوا۔ قلبِ سلیم کے درجہ ذیل اوصاف ذکر کئے گئے ہیں۔ (۱): شرک سے پاک ہو۔ (۲): نبی ﷺ ان کے اصحاب، قرابت دار صلحاء سے محبت ہو۔ (۳): دنیا سے کم دلچسپی اور آخرت سے رغبت زیادہ ہو۔ (۴): بے حیائی کے کاموں اور دیگر گناہوں سے نفرت کرے۔ (۵): کینہ وبغض سے خالی ہو۔ (۶): ہر مسلمان کا خیر خواہ ہو۔ (۷): ایثار واخلاص سے سرشار ہو۔ (۸): عبادات سے محبت کرے۔

جنت کو نیک افراد کے قریب کر دیا جائے گا۔ یعنی ان کا وہاں پہنچنا نہایت آسان ہو گا اور دوزخ کی ہولناکی مجرموں پر ظاہر کر دی جائے گی، جس کی وجہ سے وہ خوف میں مبتلا ہوں گے۔ دوزخ جانے سے پہلے وہ تمنا کریں گے، کہ کاش انہیں دوبارہ زمین پر دنیا کی زندگی ملتی اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے۔ دوزخ جانے پر وہ ان تمام افراد یا ذات یا اشیاء جن کو وہ معبود اور اللہ کے احکام سے آگے جانتے تھے ان سے لڑائی کریں گے کہ انہوں نے ان کو دھوکہ دیا اور آج ان کی پیروی کی وجہ سے عذاب بھگت رہے ہیں۔ وہ معبودوں سے لڑیں گے کہ ان کے کہے بغیر انہوں نے کیوں ان کی عبادت کی، یا کہ کہیں گے کہ انہوں نے خود عقل کیوں استعمال نہیں کی۔ ابلیس اور اس کے تمام پیروکار، (جنات وانسانوں میں سے) سب دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔ سارے اپنی گمراہی کا اقرار کریں گے اور کسی چھڑانے والے کی تمنا کریں گے، لیکن وہ پوری نہیں ہو گی۔ ایک دوسرے کو لعن وطعن کریں گے اور کہیں گے جن کو ہم اپنا لیڈر اور راہنما مانتے تھے وہ آج خود سزا بھگت رہے ہیں۔ لہٰذا ہمارا کوئی پرسان حال یا دوست نہیں اور ان کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

قریش مکہ ان سارے واقعات کے علم کے باوجود بھی کفر پر اٹکے ہوئے ہیں اور ایمان سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ طاقت والے، بہت رحم کرنے والے ہیں، فوری سزا نہیں دیتے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں؟

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۱۰۷ ۝ بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۝ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قصہ نوح علیہ السلام:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کیا ہے۔ آپ علیہ السلام نے قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ علیہ السلام ان میں پیدا ہوئے تھے، وہیں جوان ہوئے۔ آپ علیہ السلام کا کردار امین وصادق تھا۔ پھر آپ علیہ السلام نے رسول کا دعویٰ کیا اور انہیں بتوں کے بجائے خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کی۔ آپ علیہ السلام نے واضح کیا کہ یہ سارا عمل اللہ کے حکم سے ہے۔ اس پر کوئی معاوضہ نہیں صرف ان کی اصلاح ہے، آپ علیہ السلام کا صاف کردار ان کے سامنے ہے لہٰذا اللہ سے ڈریں اور اس کے احکام پر عمل کریں۔

قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا: کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ تیری پیروی تو پسماندہ لوگوں نے کی۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

اس (نوح) نے کہا میں کیا جانوں کہ ان کے عمل کیسے ہیں۔

اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ

ان کا حساب تو میرے رب کے ذمے ہے اگر تمہیں کچھ شعور ہو۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ

میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ

وہ (کفار) بولے اگر تو نہ رکا (تبلیغ سے) تو سنگسار کئے لوگوں میں سے ہو گا۔

قوم نوح کے لوگوں نے ایمان لانے سے چند وجوہ جن کی وجہ سے انکار کیا وہ (ا):۔انسانی تکبر ہے جو آدمی اچھے معاشی و سماجی حالات کی وجہ سے کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان کمزور ہیں لہذا ہم تمہارے کمزور لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ یعنی طبقاطیت تھی اور اس کی وجہ سے برابری نہیں کر سکتے۔ یہی معاملہ قریش کا تھا کہ کمزور مسلمان حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ اور صہیب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی وجہ سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا جواب تھا کہ ان کے اعمال اللہ کے پاس ہیں وہ باطنی امور کو دیکھتا ہے، لہذا میں ان کے ظاہری ایمان پر ان کو ساتھ رکھوں گا۔ اسلام میں بھی احکام انسان کے ظاہری اعمال پر ہوتے ہیں باطنی امور اللہ کے سپرد ہیں (نحکم بالظاہر واللہ تعالیٰ یتولی الاسرار۔ حدیث)۔

تکبر اور غرور کی وجہ سے ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اپنا سلسلہ تبلیغ نہ چھوڑا، تو ان کو سنگسار (پتھر مار کر ختم کر دینا) کر دیا جائے گا۔ یہ واقعات اس وقت مکہ کے مشرکین کے حالت کے مطابق تھے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ

نوح نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما اور مجھے اور جو میرے ہمراہ مومن ہیں، ان کو نجات دے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ

چنانچہ ہم نے اسے اور جو (لوگ) بھری کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان کو نجات دی۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝

پھر اس کے بعد ہم نے باقی سب غرق کر دیئے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

بے شک اس میں عظیم نشانی ہے اور ان کے اکثر مومن نہیں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

اور بلاشبہ آپ کا رب وہی غالب، بہت رحم والا ہے۔

جب قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام کو قتل کرنے کی دھمکی دی اور تیار ہو گئے، تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے نجاعت کی دعا کی۔ آپ علیہ السلام نے طویل عرصہ تقریباً 9 سو سال تک تبلیغ کی لیکن بہت تھوڑے لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے ذریعہ اس قوم کو تباہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ سارے مسلمان، حیوانات، حشرات پرندے وغیرہ جو کشتی جہاز نما تھی، پر سوار تھے اس لئے غرق ہونے سے بچ گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے اہم نکات یہ ہیں (۱)۔ لیڈر، نبی، مبلغ کا کردار انتہائی اعلیٰ ایماندار، امانت دار ہونا چاہیے۔ (۲)۔ تبلیغ و دعوت میں لالچ نہ ہو، بالخصوص نماز و قرآن مجید کی تدریس و امامت کا معاوضہ لینا صحیح نہیں، البتہ انتظامی امور کے لئے یا تدریسی (دوسرے مضامین، فقہ، سائنس) کے لئے معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بعد کے علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے آئمہ مساجد کو ذریعہ معاش تو مل گیا، لیکن تبلیغ دین میں آزادی پر معاش کی وجہ سے پابندی لگ گئی۔ (۳)۔ طبقاتیت، غریب لوگوں سے نفرت یا حقارت، اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں، جس کی بنیاد تکبر ہوتا ہے۔ (۴)۔ تبلیغ دین میں مشکلات و مصائب پیش آتے ہیں لیکن آخری کامیابی عدل، حق اور اللہ پر ایمان والوں کی ہوتی ہے۔ (۵)۔ نبی یا مبلغ کا تعلق اپنے معاشرہ یا قوم سے بھائی کی طرح ہوتا ہے، محبت، اصلاح اور بھلائی۔ (۶)۔ صادق اور امین، معجزات والے نبی کا انکار، گویا رسالت کا انکار ہے۔ (۷)۔ انبیاء نے سماجی (تکبر)، ظلم، دولت کی محبت، معاشی (ناپ تول)، طبی، (جنسی، لواطت) کے خلاف قوموں کو اللہ کے احکام بتائے کہ یہ اللہ کو ناپسند ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام و ابراھیم علیہ السلام کے واقعات، نزول سورت کے وقت مکہ کے مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و راہنمائی کے لئے تھے، جو انتہائی مصائب و تکالیف کا شکار تھے۔ اور آج بھی یہ واقعات انسانی معاشروں میں راہنمائی کے لئے ہیں۔

اہل مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ اگر رویہ نہ بدلا گیا تو ان کا انجام بھی قوم نوح کی طرح ہو سکتا ہے۔ بالاخر اہل مکہ نے شکست کھائی۔

كَذَّبَتْ عَادُ ا۟لْمُرْسَلِیْنَ ۝ۚۖ

(قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ۚ

جب ان کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے؟

اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ

بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ ۚ

پس اللہ سے ڈرو اور (میری) اطاعت کرو۔

وَمَاۤ اَسۡـئَـلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ

اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِيۡعٍ اٰيَةً تَعۡبَثُوۡنَ ۙ

کیا تم ہر اونچی جگہ پر بطور کھیل تماشا یادگاریں بناتے ہو۔

وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ‌ ۚ

تم مضبوط مکان (محل) بناتے ہو۔ شاید تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔

وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ‌ ۚ

اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو سخت جبر سے پکڑتے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ ۚ

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور (میری) اطاعت کرو۔

وَاتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ‌ ۚ

اور تم اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں ان چیزوں میں امداد دی۔

اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِيۡنَ‌ ۙ‌ۚ

اس نے تمہیں امداد دی (بڑھایا) مویشیوں اور اولاد میں۔

وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ‌ ۚ

اور باغوں اور چشموں میں

اِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ؕ

بلاشبہ میں تم پر یوم عظیم کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قَالُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡنَاۤ اَوَعَظۡتَ اَمۡ لَمۡ تَكُنۡ مِّنَ الۡوٰعِظِيۡنَ ۙ

انہوں نے کہا ہمارے لئے برابر ہے خواہ تو وعظ کرنے والوں میں ہو یا نہ ہو۔

إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ۝

اور یہ تو پہلوں کا (پرانا) طریقہ (رواج) ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝

اور ہم عذاب دیئے جانے والے نہیں۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝

پھر انہوں نے اسے جھٹلایا، تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ بلاشبہ اس میں عظیم نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

بے شک آپ کا رب، وہی غالب بہت رحم کرنے والا ہے۔

قصہ قوم عاد:۔

قوم عاد کا قصہ سنایا گیا۔ قوم عاد حضرت نوح علیہ السلام کے نسب سے عاد، ان کے جد اعلیٰ کے نام سے ہے۔ یہاں بھی حضرت ھود علیہ السلام کو قوم عاد کا بھائی کہا گیا۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کو کہا گیا تھا۔ وہی اوصاف ہیں، ایمان داری، اخلاق، بھلائی اور توحید کی طرف دعوت، بغیر کسی دولت، امارت، ذاتی لالچ کے سراسر خالص انسانیت / قوم کی فلاح و بھلائی کے لئے تھی۔ دوسری طرف قوم عاد کا علاقہ عربوں کا حصہ تھا۔ ان کے اجسام بہت طویل و قوی تھے۔ وہ بلند ٹیلوں پر محل نما مکان بناتے اور لہو لعب یعنی کھیل تماشے کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی معبودیت، قیامت اور موت کے بعد زندگی و حساب کتاب پر کوئی یقین نہیں تھا۔ آپس میں بھی لڑائی پر کمزور پر سخت ظلم کیا جاتا، جس کو حضرت ھود علیہ السلام نے منع فرمایا۔ مکانات پر زیادہ نمائش اور اسراف سے بھی منع کیا۔ ان کی زراعت، معاش و مویشی کافی تھے، جس کی وجہ سے خوب خوشحالی تھی۔ لیکن عدل و انصاف، اللہ کی تابعداری کا نام تک نہ تھا۔ حضرت ھود علیہ السلام نے عذابِ الٰہی سے ڈرایا، تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر ہی چلیں گے۔ آپ کے وعظ سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ وعظ کا کرنا اور نہ کرنا ہمارے لئے برابر ہے اور ہمیں کوئی عذاب نہیں ہو گا۔ جب انہوں نے اپنا کردار اور اعتقاد نہ بدلا، تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے آن لیا۔ سات دن بہت زور سے آندھی چلتی رہی اور وہ سب ہلاک ہو گئے، طویل القد تھے، ہوا گرا دیتی اور سر پھٹ جاتے اس طرح نشان عبرت بن گئے۔

اہل مکہ کے لئے یہ ایک درس تھا کہ وہ بھی انکار سے باز آئیں، ورنہ انجام ہلاکت ہے۔ اللہ کی طاقت کا مظاہرہ تھا، جو غالب و رحم کرنے والا ہے۔ عاد کا علاقہ حضر موت، یمن اور حجاز کے درمیان تھا۔ مکانات کی ضرورت کی حد تک اجازت ہے، البتہ نمود و نمائش اور اسراف کو اسلام نے منع کیا ہے۔ اسی طرح لہو لعب وہ کھیل ہیں، جو اللہ کی یاد، اچھے اخلاق اور انسان کو اس کی ذمہ داری سے محروم کر دیں۔ انسانی صحت اور جسمانی حفاظت کے لئے کھیل ضروری ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کھیلوں (نیزہ بازی، کشتی، دوڑ، گھوڑ

سواری، تیراکی) کی تاکید کی ہے۔ عورتوں کے لئے بھی کھیل اسی طرح ہیں لیکن مخلوط کھیل، جنسی فساد کی وجہ سے بالغ افراد میں منع ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۖۚ

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ۚ

جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ۙ

بلاشبہ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ۚ

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ؕ

اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا، اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیْنَ ۝ۙ

کیا تم یہاں کی چیزوں میں امن کے ساتھ رہتے رہو گے۔

فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ۙ

یعنی باغات اور چشموں میں۔

وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ۝ۚ

اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہیں۔

وَ تَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِهِیْنَ ۝ۚ

اور تم فخریہ پہاڑ کھود کر گھر بناتے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۝ۚ

پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ لَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ۙ

اور تم حد سے بڑھنے والوں کی اطاعت نہ کرو۔

الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَ لَا یُصْلِحُوْنَ ۝

جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح (بھلائی) نہیں کرتے۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝

انہوں نے کہا: تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کیا ہوا ہے۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

تم ہماری طرح ایک بشر (آدمی) ہو، اگر تم سچوں میں سے ہو تو کوئی (معجزہ) نشانی لاؤ۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

صالح نے کہا: یہ اونٹنی (معجزہ) ہے، (ایک دن) اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے (پانی) پینے کی باری ہے۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

اور تم اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرنا ورنہ تمہیں بڑے دن کا عذاب پکڑ لے گا۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝

چنانچہ انہوں نے اس کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ پھر وہ نادم (پچھتائے) ہوئے۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

پس ان کو عذاب نے پکڑ لیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور بے شک تمہارا رب وہی غالب اور بہت رحم والا ہے۔

قصہ قوم ثمود:۔

قوم ثمود کے واقعات کا ذکر ہے۔ یہ قوم حجاز اور شام کے درمیان علاقوں میں رہتی تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنی امانت و دیانت اور قوم سے محبت کے لئے بھائی کا لقب لیا۔ ان کو دنیا کے امور باغات، محلات اور پہاڑوں میں گھروں کی محبت اور دائمی زندگی کی خواہش کی ناکامی اور عارضی پن سے آگاہ کیا۔ قیامت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے احکام بتائے۔ اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ یہ تبلیغ و ہدایت ان کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس کا معاوضہ وہ اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ قوم سے ان کو کوئی لالچ نہیں، قوم عیش و عشرت میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ فساد کرتے، بھلائی کا کوئی خیال نہیں تھا، جبکہ معاشرے کے لئے بھلائی بہت ضروری ہے۔ قوم ثمود نے انکار کیا اور کہا آپ تو جادو زدہ لگتے ہیں۔ کیونکہ تمہاری باتیں عجیب ہیں۔ اور کوئی معجزہ دکھاؤ، تم تو ہماری طرح انسان ہو۔ شاید لوگ سمجھتے تھے کہ نبی ہونا طبعی انسان ہونے سے بڑھ کر ہے۔ آپ علیہ السلام نے ان کے مطالبہ کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے (پہاڑ پھٹ گیا) ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہوئی، آپ نے انہیں اونٹنی کے بارے ہدایت دی کہ اس کو چرنے اور گھومنے سے منع نہ کیا جائے۔ اونٹنی نے بچہ جنا۔ پانی پینے کے

لئے باری لگائی تا کہ تکلیف نہ ہو۔ چونکہ اونٹنی ایک معجزہ کے نتیجہ میں نکلی تھی، اس لئے اسے اللہ کی مہربانی ونشانی سمجھتے ہوئے کسی تکلیف دینے یا مارنے سے سختی سے منع کیا گیا، لیکن قوم ثمود اپنے غرور اور گھروں کی مضبوطی، اسراف اور فساد میں انتہائی درجہ تک پڑے ہوئے تھے۔ دو افراد نے اونٹنی پر حملہ کر کے اسے مار دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے۔ اللہ کے عذاب کی اطلاع دے دی۔ لوگوں کے چہروں کے رنگ بدلنے شروع ہو گئے، جس سے وہ گھبرا گئے کہ واقعی عذاب آرہا ہے لیکن توبہ کا وقت نکل چکا تھا۔ ان کے جرم کی ان کو سزا ملنی تھی۔ تیسرے دن ایک چنگھاڑ (سخت سپر سانک آواز جس سے انسان کے ہارمون ختم ہو جاتے ہیں، دل کی دھڑکن بند اور موت واقع ہو جاتی ہے) سے سارے کفار مر گئے۔ جو لوگ حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے وہ نکل گئے تھے۔ یہ سزا اس لئے بھی ملی تھی کہ وہ ان تمام نشانیوں ومعجزات کے باوجود ان میں اکثر لوگ وجود باری تعالیٰ اور قیامت پر یقین کرنے سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور عظمت کا اظہار تھا جس کے وہ منکر تھے۔ ان کے ہاں اسراف اور فساد بہت زیادہ تھا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ

قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ

جب ان سے ان کے بھائی (ہم قوم) لوط نے کہا: کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں۔

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ

بلاشبہ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ

پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۭ

اور میں اس (تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۙ

کیا تم (جنسی تسکین کے لئے) جہان کے مردوں کے پاس آتے ہو۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ

تم اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو جنہیں تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے بلکہ تم لوگ حد سے گزرنے والے ہو۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ

انہوں نے کہا۔ اے لوط! اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً نکالے جانے والوں میں سے ہو گا۔

قَالَ اِنِّیۡ لِعَمَلِکُمۡ مِّنَ الۡقَالِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾

(لوط نے) کہا: بے شک میں تمہارے (خلاف فطرت) عمل سے دشمنی رکھنے والوں میں سے ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِیۡ وَ اَہۡلِیۡ مِمَّا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

اے میرے رب! تو مجھے اور میرے اہل کو ان کے (برے) اعمال سے نجاعت دے۔

فَنَجَّیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾

پس ہم نے اسے اور اس کے سب اہل کو نجاعت دی۔

اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾

سوائے ایک بوڑھی عورت کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۱۷۲﴾

پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) سخت بارش برسائی، چنانچہ ڈرائے گئے لوگوں پر بدترین بارش تھی۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۴﴾

بے شک اس میں (بڑی) نشانی ہے اور ان کے اکثر ایمان لانے والے نہ تھے۔

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۷۵﴾

اور بے شک آپ کا رب ہی غالب ہے اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

قصہ قوم لوط:۔

حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراھیم کے بھائی، ناران بن آذر کے بیٹے تھے۔ آپ حضرت ابراھیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور پھر آپ کو رسول بنا کر قوم لوط کی طرف شام اور مصر کے درمیان سدوم کے علاقہ موجودہ اردن میں بھیجا گیا۔ یہ قوم بہت گناہوں میں مبتلا تھی۔ سب سے اہم گناہ ان کا عورتوں کے بجائے مردوں سے جنسی شہوت پوری کرنا تھا۔ جو ایک غیر فطری فعل ہے اور اعضاء کے فطری استعمال کے بجائے ناجائز استعمال کی وجہ سے حرام ہے۔ اس کے کئی انسانی صحت کے مضر اثرات ہیں، جن پر سورۃ ھود میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کو، اس قوم نے جھٹلایا، اس قوم کی خرابیوں کا ذکر اس طرح ہے کہ یہ قوم غلیل بازی، سیٹی بجانا، کنکر پھینکنا، دنداسہ چبانا، مرد کا مردوں سے جنسی عمل کرنا، کبوتر بازی، دف بجانا، شراب نوشی، داڑھی کاٹنا اور مونچھیں بڑھانا اور ریشم پہننے جیسے خرافات میں دھنسے ہوئے تھے (تاریخ دمشق بحوالہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ)۔ روایت میں یہ بھی ذکر ہے، کہ

امت محمدی ان اعمال کے علاوہ ایک اور کام زیادہ کرے گی۔ عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی، (تاریخ دمشق)۔(اخری اقوام کا عمل ہو گا)۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس قوم کو گمراہی سے روکنے کے لئے بہت کوشش کی، تبلیغ کی لیکن وہ اپنی ضد پر رہے، بلکہ حضرت ھود علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اپنی تبلیغ بند نہ کی تو ان کو شہر سے نکال دیں گے۔ آپ علیہ السلام ان سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ یا اجرت نہیں لیتے تھے، نہ مطالبہ کرتے بلکہ ان کی بھلائی کے لئے تھی تاکہ برائیوں کو ختم کیا جائے اور وہ عذابِ الٰہی سے بچ جائیں۔ لیکن قوم لوط دشمنی میں بہت آگے نکل گئی۔ آپ علیہ السلام کی بیوی بھی آپ علیہ السلام کے خلاف قوم کے ساتھ تھی اور گھر کی باتیں بتاتی تھی۔

جب آپ علیہ السلام نے ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے نجاعت طلب کی، تو آپ علیہ السلام کے ساتھ صرف تھوڑے سے افراد اور آپ علیہ السلام کے گھر کے افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زلزلہ اور اس کے ساتھ گرم پتھروں کی بارش کر دی، بستی الٹ گئی، سارے مر گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو ان کے خلاف تھی، وہ بھی ختم ہو گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام اور گھر کے دوسرے افراد عذاب کے آنے سے پہلے رات کو نکل گئے تھے۔ اس طرح قوم لوط ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ یہ لوگ بالکل ایمان لانے والے نہ تھے۔ اس لئے تباہ ہوئے اور دوسروں کے لئے درس عبرت بنے۔

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَیۡكَةِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝ۖۚ

اصحاب ایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَیۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ۚ

جب ان سے شعیب نے کہا: تم ڈرتے نہیں۔

اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۝ۙ

بے شک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۝ۚ

لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ؕ

اور میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَوۡفُوا الۡكَیۡلَ وَ لَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُخۡسِرِیۡنَ ۝ۚ

تم ناپ پورا پورا کرو اور خسارہ (کم) دینے والوں میں نہ بنو۔

وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ۝ۚ

اور تم بالکل سیدھی ترازو (پورا پورا) تولو۔

وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ‌ۚ

اور تم لوگوں کو اشیاء کم نہ دو اور نہ تم زمین میں فساد کرتے پھرو (دوڑو)۔

وَاتَّقُوا الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ وَالۡجِـبِلَّةَ الۡاَوَّلِيۡنَ ؕ

اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔

قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَۙ

انہوں نے کہا: تو سحر زدہ (جن پر جادو ہو) لوگوں میں سے ہے۔

وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ‌ۚ

اور تو ہماری طرح بشر ہی تو ہے۔ اور بلاشبہ تجھے جھوٹوں میں خیال کرتے ہیں۔

فَاَسۡقِطۡ عَلَيۡنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ؕ

پس اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے۔

قَالَ رَبِّىۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ‏

اس (شعیب) نے کہا: میرا رب خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَاَخَذَهُمۡ عَذَابُ يَوۡمِ الظُّلَّةِ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ‏

چنانچہ انہوں نے اسے (شعیب) کو جھٹلایا تو انہیں سائے والے دن کے عذاب نے آن پکڑا، بے شک وہ بہت بڑے (بھاری / سخت) دن کا عذاب تھا۔

اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً‌ ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان والے نہ تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ‏ ۚ

اور بے شک تمہارا رب ہی ضرور غالب ہے، بہت رحم والا ہے۔

قصہ شعیب علیہ السلام:۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اصحاب الایکہ کا مختصر ذکر پہلے سورۃ الحجر (آیت 78 تا 84) میں گذر چکا ہے۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ اصحاب الایکہ اور اصحاب مدین الگ الگ قومیں ہیں یا ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ سورۃ الاعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحاب مدین کا بھائی ذکر کیا گیا ہے اور اصحاب الایکہ میں اخوھم کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اوصاف کے لحاظ سے ایک جیسے ہی کردار ہیں اور نصیحت بھی ایک جیسی دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ الگ الگ قومیں اور علاقے بھی الگ الگ ہوں۔ مدین کی آبادی شمالی حجاز سے فلسطین کے جنوب تک بحر قلزم اور خلیج عقبہ کے ساحلوں پر پھیل گئی۔ اصحاب الایکہ سے مراد ایکہ یعنی سرسبز

درختوں کے جھنڈ کے علاقہ والے لوگ۔ یہ علاقہ زراعت و تجارت میں بہت آگے تھا۔ لیکن لوگ بہت فسادی تھے۔ ناپ تول میں بہت بے ایمانی کرتے یعنی دیتے وقت کا پیمانہ کم تھا اور مال لینے والا پیمانہ بڑا استعمال کرتے۔ راستوں سے گذرنے والوں کو خوفزدہ کرتے، ڈاکے ڈالتے، ایک روایت ہے کہ "الایکہ" ایک درخت تھا جس کے گرد بہت گھنے درخت تھے، اس کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ علیہ السلام نے حکم دیا کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے انسانوں کو پیدا کیا، اس کا کوئی شریک نہ بناؤ، ناپ تول صحیح کرو، کمی وزیادتی نہ کرو، راستے سے گذرنے والوں کو پریشان نہ کرو اور ڈاکے نہ ڈالو۔ کچھ لوگ ایمان لائے، لیکن اکثر نے کفر جاری رکھا۔ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کے احکام ماننے کے بجائے کہا، کہ تم آسیب زدہ یا جادو زدہ ہو اور صحیح کلام نہیں کرتے۔ انہیں جھٹلایا اور کہا اگر سچے ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ۔ وہ برابر گمراہی پر اڑے رہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے دعا کی اور سخت گرمی پڑی، سات دن سخت دھوپ پڑی اور ہوا کا چلنا بند ہو گیا جس کی وجہ سے گرمی ناقابل برداشت ہو گئی۔ وہ گھنے درختوں کے عادی تھے اور گرمی برداشت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے گھٹا (گہرا بادل) بھیجا، جس نے آسمان کو گھیر لیا اور سورج کی شعائیں زمین پر پہنچنے سے رک گئیں۔ وہ سایہ کی طرف گرمی سے بچنے کے لئے پہنچے اور جمع ہو گئے۔ ٹھنڈک تھی خوش ہوئے اچانک بادل سے بجلی چمکی اور آگ برسنی شروع ہو گئی اور سارے کے سارے جل کر بھسم ہو گئے۔ یہ عذاب یوم الظلہ تھا اور ان کے لئے ہولناک دن تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ کل مومنین کی تعداد نو سو (900) تھی جو بچ گئے (قرطبی)۔

تمام انبیاء جن کا ذکر اس سورت میں ہے، کے پیغامات اور حالات سے اہم نکات یہ ملتے ہیں۔ (۱)۔ تمام انبیاء اپنی قوم کے لئے محبت و اخلاص رکھتے تھے، بھائی کا لقب استعمال ہوا۔ (۲)۔ تمام انبیاء کا کردار انتہائی اعلیٰ، سچائی، دیانت اور عدل والا تھا۔ (۳)۔ تمام انبیاء اپنی دعوت میں مخلص تھے اور کوئی مادی یا مالی فائدہ قوم سے حاصل نہیں کرتے بلکہ اعلان کرتے کہ ان کا معاوضہ یا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ تو صرف حکم بتانے والے ہیں (قرآن و نماز کے لئے معاوضہ صحیح نہیں اگرچہ رواج موجود ہے)۔ (۴)۔ انبیاء کی، سرکش اور حکمران طبقہ، پوری مخالفت کرتا ہے۔ (۵)۔ تکبر اور مادی اسباب کی کثرت، احکام خداوندی سے انسانی بغاوت کا ایک سبب ہیں۔ (۶)۔ جب مایوسی آخری انتہا کو پہنچ گئی تو انبیاء نے عذاب اور اپنی نجاعت کی درخواست کی۔ (۷)۔ احکام خداوندی سے انکار اور ان پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ انسانی معاشرہ کی تباہی ہے۔ (۸)۔ انبیاء نے توحید کے علاوہ عدل، معاشی مساوات، امن، محاسن اخلاق، قیامت اور جزا و سزا کا پیغام دیا۔

نقشہ قوم لوط / شعیب

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ

اور بلاشبہ یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ۝

روح الامین اسے (قرآن کو) لے کر نازل ہوا۔

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝

آپ کے قلب پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝

واضح (صاف صاف) عربی زبان میں۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور بلاشبہ اس (قرآن کا ذکر) پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

کیا ان (کفار مکہ) کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء بھی اس (قرآن یا صاحب قرآن) کو جانتے ہیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝

اگر ہم اس (قرآن) کو کسی عجمی زبان پر نازل کرتے۔

فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝

پھر وہ اس (قرآن) کو ان پر پڑھتا، تو بھی وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اسی طرح ہم نے مجرموں کے دلوں میں ان کے انکار (تکذیب) کو داخل کر دیا۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

وہ اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

چنانچہ ان پر اچانک وہ عذاب آئے گا اور ان کو اس کا شعور بھی نہ ہو گا۔

فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝

پھر (اس وقت) وہ کہیں گے کیا ہمیں کچھ مہلت مل سکتی ہے؟

انبیاء سابقہ کے واقعات کفار مکہ (قریش) کے لئے بیان کئے، تاکہ سابقہ انبیاء کے حالات جاننے کے بعد غور و فکر کریں۔

قریش مکہ قرآن مجید اور نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے، قرآن مجید کو جنات یا سحر زدہ کلام کہتے۔ کبھی کہتے کہانت کے واقعات

ہیں۔ اس کی تردید کی گئی اور شواہد بیان فرمائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے کسی کاہن یا جن سے آمد شدہ نہیں۔ اس کو نازل کرنے میں بڑی احتیاط اور حفاظت کی گئی۔ سب سے معزز فرشتہ جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل کیا گیا جو کہ اپنی امانت اور قوت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جنات یا شیطان اس طرح اس کلام سے نہ کچھ چرا سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں اور اس کی مثل بنانے کا چیلنج بھی دیا گیا، جس میں قریش مکہ ناکام رہے۔ یہ کلام پاک عربی زبان میں واضح ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نبی ﷺ کے دل (قلب) یعنی وہ حصہ جہاں علم و سمجھ اور معلومات کا ذخیرہ کیا جاتا ہے، نازل کیا۔ اس سے مراد موجودہ طبی سائنس میں دماغ ہے۔ پرانے علم وادب میں دل تھا۔ اگرچہ دل جسم میں خون کی سپلائی کا عمل پیدا کرتا ہے لیکن تمام جسم میں محرکات کا مرکز دماغ ہے اس لئے جن علماء نے اس سے دل مراد لیا مقصود مرکز تحکم و عمل ہے۔ جب قرآن پاک بذریعہ جبرئیل علیہ السلام نازل ہوا اور جس طرح نازل ہوا۔ آپ ﷺ کے دل (دماغ) میں ثبت (محفوظ) ہو گیا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام تک پہنچایا۔ اس کلام کے پیغام پہنچانے سے آپ ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگ گناہوں سے بچ کر اپنے آپ کو دوزخ سے محفوظ کریں۔ نقصان سے حفاظت یا بچنا کسی چیز کے فائدہ اُٹھانے سے زیادہ اہم ہے، اس لئے آپ کی ڈرانے کی ذمہ واری پہلے بیان کی گئی۔ اس پیغام میں پچھلی امتوں کے واقعات ہیں جو تاریخی حقیقت ہیں۔ ان کو وہ کسی طرح بیان کر رہے۔ یہ اللہ کی طرف سے وحی ہے کیونکہ نبی نے تو کہیں تاریخ یا ویسے لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔

کفار مکہ (قریش) کی اطلاع کے لئے اس نبی اور اس کلام کا ذکر پرانی آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ اسی طرح علماء بنی اسرائیل کو بھی نبی آخر الزماں کی آمد کی اطلاع ہے۔ لہٰذا یہ نبی اللہ کے سچے اور واجب الاتباع نبی ہیں۔ قرآن مجید کی طرح الہامی پیغام، پرانی الہامی کتابوں توریت، زبور، انجیل میں بھی ہے۔ یعنی توحید، آخرت، جزاوسزا، جنت ودوزخ کے بیانات ہیں۔

ترجمہ قران (کلام آلٰہی)۔

آیت نمبر 198 سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص عربی نہیں بول سکتا، تو جب تک عربی نہ بول سکے قرآن مجید کا ترجمہ نماز میں پڑھ سکتا ہے۔ لیکن معذوری کے علاوہ ممنوع ہے۔ جب عربی بول سکنے کی قوت آجائے گی، تو یہ اجازت ختم ہو جائے گی اور عربی زبان میں تلاوت لازمی ہو گی۔ اگر عربی زبان کا ضروری علم نہ ہو تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اس کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا یا صرف ترجمہ پڑھنا بہت ضروری ہے تاکہ احکام کا پتہ چل سکے لیکن قرآن مجید وہی ہے جو عربی زبان میں ہے۔ باقی ترجمہ یا تفسیر ہوں گے، قرآن نہیں ہوں گے۔

قرآن مجید، عربی فصیح اور واضح زبان میں نبی ﷺ جو عربی النسل تھے، پر نازل ہوا۔ اگر کسی عجمی (غیر عرب) پر نازل ہوتا، تو قریش اس سے انکار کر دیتے اور اس پر ایمان نہ لاتے۔ لیکن اب نبی العربی کی زبان پر بھی اس کو ماننے سے بہانے کر رہے ہیں۔ دراصل ان کے دل یعنی دماغ میں تکبر، حسد اور جہالت کی وجہ سے ایک ضد پیدا ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ قبول حق سے منکر ہیں اور اس انکار پر اصرار کی وجہ سے کفر، ان کا مقدر بن گیا ہے۔ اب وہ عذاب کو دعوت دیتے ہیں اور جب اچانک عذاب

دیکھیں گے، تو انہیں کلام الٰہی کی سچائی کا یقین آئے گا۔ ڈر اور خوف سے وہ اس کا اقرار کریں گے اور مزید عمل کے لئے مہلت مانگیں گے جو ان کو، نہیں ملے گی۔

اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

کیا وہ لوگ ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں۔

اَفَرَءَیۡتَ اِنۡ مَّتَّعۡنٰهُمۡ سِنِیۡنَ ﴿۲۰۵﴾

بھلا آپ دیکھیں تو! اگر ہم انہیں کئی برس (دنیا کا) فائدہ دیں۔

ثُمَّ جَآءَهُمۡ مَّا کَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾

پھر وہی عذاب ان پر آجائے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔

مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یُمَتَّعُوۡنَ ﴿۲۰۷﴾

تو وہ سامان (عیش) جن سے وہ مزے اُڑا رہے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔

وَ مَاۤ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا لَهَا مُنۡذِرُوۡنَ ﴿۲۰۸﴾

ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا (تو پہلے) اس کے عذاب سے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے۔

ذِکۡرٰی ۛ وَ مَا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۰۹﴾

ان کو یاد کرانے کے لئے اور ہم ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے۔

پچھلی امتوں اور کفار مکہ بھی نبی ﷺ کے ڈرانے پر کہتے کہ جو عذاب لانا ہے لا کر دکھائیں اور اپنی عیش کی زندگی پر خوش تھے۔ ان سب تباہی و عذاب کے واقعات میں، اللہ تعالیٰ نے ان معاشروں کی طرف اپنے انبیاء بھیجے تھے۔ انہوں نے ان کو ڈرایا، جنت و دوزخ کے بارے احکامات دیئے۔ لیکن انہوں نے اس انتباہ اور ڈرانے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ انبیاء کے ساتھ ان پر ایمان لانے والے بھی ڈراتے رہے لیکن وہ سراسر نافرمانی میں ڈوبے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کئی سال تک مہلت دی۔ انبیاء کی دعوت سے انکار کے بعد بھی وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ پھر ان کو عذاب نے ختم کر دیا اور یہ مہلت اور سامان عیش و عشرت، دنیاوی طاقت و عظمت کچھ کام نہ آئی اور وہ تباہی کا شکار ہو گئے۔

عدل کی اہمیت:۔

یہ اللہ کا نظام عدل ہے کہ انسانوں کو اختیار، پھر آگاہی یا وارننگ اور مہلت دی جاتی ہے اور جب وارننگ پر مسلسل عمل نہ ہو اور نبی بد عا کرے تو عذاب آتا ہے۔ حالانکہ جو انعام انسانوں کو دنیا میں دیئے گئے ہیں، ان کی بناء پر ان پر عذاب کسی وقت بھی دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کا مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں ہر طرح کا عمل کر سکتا ہے، کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور ظلم بھی نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ عدل کو پسند کرتے ہیں، اس لئے گناہ پر عمل کے بعد ہی سزا دی جاتی ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ آیت میں

بستی سے مراد انسانی جسم ہے اور رہنے والوں سے مراد نفس (جسم و قلب) اور روح ہے اور ہلاک سے مراد یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے، برائی سے نہیں رُکتے، نیکی کے اعمال نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ نے جو انسان کے نفس (دل و دماغ) میں نیکی کی صلاحیت پیدا کی ہے، وہ ضائع کر دیتا ہے اور یاددہانی کرانے والے سے مراد انسان کے اندر نفس لوامہ کہ قوت ہے جو اس کو برائی پر ملامت کرتا ہے اور جھنجھوڑتا ہے۔ جب انسان اس پر توجہ نہیں کرتا تو ضمیر مردہ ہو جاتا ہے پھر کوئی آواز نہیں آتی، نیکی کی استعداد اور صلاحیت ضائع ہو جاتی ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

قریش / کفار مکہ کو اس سے آگاہ کیا جا رہا ہے تا کہ وہ اپنا رویہ ٹھیک کریں اور نبی ﷺ اور قرآن پر ایمان لا کر احکام بجا لائیں ورنہ ان کا بھی اسی طرح انجام ہو گا۔ (یہ پیغام پہلے بھی دیا گیا ہے)۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ

اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے۔

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ

بے شک وہ (شیاطین) اس (کلام) کے سننے سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

دوبارہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے بارے دلائل ہیں۔ کفار مکہ قران کو نبی ﷺ کا سحر زدہ کلام یا کہانت کہتے، جو جنوں کے ذریعے آتا ہے۔ اس کی تردید کی گئی کہ شیاطین یا جن اس طرح کا کلام یا قرآن مجید کو چرانے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔ یہ ان کی طاقت سے باہر ہے۔ شیاطین یا جن، فساد کو بھڑکاتے ہیں، جب کہ کلام الٰہی انسانوں کے لئے سراپا ہدایت اور فساد و منکرات سے بچاتا ہے۔ شیاطین نزول وحی کے وقت بھی کوئی دخل نہیں دے سکتے۔ یہ کلام الٰہی ہے اس کے واقعات، انداز، مقاصد سے واضح ہے، قریش کو یہ غلط الزام بند کرنا ضروری ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ

پس (اے نبی) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو ورنہ آپ عذاب پانے والوں میں ہوں گے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

اور آپ قریبی رشتہ داروں کو (عذاب سے) ڈرائیں۔

آیت مبارکہ میں خطاب تو نبی ﷺ کو ہے لیکن اس سے مراد تمام امت ہے۔ چونکہ آپ امت کے سربراہ ہیں اس لئے آپ ﷺ کو یہ کہا گیااور دوسری طرف یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی نبی، جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے محفوظ اور انتہائی اعلیٰ مقام عطا کرتے ہیں، ان سے بھی یہ عمل سرزد ہو جائے تو عذاب پانے والوں میں ہوں گے۔ اس سے مقصود اس عمل سے بچنے کی شدید ضرورت ہے (قرطبی)۔

ساتھ ہی جہاں توحید کا حکم تھا وہاں اسے عوام تک پھیلانا بھی تھا اور اس کی ابتداء کا حکم اپنے قریبی رشتہ داروں سے دیا گیا۔ یہ لفظ جماعت کو ظاہر کرتا ہے جو اپنی ذاتی فیملی سے بڑھ کر قریبی رشتہ داروں تک ہوتا ہے۔ اس آیت سے ایک اصول بنایا گیا ہے، کہ الاول فالاول۔ یعنی جو رشتہ میں سب سے اول ہے اس کو پہلے رکھا جائے، الاقرب فالاقرب اور قریب ترین ہے اسے بھی پہلے رکھا جائے۔ یعنی گھر، خاندان، رشتہ دار، اور ہمسایوں سے نیکی کی ابتداء ہونی چاہیے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے قریش مکہ کی جماعت! اپنی جانوں کو خرید لو (عذاب سے بچاؤ)، میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکتا (یعنی اگر تم اپنے کفر اور شرک پر قائم رہے تو میں تم کو عذاب سے ذرہ برابر بھی نہیں بچا سکتا)۔ اے عبد مناف! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی بچا نہیں سکتا۔ اے صفیہ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی)! میں تم کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی بچا نہیں سکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال سے جس چیز کو چاہو سوال کرو میں تم سے اللہ کے عذاب کو بالکل دور نہیں کر سکتا، (بخاری / مسلم / نسائی)۔

اسی طرح آپ ﷺ نے صفاء کے پہاڑ پر چڑھ کر تمام اہل مکہ کو آواز دی اور سب لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ بتاؤ کہ اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا بڑا لشکر اس پہاڑ کے پیچھے کھڑا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا، ہم نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، اس لئے ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے مجھے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ اس پر ابو لہب (اس پر اللہ کی لعنت ہو) نے کہا: تبالک الھذا اجمعتنا: تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہمیں اس کے لئے بلایا تھا۔ اس کے جواب میں سورۃ "تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّتَبَّ" نازل ہوئی۔

نبی ﷺ تمام انسانوں کے لئے نبی یعنی بشیر و نذیر اور رحمت للعالمین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت کے علماء کا فرض ہے اور پھر افراد امت کا بھی ذمہ ہے کہ اللہ کے پیغام کو لوگوں کی بھلائی کے لئے پہنچائیں۔ ہدایت کا دینا اللہ کے ذمہ ہے (آیاتِ قرآن و متعدد احادیث)۔

وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۱۵﴾

اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع (پیروی) کریں ان کے لئے اپنے (رحمت کے) بازو جھکائے رکھیں۔

فَاِنۡ عَصَوۡکَ فَقُلۡ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾

پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے: بلاشبہ تم جو کچھ کر رہے ہو میں اس سے بری ہوں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝

اور آپ (اللہ) غالب ومہربان پر توکل رکھیں۔

تبلیغ دین میں مشکلات اور ان سے مقابلہ کے لئے ہدایات ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان کے ساتھ معاملات کی ہدایات ہیں، کہ محبت وپیار سے ان کو پروں کے نیچے لے لیں (پر پھیلا دینا یعنی پروں کے نیچے لے آنا)، ان کی دل گیری اور مشکلات و مصائب میں حوصلہ افزائی کریں۔ کسی کمی و بیشی سے درگذر کریں اور جو لوگ آپ ﷺ کے قبیلہ خاندان سے ہیں اور آپ کے ڈرانے کو نہیں مانتے اور اللہ کے احکام یا آپ کے پیغام پر عمل نہیں کرتے، توان کو بتادیں کہ وہ اپنے اعمال کا حساب دیں گے اور آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، آپ ان کے اعمال سے بَری ہیں۔ تبلیغ کی جدوجہد میں اللہ پر توکل کریں یعنی اپنے اعمال کی کوشش کے ساتھ اس کے نتائج کے لئے اللہ پر بھروسہ کریں۔ مخالف افراد کا خوف نہ کریں بلکہ اللہ بھروسہ کریں۔

توکل:۔

توکل کا معنی کسی چیز کے حصول کے لیے اسباب فراہم کرنا، حصول کی جدوجہد کرنا اور آخری نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دینا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اونٹنی کو باندھ کر توکل کرو (سنن ترمذی)۔ امام ابو حامد غزالی نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ توکل کا معنی ہے کہ بدن سے کسب اور کوشش کو ترک کر دینا اور دل سے تدبیر کو ترک کرنا اور انسان زمین پر اس طرح پڑا رہے، جیسے زمین پر کوئی کپڑے کا ٹکڑا پڑا ہو یا گوشت کی بوٹی پڑی ہو۔ یہ جاہلوں کا گمان ہے اور ایسا توکل کرنا شریعت (اسلام) میں حرام ہے۔ شریعت (اسلام) نے توکل کرنے والوں کی تعریف کی ہے تو حرام کام پر تعریف کیسے ممکن ہے۔

توکل کا معنی یہ ہے، کہ بندہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے عمل کو پورا کرے اور جدوجہد کرے۔ اللہ تعالیٰ پرندوں کو جو صبح توکل پر نکلتے ہیں، دن میں رزق کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑتے ہیں، پھر دن کو ان کو رزق ملتا ہے، پیٹ بھر کر شام کو واپس آتے ہیں۔ اسی طرح علاج ومعالجہ بھی توکل کے خلاف نہیں بلکہ سنت نبوی ہے۔

صوفیاء میں محققین نے توکل کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسباب کو اختیار کرنا ضروری کہا ہے۔ لیکن جب انسان صرف اسباب پر انحصار کرے اور مطمئن ہو جائے تو یہ توکل نہیں، بلکہ یقین کرے کہ یہ اسباب کلی طور پر مؤثر نہیں اور اصل نتیجہ مشیت الٰہی کے مطابق ہو گا۔ بعض صوفیاء نے تمام امور کو ترک کرنے اور صرف تقدیر پر بھروسہ کو توکل کہا ہے لیکن نبی ﷺ کی سنت کے خلاف ہے۔ آپ ﷺ نے اعلیٰ جدوجہد اور اعلیٰ درجہ پر توکل کی۔ اللہ کی ذات طاقت، قوت والی ہے اور اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔

الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝

جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (اکیلے نماز میں) قیام کرتے ہیں۔

وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ۝

اور آپ کی نقل و حرکت کو سجدہ کرنے والوں میں بھی (دیکھتا ہے)۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝

بلاشبہ وہی خوب سننے والا، بڑا جاننے والا ہے۔

اظہار عبودیت میں نماز کی صورت اعلیٰ ترین ہے۔ جس میں قیام، رکوع اور سجود ہیں۔ فرائض نماز کے علاوہ نوافل میں رات کی نماز یعنی تہجد بڑی فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ پہلے پہل تہجد (قیام اللیل) کی نماز واجب تھی، جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی۔ رات کی نماز کے اوقات کا ذکر ہے، کہ ہم آپ کو سجدوں میں دیکھتے ہیں اور آپ اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں، کہ قیام اللیل کی نماز کو پڑھا جائے۔ آیت مبارکہ میں نماز کے سجدوں کا اور اس کو دیکھنے کا ذکر نماز کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، رات کے قیام کو ترک نہ کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ رات کے قیام کو ترک نہیں کرتے تھے اور آپ ﷺ جب بیمار ہوتے یا تھکے ہوئے ہوتے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے تھے (سنن ابو داؤد)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب درد یا کسی اور وجہ سے نبی ﷺ کی تہجد کی نماز قضا ہو جاتی تو آپ دن میں بارہ رکعت پڑھتے تھے (صحیح المسلم۔ صلوٰۃ المسافرین)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسے عمل کی خبر دیجیے کہ جب اسے کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم بلند آواز سے سلام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو رات کو اُٹھ کر نماز پڑھو، پھر سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ۝ؕ

کیا میں تمہیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ۙ

وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے گناہگار پر نازل ہوتے ہیں۔

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۝ؕ

وہ سنی سنائی باتیں پہنچاتے ہیں اور ان میں اکثر جھوٹ ہوتے ہیں۔

کاہن، پیش گو:۔

قریش مکہ قرآن مجید کو کاہن کا کلام کہتے، کبھی نبی ﷺ کو سحر زدہ کہتے، کیونکہ پرانے واقعات اور جنت و دوزخ کے بارے اخبار و معلومات تھیں۔ اس کا رد فرمایا، کہ کاہن جو مستقبل کی باتیں کرتے ہیں، وہ شیطان یا جنوں کے ذریعے گناہ اور فساد کے بارے ہوتی ہیں۔ کاہن کچھ اخبار جنوں سے لے کر اسے بڑھا دیتے ہیں اور کچھ سچ بھی نکل آتا ہے۔ نبی ﷺ کی ذات تو انسانی محاسن اور معاشرے میں سلامتی اور بہتری کا پیغام تھا، جبکہ شیطان تو فساد اور نفرت لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ اس زمانے میں کاہن مستقبل کی خبریں دیتے تھے اور شاید بعض جنات سے ان کو واسطہ ہوتا ہے، جس سے کچھ خبر لے کر وہ اسے مزید موڑ توڑ کر بیان کر کے لوگوں کو متاثر کرتے تھے۔ ان کو بعض اوقات عُراف (یعنی جاننے والے) بھی کہتے یہ چوری شدہ / گم شدہ اشیاء کے بارے معلومات دیتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کاہنوں کے بارے سوال کیا: آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ بعض اوقات ہمیں کوئی بات بتاتے ہیں اور وہ سچ نکلتی ہے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ سچی بات وہ ہے جو ان کے پاس جن پہنچاتا ہے۔ جن ان کے کان میں وہ بات ڈال دیتا ہے، جس کے ساتھ وہ کئی جھوٹ ملا دیتے ہیں (بخاری / مسند احمد)۔

نجومیوں / کاہنوں / عُراف سے مستقبل کے بارے معلومات حاصل کرنے سے احادیث میں شدید منع آیا ہے۔

احادیث میں ستاروں کے فوائد، زینت اور راتوں کو روشنی، اطراف کے تعین بالخصوص سفر سمندری ہو، ہوائی یا بری اور پھر شہاب ثاقت کے ذریعے جنات کو آسمان دنیا سے آگے جانے پر رکاوٹ ہے۔ یہ حدیث کے مطابق احکام الٰہی، حاملین عرش کے ذریعے، ساتوں آسمان سے نیچے آتے ہیں اور فرشتے ان سے پھر آگے نچلے آسمان تک لاتے ہیں۔ آسمان دنیا سے جب نیچے جاتے ہیں، تو جنات ان کو کان لگا کر سنتے ہیں، ان کو روکنے کے لئے شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔ اگر کوئی خبر جنات کو مل جائے تو وہ دوستوں (کاہنوں / عاملوں) تک پہنچا دیتے ہیں۔ پھر جو خبر برحق ہو بعینہ وہی ہو، اس میں جنات کچھ ملا دیتے ہیں الٹ پلٹ کر دیتے ہیں (صحیح مسلم / ترمذی)۔

ستارے اللہ کی مخلوق (اجسام) ہیں، ان کو خاص مقاصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ یقیناً ان مقاصد کے حصول میں ان کی قوت یا روشنی یا حرارت استعمال ہوتی ہے اور سبب کے بعد مسبوب (نتیجہ) بن جاتا ہے۔ لیکن یہ سارا، اللہ کے نظام، جو معین اور منظم ہے، اس کے تحت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اسلام میں، نظام کائنات میں دلائل خداوندی کے مطابق ہے۔ اگر کوئی فرد یہ یقین کرتا ہے کہ ستارے از خود فیصلہ کر کے کام کرتے ہیں تو وہ غلط ہے اور ایمان سے نکل گیا، کیونکہ شرک سرزد ہو گیا۔ چونکہ انسان نفسیاتی طور پر ضعیف ہوتا ہے وہم اور مشکلات میں سہارا ڈھونڈتا ہے۔ بسا اوقات، ستارہ شناسی یا کاہن کوئی صحیح خبر دے دیتا ہے، تو اس کی وجہ سے انسان کو شیطان اس واقعہ کو بڑھا کر اہمیت دکھا کر، اس کے یقین کو ستاروں یا کاہنوں کی طرف موڑ کر ایمان میں کمی کر دیتا

ہے۔ اس لئے احادیث میں کاہنوں کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے اور کاہن کی آمدن حرام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ستاروں کے علم سے اقتباس کیا، اس نے جادو سے اقتباس کیا (سنن ابی داؤد)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنے بعد اپنی امت پر پانچ چیزوں کا خطرہ ہے۔ تقدیر کی تکذیب کرنا اور ستاروں کی تصدیق کرنا (ابو یعلیٰ نے دو کا ذکر کیا ہے۔ مسند ابو یعلیٰ)۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مجھے اپنی امت پر تین چیزوں کا خطرہ ہے، ستاروں سے بارش طلب کرنا، سلطان کا ظلم کرنا اور تقدیر کی تکذیب کرنا (مسند احمد)۔ اس کی ایک تعبیر ستاروں سے بارش سے مراد کاہلی، سلطان کا ظلم انسانی حقوق کی پامالی اور تقدیر کی تکذیب، ایمان کی کمی ہے۔

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؁

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ؁

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بلاشبہ وہ (خیال کی) ہر وادی میں بھٹکے پھرتے ہیں۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ؁

اور بلاشبہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے۔

شاعری اور شعراء:۔

کفار مکہ، قرآن مجید کی بعض سورتیں یا ایات جو مقفع اور ایک وزن پر ہیں۔ قیامت، جنت، دوزخ کے احوال کو، ایک اچھوتا خیال تصور کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور ساحر اور قرآن مجید کلام الٰہی کے بجائے شاعری کہتے تھے۔ ان کے ان خیالات کی تردید کی گئی ہے۔ شعر کا معنی معروف و مشہور ہے، جمع اشعار ہے۔ شعر، بال کو بھی کہتے ہیں جو باریک ہوتا ہے اور اشعار میں دقیق و باریک مضمون ہوتا ہے۔ لغت میں اس کا معنی علم بھی ہے اور اصطلاح میں اس کلام کو شعر کہتے ہیں جس میں قصداً کلام کے آخری الفاظ کو ایک وزن اور ایک قافیہ پر لایا گیا ہو۔

شاعری انسانی دماغ کا کرشمہ ہے۔ عربوں میں شاعری عام تھی، شعر میں عبارت مقفع ہوتی ہے اور آخر میں الفاظ کا وزن ایک جیسا ہوتا ہے۔ مختلف خیالات ہوتے ہیں جن کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ پھر شاعر اپنے مقاصد یعنی انعام یا خوف کی وجہ سے اوصاف کو بڑھا چڑھا کر یا غلط مذمت کر کے جان بچاتا ہے۔ شاعری کے خیالات زیادہ فرضی اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اسلئے کلام میں جھوٹ زیادہ ہوتا ہے۔ غزل، قصیدہ، نظم، مرثیہ اور حماسہ (جنگی شاعری) سب مبالغہ سے بھرے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے شاعر کو جھوٹا بھی سمجھا جاتا ہے۔

شاعر جن اعمال کی اشعار میں ترغیب دیتے ہیں، سخاوت، بخل کی مذمت، پاکیزگی و پاکبازی، سچ اور عدل کی تعریف کرتے ہیں لیکن ذاتی زندگی میں کنجوس، بے حیائی اور غلط کام کرتے ہیں اور محض تخیلات و تصورات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہیں جو واقعات میں نہیں پائے جاتے۔

یہ شاعری عام طور پر جنسی رومانوی، قصیدے، جنگ و جدل پر مشتمل ہوتی ہے جسے پیشہ ور شاعر اپنی روزی / آمدن کے لئے استعمال کرتے ہیں اور غلط تعریف یا تنقید کے ذریعے غلط امور پر ابھارتے ہیں جو عمومی طور پر اسلام کے اعلیٰ اقدار کے منافی ہوتے ہیں۔ ان امور کی بناء پر نبی ﷺ نے شاعری بالخصوص اس قسم کو ناپسند فرمایا۔ آپ نے فرمایا: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ اشعار سے بھر جائے (بخاری و مسلم)۔ اس سے مراد شاعری ذریعہ آمدن بنے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے عشاء کے بعد شعر پڑھا، اس کی اس رات کی نماز قبول نہیں ہوگی (مسند احمد)۔ مقصود اللہ کے ذکر کے ساتھ سونا ہے۔ علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے یعنی گناہ پر اکسائے، اعتقادات میں شکوک اور روحانی بیماریاں پیدا کرے وہ بھی مذموم (برے) اشعار کی طرح ہے لیکن شعر بذات خود برا نہیں اس کی اجازت بھی آیت میں ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کا بکثرت ذکر کیا اور جب ان پر ظلم ہوا، تو اس کے بعد انہوں نے بدلہ لیا اور ظالم لوگ جلد جان لیں گے وہ کونسی لوٹنے کی جگہ لوٹیں گے۔

وہ اشعار جو حکمت اور دانائی سے بھرپور ہوں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اللہ کے ہاں مقبول ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ شاعر کا کردار بہت اچھا ہو، ایمان اور اچھے اعمال سے متصف ہو۔ جھوٹ، غلو اور فحش خیالات سے خالی ہو، کچھ اشعار جو حکیمانہ وعظ و نصیحت اور مضامین پر مشتمل ہوں وہ باعث ثواب و اجر ہیں، جب کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں (ان من الشعر حکمۃ۔ بخاری شریف)۔ وہ اشعار جن میں اللہ کی واحدانیت، اسلام اور نیک اعمال سے الفت کا بیان ہو وہ مرغوب ہیں اور وہی حکمت والے ہیں۔

عمر بن الشرید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے امیہ بن ابی الصلت کے سو قافیہ تک اشعار سنے۔

جب شعراء کی مذمت کے بارے آیت نازل ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جو شعراء تھے روتے ہوئے آئے اور عرض کی ہم بھی شعر کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا آیت کا آخری حصہ پڑھو

جس میں استثناء ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور کی مدح اور کفار کی ہجو کا بڑی شدت سے جواب دیا۔ تلوار کے ساتھ ساتھ زبان کے ذریعہ بھی جہاد کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دعا دی کہ جبرئیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی وہ لبید ہے۔ وہ لبید کی بات یہ ہے: الا کل شئ ماخلا اللہ باطل: سنو اللہ کے سوا ہر چیز فانی (باطل) ہے، (بخاری / مسلم)۔ امام بخاری فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، شعر کہا کرتی تھیں۔ طبری نے کبار صحابہ اور کبار تابعین کے متعلق کہا ہے کہ وہ شعر کہتے تھے سنتے اور سناتے تھے۔

الحمد للہ 26 رمضان المبارک 1433 ھجری بمطابق 27 اپریل 2022 عیسوی کو سورۃ الشعراء اختتام کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ بقایا تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین